جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

حصہ 6

آتش فشاں

راوی: وجدان علی تحریر: اقبال کاظمی

ظلم و ستم کے شعلوں میں جلنے والے ایک معصوم ذہن کی لرزہ خیز سرگزشت

وہ اپنے ماں باپ کے بہیمانہ قتل کا عینی شاہد تھا۔ اس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا اور اس کا دماغ کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔ اس کے شب و روز کی ہر کروٹ اس کے لئے نت نئے ہنگاموں کی پیامبر تھی۔ بے رحم و سفاک قاتل اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا پہچانتا تھا لیکن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس کی ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ جہاں وہ ان درندوں سے محفوظ رہ کر خود کو اتنا توانا و طاقت ور بنا سکے کہ وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں بالآخر قدرت اسے ایک ایسی جگہ لے گئی جہاں اس کی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔

اک نوجوان ہوٹل کے ہیرا پھیری کا احوال ہوا چاک ہوئی آبروؤں کی تو رو پڑا آنچل

اچانک ایک آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ یوں لگا تھا جیسے سامنے کی راہداری میں کوئی چیز گری ہو۔ میں نے اٹھ کر آہستگی سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکنے لگا۔

راہداری میں بائیں طرف مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور دائیں طرف' جس طرف باتھ روم تھا' ایک گملا الٹا ہوا تھا اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی انسانی ہیولا بڑی تیزی سے باتھ روم میں گھسا ہو۔

ہو سکتا ہے وہ ہوٹل میں ٹھہرا ہوا کوئی ایسا شخص ہو جسے اس وقت باتھ روم میں جانے کی ضرورت پیش آگئی ہو اور راہداری میں رکھا ہوا گملا اس کے پیر کی ٹھوکر سے گر گیا ہو لیکن میں مطمئن نہیں تھا۔ میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بھیڑ دیا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس قسم کے چھوٹے ہوٹلوں میں چوری کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔

ایک منٹ بعد میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ایک سایہ باتھ روم کے قریب راہداری میں دائیں طرف مڑتا نظر آیا۔ اس طرف بھی چند کمرے تھے۔

میرے شک کو تقویت مل رہی تھی۔ کسی جگہ کسی گڑبڑ کے آثار نظر آئیں اور میں خاموش بیٹھا رہوں' یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ میں اپنے کمرے سے باہر آگیا اور دروازہ بند کر کے آہستگی سے باہر سے کنڈا لگا دیا اور دبے قدموں باتھ روم کی طرف چلنے لگا۔ راہداری کے موڑ پر پہنچ کر میں رکا اور جھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس راہداری میں بھی کمرے تھے اور ایک سائے کو میں نے دوسرے کمرے کے دروازے میں داخل ہوتے دیکھا۔

میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا سوچ رہا تھا کہ مجھے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟ لیکن میری چھٹی حس مسلسل مجھے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر اتفاق سے اس وقت ہوٹل کا کوئی مہمان اپنے کمرے سے نکل آئے تو مجھے یہاں کھڑے دیکھ کر کیا سوچے گا۔ ہو سکتا ہے وہ چور چور کا شور مچاتے ہوئے مجھ سے لپٹ جائے۔

میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کمرے سے اٹھا پٹخ اور غراہٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں تیزی سے آگے بڑھا۔ صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں مجھے دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں نے جھری سے آنکھ لگا کر اندر جھانکنے کی کوشش کی تو اندر سے کوئی شخص دھڑ سے دروازے سے ٹکرایا۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

اندر سے مار پیٹ اور غراہٹوں کی آوازیں تیز ہو گئی تھیں۔ میں نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

کمرے کے اندر کا منظر بڑا سنسنی خیز اور خوفناک تھا۔ دو آدمی' جن کے چہروں پر نقاب لگے ہوئے تھے' ایک آدمی کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور پٹنے والے اس آدمی کو دیکھ کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ وہی لمبا تڑنگا آدمی تھا جس پر مجھے پولیس والا ہونے کا شبہ تھا۔ وہ سلیپنگ سوٹ میں تھا۔

ایک نقاب پوش کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ بار بار حملے کررہا تھا۔ سلیپنگ سوٹ والا دراز قامت آدمی نہ صرف دوسرے نقاب پوش سے نمٹ رہا تھا بلکہ خنجر کے حملوں سے بھی بچ رہا تھا۔

لمبے قد والے پر اگرچہ مجھے شبہ تھا کہ وہ میری نگرانی کررہا ہے لیکن اس سے مجھے اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور اس وقت وہ جس خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھا' میری ہمدردی کا مستحق تھا۔

خنجر والے نقاب پوش نے ایک بار پھر حملہ کرنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ میں نے لپک کر اسے گرفت میں لے لیا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ اوپر ہی اٹھا رہ گیا۔ میں نے اسے گھما کر چھوڑا۔ وہ کرسی سے گر کر دیوار سے ٹکرایا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ کرسی کی پشت اور سیٹ کے درمیانی خلا میں چلا گیا۔ میں نے اس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اس طرح جھٹکے لگنے سے اس کا چہرہ بار بار کرسی سے ٹکرا رہا تھا۔

میں نے اس کے بازو کو موڑا تو خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ میں خنجر اٹھانے کے لیے جیسے ہی جھکا اس شخص نے الٹے ہاتھ سے زوردار گھونسا میری گردن پر رسید کردیا۔ میرے منہ سے کراہ سی نکل گئی اور میں مزید نیچے جھکتا چلا گیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ میری گرفت سے چھوٹ گیا۔ میں نے اٹھنا چاہا تو اس شخص نے میری گردن سے ذرا نیچے شولڈر بلیڈز کے درمیان ریڑھ کی ہڈی پر ایک اور زوردار گھونسا جڑ دیا۔ یہ ضرب ہتھوڑے کی طرح وزنی تھی لیکن میں اس وار کو برداشت کرگیا اور بڑی تیزی سے پلٹ کر اپنے حریف پر حملہ آور ہوا اور اسے گھونسے مارتا ہوا دوسری دیوار تک لے گیا۔

اور پھر اسی لمحے کمرا فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ میرے ہاتھ رک گئے۔ میرا حریف بھی ایک لمحے کو ساکت ہوگیا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ سلیپنگ سوٹ والے لمبے تڑنگے آدمی کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا نقاب پوش حریف لڑکھڑاتا ہوا بیڈ کے دوسری طرف ڈھیر ہوگیا۔ اس کے سینے پر عین دل کے مقام سے شرٹ پر خون کا دھبا نمودار ہو کر پھیلتا چلا گیا تھا۔

میرے حریف نے یہ صورتِ حال دیکھی تو باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے بھی اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتا ہوا دروازے سے باہر راہداری میں گرا۔

سلیپنگ سوٹ والا بھی چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر آگیا اور نقاب پوش پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

"ہمت سنگھ۔ چھوڑ دو اسے۔ اب یہ کہیں نہیں جائے گا۔" سلیپنگ سوٹ والے نے کہا اور پھر نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے غرایا "اٹھ کر دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔ کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو گولی ماردوں گا۔"

میں اس نقاب پوش کو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور پھر اسی وقت دھڑا دھڑ مختلف کمروں کے دروازے کھلنے لگے۔ پورے ہوٹل میں شور سا مچ گیا۔ لوگ اس راہداری میں جمع ہونے لگے۔ ہوٹل کا منیجر بھی آنکھیں ملتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"کیا ہوا۔ یہ گولی کیسے چلی تھی اور۔۔۔" وہ آگے بڑھا تو صورتِ حال دیکھ کر ایک دم خاموش ہوگیا۔

"پولیس کو فون کرو منیجر۔ کہنا یہاں ایک قتل ہوگیا ہے۔ فوراً پہنچیں۔" سلیپنگ سوٹ والے نے کہا۔

"قتل۔۔۔ قتل۔۔۔" منیجر ہکلا گیا "کون قتل ہوا۔ لاش کہاں ہے؟"

"لاش کمرے میں ہے۔ تم جاکر پولیس کو فون کردو۔" اس شخص نے کہا۔

منیجر واپس بھاگ گیا۔ قتل کا سن کر وہاں جمع ہونے والے لوگ بھی اپنے کمروں کا رخ کرنے لگے۔ سلیپنگ سوٹ والے نے نقاب پوش کی تلاشی لی اور اسے دھکیلتا ہوا کمرے میں لے آیا۔

"ہمت سنگھ! اس کا نقاب اتارو اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" وہ شخص بولا۔

میں نے ایک ادنیٰ غلام کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے چہرے پر وہ نقاب دراصل ایک موزہ تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے موزہ اس کے سر پر سے کھینچ لیا اور اس سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے۔

"دیوار کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور ہلنے کی کوشش مت کرنا ورنہ گولی ماردوں گا۔" سلیپنگ سوٹ والے نے اسے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور وہ چیختا ہوا دیوار کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے رقص کرنے لگے تھے۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ہمت سنگھ۔" سلیپنگ سوٹ والا میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اگر تم بروقت یہاں نہ پہنچ جاتے تو یہ لوگ مجھے قتل کردیتے۔"

"تت۔۔۔ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" میں نے

پوچھا۔

"تم شاید بھول گئے ہو کہ میں تم لوگوں کے ساتھ بس میں سفر کرچکا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تمہاری پتنی نے تمہیں کئی بار اس نام سے مخاطب کیا تھا۔ یہ نام میرے لیے غیر معمولی تھا۔ اس لیے مجھے یاد رہا۔ ویسے تمہاری پتنی۔۔۔"

"وہ کمرے میں ہے اور میں نے دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا "گولی کی آواز اور شور اس نے بھی سنا ہوگا۔ وہ ضرور پریشان ہورہی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس نے کہا "میں اس معاملے سے نمٹ کر تم سے ملوں گا۔ ویسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

میں کمرے سے باہر آگیا۔ راہداری میں اب بھی کئی لوگ جمع تھے۔ ایک دو آدمیوں نے مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن میں جواب دیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ اس شخص نے کہا تھا کہ اس معاملے سے نمٹ کر بعد میں مجھ سے ملاقات کرے گا لیکن مجھے یقین تھا کہ پولیس اسے قتل کے الزام میں دھر لے گی اور اس کے بعد شاید وہ اپنے وکیل سے بھی ملاقات کرسکے گا تو حوالات کی سلاخوں کے پیچھے رہ کر۔

بلا جاگ رہی تھی اور خاصی پریشان تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر میری طرف لپکی۔

"کیا ہوا۔ فائر کی آواز کیسی تھی اور تم کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کرڈالے۔

"دو نقاب پوشوں نے اس شخص کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی جس پر ہمیں بھی شبہ تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا۔۔۔؟" بلا اچھل پڑی "اس ہوٹل میں۔ وہ اس وقت یہاں کیا کررہا تھا۔"

"وہ اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔" میں نے کہا "ہم تو تین بجے اپنے کمرے میں بند ہو کر سوگئے تھے اور رات آٹھ بجے میرے نے ہمیں جگایا تھا پھر ہم باہر چلے گئے تھے۔ اسے اس ریسٹورنٹ میں بھی دیکھا جہاں ہم نے کھانا کھایا تھا اور پھر اس ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر بھی۔ اگر ہم پانچ گھنٹے سو کر وقت ضائع نہ کرتے تو ہمیں پتا چل جاتا کہ وہ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ بہرحال۔" میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اس واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔

"اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو۔۔۔؟" بلا میرے خاموش ہونے پر بولی "کیوں گئے تھے مجھے چھوڑ کے۔"

"تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میرا کسی معاملے میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن ایک خطرناک صورتِ حال دیکھ کر اپنے آپ کو روک بھی نہیں سکا۔"

ہماری باتیں جاری تھیں۔ ہوٹل میں لوگوں کے آنے جانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ابھی آدھا گھنٹا بھی نہیں گزرا تھا کہ پولیس آگئی۔ میں بھی بلا کو دروازہ اندر سے بند کرلینے کی ہدایت دیتا ہوا کمرے سے نکل کر اس کمرے کی طرف چل دیا۔

نصف درجن مسلح پولیس والے تھے۔ جنہوں نے لوگوں کو دور ہٹا دیا تھا۔ مجھے بھی روک لیا گیا لیکن سلیپنگ سوٹ والے نے مجھے دیکھ کر آگے بلا لیا۔

اس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر پولیس انسپکٹر کو دے دیا۔ انسپکٹر نے کارڈ دیکھا اور کھٹ سے سلیوٹ جھاڑ دیا۔ اس کے ماتحتوں نے بھی ایڑیاں بجا دیں اور رائفلیں جھکالیں۔ میرا خیال تھا کہ پولیس آتے ہی اسے ہتھکڑی پہنا دے گی لیکن پولیس والے تو اسے سلیوٹ کررہے تھے۔

"ہمت سنگھ!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم اپنے کمرے میں چلو۔ میں فارغ ہو کر وہیں آتا ہوں پھر آرام سے بات کریں گے۔"

میرا خیال تھا کہ مجھے گواہی وغیرہ کے لیے روکا جائے گا میرا بیان لیا جائے گا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

پولیس والے اپنی کارروائی مکمل کرکے لاش اٹھا کر لے گئے۔ پکڑے جانے والے نقاب پوش کو بھی پولیس ہتھکڑی لگا کر لے گئی تھی۔ اس وقت چار بج چکے تھے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہی شخص کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میں نے اخلاقاً اسے اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔ بلا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر سمٹ گئی اس نے کمبل اچھی طرح اوڑھ لیا تھا۔ میں اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا اور اس شخص کو بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کردی۔

اس کے بارے میں میرا کم از کم یہ شبہ درست نکلا تھا کہ اس کا تعلق خفیہ پولیس سے تھا لیکن دوسرے شبہات غلط ثابت ہوئے کہ وہ ہماری نگرانی کررہا ہے۔ وہ سی بی آئی کا آفیسر اعظم خان تھا۔ اس کا عہدہ اگرچہ انسپکٹر تھا لیکن آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹیز ہونے کی وجہ سے اسے بے پناہ اختیارات حاصل تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس کا کارڈ دیکھ کر اس کا ہم

رتبہ انسپکٹر اسے سلیوٹ کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

اعظم خان ہمارے کمرے میں آنے سے پہلے منیجر کو چائے کے لیے کہہ کر آیا تھا۔ چنانچہ پندرہ بیس منٹ بعد چائے بھی آگئی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے باتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

انسپکٹر اعظم خان کی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔ وہ بیس سال کی عمر میں کانسٹیبل کی حیثیت سے پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس نے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور پرائیویٹ امتحان دے کر تعلیمی میدان میں بھی آگے بڑھتا رہا۔

وہ ایک ذمے دار، فرض شناس اور دلیر پولیس اہلکار ثابت ہوا تھا۔ انہی صفات کی بنا پر وہ ترقی بھی کرتا رہا اور بالآخر وہ انسپکٹر کے عہدے پر پہنچ گیا۔ وہ ماسٹرز کرنے کے بعد کرمنالوجی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کرچکا تھا۔ وہ جرائم پیشہ افراد کی نفسیات سے خوب واقف تھا اور مشکل سے مشکل کیس کو حل کردینے میں اسے ملکہ حاصل تھا۔

اسے تین مرتبہ انسپکٹر سے اوپر کے عہدے پر ترقی دی گئی لیکن اس نے ہر مرتبہ یہ ترقی قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس کا موقف تھا کہ وہ دفتر میں بیٹھ کر کوئی کام نہیں کرسکے گا۔ اس کی صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا۔

اعظم خان کو سی بی آئی میں بھیج دیا گیا اور او' ایس' ڈی بنا کر اس کے اختیارات میں اضافہ کردیا گیا۔ اس نے اپنی ذہانت اور دلیری کے بل بوتے پر کئی اہم ترین کیس حاصل کیے تھے۔ سی بی آئی میں خدمات انجام دیتے ہوئے اس کا واسطہ ایسے سیاست دانوں سے بھی پڑا تھا جو کرپشن کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔ اسے دھمکیاں بھی دی گئیں۔ سیاسی دباؤ بھی ڈالا گیا لیکن وہ نہ تو دھمکیوں سے مرعوب ہوا اور نہ ہی کسی دباؤ میں آیا۔ ملک کے جس حصے میں اس کی ضرورت ہوتی اسے وہاں بھیج دیا جاتا اور وہ ہمیشہ ہی سرخ رو ہوا۔

کچھ عرصے پہلے حکومت کو اپنے خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ کھٹمنڈو میں ایک ایسے جرائم پیشہ گروہ کی سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں جو نیپال میں سیاسی انتشار پیدا کرکے ہندوستان اور نیپال کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس گروہ کو ہانگ کانگ کی خوفناک مافیا تنظیم ٹریاڈ کی حمایت بھی حاصل ہے۔ ٹریاڈ (TRIAD) کی تنظیم دراصل نیپال کے بعض علاقوں میں افیون کی کاشت پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اس جرائم پیشہ گروہ کا منصوبہ یہ تھا کہ افراتفری پیدا کرکے دونوں ملکوں کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کیا جائے۔ اس طرح ان لوگوں کو یہاں قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔ وہ گروہ اپنے آدمی سیاست میں داخل کردے گا۔ اس منصوبے میں بعض سیاسی شخصیات کا قتل بھی شامل تھا۔ ان میں نیپال کے علاوہ ہندوستان کی بعض سیاسی شخصیات کے نام بھی شامل تھے جو وقتاً فوقتاً ذاتی یا سرکاری دوروں پر نیپال جاتے رہتے تھے۔

انسپکٹر اعظم خان ان دنوں چندی گڑھ میں تعینات تھا۔ اسے اسی گروہ کا سراغ لگانے کے لیے کھٹمنڈو جانے کے احکامات دے دیے گئے۔ نیپال کی پولیس کو بھی اس سے تعاون کے احکامات مل چکے تھے۔

انسپکٹر اعظم خان اگر چاہتا تو چندی گڑھ سے دہلی جاتا اور وہاں سے جہاز پر سوار ہوکر کھٹمنڈو پہنچ جاتا لیکن رازداری کے خیال سے اس نے سفر کا دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ چندی گڑھ سے بذریعہ ٹرین انبالہ سے ہوتا ہوا سہارن پور آیا تھا اور اس سے آگے بسوں کا سفر شروع ہوگیا تھا۔ اسے تنک پور سے سرحد پار کرکے نیپال میں داخل ہونا تھا۔ سرحد پار کرکے بھی اسے سیکڑوں میل کا سفر بسوں کے ذریعے ہی طے کرنا تھا۔

اس کے پروگرام اور روانگی کو اگرچہ رازداری میں رکھا گیا تھا لیکن دشمنوں کو کسی طرح پتا چل گیا تھا اور اسے سرحد پار کرنے سے پہلے ہی قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن میری مداخلت سے نہ صرف اعظم خان کی جان بچ گئی تھی بلکہ اس کا ایک دشمن مارا گیا تھا اور دوسرا پکڑا گیا تھا جس سے وہ بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

"تم نے نہ صرف میری جان بچائی بلکہ ہند سرکار پر بھی بہت بڑا احسان کیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "میں ذاتی طور پر تو شاید اس کا بدلہ نہ اتار سکوں لیکن کوشش کروں گا کہ ہند سرکار سے تمہارے لیے کچھ....."

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ میرے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں درجنوں آدمی میرے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ اگر وہ میری اصلیت جان لیتا تو شاید میرا اتنا احسان مند نہ ہوتا بلکہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا کر خوشی محسوس کرتا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "میں نے تو تمہیں اپنا محسن سمجھ کر اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ اب تم بھی کچھ بتاؤ۔ کیا یہ واقعی تمہاری بہن ہے اور تم نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا وہ درست ہے؟"

میں اچھل پڑا۔ بلا بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"بس میں تم سے ملاقات ہوئی تھی تو مجھے شک ہوگیا تھا کہ تمہارا تعلق پولیس یا کسی ایجنسی سے ہے اور میرا یہ شبہ درست نکلا۔" میں نے کہا "اور تم نے ہمارے بارے میں جو اندازہ لگایا ہے وہ بھی درست ہے۔ بلا میری بہن نہیں دوست ہے۔"

"دوست!" وہ حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی بلا کو دیکھنے لگا "میرا خیال ہے یہ دوستی کچھ زیادہ ہی گہری نہیں؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ بلا میری دوست ہے' رکھیل نہیں اور نہ ہی میں اسے بھگا کر لایا ہوں۔ یہ ہے پور کے ایک بہت بڑے اور مشہور پنڈت رام سروپ کی بیٹی ہے اور ہم سیرو تفریح کے لیے نہیں ایک مشن پر نکلے ہوئے ہیں اور جب تک یہ مشن پورا نہیں ہوتا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

"کیا میں اس مشن کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں۔" اعظم خان نے کہا۔

"وہ مشن۔" میں نے بلا کی طرف دیکھا اور پھر اعظم خان کی طرف رخ کرکے بات جاری رکھی "جے پور کا ایک بدمعاش ایم پی بلا کی بہن کو اغوا کرکے بھاگا ہوا ہے۔ ہم اس کا پیچھا کررہے ہیں۔ نینی تال میں وہ ہمارے ہاتھ آتے آتے رہ گیا تھا۔ یہاں آکر پتا چلا کہ وہ تنک پور کی طرف نکل گیا ہے۔ ہمیں بس نہیں مل سکی جس وجہ سے ہمیں رات یہاں رہنا پڑا۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ نیپال کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے کچھ مشکلیں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن ہم اس شیطان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"جے پور کا ایم پی۔" اعظم خان بڑبڑایا "تم دیش مکھ کی بات تو نہیں کررہے؟"

"ہاں وہی۔" میں ایک دم بول پڑا "تم جانتے ہو اسے؟"

"دیش مکھ کو کون نہیں جانتا۔" اعظم خان نے گہرا سانس لیا "چند مہینے پہلے مجھے دہلی میں اس کا فائل دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ سرکار ایسے تمام ایم پیز اور سیاست دانوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے جو کرپشن میں ملوث ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے بیشتر سیاست داں گندگی کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں اور بعض تو اس معاملے میں بہت بدنام ہیں اور ان میں دیش مکھ سرفہرست ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اس کا فائل خاصا ضخیم ہوچکا ہے۔ چند مہینے پہلے کسی عورت کے حوالے سے اس کا ایک اور اسکینڈل سامنے آیا تھا۔ وہ کوئی دولت مند بیوہ ہے جس کے پلاٹ اور دوسری جائداد پر قبضہ کرنے کے لیے یہ اس سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا۔ سرکار اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے والی ہے اور میرا خیال ہے یہ کیس انسپکٹر گھوسلے کو دیا جانے والا تھا۔"

"یہ دولت مند بیوہ وہی ہے جسے وہ رشی کیش سے اغوا کرکے لے گیا ہے۔ یعنی بلا کی دیدی۔" میں نے کہا۔ میرے اس انکشاف پر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں نے اسے شوبھا کے بارے میں وہ سب کچھ بتادیا جو ضروری سمجھا۔ اس میں کچھ مبالغہ اور جھوٹ بھی شامل تھا لیکن انسپکٹر اعظم خان ایک گھاگ آدمی تھا۔ وہ اس کیس کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا اور اس نے میرا ایک جھوٹ پکڑ لیا تھا۔

"تم نے بتایا تھا کہ بلا پنڈت رام سروپ کی بیٹی ہے۔" وہ بولا "اس طرح یہ شوبھا کی بہن تو نہیں ہوئی۔ اس کی تو....."

"مجھے شوبھا دیدی نے ہی بالا ہے۔" مجھ سے پہلے بلا بول پڑی "شوبھا دیدی کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ مجھے اپنے پاس لے گئی تھی۔ وہ مجھے اپنی سگی بہنوں کی طرح مانتی تھی۔ میں بھی اسے بہت مانتی ہوں۔ وہ شیطان اگر اسے نیپال کی طرف لے گیا تو....."

"تم فکر مت کرو۔" اعظم خان نے اس کی بات کاٹ دی "اگر اس نے نیپال کا رخ کیا تو سیدھا کھٹمنڈو جائے گا اور میں جانتا ہوں کھٹمنڈو میں وہ کہاں ملے گا۔"

"لیکن ہم کھٹمنڈو کیسے جاسکیں گے۔ ہمارے پاس تو....."

"میں ہوں نا۔" انسپکٹر خان نے میری بات کاٹ دی "میں تم لوگوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ تم نے میری زندگی بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے۔ میں اس کا بدلہ تو نہیں چکا سکتا لیکن اس معاملے میں تمہاری تھوڑی بہت مدد کرسکتا ہوں اور تمہارے کسی کام آکر مجھے خوشی ہوگی۔"

ہم ابھی باتیں کررہے تھے کہ دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ایک پولیس کانسٹیبل کو دیکھ کر چونک گیا۔

"کھان صاحب کو ملنے کا ہوں۔" کانسٹیبل نے کہا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ کانسٹیبل نے اندر داخل ہوکر انسپکٹر اعظم خان کو سلیوٹ کیا۔

"کیا بات ہے کانسٹیبل۔ کیسے آئے ہو۔ اس نے کچھ بتایا؟" اعظم خان نے پوچھا۔

"اس نے آتما ہتیا (خودکشی) کرلیا سرکار۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"کیا۔۔۔؟" اعظم خان ایک دم اچھل پڑا۔

"اس کے پاس کوئی زہریلا کیپسول تھا سر جسے اس نے نگل لیا۔ اس کو بچانے کا بہت کوشش کیا۔ ڈاکٹر کو بلایا مگر وہ مرگیا۔" کانسٹیبل نے بتایا۔

"تم لوگ آرام کرو۔ میں آتا ہوں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے اس سے کچھ معلوم ہونے کی توقع تھی لیکن بہت گڑبڑ ہوگئی۔ بہرحال' میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں اور ہم آج ہی کسی وقت تنگ پور روانہ ہوجائیں گے۔"

"پہلی بس آٹھ بجے روانہ ہوتی ہے یہاں سے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ میں بندوبست کرلوں گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ کانسٹیبل نے مڑکر بلا کی طرف دیکھا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

میں نے دروازہ بند کردیا اور بلا کے قریب پلنگ پر لیٹ گیا۔ رات بھر کرسی پر بیٹھے رہنے سے میں تھک گیا تھا اور کچھ دیر لیٹ کر کمر سیدھی کرلینا چاہتا تھا۔ بلا بھی لیٹ گئی اور کمبل اوپر کھینچ لیا۔ ہم کچھ دیر تک انسپکٹر اعظم خان کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

دروازے پر دستک کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ بلا بھی جاگ گئی تھی میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ وہی پولیس کانسٹیبل تھا۔

"کھان صاحب بولا آپ لوگ تیار ہوجاؤ۔ ایک گھنٹے بعد یہاں سے جانے کا ہے۔" اس نے میرے کندھے کے اوپر سے کمرے میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تیار رہیں گے۔" میں نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔

اس وقت نو بج رہے تھے۔ آٹھ بجے والی بس تو نکل چکی تھی لیکن انسپکٹر اعظم خان نے کچھ تو انتظام کیا ہی ہوگا۔

ہم نے آدھے گھنٹے میں تیاری مکمل کرلی۔ کچھ وقت ناشتے میں لگا۔ میں نے ہوٹل کا بل بھی چکا دیا۔ ہم انسپکٹر اعظم خان کا انتظار کرنے لگے۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہوٹل کے ایک ملازم نے آکر بتایا کہ ہمیں لینے کے لیے پولیس کی جیپ آچکی ہے۔ ہم اپنے کمبل اور تھیلا اٹھا کر باہر آگئے۔

وہ پولیس کی کھلی جیپ تھی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے مقامی پولیس کا وہی انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ والی سیٹ پر اعظم خان بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے وہی کل والا سفاری سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھی ہم نے تو تین چار گھنٹے آرام کرلیا تھا لیکن لگتا تھا کہ خان کو ایک لمحے کے لیے بھی آنکھیں بند کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

پیچھے والی سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ ایک سیٹ پر دو کانسٹیبل آٹومیٹک رائفلیں سنبھالے بیٹھے تھے۔ میں اور بلا سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور جیپ حرکت میں آگئی۔

قصبے کی حدود سے نکلتے ہی جیپ کی رفتار تیز ہوگئی۔ اعظم خان اپنی سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑکر بیٹھ گیا تھا۔ مجھ سے باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار اس بات پر افسوس کا اظہار کررہا تھا کہ پکڑے جانے والے حملہ آور سے کچھ معلوم نہیں ہوسکا تھا اور میں اپنی جگہ پر سوچ رہا تھا کہ وہ گروہ کس قدر طاقت ور ہوگا۔ مجھے ایسی باتوں کا تجربہ تھا۔ ایسے ہر گروہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑی طاقت ضرور ہوتی ہے۔ تھائی لینڈ میں شہنشاہ کے خلاف سازش کرنے والے گروہ کو گولڈن ٹرائی اینگل کے جنرل کھوراٹ کی پشت پناہی حاصل تھی اور ایسی طاقتیں بلاوجہ کسی گینگ کی پشت پناہی نہیں کرتیں۔ ان کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ جنرل کھوراٹ شہنشاہ کا تختہ الٹنے کے بعد تھائی لینڈ میں منشیات کی تجارت پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تھائی لینڈ کو راہداری کے طور پر استعمال کرکے وہ آزادی سے پوری دنیا میں منشیات کا زہر پھیلا سکتا تھا لیکن میں نے ان کا یہ گھناؤنا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا اور نیپال میں ٹریاڈ نامی تنظیم کسی گروہ کی پشت پناہی کررہی تھی۔ اس جرائم پیشہ گروہ کے مقاصد کچھ بھی ہوں لیکن ٹریاڈ کے عزائم واضح تھے۔ نیپال کے بیشتر اور خصوصاً جنوبی پہاڑی علاقے اور اس سے ملتے ہوئے بھارت کے شمالی علاقے' جن میں کچھ علاقہ یوپی کا اور اس کے ساتھ ہماچل پردیش کا علاقہ شامل تھا' پوست کی پیداوار کے لیے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ یہاں دنیا کی بہترین افیون' چرس اور ہیروئن تیار ہوتی تھی۔ نیپال کے علاوہ ان علاقوں کی سرحدیں تبت اور چین سے بھی ملتی تھیں اور ٹریاڈ انہی علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے نیپال میں افراتفری پھیلانے کے لیے اس گروہ کی پشت پناہی کررہا تھا۔ اس جیسی تنظیمیں بے پناہ وسائل کی مالک ہوتی ہیں۔ انسپکٹر اعظم خان کے پروگرام اور روانگی کو اگرچہ نہایت خفیہ رکھا گیا تھا لیکن انہوں نے پتا چلالیا تھا اور اسے نیپال کی سرحد پار کرنے سے پہلے ہی قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اس پر اس طرح کے مزید حملے بھی ہوں گے۔

یہ سب سیاسی کھیل تھے۔ کوئی دولت سمیٹنے کے چکر میں تھا' کوئی اپنے گرد طاقت جمع کرنا چاہتا تھا اور کوئی طاقت کے بل بوتے پر اپنے ملک کی سرحدوں کو پھیلانے کے چکر میں تھا۔ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اپنے اردگرد کے حالات سے آنکھیں بھی بند نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں کئی مہینوں سے ہندوستان میں تھا اور یہاں کی سیاست اور یہاں کے حالات سے بڑی حد تک واقف ہوچکا تھا۔

یہاں رہتے ہوئے یہ بات میں نے جانی تھی کہ ہندوستان کے حکمران شروع ہی سے اپنے ملک کی سرحدوں کو وسعت دینے کی کوشش میں تھے اور وہ ان کوششوں میں بتدریج کامیابیاں حاصل کرتے رہے تھے اور ان کی یہ گھناؤنی کوششیں اب بھی جاری تھیں۔ انہوں نے طاقت کے بل بوتے پر گوا کی آزاد ریاست پر قبضہ کیا۔ سکم اور بھوٹان پر بزور طاقت تسلط جمایا۔ ایک طرف آسام اور اور دوسری طرف کشمیر میں نصف صدی سے لڑائی جاری تھی۔ ان دونوں خطوں کے باشندے ہندوستان کے لیے لوہے کا چنا بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف نیپال تھا۔ یہاں ہند سرکار کی پالیسی مختلف تھی۔ یہاں دوستی کی آڑ میں پیر پھیلائے جارہے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہندوستان کا عمل دخل بڑھ رہا تھا۔ معیشت پر تو بھارت کے ہندو مکمل طور پر قابض ہوچکے تھے۔

نیپالی عوام بھارتی حکمرانوں کی اس گھناؤنی سازش سے بھی آگاہ ہوچکے تھے۔ ان میں بیداری پیدا ہورہی تھی۔ نیپال کے مختلف شہروں میں بھارت کے خلاف مظاہرہ ہوتے رہتے تھے اور جہاں تک میرا خیال تھا اس وقت بھی کوئی ایسی ہی صورت حال تھی۔ ممکن ہے کوئی نیپالی تنظیم کھل کر سامنے آگئی ہو۔ بھارت کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اسے جرائم پیشہ گروہ کا نام دے کر اس کی سرکوبی کا فیصلہ کرلیا۔ بہرحال' صورت حال کچھ بھی ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ مجھے تو دیش دکھ کی تلاش تھی اور اتفاق سے اعظم خان سے ملاقات ہوگئی تھی جو اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے کو تیار ہوگیا تھا۔ مجھے کسی اور معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔

کاٹھ گودام سے تقریباً بیس کلو میٹر آگے چور گلیا نامی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ بستی ہائی وے کے دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک کے کنارے پر دکانیں اور کئی چھوٹے چھوٹے ہوٹل تھے۔ جن کے سامنے کھلی جگہوں پر بھی میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

انسپکٹر نے جیپ ایک ہوٹل کے سامنے روک لی۔ یہ بستی کاٹھ گودام تھانے کی حدود میں تھی اور انسپکٹر اس طرف کے دورے کرتا رہتا تھا۔ جیپ رکتے ہی ہوٹل کا مالک دوڑ کر وہاں پہنچ گیا۔

"دھن بھاگ ہمارے۔" وہ پرنام کرتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں خوشامد کی جھلک نمایاں تھی "پدھاریے سرکار۔ بھوجن ہوگا یا چائے یا ٹھنڈا چلے گا۔" وہ کندھے پر پڑا ہوا پٹکا اتار کر ایک میز اور کرسیاں صاف کرنے لگا۔

"چائے پلاؤ رگھو صرف چائے اور جلدی کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں آگے جانا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں سرکار۔" رگھو نے جواب دیا۔

ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے جبکہ دونوں کانسٹیبل جیپ کے قریب ہی کھڑے ہوگئے تھے۔ دس منٹ بعد رگھو خود چائے لے کر آگیا۔ دو پلیٹوں میں کیک' پیسٹریاں اور بسکٹ وغیرہ بھی تھے۔ انسپکٹر نے کانسٹیبلوں کو بلا کر چائے کے دو کپ اور ایک پلیٹ ان کے حوالے کردی۔ میں نے چائے کا ایک کپ بلا کی طرف بڑھادیا اور دوسرا خود اٹھالیا۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ ہماری میز کے گرد لوگوں کا جمگھٹا سا لگ گیا۔ ایسی چھوٹی بستیوں میں تھانے دار کو راجا سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ اپنی فریادیں لے کر جمع ہورہے تھے۔

میں نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہی بلا کو اشارہ کیا اور کرسی سے اٹھ گیا۔ مجھے لگتا تھا کہ یہاں کم از کم آدھا پون گھنٹا ضرور لگ جائے گا اور میں اس دوران کچھ معلومات حاصل کرلینا چاہتا تھا۔

میری محنت رائگاں نہیں گئی۔ ایک ہوٹل سے پتا چل گیا کہ کل یہاں سے سرخ رنگ کی ایک موٹر گزری تھی جس میں ایک بیمار عورت اور دو آدمی تھے۔ انہوں نے اسی ہوٹل پر رک کر چائے پی تھی۔ ہوٹل کے مالک اور ملازم نے اس بیمار عورت اور ان دونوں آدمیوں کا جو حلیہ بتایا اس سے تصدیق ہوگئی کہ وہ شوبھا اور دیش دکھ ہی تھے۔

خلافِ توقع پندرہ بیس منٹ بعد ہی انسپکٹر جیپ میں بیٹھ گیا اور پھر ہمارے بیٹھتے ہی جیپ حرکت میں آگئی۔

چند میل تک میدانی علاقہ تھا۔ پہاڑیاں بہت دور تھیں لیکن کچھ اور فاصلہ طے ہونے کے بعد ہم ایک بار پھر پہاڑیوں میں داخل ہوگئے۔ سڑک ان پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی جارہی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور جیپ لہرا گئی۔ اس کے ساتھ ہی فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ بائیں

طرف کی پہاڑی سے جیپ پر فائرنگ کی جارہی تھی۔ ایک گولی نے جیپ کا آگے کا ایک ٹائر برسٹ کردیا تھا اور دوسری گولی میرے اور بلا کے درمیان سے گزرتی ہوئی سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک کانسٹیبل کے بائیں بازو میں لگی تھی۔ وہ کانسٹیبل چیختا ہوا اچھل پڑا تھا۔

انسپکٹر نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے جیپ کو سڑک سے اتار کر ایک چٹان کے قریب روک لیا۔ بلا بری طرح چیخ رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھلانگ لگا دی اور جیپ اور چٹان کے درمیان دبک کر بیٹھ گیا۔

اعظم خان، انسپکٹر اور دونوں کانسٹیبل بھی چھلانگ لگا کر جیپ سے اتر گئے تھے۔ بازو زخمی ہونے کے باوجود اس کانسٹیبل نے رائفل سنبھال لی تھی۔

"وہ سامنے پہاڑی پر۔" انسپکٹر چیخا۔ اس کے پاس اگرچہ ریوالور موجود تھا مگر اس نے بھی اپنی سیٹ کے پاس رکھی ہوئی آٹومیٹک رائفل اٹھالی تھی۔

دونوں کانسٹیبل اور انسپکٹر اندھا دھند پہاڑی پر فائرنگ کررہے تھے۔ جہاں سے فائرنگ ہورہی تھی۔

اور پھر ایک کانسٹیبل اور انسپکٹر دوڑتے ہوئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ زخمی کانسٹیبل وہیں رک گیا تھا۔ اعظم خان ہمارے قریب جیپ کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا اور خالی ہاتھ گن مینوں کا پیچھا کرنا حماقت ہی ہوتی اور اعظم خان اتنا احمق نہیں تھا۔

انسپکٹر اور کانسٹیبل تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آئے۔ کانسٹیبل نے ایک آدمی کو کندھے پر لاد رکھا تھا۔

وہ لاش تھی۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ اس کے خون سے کانسٹیبل کی شرٹ بھی سرخ ہورہی تھی۔ اس نے وہ لاش ہماری سیٹوں کے درمیان فرش پر ڈال دی۔

"دو تھے۔" انسپکٹر نے خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایک پہاڑیوں میں فرار ہوگیا۔ دوسرا آپ کے سامنے پڑا ہے۔"

اعظم خان لاش کے کپڑوں کی تلاش لینے لگا لیکن کچھ رقم اور چار بیڑیوں کے سوا کوئی کام کی چیز نہیں ملی۔ اس رقم میں دو نوٹ نیپالی کرنسی کے تھے جس سے بہرحال یہ طے ہوگیا کہ یہ حملہ بھی اعظم خان پر ہی ہوا تھا اور میرا اندازہ درست نکلا تھا کہ اس پر ایسے قاتلانہ حملے اور بھی ہوں گے اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس مرتبہ بھی بچ گیا تھا۔ پہلی گولی اس طرف کے آگے والے ٹائر پر لگی تھی جس طرف وہ بیٹھا ہوا تھا۔ نشانہ یقیناً اسے ہی بنایا گیا ہوگا لیکن گولی اس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر ٹائر میں لگی تھی۔

ہم بھی لپیٹ میں آگئے تھے لیکن ہماری بھی خوش قسمتی تھی کہ بال بال بچ گئے تھے۔ جیپ کی باڈی پر اس طرف کئی گولیاں لگی تھیں۔

دوسرا کانسٹیبل جیپ کا ٹائر تبدیل کرنے لگا۔ خان نے زخمی کانسٹیبل کے بازو پر اپنے رومال سے پٹی باندھ دی تھی لیکن اس کے زخم سے خون رس رہا تھا۔ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی اور یہ طبی امداد اسے ایک گھنٹے سے پہلے نہیں مل سکتی تھی۔

ٹائر تبدیل ہونے کے بعد ہمیں بیٹھنے کو کہا گیا تو بلا جیپ پر چڑھتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات تھے۔ سیٹوں کے درمیان وہ لاش پڑی تھی اور بلا جیسی لڑکی کے لیے لاش پر پیر رکھ کر بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔ اعظم خان نے صورت حال کو تاڑ لیا اور بلا کو اپنی سیٹ پر بٹھا کر خود میرے ساتھ بیٹھ گیا۔

جیپ ایک بار پھر تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ انسپکٹر والی رائفل اعظم خان نے لے لی تھی اور دونوں کانسٹیبل بھی چاق و چوبند بیٹھے سڑک کے اطراف میں پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد ہم پہاڑیوں سے نکل گئے۔ آگے کسی حد تک میدانی علاقہ تھا۔ پہاڑیاں بہت دور نظر آرہی تھیں اور میرا خیال ہے کوئی بھی پہاڑی تین چار ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ تاہم ان کے پیچھے شمال کی طرف یہ پہاڑی سلسلہ بتدریج بلندی اختیار کرتا چلا گیا تھا۔

کسی حادثے یا ناخوشگوار واقعے سے دوچار ہوئے بغیر ہم مزید چالیس منٹ بعد تنک پور پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑا قصبہ تھا۔ انسپکٹر نے جیپ اسپتال کے سامنے جاکر ہی روکی تھی۔

انسپکٹر جیپ سے اتر کر دونوں کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ بلا اگلی سیٹ پر بیٹھی رہی۔ میں اور اعظم خان بھی نیچے اتر آئے۔ اسپتال میں آنے والے لوگ جیپ میں پڑی ہوئی لاش دیکھ کر رکنے لگے اور بہت جلد وہاں جمگھٹا لگ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد کانسٹیبل کے ساتھ اسپتال کے دو ملازم اسٹریچر لے کر آگئے اور لاش کو اسٹریچر پر ڈال کر لے گئے۔ جیپ کے پچھلے حصے میں خون پھیلا ہوا تھا اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ میں نے بلا کو اشارہ کیا۔ وہ بھی جیپ سے اتر آئی۔

ہم اسپتال کے گیٹ کے اندر کی طرف ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر اپنے کانسٹیبلوں کے ساتھ تقریباً

آدھے گھنٹے بعد اسپتال سے برآمد ہوا تھا۔ زخمی سپاہی کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"آپ لوگ ہوٹل میں جاکر آرام کیجیے۔ میں فارغ ہوکر آتا ہوں۔ جیپ بھی صاف کروانی ہے۔ پچھلی طرف خون بکھرا ہوا ہے۔" انسپکٹر نے خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور زخمی بازو والے کانسٹیبل کو ہمارے ساتھ کردیا۔

نیپال کی سرحد پر واقع یہ قصبہ بیس پچیس ہزار کی آبادی پر مشتمل تھا۔ پیلی بھیت سے بھی ایک پختہ سڑک یہاں تک آئی تھی اور ایک پختہ سڑک نیپال کی سرحد کے دوسری طرف بھی چلی گئی تھی۔ بارونق قصبہ تھا۔ پرانی طرز کی عمارتیں تھیں۔

ہم کانسٹیبل کے ساتھ مختلف بازاروں میں گھومتے ہوئے ایک ہوٹل میں آگئے۔ یہ ہوٹل پرانی طرز کی ایک حویلی نما عمارت میں بنا ہوا تھا۔ چار دیواری کے اندر وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ جس کے کچھ حصے پر گھاس لگی ہوئی تھی اور باقی حصے میں مٹی اڑ رہی تھی۔ حویلی کی دو منزلہ عمارت بہت بڑی تھی۔ نیچے اوپر کئی کمرے تھے۔ مجھے اور بلا کو جو کمرا ملا وہ اوپر والی منزل کی راہداری کے عین آخر میں تھا۔ کمرے کے سامنے ایک کشادہ بالکونی تھی جس کے اوپر سائبان سا بنا ہوا تھا۔ اس بالکونی میں بیٹھ کر سامنے دور تک بازار کا نظارہ کیا جاسکتا تھا اور سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس کمرے میں باتھ روم بھی تھا اور ہمیں باہر راہداری میں کسی جگہ باتھ روم کے سامنے لائن میں کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

انسپکٹر اعظم خان کو گراؤنڈ فلور پر کمرا ملا تھا۔ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہوگئے تھے۔ میرے خیال میں یہ اس قصبے کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔ اسی لیے یہاں سب سے زیادہ رونق تھی۔

ایک گھنٹے بعد اعظم خان سے ہماری ملاقات ڈائننگ روم میں ہوئی۔ ڈائننگ روم بھی خاصا بڑا تھا اور میزیں کرسیاں بھی سلیقے سے لگی ہوئی تھیں۔ یہاں کا کھانا بھی لذیذ تھا۔

کھانے کے بعد اعظم خان کہیں چلا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ ہم چاہیں تو شہر میں گھوم پھر لیں لیکن رات نو بجے کے بعد ہم اپنے کمرے ہی میں رہیں کیونکہ عین ممکن ہے ہم لوگ رات ہی کے کسی حصے میں سرحد پار کرجائیں۔

کھانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آگئے۔ بلا تو بیڈ پر لیٹ گئی اور میں بالکونی میں بیٹھ کر سامنے بازار کا نظارہ کرنے لگا۔ بڑا بارونق بازار تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہمیشہ مجھ پر سستی سی طاری ہوجایا کرتی تھی۔ میں اٹھ کر اندر آگیا۔ بلا بھی خراٹے لے رہی تھی۔ بیڈ کافی کشادہ تھا۔ میں بھی ایک طرف لیٹ گیا۔

پانچ بجے کے قریب بلا نے مجھے جگا دیا۔ اس نے نہا کر کپڑے بدل لیے تھے اور خاصی تازہ دم لگ رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک بستر پر اینٹھتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے ساری تھکاوٹ اور کسل مندی دور ہوگئی۔

چھ بجے کے قریب ہم ہوٹل سے نکل کر بازار میں آگئے۔ اس وقت بھی بڑی گہما گہمی تھی۔ گاہکوں میں زیادہ تر دیہاتی قسم کے لوگ تھے۔ جو آس پاس کی بستیوں سے آئے ہوئے تھے اور اب انہیں واپس جانے کی جلدی تھی۔

ہم ٹہلتے ہوئے قصبے کے مرکزی چوراہے پر آگئے اور پھر چوراہے کے دوسری طرف ایک دکان کے سامنے سرخ رنگ کی ایک کار رکے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ یہ وہی کار تھی۔ نمبر بھی وہی تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہاں اس کار کی موجودگی کا مطلب تھا کہ دیش مکھ بھی یہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اسے ابھی تک سرحد پار کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ میں نے بلا کو اس طرف متوجہ کیا تو اس کے چہرے پر بھی سنسنی سی پھیل گئی۔

ایک جوان عورت دکان سے نکل کر کار میں بیٹھ رہی تھی۔ میں بلا کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا چوراہا خاصا بڑا تھا اور اس وقت یہاں بڑی گہما گہمی تھی۔ ہر قسم کا ٹریفک تھا۔ موٹریں بھی تھیں، سائیکل رکشا بھی۔ تانگے اور بیل گاڑیاں بھی۔ میں بلا کا ہاتھ پکڑے اسے کھینچتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک سائیکل سوار بلا سے ٹکرا گیا۔ بلا چیختی ہوئی سڑک پر گری۔ سائیکل سوار بھی گرا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

"اندھی ہو۔ نظر نہیں آتا۔ بیچ سڑک کے۔۔۔"

میرے گھونسے نے اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا۔ وہ چیختا ہوا پھر ڈھیر ہوگیا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس کی گردن مروڑ دیتا۔ میں بلا کا ہاتھ پکڑے ٹریفک سے بچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

وہ کار حرکت میں آکر آگے روانہ ہوچکی تھی۔ میں چوک کے عین بیچ میں تھا اور کوئی نہ کوئی گاڑی راستہ روک لیتی تھی۔ میں کئی مرتبہ کسی کاریا رکشا وغیرہ سے ٹکرایا تھا۔

ڈرائیور چیخ چیخ کر برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ایک بار تو میں ایک تانگے کے گھوڑے سے ٹکرا گیا اور بلا تانگے کے پہیے کے نیچے آتے آتے بچی تھی۔ وہ خوف زدہ انداز میں چیخ اٹھی تھی۔

اور جب ہم چوراہے کے دوسری طرف پہنچے تو وہ سرخ کار تقریباً سو گز آگے موڑ گھوم کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اکیلا ہوتا تو شاید اس کار کے پیچھے دوڑ لگا دیتا لیکن بلا میرے ساتھ تھی۔ لوگ پہلے ہی عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اگر ہم دوڑنا شروع کر دیتے تو پتا نہیں کیا صورت حال ہوتی۔

تقریباً دو منٹ بعد ایک آٹو رکشا ہمارے قریب آکر رکا۔ دو عورتیں اتر رہی تھیں۔ میں نے بلا کو رکشے میں دھکیلا اور خود بھی اچھل کر بیٹھ گیا۔

"کدھر جانے کا ہے مہاشے۔" ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپن ادھر پہلے چائے پینے کا ہے پھر کدھری جائیں گا۔"

"چائے بعد میں پی لینا۔ جلدی چلو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کونڈیا کو بھگا کر لایا ہے کیا؟ پولیس پیچھے لگا ہے؟" ڈرائیور نے کہا "نیچے اتر جاؤ۔ ہم کدھری نئیں جانے کا۔"

میں نے پتلون کے پائنچے سے خنجر نکال لیا "رکشا آگے بڑھاؤ۔ جلدی۔ ورنہ۔۔۔" میں نے خنجر کی نوک اس کے کندھے پر رکھ دی۔

ڈرائیور ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے رکشا اسٹارٹ کرنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

"تیز چلاؤ اور آگے موڑ پر بائیں طرف گھما لینا۔" میں نے اپنی سیٹ پر آگے جھکتے ہوئے کہا۔

رکشا کی رفتار تیز ہو گئی۔ بائیں طرف والی سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا لیکن سرخ کار کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ میں ڈرائیور کو رکشا زیادہ تیز چلانے پر اکساتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی میں دائیں بائیں کی سڑکوں اور گلیوں کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔

تقریباً نصف میل آگے آکے بائیں طرف کی ایک سڑک پر اس سرخ کار کی جھلک نظر آگئی۔ وہ تقریباً دو سو گز آگے ایک اور موڑ پر گھوم رہی تھی۔

"ادھر۔ اسی طرف۔" میں نے چیخ کر کہا۔

رکشا آگے نکل چکا تھا۔ روکتے روکتے بھی وہ پندرہ بیس گز آگے نکل گیا۔ ڈرائیور نے اسے گھما کر اس سڑک پر موڑ دیا۔ دو سو گز آگے جا کر میرے کہنے پر اس نے رکشا اس طرف موڑ لیا جس طرف وہ کار گئی تھی۔

یہ کشادہ گلی تھی۔ دونوں طرف پرانی طرز کے حویلی نما بڑے بڑے مکان تھے لیکن گلی دور تک خالی نظر آرہی تھی۔ سرخ گاڑی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ ایک مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میری نظر اس طرف اٹھ گئی۔ ایک آدمی گیٹ بند کر رہا تھا اور گیٹ کے اندر وہ سرخ کار نظر آگئی۔ میں نے کچھ آگے جا کر رکشا رکوا لیا اور دس روپے کا ایک نوٹ جیب سے نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ڈرائیور نے عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور رکشا بھگا کر لے گیا۔

میں راستے بھر اسی عورت کے بارے میں سوچتا رہا تھا جو چوراہے پر ایک دکان سے نکل کر کار میں بیٹھی تھی۔ وہ جوان عورت تھی اور اس نے ساڑی پہن رکھی تھی۔ میں یہی سوچتا رہا کہ وہ کون ہو سکتی ہے اور دیش مکھ سے اس کا کیا تعلق ہو گا لیکن۔۔۔ دیش مکھ جیسے لوگوں کو ایسی عورتوں کی کمی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے یہ عورت اس کی جاننے والی ہو اور دیش مکھ نے اس کے گھر میں پناہ لے رکھی ہو۔

"آؤ۔" میں نے مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بلا کو اشارہ کیا۔

"کیا کرنا چاہتے ہو؟" بلا کے لہجے میں وحشت تھی۔

"یہ اچھا موقع ہے۔" میں نے کہا "وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم اس طرح ان کے سر پر پہنچ جائیں گے۔ میں انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ان پر جھپٹ پڑنا چاہتا ہوں۔"

"حماقت مت کرو۔" بلا نے کہا "ہم نے ان کا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ انہیں کوئی شبہ بھی نہیں کہ وہ ہماری نظروں میں آگئے ہیں۔ اس وقت بہتر یہی ہے کہ ہم واپس چلیں اور اعظم خان کو صورت حال سے آگاہ کر دیں۔ وہ پولیس کے ساتھ یہاں ریڈ کرے گا تو یہاں سے کسی کو بھاگنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتا۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں نے کہا۔

گیٹ کے سامنے پہنچ کر میں نے جھری سے اندر جھانکا۔ وہ عورت برآمدے میں کھڑی تھی اور ڈرائیور کار کی پچھلی سیٹ سے کچھ پیکٹ وغیرہ اتار رہا تھا جس شخص نے گیٹ کھولا تھا وہ بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

میں زور زور سے گیٹ دھڑ دھڑانے لگا۔ وہ شخص تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیٹ کی طرف آگیا۔ اس نے چھوٹا دروازہ

کھول کر جیسے ہی باہر جھانکا میں نے اس کے منہ پر زوردار گھونسا جڑ دیا۔ وہ چیخ کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ میں چھلانگ لگا کر اندر آگیا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا۔ بلا بھی میرے پیچھے ہی اندر آگئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا۔ اس نے عقل مندی کی تھی کہ ہوٹل سے نکلتے وقت پستول اپنے لباس میں چھپا لیا تھا۔

"اے! کون ہو تم لوگ۔ ٹھہرو۔ تمہاری تو۔۔۔" ہٹا کٹا ڈرائیور دہاڑتا ہوا میری طرف لپکا۔

وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں نے اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ جڑ دیا۔ وہ بھی چیختا ہوا لڑکھڑا گیا۔

برآمدے میں کھڑی ہوئی عورت یہ صورت حال دیکھ کر بدحواس ہو گئی اور چیختی ہوئی دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔

"بلا۔ تم انہیں سنبھالو۔ میں اندر دیکھتا ہوں۔" میں چیختا ہوا برآمدے کی طرف دوڑا۔

دروازے کے دوسری طرف ایک مختصر سی راہداری تھی جس کے اختتام پر ایک وسیع ہال تھا۔ یہاں قالین بچھا ہوا تھا اور شان دار فرنیچر موجود تھا۔ وہ عورت ہال میں کھڑی چیخ چیخ کر کسی کو پکار رہی تھی۔ قالین پر دو نوجوان لڑکیاں اور ایک کم سن لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تینوں بھی مجھے دیکھ کر چیخنے لگے۔ اس دوران دائیں طرف کی راہداری سے ایک بوڑھا آدمی دوڑتا ہوا سامنے آگیا۔ اس نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا۔ وہ منحنی سا چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ سفید مونچھیں، گنجا سر اور ماتھے پر تلک۔ آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک تھی۔ اسے گاندھی کا ڈپلی کیٹ کہا جا سکتا تھا۔ وہ بھی مجھے اور میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر بدحواس ہو گیا۔ میں نے لپک کر ایک جوان لڑکی کو بائیں بازو میں لپیٹ کر خنجر اس کے گلے پر رکھ دیا۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے ورنہ گلا کاٹ دوں گا اس کا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

اسی دوران بلا بھی ڈرائیور اور دوسرے آدمی کو پستول کی زد پر دھکیلتی ہوئی اندر آگئی۔

"لک۔۔۔ کون ہو تم لوگ اور کیا چاہتے ہو؟" گاندھی کی صورت والا بوڑھا آدمی ہکلایا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔

"کہاں ہیں وہ لوگ۔ جلدی بتاؤ ورنہ میں اس کا گلا کاٹ دوں گا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"کون کہاں ہیں۔" بوڑھے نے ادھر ادھر دیکھا "ہم سب تو یہاں ہے۔ ہمارا پورا پریوار (خاندان) تمہارے سامنے ہے۔"

"میں دیش مکھ اور اس عورت کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"دیش مکھ۔" بوڑھے کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی "یہاں کوئی دیش مکھ یا کوئی اور عورت نہیں ہے۔"

"ان کا خیال رکھو بلا۔" میں نے لڑکی کو چھوڑ دیا "اگر کوئی گڑبڑ کی کوشش کرے تو گولی سے اڑا دینا۔ میں دیکھتا ہوں۔"

بلا نے ان سب کو ایک طرف کر کے پستول کی زد پر لے لیا۔ میں دوڑتا ہوا سامنے والی راہداری میں گھس گیا۔ اس راہداری میں دو کمرے تھے اور دونوں خالی تھے۔ دو کمرے ہال کے دوسری طرف تھے۔ ان میں بھی کوئی نہیں تھا میں زینے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

اوپر والی منزل پر بھی ایسا ہی ایک ہال اور چار کمرے تھے مگر وہ تمام کمرے بھی خالی تھے۔ میں ہال کا پچھلے والا دروازہ کھول کر عقبی ٹیرس پر آگیا اور ٹیرس کے آخری سرے پر جا کر عقبی لان میں بھی جھانک لیا۔ لان بھی سنسان تھا۔ کسی کمرے میں بھی ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے جس سے اندازہ ہوتا کہ کوئی افراتفری میں یہاں سے بھاگا ہو گا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ ہم نے اس قدر اچانک یہاں ہلا بولا تھا کہ کسی کو بھاگنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا تھا۔

میں نیچے آگیا۔ وہ سب لوگ ایک طرف جمع تھے اور بلا نے انہیں پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ اس نے پستول دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور انگلی ٹریگر پر تھی۔

کم سن لڑکا گاندھی کی شکل والے بوڑھے سے اور دونوں لڑکیاں اس عورت سے لپٹی ہوئی تھیں جس کا پیچھا کرتے ہوئے ہم یہاں تک آئے تھے۔ ان سب کے چہروں پر خوف کے سائے رقص کر رہے تھے۔ ڈرائیور اور چوکیدار بھی قالین پر سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔

"ہماری تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" میں نے بوڑھے اور عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر تم بتا دو کہ دیش مکھ اور اس عورت کو کہاں چھپایا ہے تو ہم تم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔ بصورت دیگر میں ایک ایک کو کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"ہم کسی دیش مکھ کو نہیں جانتے۔" بوڑھے نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا "تم دونوں کسی اچھے اور شریف گھرانے سے لگتے ہو۔ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم کسی دیش مکھ کو نہیں جانتے۔ نہ ہی یہاں کوئی آیا ہے۔"

"جھوٹ بولتے ہو تم؟" میں چیخ اٹھا "اگر تم دیش مکھ کو نہیں جانتے ہو تو اس کی گاڑی تمہارے گھر میں کیوں ہے؟ بتاؤ کہاں ہے وہ؟"

"اوہ!" بوڑھے کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "دھیرج دھیرج۔" وہ بولا "اب میں سمجھ گیا۔ تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ خنجر اور پستول ہٹالو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں بتاتا ہوں کہ یہ گاڑی ہمارے گھر میں کیوں ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ گھبراؤ نہیں۔ میں سب کچھ بتاتا ہوں۔"

میں نے بلا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی الجھن تیر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بھیا۔" اس عورت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں واقعی غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ غلط فہمی شاید اس گاڑی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔"

میں نے ایک بار پھر بلا کی طرف دیکھا اور اسے اشارہ کرتا ہوا ایک صوفے کے کنارے پر ٹک گیا۔ بلا بھی مجھ سے ذرا ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس عورت اور بوڑھے کے چہرے پر طمانیت سی آگئی لیکن دونوں لڑکیاں اور نوعمر لڑکا اب بھی خوف زدہ تھے۔ وہ لوگ بھی صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"تم لوگ باہر جاؤ اور۔۔۔"

"نہیں۔ کوئی یہاں سے اٹھ کر نہیں جائے گا۔" بلا نے بوڑھے کی بات کاٹتے ہوئے ایک دم پستول تان لیا۔ بوڑھا شاید ڈرائیور اور چوکیدار کو وہاں سے ہٹانا چاہتا تھا۔

"ڈرو نہیں بیٹا۔" بوڑھے نے کہا "میں وعدہ کرچکا ہوں۔ ہم میں سے کوئی کسی قسم کی گڑبڑ نہیں کرے گا اور ویسے بھی نوکروں کے سامنے کوئی بات کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

بلا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے ان دونوں کو باہر جانے کی اجازت دے دی۔

"برآمدے میں بیٹھ جاؤ۔" بوڑھے نے انہیں حکم دیا "اور کوئی ایسی حرکت مت کرنا جو کسی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے تو بوڑھا میری طرف متوجہ ہوگیا "ہاں بیٹا۔ اب بتاؤ کیا بات ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ تم دونوں اس قدر غصے میں کیوں ہو؟"

"پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر تم کسی دیش مکھ کو نہیں جانتے تو اس کی گاڑی تمہارے گھر میں کیوں ہے؟"

"کیا یہ گاڑی چوری کی ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" میں نے کہا "میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے میری بات کاٹ دی "یہ گاڑی میرے بیٹے نے کل ہی کسی سے خریدی تھی۔ بیچنے والا ضرورت مند تھا۔ اس لیے سستی دے دی۔"

"تمہارا بیٹا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ آج صبح دلی چلا گیا ہے۔ وہ ایک سرکاری محکمے میں بہت بڑا آفیسر ہے۔ میرا خیال ہے جس شخص سے اس نے گاڑی خریدی تھی وہ اسے جانتا تھا۔ میں نے اس شخص کو نہیں دیکھا تھا لیکن گاڑی کے کاغذات موجود ہیں اور اتفاق سے میں نے ابھی تک وہ بھی نہیں دیکھے۔"

"کیا میں وہ کاغذات دیکھ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ کاغذات دکھا دو مالا بیٹی۔" بوڑھے نے اس عورت سے کہا۔

وہ عورت اٹھنے لگی تو میں نے اسے ٹوک دیا "تم نہیں۔ اس لڑکی کو بھیج دو۔"

مالا گہرا سانس لے کر رہ گئی "تم جاؤ رادھا۔" اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھی ہوئی لڑکی کو اشارہ کیا "کاغذات میری ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھے ہوئے ہیں۔"

رادھا اٹھ کر راہداری میں ایک کمرے میں چلی گئی۔ اسے واپس آنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے کاغذات میری طرف بڑھا دیے۔ رجسٹریشن بک میں بیس روپے کے اسٹامپ پیپر پر لکھی ہوئی ایک رسید بھی تھی۔ پہلے میں نے رجسٹریشن بک دیکھی۔ یہ کار دیش مکھ کے نام پر تھی اور جے پور میں رجسٹرڈ تھی۔ اس میں نمبر بھی وہی تھا جو کار کی پلیٹ پر لکھا ہوا تھا۔ وہ رسید دیش مکھ کی طرف سے تھی۔ اس رسید کے مطابق اس نے اپنی یہ کار پرکاش آنند کو بیس ہزار روپے میں فروخت کردی تھی۔

"کیا آپ کو حیرت نہیں ہوئی تھی کہ تین لاکھ کی کار بیس ہزار میں کیسے مل گئی۔" میں نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کار چوری کی ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ کاغذات درست ہیں لیکن یہ کار اغوا اور قتل جیسی سنگین وارداتوں میں استعمال ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

ان سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"پرکاش آنند میرے پتی ہیں۔" اس عورت نے کہا "انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ جس سے انہوں نے کار خریدی ہے وہ راجستھان کا کوئی نیتا (وزیر) ہے جسے وہ اچھی طرح

جانتے ہیں۔ دہلی میں ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ نیپال جارہا تھا۔ اسے فوری طور پر رقم کی ضرورت تھی اس لیے وہ اتنے سستے داموں میں یہ کار میرے پتی کے ہاتھ بیچ گیا۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ نہ تو یہ کاغذات غلط تھے اور نہ ہی یہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ منزل ایک بار پھر میرے قدموں تلے سے نکل گئی تھی۔ دیش مکھ صرف ایک دن پہلے نیپال کی طرف فرار ہوگیا تھا اور ظاہر ہے وہ شوبھا کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔

"ہماری وجہ سے آپ لوگوں کو جو تکلیف پہنچی اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ لوگ۔۔۔"

"کیا تم اصل بات نہیں بتاؤ گے۔" بوڑھے نے کہا "تم نے ابھی کہا تھا کہ یہ کار اغوا اور قتل جیسی وارداتوں میں استعمال ہوئی ہے۔ کیا تم دونوں کا تعلق پولیس سے ہے۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سرہلا دیا "آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ یہ صرف ہم جانتے ہیں کہ یہ کار سنگین وارداتوں میں استعمال ہوئی ہے اور ہم اس سلسلے میں اپنی زبانیں بند رکھیں گے۔"

"تم لوگ کون ہو اور اس شخص کو تلاش کیوں کررہے ہو۔ کیا نام بتایا۔۔۔ دیش مکھ۔" بوڑھے نے کہا۔

"دیش مکھ راجستھان کا نیتا ہے اور بہت بدمعاش آدمی ہے۔ وہ بلا کی دیدی کو اغوا کرکے لے گیا ہے اور ہم کئی روز سے اس کا پیچھا کرتے ہوئے آج یہاں پہنچے ہیں۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ اس طرف آیا ہے اور نیپال کی طرف فرار ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے بازار میں یہ کار نظروں میں آگئی لیکن۔۔۔" میں خاموش ہوگیا۔

اسی دوران رادھا اپنی ماں کا اشارہ پاکر پھر کسی طرف چلی گئی تھی۔ میں بوڑھے سے باتیں کرتے ہوئے اسے شوبھا کے بارے میں بتا رہا تھا۔ شوبھا اور سونیا کا ذکر کرتے ہوئے میری آواز رندھ گئی تھی۔ بلا کے چہرے پر بھی افسردگی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ مالا اسے کرسی سے اٹھا کر اپنے پاس لے آئی اور اسے اپنے ساتھ لپٹالیا۔ اس دوران رادھا چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ پہلا کپ اس نے میری طرف بڑھایا پھر دوسروں کو چائے دینے لگی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹا وہاں بیٹھے رہے۔ بوڑھے نے، اتفاق سے اس کا نام بھی کندن لال تھا، ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا اور مالا تو بلا کو سینے سے لپٹائے اسے تسلیاں دے رہی تھی کہ اس کی دیدی ضرور ملے گی۔

وہ سب برآمدے تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ بوڑھے کندن لال نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ ہمیں گاڑی میں ہوٹل چھوڑ آئے۔ ہم کار میں بیٹھ گئے اور کار حویلی سے نکل کر سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں قدرت کی اس ستم ظریفی پر مسکرا رہا تھا کہ ہم رشی کیش سے جس کار کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے اس وقت بڑے اطمینان سے اسی کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم ہوٹل پہنچے تو نوبج رہے تھے۔ اعظم خان استقبالیہ لاؤنج میں بے چینی سے ہمارا انتظار کررہا تھا۔

"ارے کہاں چلے گئے تھے تم لوگ۔ میں کب سے انتظار کررہا ہوں۔" وہ ہمیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہم شام کو ہوٹل سے نکلے تو اتفاق سے ہمیں دیش مکھ کی کار نظر آگئی۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں بولا "اور تم بے چینی سے ہمارا انتظار کیوں کررہے تھے؟"

"دیش مکھ کا دوست پران پولیس کی حراست میں ہے۔ وہ زخمی ہے اور اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔" خان نے کہا۔

"اوہ!" میں اچھل پڑا "اس سے پتا چل سکتا ہے کہ دیش مکھ نیپال میں کہاں جائے گا۔ چلو۔ میں ابھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

آدھے گھنٹے بعد ہم اسپتال کے سرجیکل وارڈ میں موجود تھے۔ وارڈ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ صرف دس بیڈ تھے۔ پانچ ایک طرف پانچ سامنے۔ پران دائیں طرف والی لائن کے تیسرے بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے سینے اور پیٹ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ وارڈ کے دروازے پر ایک مسلح کانسٹیبل بیٹھا ہوا تھا اور ایک کانسٹیبل پران کے بیڈ کے سامنے بھی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا اسے الگ کمرے میں نہیں لے جایا جاسکتا۔" میں نے اعظم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔" خان نے جواب دیا "یہ دیش مکھ کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔ اس کے بارے میں رضاکارانہ طور پر ہی سب کچھ بتانے کو تیار ہوجائے گا۔"

"یہ کب اور کہاں سے ملا تھا؟" میں نے پوچھا "اور تمہیں اس کے بارے میں کیسے پتا چلا؟"

"میں آج سہ پہر تھانے میں انسپکٹر سے باتیں کررہا تھا تو میں نے اس سے دیش مکھ کے بارے میں پوچھ لیا۔ وہ سیاست دان ہے اور راجستھان کا ایم پی ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید

یہاں کے لوگ بھی اسے جانتے ہوں اور کسی نے اسے دیکھا ہو۔ انسپکٹر نے بتایا کہ اس نے دیش مکھ کو تو نہیں دیکھا البتہ وہ کل رات اپنے ایک آدمی کو زخمی کرکے نیپال کی طرف بھاگ گیا ہے۔ میں انسپکٹر کے ساتھ فوراً یہاں چلا آیا۔ اس نے جو کہانی سنائی ہے تمہارے لیے یقیناً دلچسپ ہوگی۔ تم خود ہی پوچھ لو۔"

میں بیڈ کے قریب بینچ پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے میں نے پران سے شوبھا کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ ٹھیک ہے اور ابھی تک محفوظ ہے۔" پران نے جواب دیا "پہلے اسے دواؤں کے زیر اثر بے ہوش رکھا جاتا تھا لیکن اب اسے گن پوائنٹ پر رکھا جارہا ہے۔ اس کے حواس پوری طرح بحال نہیں ہیں۔ وہ کسی وقت بہکی بہکی سی باتیں کرنے لگتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے کبھی بھاگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ہر وقت خلا میں گھورتی رہتی ہے۔ اس کے سامنے کھانا رکھ دو تو کھالیتی ہے۔ اس نے خود سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔"

"وہ حرامی اسے نیپال لے گیا ہے۔ تمہارے خیال میں وہ کہاں جائے گا۔" میں نے پوچھا۔

"کھٹمنڈو۔" پران نے جواب دیا "وہاں اس کا ایک پرانا دوست روی رہتا ہے۔ وہ کاروباری آدمی ہے اور ہندوستان بھی آتا رہتا ہے۔ دیش مکھ نے کل ٹیلی فون پر اسے بتا دیا تھا۔"

"روی کھٹمنڈو میں کہاں رہتا ہے۔ اسے کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں کبھی کھٹمنڈو نہیں گیا لیکن دیش مکھ نے بتایا تھا کہ کانتی پاتھ میں اس کا ہوٹل ہے۔ ہوٹل کا نام مجھے یاد نہیں۔" پران نے جواب دیا۔

"کیا روی کا کبھی سیاست سے کوئی تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" پران نے نفی میں سر ہلایا "وہ ادھر کا دادا ہے۔ بعض سیاست داں اس کے دباؤ میں ہیں۔ وہ کئی مرتبہ دیش مکھ کے پاس جے پور آچکا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ روی نے دیش مکھ سے کہا تھا کہ ہندوستان میں جب بھی اس پر مصیبت کا وقت آئے وہ کھٹمنڈو آجائے۔ وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔"

"تمہارے ساتھ یہ سب کیسے ہوا؟" میں نے پوچھا "سنا ہے تم تو بہت عرصے سے اس کے ساتھ تھے اور اس کے خاص آدمیوں میں سمجھے جاتے تھے۔"

"میں اس وقت سے دیش مکھ کے ساتھ ہوں جب وہ ایک معمولی اور سڑک چھاپ غنڈا ہوا کرتا تھا۔" پران نے جواب دیا "پھر وہ راٹھور کے پاس آگیا۔ میں اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔ دیش مکھ نے راٹھور کے ایک دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس طرح وہ راٹھور کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ دیش مکھ چالاک آدمی تھا۔ رفتہ رفتہ راٹھور پر حاوی ہوتا چلا گیا اور پھر ایک روز اس نمک حرام نے راٹھور کو بھی قتل کردیا اور اس کی جائداد اور بزنس پر قابض ہوگیا۔ دولت ہاتھ آتے ہی وہ سیاست میں بھی کود پڑا۔ وہ بہت ہاتھ پیر پھیلا چکا تھا۔ آدھے سے زیادہ شہر میں اس کے جوئے اور منشیات کے اڈے تھے۔ اس کے گرگے شہر بھر میں بھتا وصول کرتے تھے۔ طوائفیں بھی اس کے کنٹرول میں تھیں۔ ایم بی بننے کے بعد وہ کچھ اور پھیل گیا۔ پولیس میں بھی اس کا حکم چلنے لگا۔ کوئی فرض شناس اور ایمان دار آفیسر اس کا حکم ماننے سے انکار کردیتا تو اس کا تبادلہ کرا دیا جاتا یا اسے راستے سے ہٹا دیا جاتا۔ وہ دو پولیس آفیسروں کو اپنے گرگوں کے ذریعے موت کے گھاٹ اتروا چکا ہے۔"

میں توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ خاموش ہوکر کچھ دیر گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

"میں نے قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا۔ ہر آڑے وقت میں اس کے کام آیا۔ شوبھا کے معاملے میں بھی میں پیش پیش تھا۔ وہ شوبھا کے پلاٹ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن راجا صاحب کی مداخلت سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا اور پھر یہ پٹی میں نے ہی اسے پڑھائی تھی کہ اگر وہ شوبھا سے شادی کرلے تو وہ پلاٹ ہی نہیں شوبھا کی ساری جائداد اس کے قبضے میں آجائے گی۔

"اس کے لیے اسے اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ ایک اچھا انسان بن کر اپنے آپ کو شوبھا کے سامنے پیش کرنا ہوگا لیکن بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے یہاں بھی دادا گیری استعمال کرنے کی کوشش کی۔ شوبھا کو دھمکیاں دیں۔ شوبھا خوف زدہ ہوکر غائب ہوگئی۔

"دیش مکھ اسے تلاش کرتا رہا۔ اس نے کافی ہاؤس کے منیجر اور ملازموں پر تشدد کرکے بھی اس کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن کسی کو علم نہیں تھا کہ شوبھا کہاں چلی گئی ہے اور پھر دیش مکھ کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ شوبھا رشی کیش میں موجود ہے۔ اس کا وہ آدمی تم سے پٹ کر گیا تھا اور پھر دیش مکھ ہردوار پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے چند غنڈے ساتھ لیے اور رشی کیش پہنچ کر شوبھا کو اٹھالیا۔ تمہیں وہ مردہ سمجھ کر

چھوڑ گیا تھا لیکن المورا میں تمہیں دیکھ کر میں بھی خوف زدہ ہوگیا تھا۔

"وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ المورا سے بھاگنے کے بعد اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دے گا۔ تم موت کے سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو شوبھا کو چھوڑ دے لیکن وہ شوبھا سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا اور بالآخر کل یہاں اس نے اپنی گاڑی بیچ دی اور کل رات ہی سرحد پار کرکے نیپال چلا گیا۔" پران ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اسے بولنے میں تکلیف ہورہی تھی۔ وہ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر بولا۔

"مجھے اس نے اپنے ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ جو آدمی ہمیں سرحد پار کرانے کے لیے آیا تھا اس کے پاس اپنی گاڑی تھی۔ دیش مکھ نے پہاڑیوں میں گاڑی رکوالی اور بہانے سے مجھے نیچے اتار کر فائرنگ کردی۔ مجھے دو گولیاں لگیں۔ ایک سینے میں اور ایک پیٹ میں۔

"دیش مکھ سرحد کی طرف فرار ہوگیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹا پہاڑیوں میں پڑا رہا اور پھر مجھے معلوم نہیں میں پہاڑیوں سے نکل کر آبادی تک کس طرح پہنچا۔ میں ایک سنسان سڑک پر بے ہوش ہوکر گر پڑا تھا۔ ہوش آیا تو یہاں موجود تھا۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوکر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اس مرتبہ خاموشی کا وقفہ کچھ طویل ہوگیا اور بالآخر پہلے سے بھی زیادہ مدھم لہجے میں کہنے لگا۔

"میں زندہ رہوں یا مرجاؤں۔ اس کی اب مجھے پروا نہیں لیکن دیش مکھ کو زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے تم اس تک پہنچ جاؤ گے۔ اسے سزا دینا تمہارا کام ہے۔"

میں روی اور دیش مکھ کے بارے میں مزید سوالات کرتا رہا لیکن کام کی کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی۔ میں بینچ سے اٹھ گیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد ہم اسپتال سے نکل رہے تھے۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ہم نے ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میرے ساتھ چلتی ہوئی بلا بار بار مجھے کہنی سے ٹھوکے مار رہی تھی اور میرا خیال ہے۔ اعظم خان نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ ایک ریسٹورنٹ کی طرف مڑا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ بلا کے چہرے پر بھی رونق سی آگئی تھی۔ اس وقت مجھے جانکی یاد آگئی۔ اس سے بھوک بالکل برداشت نہیں ہوتی تھی اور یہی صفت میں نے بلا میں بھی نوٹ کی تھی۔

کھانے کے بعد ہوٹل پہنچے تو ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ میں جاتے ہی اپنے بستر پر گر گیا۔ پران کی باتیں اس وقت بھی میرے دماغ میں سنسناہٹ سی پیدا کررہی تھیں۔ دیش مکھ شوبھا کو لے کر سرحد پار کرگیا تھا۔ پران کے کہنے کے مطابق شوبھا ابھی تک اگرچہ دیش مکھ کے شر سے محفوظ رہی تھی لیکن اس کی ذہنی کیفیت کے بارے میں پران نے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں پریشان ہوگیا تھا۔ وہ جس نوع کے حالات سے دوچار تھی اس کے پیش نظر کچھ ایسی ہی توقع کی جاسکتی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس کا دماغ نہ پلٹ جائے اور اس سے پہلے کہ شوبھا کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے اسے ہر صورت میں دیش مکھ کے چنگل سے چھڑانا تھا۔

دیش مکھ ایک رات پہلے سرحد پار کرگیا تھا۔ اس طرح وہ ہم سے چوبیس گھنٹے آگے نکل گیا تھا اور میں اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ سرحد پار کرنے کا موقع کب ملے۔ اعظم خان کی صورت میں ایک امید بندھی تھی لیکن ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ دوپہر کو خان نے کہا تھا کہ شاید آج رات.....

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہوگئے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور بلا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

اسی دوران دستک کی آواز دوبارہ ابھری۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اعظم خان تھا۔

"سوگئے تھے؟" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا "آج کل نیند شاید ہم سے روٹھ گئی ہے۔ تم اس وقت....."

"ہم جارہے ہیں۔" اس نے میری بات کاٹ دی "تم لوگ تیار ہوجاؤ۔ اس وقت ڈیڑھ بجا ہے۔ ٹھیک دو بجے تمہیں حویلی کے برآمدے میں ہونا چاہیے۔ دو بجے کے بعد کسی بھی وقت گاڑی ہمیں لینے کے لیے پہنچ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم چند منٹ میں نیچے آجائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

اعظم خان کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کردیا۔ بلا اچھل کر بیڈ سے اتر گئی تھی۔ دوپہر کو یہاں آنے کے بعد ہم نے کپڑے بدلے تھے۔ میلے کپڑے ابھی تک باتھ روم میں ٹنگے ہوئے تھے۔ بلا وہ کپڑے اٹھا کر تھیلے میں ٹھونسنے لگی اور میں کمبل تہ کرنے لگا۔ پہاڑی علاقوں میں رات کے وقت سردی بڑھ جاتی تھی۔ اس طرح یہ کمبل ہمارے لیے بہت اہم ہوگئے تھے اور میں یہ کمبل چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

ہم دو بجے سے پہلے ہی اپنا سامان لے کر ہوٹل کے برآمدے میں پہنچ گئے۔ ہوٹل کا ایک ملازم کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی آہٹ سن کر وہ اٹھ گیا۔ برآمدے میں کچھ اور بھی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے بلا کر اشارہ کیا اور ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

ٹھیک دو بجے اعظم خان بھی آگیا۔ اس نے اپنا شولڈر بیگ ہمارے قریب رکھ دیا اور برآمدے سے نکل کر حویلی کے پھاٹک کی طرف چلا گیا۔

بیس منٹ بعد پھاٹک کے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ اعظم خان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہمارے قریب آیا اور ہم اپنا سامان اٹھا کر اس کے ساتھ چل پڑے۔

وہ سیاہ رنگ کی بڑی لینڈ کروزر تھی۔ پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں سفر کے لیے اس سے بہتر کوئی اور گاڑی نہیں ہوسکتی تھی۔ مجھے اور بلا کو سب سے پیچھے والی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ اعظم خان ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ درمیان کی سیٹ خالی تھی۔ ڈرائیور نے خان کی طرف دیکھا اور گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

شہر مکمل طور پر سنسان اور سڑکوں پر سناٹا تھا۔ اگر کوئی بڑا شہر ہوتا تو اس وقت بھی سڑکوں پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت ضرور ہوتی لیکن رات کے اس سمے ٹنک پور کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے جن پھر گیا ہو۔ البتہ ایک موڑ پر دو تین کتوں نے بھونکتے ہوئے گاڑی کا تعاقب ضرور کیا تھا لیکن تھک کر خود ہی پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

گاڑی شہر سے نکل کر اس سڑک پر آگئی جو سرحد کی طرف چلی گئی تھی۔ سرحد کا فاصلہ شہر کے مرکز سے چند کلومیٹر سے زیادہ نہیں تھا۔ وہاں چوکی تھی اور دن کے وقت پاسپورٹ کے ذریعے سرحد پار کرنے والوں کی باقاعدہ آمدورفت رہتی تھی لیکن شام چھ بجے اس چوکی کے پھاٹک بند کردیے جاتے تھے۔

تقریباً دو کلومیٹر اس سڑک پر آگے جانے کے بعد ہماری گاڑی دائیں طرف ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ یہ راستہ آگے جاکر پہاڑیوں میں داخل ہوگیا۔ گاڑی اس پتھریلے راستے پر ہلکی رفتار سے چلتی رہی اور بالآخر ایک جگہ رک گئی۔

ہمارے چاروں طرف تاریکی اور سناٹا تھا۔ گاڑی کی تمام بتیاں بھی بجھا دی گئی تھیں۔ ڈرائیور بار بار کلائی پر بندھی ہوئی الیکٹرانک واچ کا بٹن دبا کر اس کے اندر نمودار ہونے والی نہایت مدھم روشنی میں وقت دیکھ رہا تھا۔

ٹھیک تین بجے سامنے بہت دور قدرے بلندی پر شعلہ سا چمکا۔ یوں لگا تھا جیسے کسی نے سگریٹ سلگانے کے لیے دیا سلائی یا لائٹر جلایا ہو۔ وہ شعلہ فوراً ہی بجھ گیا تھا۔ ڈرائیور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں اس طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ شعلہ وقفے وقفے سے تین مرتبہ چمکا۔ ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ہیڈ لیمپس یا گاڑی کی کوئی اور بتی نہیں جلائی گئی تھی۔ گاڑی اندھیرے میں ہلکی رفتار سے چٹانوں میں بل کھاتے ہوئے راستے پر چلتی رہی۔ لگتا تھا جیسے یہ راستہ ڈرائیور کا خوب اچھی طرح دیکھا بھالا ہو اور وہ آنکھیں بند کرکے بھی گاڑی چلا سکتا ہو۔

تقریباً پندرہ منٹ تک یہی صورت حال رہی۔ گاڑی ہلکی رفتار سے چلتی رہی۔ آگے ڈھلان شروع ہوگئی تھی اور پھر اچانک ہی ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کردیے اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

"ہم نے سیما (سرحد) پار کرلی ہے۔" اعظم خان نے پیچھے مڑ کر ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایک گھنٹے بعد ہم جوڑیا پانی پہنچ جائیں گے۔"

"جوڑیا پانی!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ہم کچھ دیر وہاں رکیں گے اور پھر دوسری گاڑی پر آگے روانہ ہوجائیں گے۔" اعظم خان نے بتایا۔

ہم اس وقت جوڑیا رینج کے پہاڑی علاقے کے ساتھ ساتھ سفر کررہے تھے۔ یہاں پہاڑیاں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ تاہم شمال کی طرف بڑھتے ہوئے یہ پہاڑیاں بتدریج بلندی اختیار کرتے ہوئے عظیم ہمالیہ کی صورت اختیار کرجاتی تھیں جبکہ جنوب کی طرف بتدریج میدانی علاقہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس طرف چند کلومیٹر کے فاصلے پر بھارت کی سرحد تھی جس کے دوسری طرف اتر پردیش (یو پی) کا علاقہ تھا۔

ٹنک پور سے جوڑیا پانی کا علاقہ ساٹھ پینسٹھ کلومیٹر کے لگ بھگ تھا۔ ہم تقریباً سوا گھنٹے میں جوڑیا پانی پہنچ سکے تھے۔ یہ بستی بھی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی مگر گاڑی بستی کی طرف جانے کے بجائے اس سے دو کلومیٹر پہلے ہی دائیں طرف ایک کچے راستے پر مڑ گئی اور مزید تین چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بہت بڑے پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور کو ہارن بجانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ گاڑی رکنے کے تیس سیکنڈ بعد پھاٹک کھل گیا اور ڈرائیور گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا۔

یہ بہت بڑا احاطہ تھا۔ دیواریں بہت اونچی تھیں۔

احاطے میں جا بجا اونچے درخت نظر آرہے تھے اور احاطے کے بالکل آخر میں ایک دو منزلہ عمارت تھی۔ میں اسے حویلی ہی کہوں گا۔ گاڑی حویلی کے کشادہ برآمدے کے سامنے رک گئی۔ جہاں پہلے بھی سلور کلر کی ایک کار کھڑی تھی۔

دو آدمی تاریکی میں کسی طرف سے نمودار ہوئے اور ہم لوگ گاڑی سے اتر آئے۔ سرحد پار کرنے کے بعد سے بلا مسلسل اونگھتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ ہم نے اپنا سامان گاڑی ہی میں چھوڑ دیا۔ ہمیں حویلی کے ایک وسیع کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک بھاری بھرکم طویل قامت آدمی ہمارا منتظر تھا۔

وہ نیپالی تھا۔ سفید تنگ موری کا پاجامہ، شیروانی کی طرح کا لانگ کوٹ جو گھٹنوں تک تھا اور سر پر گول ٹوپی تھی۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی چائے آگئی۔ اس کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے۔ لگتا تھا انہیں ہماری آمد کی اطلاع تھی اور سارے انتظامات پہلے ہی سے کیے گئے تھے۔ چائے ختم ہونے کے بعد اس شخص نے نیپالی زبان میں اعظم سے کچھ کہا اور اعظم میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ اس کمرے میں جاکر کچھ آرام کرلو۔ ہم لوگ صبح سات بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ہمارے اور دیش مکھ کے بیچ دقت کا فاصلہ بڑھتا جارہا تھا اور مجھے شوبھا کی فکر کھائے جارہی تھی۔ بے بسی میرے آڑے آرہی تھی اور ظاہر ہے اس صورت حال میں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ہمیں ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں شان دار اور آرام دہ بستر لگا ہوا تھا۔ اس وقت ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ ہمارے پاس آرام کے لیے تقریباً ڈھائی گھنٹے تھے۔ بلا بستر پر اوندھ کر سوگئی اور میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

ساڑھے چھ بجے ہمیں جگا دیا گیا۔ ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتا کیا اور سوا سات بجے ہم روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ اس مرتبہ سلور کلر والی کار سفر کے لیے منتخب کی گئی تھی۔ وہ دراز قامت نیپالی، ہمارا میزبان پریندرا ہمارے ساتھ تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ اسی نے سنبھالی تھی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ اعظم نے سنبھال لی، میں اور بلا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ہمارا سامان کار کی ڈکی میں رکھ دیا گیا تھا۔

جوڑیا پانی زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ رائل وائلڈ لائف رینج تھا جو کئی میل آگے بھارت کی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ وسیع و عریض جنگلی ہاتھیوں کی افزائش نسل کے لیے مخصوص تھا اور یہاں ہاتھی کا شکار انسانی قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

پختہ اور کشادہ سڑک جنگل کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ دوسری طرف کچھ فاصلے پر پہاڑی سلسلہ تھا جو شمال کی طرف بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا۔

نیپال میں جگہ جگہ بدھ عبادت گاہیں تھیں اور ہندوؤں کے قدیم تاریخی مندر تھے۔ اس کے علاوہ کئی نیشنل پارک، پرندوں اور جنگلی جانوروں کے ریزرو ائرز تھے جہاں جنگلی حیات کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا تھا۔ غیر ملکی سیاح بھی بڑی تعداد میں ان مقامات پر سیر و تفریح کے لیے آتے تھے اور اسی لیے سڑکوں اور راستوں پر خاص توجہ دی گئی تھی تاکہ سیاحوں کو آمدورفت میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

تقریباً سوا دو سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے ہم دوپہر کے قریب تیل پانی نامی قصبے میں پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی میلوں تک پھیلا ہوا پرندوں کا ریزرو ائر اور اس سے آگے نیشنل پارک تھا جو میلوں آگے تک چلا گیا تھا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے تیل پانی کے ایک ریسٹورنٹ میں کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آگے روانہ ہوگئے۔

بڑا سرسبز اور خوب صورت علاقہ تھا۔ سڑک بھارت کی سرحد کے متوازی چل رہی تھی۔ اس کے دوسری طرف یوپی کا صوبہ تھا جسے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ کہیں ہم سرحد کے بالکل قریب پہنچ جاتے اور کہیں میلوں کا فاصلہ حائل ہوجاتا۔

شام پانچ بجے کے قریب ہم بٹوال پہنچ گئے۔ یہ متوسط درجے کا شہر تھا اور یہاں ائرپورٹ بھی تھا۔ اس شہر سے تقریباً چالیس کلومیٹر جنوب میں بھارت کی عین سرحد پر مہاتما بدھ کی جنم بھومی لمبینی نامی قصبہ تھا اور شاید اسی وجہ سے بٹوال شہر میں بھی بدھ بھکشو بڑی تعداد میں نظر آرہے تھے۔ لمبینی جانے والی سڑک سدھارتھ ہائی وے پر ٹریفک کی آمدورفت زیادہ تھی۔

بٹوال میں ہم نے ایک ہوٹل میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ مجھے اور بلا کو ہوٹل میں چھوڑ کر اعظم اور پریندرا کہیں چلے گئے تھے لیکن چھ بجے کے قریب وہ دونوں واپس آگئے۔ پریندرا تو ہوٹل کے باہر کار میں بیٹھا رہا تھا اور اعظم ہمارے کمرے میں آگیا۔

"جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ ہم تان سین جارہے ہیں۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے تان سین کا نام سن رکھا تھا۔ وہ تو کوئی کلاکار تھا۔ سنا ہے اس کے گلے میں بڑا سوز تھا۔ وہ جب گاتا تھا تو کائنات کی ہر شے ساکت ہوجاتی تھی مگر اعظم خان پتا نہیں کس تان سین کی بات کررہا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔ تان سین۔۔۔"

"ارے بھئی شہر کا نام ہے جو یہاں سے چالیس پینتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا شکار دیش مکھ تان سین میں واقع نارائن مندر میں موجود ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے نکل جائیں ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ میں نے پیروں کو آرام پہنچانے کے لیے جو گرز اتار رکھے تھے۔ مجھے جوگرز پہننے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ بلا مجھ سے پہلے ہی اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ہوٹل سے باہر آنے میں بھی ہمیں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

برینددرا کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ انجن اسٹارٹ تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی اس نے کار آگے بڑھادی۔

شہری حدود سے نکل کر کار شمال کی طرف جانے والے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔ اس طرف پہاڑوں میں یہ ہائی وے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر دور پوکھارا نامی شہر تک چلی گئی تھی۔ بھارت کی سرحد پر واقع تمین قصبے سے پوکھارا تک یہ سڑک سدھارتھ ہائی وے ہی کہلاتی تھی۔ اس وقت ہم شمالی سدھارتھ ہائی وے پر سفر کررہے تھے۔

اس ہائی وے پر بھی اچھا خاصا ٹریفک تھا۔ پورا نیپال پہاڑوں پر مشتمل ہونے کے باوجود پوری طرح آباد تھا۔ ہر چند کلومیٹر کے بعد کوئی نہ کوئی بستی موجود تھی۔ پہاڑ سبزے سے ڈھکے ہوئے تھے جہاں نشیبی علاقے تھے وہاں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ پہاڑوں میں پھلوں کے باغات تھے۔ ترائیوں میں سال میں دو مرتبہ دھان کی فصل ہوتی تھی۔ تمام قصبے، شہر اور گاؤں پختہ سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہمالیہ کے اس دیس میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ہر بڑے اور درمیانے شہروں کے درمیان ہوائی رابطے بھی تھے۔

دھوبن اور لاگر نامی قصبوں میں رکے بغیر کار شمال کی طرف سفر کرتی رہی۔ یہ سڑک بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھیں۔ کہیں کہیں نشیب بھی تھے۔

بٹوال سے روانگی کے چند منٹ بعد ہی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر کار کے ہیڈ لیمپس کی متحرک روشنی بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھی۔

ایک گھنٹے بعد ہم تان سین پہنچ گئے۔ یہ بھی ایک بڑا قصبہ تھا۔ نارائن مندر کی وجہ سے یہاں بھی سیکڑوں یاتریوں کی آمدورفت تھی۔ اچھا بارونق قصبہ تھا۔

برینددرا نے کار ایک سرائے کے سامنے روک لی۔ بلا کو سرائے میں چھوڑ دیا گیا۔ کار بھی وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔ ہم تینوں پیدل ہی ایک طرف چلنے لگے۔

نارائن مندر زیادہ دور نہیں تھا۔ بہت بڑا مندر تھا۔ اس وقت اگرچہ شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے لیکن مندر میں خاصی رونق تھی۔ باہر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

برینددرا نے ہمیں گیٹ کے قریب رکنے کا اشارہ کیا اور خود اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک پنڈت بھی تھا۔ عجیب ہیئت تھی اس پنڈت کی۔ پیشانی کوئی بالشت بھر چوڑی تھی۔ گنجی کھوپڑی کے پچھلی طرف بالوں کی جھالر تھی۔ داڑھی صاف تھی لیکن مونچھیں خاصی بڑی تھیں۔ کانوں میں سونے کے بالے اور ناک میں بھی دونوں نتھنوں کے بیچ میں سونے کی بالی تھی۔ ناک میں ایسی بالیاں میں نے راجستھان میں عورتوں کو پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ پنڈت نے گیروے رنگ کی دھوتی پہن رکھی تھی۔ پیٹ مٹکے کی طرح آگے کو نکلا ہوا تھا اور گلے میں رنگ برنگی کئی مالائیں تھیں۔ وہ جب سانس لیتا تو یوں لگتا جیسے سانپ پھنکار رہا ہو۔

ہم اسے مندر کے گیٹ سے ہٹا کر دور ایک تاریک گوشے میں لے گئے۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو پنڈت رگھوناتھ۔"

برینددرا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "فی الوقت تو تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں لیکن اگر تم نے ہماری باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب نہ دیا تو تمہاری باقی زندگی جیل میں گزرے گی۔ ساگر ماتھا کی پولیس ابھی تمہیں بھولی نہیں ہے۔"

"حکم کرو مہاراج۔ ہم تو تمہارے داس ہیں۔" پنڈت رگھوناتھ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ کچھ اور تاریک ہوگیا تھا۔

"یہاں انڈیا سے کچھ لوگ آئے ہیں۔" برینددرا نے کہا "ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک بیمار عورت۔" اس نے دیش مکھ کا حلیہ بتایا "دو آدمی مقامی ہیں۔ بدمعاش۔ اچکے۔۔۔ وہ لوگ مندر میں آئے ہوئے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ۔"

گیٹ کی طرف سے بہت کم روشنی اس طرف پہنچ رہی تھی۔ میری نظریں پنڈت رگھوناتھ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ بریندرا کی بات سن کر اس کا چہرہ ایک لمحے کو متغیر ہوگیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔

"وہ لوگ آئے تھے سرکار۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے جواب دیا "وہ مندر میں پنڈت بھوج کے پاس آئے تھے۔ ان کے ساتھ روی کے دو آدمی تھے۔ پر وہ ایک گھنٹا یہاں ٹھہر کر چلے گئے۔"

"کب آئے تھے اور کہاں گئے؟" بریندرا نے پوچھا۔

"چار بجے آئے تھے سرکار۔ پانچ بجے کاٹ منڈو (کھٹمنڈو) چلے گئے۔" پنڈت نے جواب دیا۔

"سوچ لو پنڈت۔" بریندرا نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں "اگر تمہاری یہ بات غلط ثابت ہوئی اور وہ لوگ مندر ہی میں یا تان سین شہر میں موجود ہوئے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا کیا حشر کروں گا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں سرکار۔" پنڈت نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ دیے "میں آپ کے سامنے کوڑ (جھوٹ) نہیں ماروں گا۔ وہ لوگ کاٹ منڈو چلے گئے۔ روی کے پاس ملیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم دیکھ لیتے ہیں لیکن تم ایک گھنٹے تک مندر کے اندر نہیں آؤ گے۔" بریندرا نے کہا۔

"ٹھیک ہے سرکار۔ میں یہیں دھرنا جمالیتا ہوں۔" پنڈت وہیں زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

ہم مندر میں آگئے۔ کئی اور داسوں اور داسیوں سے بھی پوچھا گیا۔ کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ صرف ایک داسی سے یہ پتا چلا کہ دوپہر کے بعد ایک عورت اور تین آدمی پنڈت بھوج کے پاس آئے تھے۔ عورت بیمار تھی۔ اس داسی نے انہیں پنڈت بھوج کے استھان میں تو جاتے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ باہر جاتے ہوئے دکھائی نہیں دیے تھے۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک مندر میں معلومات حاصل کرتے رہے پھر باہر آگئے۔

"وہ لوگ نکل گئے۔" بریندرا نے مندر سے باہر آتے ہوئے کہا "اب کھٹمنڈو ہی میں ان کا کچھ پتا چلے گا۔"

ہم لوگ کھانا کھانے کے لیے بازار کے ایک ریسٹورنٹ میں رک گئے۔ ان دونوں نے طے کرلیا تھا کہ رات تان سین ہی میں گزار کر صبح سویرے یہاں سے روانہ ہوا جائے۔

کھانا کھانے کے بعد میں نے بلا کے لیے کھانا پیک کروالیا۔ بریندرا اور اعظم خان مجھے سرائے کے سامنے چھوڑ کر چلے گئے۔ انہوں نے رات کہیں اور گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

بلا تھکی ہوئی تھی اور شاید وہ سوگئی تھی۔ کئی مرتبہ کھٹ کھٹانے کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا تو میں نے اس کے سامنے میز پر کھانا رکھ دیا۔

یہ کمرا اگرچہ کشادہ تھا لیکن بیڈ ایک ہی تھا اور غنیمت تھا کہ اس کے ساتھ باتھ روم بھی تھا۔ لکڑی کا دروازہ دوہٹ کا پرانے طرز کا تھا جس پر درمیان اور اوپر زنجیر والی کنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔

یہ سرائے شاید بہت قدیم تھی اور اس میں کوئی جدید تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ایک وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے چاروں طرف قطاروں میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کے سامنے طویل برآمدے تھے۔ وسط میں میدان تھا۔ جس میں گھاس لگا دی گئی تھی اور درمیان ایک مختصر سا حوض بنا کر فوارہ بھی لگا دیا گیا تھا۔ جس کے آس پاس تین چار لکڑی کے کھمبوں پر بلب بھی روشن تھے اور اس وقت کچھ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

کئی دن کے اس طویل سفر نے مجھے بھی بری طرح تھکا دیا تھا۔ لگتا تھا جیسے ہمارا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوگا۔

میں نے دروازہ بند کرکے کنڈے میں لوہے کی مڑی ہوئی وہ سلاخ پھنسا دی جو پہلے ہی سے کنڈے کی زنجیر میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس مڑی ہوئی سلاخ سے گویا تالے کا کام لیا جارہا تھا۔

کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد بلا بستر پر لیٹ گئی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا صورتِ حال کا تجزیہ کرتا رہا۔ پچھلے چار پانچ دنوں میں ہم نے سیکڑوں میل کا سفر کرلیا تھا لیکن ہم اب بھی بے نیل و مرام ہی تھے۔ اپنی منزل سے بہت دور۔

باہر لوگوں کے چلنے پھرنے اور باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے بلا کی طرف دیکھا۔ وہ سو چکی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ مجھے اس پر ترس بھی آرہا تھا کہ بلاوجہ جوکھوں میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر اپنے گھر پر ہوتی تو اس وقت آرام دہ بستر پر سکون کی میٹھی نیند سو رہی ہوتی۔ سو تو وہ اس وقت بھی رہی تھی لیکن وہ نیند میں بھی بے چین تھی۔

میں نے باتھ روم کی بتی بجھا کر دروازہ چٹخنی کے قریب کھلا چھوڑ دیا اور کمرے کی بتی بجھا کر بلا کے پہلو میں بستر پر لیٹ گیا اور اس کے بعد مجھے بھی ہوش نہیں رہا تھا۔

صبح پانچ بجے کے قریب دستک کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اعظم خان تھا۔

"ہم کھانے والے کمرے میں بیٹھے ہیں۔" اعظم نے کہا "تم لوگ تیار ہو کر وہیں آجاؤ۔ ہم چھ بجے روانہ ہوجائیں گے۔"

اعظم واپس چلا گیا۔ ان دونوں نے رات پتا نہیں کہاں گزاری تھی۔ میں نے دروازہ بند کرکے بلا کو جگا دیا اور آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں تیار ہو کر ہم سرائے کے دفتر سے ملحق کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں بریندرا اور اعظم کے علاوہ دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کمرے سے ملحق کچن تھا۔ بریندرا اٹھ کر کچن میں چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ ملازم کے ساتھ ناشتا لے کر آگیا۔

ناشتے کے بعد سوا چھ بجے کے قریب ہم تان سین سے روانہ ہوگئے۔ اس وقت سورج نہیں نکلا تھا۔ فضا میں دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ اگر ہم سدھارتھ ہائی وے پر سفر کرتے ہوئے تقریباً سو کلومیٹر دور پوکھارا کی طرف جاتے تو وہاں سے مشرق کی طرف پرتھوی ہائی وے کا رخ کرتے اس طرح کھٹمنڈو پہنچنے کے لیے ہمیں مزید ڈھائی سو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا لیکن تان سین سے نکل کر چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بریندرا نے کار مشرق کی طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی یہ سڑک کہیں پختہ تھی اور کہیں کچی۔

ہم دریائے کالی گنڈکی کے ساتھ ساتھ اس سڑک پر سفر کرتے ہوئے دوپہر سے ذرا پہلے مہندر ہائی وے پر نکل آگئے۔ چند کلومیٹر آگے نارائن گڑھ شہر تھا لیکن ہم وہاں نہیں رکے۔ اس سے چند کلومیٹر آگے بھرت پور شہر تھا۔ جہاں ائرپورٹ بھی تھا۔

ہم بھرت پور میں صرف ایک گھنٹے رکے تھے۔ کھانا کھانے کے علاوہ گاڑی میں پیٹرول بھی ڈلوایا گیا اور پھر اس سڑک پر تقریباً نوّے کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے ہم تری بھون ہائی وے پر آگئے۔ یہاں سے کھٹمنڈو صرف ایک سو تیس کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

ہم نے تری بھون ہائی وے پر شمال کی طرف سفر جاری رکھا اور بالآخر سہ پہر پانچ بجے کے قریب تھان کوٹ پہنچ گئے۔

تھان کوٹ، کھٹمنڈو سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک خوب صورت آبادی تھی۔ بریندرا نے کار آبادی سے ہٹ کر درختوں کے جھنڈ میں ایک خوب صورت بنگلے کے سامنے روک لی۔ ہارن بجاتے ہی بنگلے کا گیٹ کھل گیا اور بریندرا کار کو اندر لیتا چلا گیا۔ برآمدے کے سامنے پہلے بھی نیلے رنگ کی ایک چھوٹی کار کھڑی تھی۔ بریندرا نے اپنی کار اس کے پیچھے روک لی اور انجن بند کردیا۔

اس وقت برآمدے والے دروازے سے ایک خوب صورت عورت کو برآمد ہوتے دیکھ کر میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس کی عمر پچیس چھبیس سال ہوگی۔ اس نے نیلا لباس پہن رکھا تھا۔ بریندرا سے وہ بڑی گرم جوشی سے ملی تھی۔ ہمارا استقبال بھی اس نے بڑی گرم جوشی سے کیا تھا۔

وہ میگھنا تھی۔ بریندرا کی دوست جو ایک ادھیڑ عمر ملازم کے ساتھ یہاں رہتی تھی۔ رسمی تعارف کے بعد میگھنا نے فوراً ہی ہماری خاطر مدارات شروع کردی۔ اس نے ملازم کو بازار بھیج کر کیک پیسٹریاں اور پھل وغیرہ منگوالیے اور چائے کے ساتھ یہ سارے لوازمات ہمارے سامنے پیش کردیے۔

چائے کے دوران اور اس کے بعد بھی بریندرا زیادہ تر میگھنا ہی سے باتیں کرتا رہا تھا اور پھر تقریباً سات بجے کے قریب وہ اعظم خان کو اشارہ کرتا ہوا اٹھ گیا۔

"ہم کھٹمنڈو شہر جارہے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے رات کو دیر سے آئیں یا صبح سے پہلے نہ لوٹ سکیں۔ تم لوگ یہاں آرام سے رہو۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہم کھٹمنڈو میں دیش کھ اور روی کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرلیں گے۔ گھبراؤ نہیں۔ ایک دو دن بعد شوبھا تم لوگوں کے ساتھ ہوگی۔" بریندرا نے میگھنا کو بھی ہمارا خیال رکھنے کو کہا اور اعظم کے ساتھ باہر چلا گیا۔

جب ہم تنک پور سے سرحد پار کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو ہماری باگ ڈور اعظم خان کے ہاتھ میں تھی لیکن سرحد پار کرکے جو ڑیا پانی سے یہ باگ دوڑ بریندرا نے سنبھال لی تھی اور اب ہم اسی کے ڈسپوزل پر تھے۔

ان کے جانے کے بعد میگھنا رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔ کبھی وہ خود مصروف ہوجاتی، کبھی ملازم کو ہدایات دینے لگتی اور کبھی ہمارے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگتی۔ بالآخر اس نے ایک کمرا ہمیں دے دیا کہ ہم نہا دھو کر تھکن اتار لیں اور تازہ دم ہوجائیں۔

رات کے کھانے پر بھی میگھنا خوب چہکتی رہی۔ وہ واقعی بہت خوش اخلاق اور مخلص عورت تھی۔ اسے یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ ہماری خدمت خاطر میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

میگھنا سے خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ کھانے کے بعد ہم بڑے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اعظم خان نے ہمیں بریندرا کے بارے میں ابھی کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میرا

اندازہ تھا کہ اس کا تعلق نیپال کی خفیہ پولیس سے ہے اور اب میگھنا کی باتوں سے اس کی تصدیق ہوگئی تھی۔ وہ خفیہ پولیس میں لیڈی انسپکٹر تھی۔

میگھنا کی اپنی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔

ذات پات ہندو دھرم میں ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔ انہیں نیچ اور ملیچھ گردانا جاتا ہے۔ دھرم پر برہمن قابض ہیں۔ نیچ ذات کا کوئی ہندو پنڈت نہیں بن سکتا لیکن مندروں میں دیوتاؤں اور پنڈتوں پجاریوں کی سیوا کے لیے نیچ ذات کی لڑکیوں کو ہی گوپی' داسی یا جوگن بنایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے خوب صورت لڑکیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور یہ خوب صورت گوپیاں اور داسیاں مندروں میں کسی دیوی یا دیوتا کے نہیں بلکہ برہمن پنڈتوں اور پجاریوں کے کام آتی ہیں۔ وہی ان سے سیوا کراتے ہیں اور وہی انہیں استعمال کرتے ہیں۔

بعض لڑکیوں کو دس گیارہ سال کی عمر میں ہی مندر کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ کسی دیوی یا دیوتا سے ان کی شادی کردی جاتی ہے اور اس شادی کے بعد وہ کسی مرد سے شادی نہیں کرسکتی۔ تاہم مندر کے پنڈت اور پجاری آزادی سے اسے استعمال کرتے ہیں اور جب وہ ان کے لیے بے کار ہوجاتی ہے' کسی کام کی نہیں رہتی تو اسے مندر سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ سڑکوں پر بھیک مانگ کر اور جسم بیچ کر اپنا پیٹ پالتی ہے۔

بڑے بڑے دولت مند لوگ بھی مندروں کی ان خوب صورت گوپیوں اور داسیوں سے اپنی ہوس کی آگ بجھاتے ہیں۔ وہ پنڈتوں کی مٹھی گرم کرکے ان داسیوں کو اپنے عشرت کدوں میں لے جاتے ہیں اور جی بھر جانے کے بعد انہیں واپس مندر میں پہنچا دیتے ہیں تاکہ ان جیسا کوئی دوسرا عیاش آدمی ان کے حسن وشباب سے اپنی ہوس کی آگ بجھا سکے۔

میگھنا بھی چودہ سال کی عمر میں کھٹمنڈو کے نارا دیوی مندر میں آئی تھی۔ وہ تین سال تک مندر کے پنڈتوں اور پجاریوں کی سیوا کرتی رہی۔ اس نے شہر کے کئی دولت مندوں کی ہوس کی آگ بھی بجھائی اور پھر ایک دن انسپکٹر برندرا کی نظروں میں آگئی۔ انسپکٹر برندرا مندر کے پروہت کو ایک معقول رقم دے کر اسے لے آیا۔ برندرا اگرچہ شادی شدہ تھا لیکن اس کی بیوی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ کوئی مرد کسی گوپی' جوگن یا داسی کو مندر سے لے کر آتا ہے تو بیوی ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوتی ہے۔ برندرا کی بیوی نے بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

برندرا نے میگھنا کو کچھ عرصے اپنے گھر پر رکھا اور پھر تھان کوٹ کے اس بنگلے میں لے آیا۔ وہ اس سے باقاعدہ شادی نہیں کرسکتا تھا لیکن میگھنا کئی سال سے اس کے پاس رہ رہی تھی اور برندرا اس کے تمام اخراجات پورے کرتا تھا۔ وہ کبھی اپنی بیوی کے پاس رہتا اور کبھی یہاں میگھنا کے پاس۔ میگھنا نے بھی وفاشعاری کی حد کردی تھی۔ اس نے دوسرے مرد کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے شاید ایک ہی کھونٹے سے بندھے رہنے میں عافیت سمجھی تھی۔

گیارہ بج گئے۔ بھلا صوفے پر بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھی۔ دن بھر کے سفر نے مجھے بھی بری طرح تھکا دیا تھا اور مجھے بھی نیند کے جھونکے آرہے تھے اور بالآخر میگھنا کو بھی ہماری حالت پر رحم آگیا اور ہم کمرے میں آگئے۔ بستر پر گرتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ نسوانی چیخ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے بھلا کی طرف دیکھا۔ وہ میرے پہلو میں گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے بعد کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ میں اس نسوانی چیخ کو اپنا واہمہ سمجھ کر پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ نسوانی چیخ کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ میرا واہمہ نہیں تھا۔ چیخ کی آواز اسی بنگلے کے کسی کمرے سے آئی تھی۔

چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی فائر کی آواز بھی گونج اٹھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ بھلا بھی جاگ گئی تھی وہ متوحش نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے بھلا کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور بیڈ سے چھلانگ لگا کر دروازے کی طرف دوڑا۔ میرے دماغ پر ابھی تک نیند کا خمار تھا اور تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

میں جیسے ہی راہداری میں پہنچا سامنے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں تیغہ تھا جسے اس نے سر سے اوپر اٹھا رکھا تھا اور وہ وحشیانہ انداز میں دہاڑتا ہوا حملہ کرنے کے لیے میری طرف لپک رہا تھا۔

میرا دماغ سن ہوگیا۔ میں اپنی جگہ بے حس وحرکت کھڑا حملہ آور کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

وہ دیش مکھ تھا جو تیغہ سر سے بلند کیے مجھ پر حملہ آور ہو رہا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرا جسم پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہوگیا ہو۔ موت میری طرف لپک رہی تھی اور میں اپنی جگہ پر بے حس وحرکت کھڑا تھا۔

دیش مکھ کا تیغہ بڑی تیزی سے نیچے آرہا تھا اور اس کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔

میرے دماغ میں جمہا کا سا ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر لاوا کھولنے لگا ہو۔ یہ کھولتا ہوا لاوا میرے پیٹ سے سینے کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا۔ میرے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور میرا بایاں ہاتھ بے اختیار اوپر اٹھ گیا۔ دیش مکھ کا تیغے والا ہاتھ برق رفتاری سے نیچے آرہا تھا مگر میرا اٹھا ہوا ہاتھ رکاوٹ بن گیا۔

دیش مکھ کی تیغے والی کلائی میری گرفت میں تھی۔ اسے شاید اس کی توقع نہیں تھی کہ میں وار روک لوں گا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی مگر آنکھوں میں ایک لمحے کو الجھن سی تیر گئی۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ میری گرفت چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے غرایا "تمہارے سبب میرا سب کچھ برباد ہوگیا۔ تم بیچ میں ٹانگ نہ اڑاتے تو شوبھا کے ساتھ اس کی پراپرٹی پر بھی میرا قبضہ ہوچکا ہوتا مگر تم۔"

"یہ تمہاری بھول ہے دیش مکھ۔" میں نے جواب دیا "ماتھے پر سیاست کا لیبل لگا لینے سے آدمی بھگوان نہیں بن جاتا۔ تم بھول گئے تھے کہ مظلوموں کے ساتھ بھی کوئی ایسی غیبی طاقت ضرور ہوتی ہے جو ان کی مدد کرتی ہے۔ بھگوان نے شوبھا کی مدد کے لیے مجھے بھیج دیا تھا۔ تم شوبھا کو لے بھاگے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہو۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ شوبھا کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" وہ ایک بار پھر غرایا "میں تمہیں تان سین ہی میں ختم کردیتا مگر روی کی ضد تھی کہ تمہیں کھٹمنڈو تک آنے دیا جائے۔ جب تم لوگ تان سین کے نارائن مندر میں پنڈت رگھوناتھ سے پوچھ رہے تھے تو ہم اس وقت مندر کے تہ خانے میں موجود تھے مگر رگھوناتھ نے بڑی خوب صورتی سے تم لوگوں کو بے وقوف بنا دیا۔ میں اسی رات سرائے میں گھس کر تمہیں ختم کردینا چاہتا تھا مگر روی نے مجھے روک دیا۔ وہ چھوٹی سی جگہ ہے۔ ہم نظروں میں آجاتے۔ پہلے تم میرے پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن تان سین سے ہم نے تمہارا پیچھا شروع کردیا۔ تمہارے وہ دونوں گرو کھٹمنڈو میں مصروف ہیں۔ یہاں تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

دیش مکھ نے جھٹکا دے کر تیغے والا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں نے اس کے اس بازو کی بغل میں زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وہ اپنی جگہ پر اچھلا۔ میں نے دوسرا ہاتھ بھی اس کے اس بازو پر جما دیا اور زوردار جھٹکا دیتے ہوئے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

دیش مکھ میرے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتے ہوئے پشت کے بل فرش پر گرا مگر اس نے پھرتی سے لوٹ لگاتے ہوئے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ تیغہ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے ایک بار پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ میں پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنی جھونک میں آگے نکلا تو میں نے پیچھے سے ایک زوردار ٹھوکر جمادی وہ لڑکھڑاتے ہوئے دیوار سے ٹکرایا مگر بڑی پھرتی سے پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے اسے موڑتے ہوئے خود بھی گھوم گیا۔ اس طرح وہ میری پشت پر آگیا اور اس کا وہ بازو میرے کندھے کے اوپر سے آگے نکلا ہوا تھا۔ میں نے دو تین جھٹکے دیے تو تیغہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے سامنے گر گیا۔

میں ایک بار پھر اس کے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے نیچے جھکا۔ وہ پھر میرے اوپر سے قلابازی کھاتے ہوئے پشت کے بل گرا۔ اس مرتبہ میں نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

دوسری راہداری کے ایک کمرے سے میگھنا کی گھٹی گھٹی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ فائر کی وہ آواز بھی پہلے اسی طرف سے آئی تھی۔ میں میگھنا کی مدد کو پہنچنا چاہتا تھا مگر دیش مکھ مجھ سے لپٹ گیا۔

اس نے پیچھے سے مجھے گرفت میں لے لیا تھا۔ دونوں ہاتھ میرے سینے پر لپٹے ہوئے تھے اور وہ دباؤ بڑھا رہا تھا۔ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس نے میری پسلیوں پر دباؤ بڑھانے کے ساتھ میرے کندھے پر دانت گاڑ دیے۔

وہ واقعی بھیڑیا تھا۔ اس کے دانت کندھے پر میرے گوشت میں گڑے جارہے تھے۔ تکلیف کی شدت سے میں بلبلا اٹھا اور اسی لمحے میگھنا چیختے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آگئی۔

میگھنا شب خوابی کے لباس میں تھی جو پھٹ چکا تھا۔ اس کے پیٹ اور سینے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔ اس نے ہال میں ایک کرسی کا سہارا لے کر سنبھلنے کی کوشش کی تو اسی وقت اس کے کمرے سے ایک لمبا تڑنگا آدمی برآمد ہوا۔ اس کے بائیں بازو سے خون بہہ رہا تھا

اور دائیں ہاتھ میں خنجر تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندوں سے بھی زیادہ درندگی تھی۔ وہ میگھنا پر حملہ آور ہوا۔ میگھنا نے چیختے ہوئے بچنے کی کوشش کی مگر خنجر بائیں شولڈر بلیڈ کے قریب اس کی پشت میں پیوست ہوگیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں نے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور اپنی تکلیف بھول کر پوری قوت سے آگے جھکتا چلا گیا۔ دیش کھ مجھے سیدھا رکھنے کی کوشش کررہا تھا مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں نیچے جھکتا رہا۔ وہ میرے اوپر سے الٹ کر میرے سامنے گرا۔ میں بڑی تیزی سے اٹھا۔ میرے بائیں کندھے میں شدید تکلیف تھی۔ دیش کھ نے شاید میری بوٹی ہی نوچ لی تھی مگر میں تکلیف کی پروا کیے بغیر اس شخص کی طرف لپکا جو میگھنا پر خنجر سے ایک اور وار کرنے جارہا تھا۔ میگھنا پشت کے بل قالین پر پڑی چیخ رہی تھی۔

میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس شخص کے کندھے پر سامنے کی طرف لگی۔ وہ کراہتے ہوئے پیچھے صوفے پر گرا اور صوفے سمیت الٹ گیا۔ میں نے سنبھل کر اس پر چھلانگ لگانے کی کوشش کی مگر دیش کھ نے پیچھے سے میری ٹانگ پکڑلی۔ میں منہ کے بل میگھنا کے قریب گرا۔

اسی لمحے کمرا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسی طرف دیکھا۔ بملا پستول پکڑے آگے کو دوڑ رہی تھی۔ اس نے گولی تو دیش کھ پر چلائی تھی مگر وہ بچ گیا تھا اور گولی ایک صوفے میں پیوست ہوگئی تھی۔

دیش کھ نے پستول کی پروا کیے بغیر حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بملا پر چھلانگ لگادی اور اسے ساتھ لیتے ہوئے قالین پر گرا۔ پستول بملا کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ بری طرح چیخی تھی۔ دیش کھ اسے رگیدتے ہوئے راہداری تک لے گیا اور پھر وہ تیغہ اس کے ہاتھ میں آگیا جس سے پہلے اس نے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ میں بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس لمحے بملا کی خوف ناک چیخ گونجی۔ دیش کھ کا تیغہ اس کے سینے میں پیوست ہوچکا تھا۔ دیش کھ نے دوسرا وار کرنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا لیکن میں نے اسے ہاتھ نیچے لانے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے دیش کھ کا ہاتھ پوری قوت سے موڑ دیا۔ تیغہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے تیغے پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت مجھ پر جنون سا طاری ہورہا تھا۔ میں نے اس پر وار کرنے کے لیے تیغے والا ہاتھ اوپر اٹھایا لیکن اس سے پہلے کہ اپنے ارادے پر عمل کرتا، میرے سر پر دھماکا سا ہوا۔ آنکھوں کے سامنے ستارے سے ناچ اٹھے۔

میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر... میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○☆○

ہوش مجھے نیکو اسپتال میں آیا تھا۔

یہ اسپتال شہر کے جنوبی علاقے تریپور سوار میں واقع تھا۔ اس سے آگے شہر کی گنجان آبادی والا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ اسپتال کے ساتھ ہی وزارت ہیلتھ کے دفاتر بھی تھے۔ بعض دیگر وزارتوں کے دفاتر بھی اسی علاقے میں تھے۔ دریائے بھاگ متی کے کنارے پر آباد یہ شہر کا سب سے پر رہائشی علاقہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرف شہر کے دولت مندوں کی رہائش تھی۔ بڑے بڑے بنگلے تھے۔ کشادہ سڑکیں تھیں اور زندگی کی ہر وہ سہولت موجود تھی جس کی ایسے پوش علاقوں میں توقع کی جاسکتی ہے۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی میری آنکھوں کے سامنے دیر تک دھند سی چھائی رہی۔ کانوں میں سنسناہٹ کی آواز محسوس ہورہی تھیں۔ میں آنکھیں کھولے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ چند منٹ بعد دھند چھٹنے لگی اور میرے حواس بحال ہونے لگے۔

میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہوسکتی ہے اور میں یہاں کیسے پہنچا تھا۔ میں نے اپنے اطراف میں دیکھنے کے لیے سر کو حرکت دی تو دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ درد کی ٹیسیں میرے سر کے پچھلے حصے میں پھیل چلی گئیں۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ خارج ہوگئی اور کراہ کی آواز سن کر ہی سفید براق یونیفارم میں ملبوس وہ لڑکی کرسی سے اٹھ کر میرے قریب آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر میں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ میں کہاں ہوں۔ سفید ڈریس والی وہ لڑکی نرس تھی اور میں اسپتال میں تھا۔

"مم... مجھے کیا ہوا ہے؟ کون لایا ہے مجھے یہاں؟" میں نے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مجھے بولنے میں بھی تکلیف ہورہی تھی اور دماغ میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ میرا ایک ہاتھ بے اختیار سر پر پہنچ گیا اور اس وقت پتا چلا کہ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"تم اسپتال میں ہو۔" نرس نے کہا "کچھ گھنٹوں بعد ہوش میں آئے ہو۔ آرام سے لیٹے رہو۔ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

نرس تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں دیدے گھماتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ میرے سامنے والی دیوار بالکل سپاٹ تھی۔ دائیں طرف دروازہ تھا اور بائیں طرف ایک کشادہ کھڑکی تھی جس کے سامنے نیلے رنگ کا پردہ پھیلا ہوا تھا۔ پردے پر باہر سے روشنی پڑتے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ باہر دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر کراہ اٹھا۔ اس مرتبہ میرے بائیں کندھے پر بھی درد کی شدید لہریں اٹھی تھیں۔ میں نے آہستگی سے گردن گھما کر دیکھا۔ بائیں کندھے پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پورے کندھے اور اس کے ساتھ گردن میں اوپر تک شدید کھنچاؤ محسوس ہورہا تھا۔

میں نے اٹھنا چاہا تو دماغ میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ ترک کردیا اور بے حس و حرکت ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ پھیلتی جارہی تھی اور پھر بتدریج میں پرسکون ہوتا چلا گیا۔

اور پھر میں سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ میرے جسم پر پٹیاں کیوں بندھی ہوئی ہیں۔ میں زخمی کیسے ہوا تھا اور مجھے اسپتال کون لایا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اچانک ہی میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا اور مجھے سب کچھ یاد آگیا۔

میں شوبھا کو دیش کھ کے شکنجے سے چھڑانے کے لیے اس کا پیچھا کرتے ہوئے... نیپال پہنچا تھا۔ میرے ساتھ بملا بھی تھی اور اعظم خان نام کا بھارتی خفیہ پولیس کا ایک آفیسر اس سلسلے میں ہماری مدد کررہا تھا۔ مجھے یاد آگیا کہ ایک موقع پر میں نے اعظم خان کی جان بچائی تھی اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے اس نے ہماری مدد کا وعدہ کیا تھا۔ وہی ہمیں سرحد پار کروا کر نیپال لایا تھا۔ نیپال کے ایک سرحدی قصبے میں برینددرا نام کے ایک اور آدمی سے ملاقات ہوئی تھی جس کے بارے میں بعد میں پتا چلا کہ وہ بھی نیپال خفیہ پولیس کا آفیسر ہے۔

ہم کھٹمنڈو سے چند میل دور تھان کوٹ میں تھے۔ برینددرا ہمیں اپنی دوست میگھنا کے بنگلے پر چھوڑ کر اعظم خان کے ساتھ کھٹمنڈو چلا گیا تھا اور پھر اس رات ایک نسوانی چیخ اور فائر کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔

اس کے بعد جیسے جیسے مجھے یاد آتا رہا، میری حالت غیر ہوتی گئی۔ اس لمبے تڑنگے شخص نے خنجروں کے وار کرکے میگھنا کو بری طرح گھائل کردیا تھا۔ میں اسے بچانے کے لیے دوڑا تو دیش کھ نے بملا پر تیغے سے حملہ کردیا تھا۔ میں نے دیش کھ سے تیغہ چھین لیا اور وہی تیغہ اس کے سینے میں پیوست کرنا چاہتا تھا کہ میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا اور ہوش آیا تو میں یہاں اس حال میں پڑا تھا۔

میرے دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ میگھنا اور بملا کا خیال آتے ہی میں تڑپ اٹھا "وہ دونوں کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں؟" میں اپنی تکلیف کی پروا کیے بغیر اٹھ گیا اور بیڈ سے اترنا چاہتا تھا کہ دروازہ کھلا اور تین افراد اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک تو وہی نرس تھی جو کچھ دیر پہلے باہر گئی تھی۔ ایک ڈاکٹر تھا اور تیسرا آدمی... اعظم خان تھا مجھے بیڈ سے اترتے دیکھ کر نرس تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارے ارے! کہاں جارہے ہو۔ لیٹ جاؤ۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔" وہ مجھے بانہوں سے پکڑ کر لٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

ڈاکٹر اور اعظم خان بھی قریب آگئے۔ ڈاکٹر نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے لٹادیا۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ زیادہ حرکت کرو گے تو زخم کھل جائے گا۔"

"وہ کہاں ہیں۔ کیسی ہیں وہ دونوں... بملا اور میگھنا۔" میں نے رک رک کر کہا۔

"وہ دونوں بالکل ٹھیک ہیں۔ تم پریشان مت ہو۔ آرام سے لیٹے رہو۔" یہ بات ڈاکٹر کے بجائے اعظم خان نے کہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مجھے آرام سے لیٹے رہنے کی تلقین کرنے لگا۔

ڈاکٹر نے کن انکھیوں سے اعظم کی طرف دیکھا اور میرے جسم کے مختلف حصوں کو ٹٹول ٹٹول کر پوچھنے لگا کہ مجھے کہاں تکلیف ہے۔ میرا تو پورا جسم دکھ رہا تھا۔ ہر جوڑ جیسے ہل کر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے نیپالی زبان میں کچھ کہا۔ نرس فوراً ہی باہر نکل گئی لیکن اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے ہاتھ میں سرنج تھی جس میں زرد رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے میرے بازو میں انجکشن لگا دیا اور خالی سرنج بیڈ کے نیچے پڑے ہوئے ڈسٹ بن میں پھینک کر چارٹ میں کچھ اندراج کرنے لگی۔

ڈاکٹر چلا گیا۔ اعظم خان بیڈ کے قریب کھڑا مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے میرا ایک ہاتھ اب بھی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ میرا سر بھاری ہونے لگا۔ جسم ڈھیلا پڑگیا۔ اعظم خان کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی اور پھر میرے دماغ پر دھند سی طاری ہونے لگی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو اس وقت بھی دماغ پر بوجھل پن تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی پھیلی ہوئی تھی جو بتدریج چھٹتی چلی گئی اور کچھ دیر بعد میرے حواس کام کرنے لگے۔ میں نے آہستگی سے گردن گھما کر دیکھا۔ نرس کرسی پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اور اس سے ذرا پیچھے کوچ پر اعظم خان سو رہا تھا۔ مجھے حرکت کرتے دیکھ کر نرس اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے اعظم خان کو بھی جگا دیا۔ اعظم خان جلدی سے اٹھ کر میرے قریب پہنچ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب۔۔۔ کیا محسوس کر رہے ہو؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بہتر ہوں۔" میں نے نقاہت بھرے لہجے میں جواب دیا "کندھے اور سر میں تکلیف ہے۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔"

"تمہیں ٹھیک ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔" نرس نے میرے اوپر جھکتے ہوئے کہا "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اگر زخم کھل گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"وہ۔۔۔ وہ دونوں۔۔۔"

"وہ دونوں ٹھیک ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔" اعظم خان نے میری بات کاٹ دی "کافی یا چائے پیو گے؟"

"کافی پیوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اعظم خان نے نرس کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے سے چلی گئی۔ اعظم کرسی کھینچ کر میرے قریب بیٹھ گیا۔

"تمہیں بولنے میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے بولنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔" میں نے کہا۔

"پولیس تمہارا بیان لینا چاہتی ہے لیکن ہم نے فی الحال انہیں منع کر دیا ہے۔" اعظم خان نے کہا "پولیس والے اس وقت تک اس کمرے میں قدم نہیں رکھیں گے جب تک تم بیان دینے کے قابل نہیں ہو جاؤ گے لیکن اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ سب کچھ کیسے ہوا۔ وہ کون لوگ تھے؟"

"دیش مکھ۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" اعظم کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "میں سمجھا تھا شاید۔۔۔"

"شاید کیا۔۔۔؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں یاد ہے کاٹھ گودام کے ہوٹل میں مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور تم نے میری جان بچائی تھی۔" اعظم نے کہا "دوسرا حملہ اس وقت ہوا تھا جب ہم کاٹھ گودام سے نکل کر پور کی طرف آ رہے تھے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں ایک اہم مشن پر نیپال آ رہا تھا اور یہ مشن انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا لیکن دشمنوں کو پتا چل گیا۔ وہ ہر صورت میں مجھے نیپال آنے سے روکنا چاہتے تھے لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ برجیندرا بھی نیپال کی خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہے۔ یہ مجھے لینے کے لیے تیل پانی نامی اس سرحدی قصبے میں پہنچا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم پر راستے میں پھر کوئی حملہ ہوگا لیکن ہم خیریت سے تھانکوٹ پہنچ گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "ہم صبح پانچ بجے نارائن چوراہے پر واقع پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک خفیہ میٹنگ میں تھے کہ برجیندرا کی دوست میگھنا کے بنگلے پر حملے کی اطلاع ملی۔ ہم یہی سمجھے تھے کہ ہمارے دشمنوں کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ میں اس بنگلے میں موجود ہوں۔ ہو سکتا ہے ان کے کسی مخبر نے ہمیں بنگلے میں داخل ہوتے تو دیکھا ہو لیکن مجھے اور برجیندرا کو وہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ حملہ دراصل ہم پر ہوا ہے لیکن تم نے ایک اور دلچسپ انکشاف کیا ہے۔ کیا وہ واقعی دیش مکھ کے آدمی تھے؟ میرا مطلب ہے تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟"

"دیش مکھ خود ان کے ساتھ تھا۔ اس لیے غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے کیسے پتا چلا کہ تم لوگ اس بنگلے میں موجود ہو۔ وہ تو خود تم سے بچنے کے لیے بھاگا پھر رہا تھا۔" اعظم خان نے کہا۔

"نارائن سین میں پنڈت رگھوناتھ نے ہمیں بلف کیا تھا۔" میں نے جواب دیا "جب ہم نارائن مندر میں ان لوگوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور پنڈت رگھوناتھ ہمیں ان کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا رہا تھا تو دیش مکھ اور اس کے ساتھی مندر کے تہ خانے میں موجود تھے۔ پنڈت رگھوناتھ کے فریب میں آ گئے اور ان کی تلاش ترک کر دی۔"

"صبح دیش مکھ اور اس کے ساتھیوں نے ہمارا پیچھا شروع کر دیا اور انہیں ہمارے اس ٹھکانے کا پتا چل گیا۔ ان کا کوئی آدمی شاید بنگلے کی نگرانی کر رہا تھا۔ آدھی رات تک تو ہم میگھنا سے باتیں کرتے رہے تھے اور پھر سونے کے لیے چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ میگھنا کی چیخ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔" میں

خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اعظم خان گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا "میگھنا بری طرح گھائل ہو چکی تھی۔" میں نے بالآخر کہنا شروع کیا "بلا بھی زخمی ہو گئی تھی۔ میں نے کسی اور کمرے سے فائر کی آواز بھی سنی تھی۔ میں دیش مکھ پر تیغے سے وار کرنا چاہتا تھا کہ میرے سر پر زوردار ضرب لگی اور اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا لیکن۔۔۔ وہ دونوں۔۔۔ میگھنا اور بلا کہاں ہیں؟ تم لوگ بتاتے کیوں نہیں۔ وہ کس حال میں ہیں؟"

"میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔" اعظم خان گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "تم ایک باہمت اور دلیر آدمی۔۔۔"

"بات کو الجھانے کی کوشش مت کرو خان۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "جلدی بتاؤ وہ دونوں کیسی ہیں؟" اعظم جس انداز میں بات کر رہا تھا اس سے میرے ذہن میں طرح طرح کے خدشات جنم لینے لگے تھے اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"میگھنا اب اس دنیا میں نہیں رہی۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "تم خود بتا چکے ہو کہ وہ شدید زخمی تھی اور بلا۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میگھنا سے میری ملاقات اگرچہ صرف چند گھنٹوں کی تھی لیکن اس نے جس طرح ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا تھا جس خلوص اور چاہت اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے میں بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس کی موت کا سن کر میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا اور بلا کے بارے میں وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو مسٹر خان۔" میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے اپنی آواز بھی کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی "میں نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میں نے بدترین حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ میں نے بہت کچھ سنا ہے اور بہت کچھ سننے کی ہمت رکھتا ہوں۔"

"بلا شدید زخمی ہے اور اس کی حالت تشویش ناک ہے۔" اعظم خان نے جواب دیا۔

میرے دانت بھنچ گئے۔ سر میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے۔ میری مٹھیاں بھی بھنچی ہوئی تھیں۔ اعظم خان نے آگے جھک کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"حوصلہ رکھو دوست۔" وہ بولا "ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق بلا کے لیے اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر اس نے یہ چوبیس گھنٹے گزار لیے تو اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ خدا سے دعا کرو۔ دل سے مانگی ہوئی دعا ضرور پوری ہوتی ہے۔"

میں آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایک بات اور۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "بلا تمہیں ہمت سنگھ کہہ کر پکارتی ہے لیکن میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟"

"کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔ سنسنی کی ایک لہر میرے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔

"ڈاکٹر پربھاکر نے تمہیں چیک کرنے کے لیے تمہارے کپڑے اتار دیے تھے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ بات صرف ڈاکٹر پربھاکر، برجیندرا اور مجھے معلوم ہے کہ تم مسلمان ہو اور۔۔۔" اسی لمحے دروازہ کھلا اور نرس ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اعظم خان نے فوراً ہی بات بدل دی "اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔" وہ کہہ رہا تھا "ہاں تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ برجیندرا کو جیسے ہی مقامی پولیس اسٹیشن کی طرف سے اطلاع ملی، ہم ہیڈ کوارٹر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔" وہ خاموش ہو کر نرس کی طرف دیکھنے لگا جس نے ٹرے میز پر رکھ دی تھی اور بیڈ کے پائنتی کی طرف پہنچ کر وہ چرخی گھمانے لگی تھی جس سے بیڈ کا سرہانے والا حصہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیڈ کو مزید اوپر اٹھانے سے روک دیا۔ نرس نے میرے قریب آ کر تکیہ میرے پیچھے درست کر کے رکھ دیا اور ٹرالی ٹیبل کھینچ کر بیڈ کی طرف کر دی۔ ٹرالی کا ٹیبل والا حصہ بیڈ کے اوپر میرے سینے کے برابر آ گیا۔ نرس نے کافی کا ایک کپ اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ دوسرا اعظم خان کو تھما دیا۔

"میں اپنے ہاتھ سے آپ کو کافی پلا دوں۔" وہ میرے اوپر جھکتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔ میں خود پی لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

نرس تیسرا کپ لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

دیش مکھ نے میرے بائیں کندھے پر دانت گاڑے تھے اور شاید وہاں سے بوٹی نوچ لی تھی۔ میرے کندھے، گردن اور بائیں بازو میں تکلیف تھی۔ یہ بازو تو تختے کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ دایاں بازو البتہ ٹھیک تھا۔ میں نے کپ اٹھا کر ایک دو گھونٹ بھرے۔ گرم کافی سے مجھے خاصا سکون ملا۔

اعظم خان بھی کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"مقامی پولیس کو میگھنا کے کسی پڑوسی نے فون پر فائرنگ اور چیخوں کے سنے جانے کی اطلاع دی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا "پولیس پہنچی تو دو آدمی وہاں سے فرار ہو گئے۔ البتہ ان

کا ایک ساتھی زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اسے گولی لگی تھی۔ پچھلے کمرے میں میگھنا کے ملازم کی لاش بھی ملی اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ میگھنا' بلا اور تمہیں فوری طور پر اسپتال پہنچا دیا گیا۔ میگھنا شدید زخمی تھی اور بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس نے راستے ہی میں دم توڑ دیا تھا۔ پولیس ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کرپائی کہ یہ ڈکیتی کی واردات تھی یا کوئی اور معاملہ تھا۔ برینددرا کی وجہ سے پولیس والے میگھنا کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہیں چند ایسے دولت مندوں پر شبہ ہے جو ماضی میں اسے پریشان کرتے رہے ہیں لیکن ابھی تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ہم پولیس کو بتانا نہیں چاہتے تھے کہ یہ حملہ مجھ پر یا برینددرا پر کیا گیا ہوگا۔"

"کیا اس آدمی نے کچھ نہیں بتایا جسے زخمی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"وہ بھی اسپتال پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ختم ہوگیا تھا۔"

اعظم خان نے جواب دیا "اس کی جیب سے ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کی شناخت ہوسکتی لہٰذا یہ معاملہ الجھا ہی رہا لیکن اب تمہاری باتوں سے کچھ وضاحت ہوگئی ہے۔"

"اور میرا خیال ہے کہ وہ لمبا تڑنگا آدمی' جس نے میگھنا پر خنجر سے وار کیے تھے' روی تھا۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "دیش کھ نے بتایا تھا کہ وہ مجھے تان سین ہی میں ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن روی نے اسے کوئی کارروائی کرنے سے منع کردیا کیونکہ اس کے خیال میں کھٹمنڈو میں کوئی کارروائی کرنا زیادہ آسان ہوتا اور یہاں پہلا موقع ملتے ہی وہ اپنی کارروائی کرگزرے۔ مجھے میگھنا کی موت کا بہت افسوس ہے۔ وہ بے چاری ہماری وجہ سے ماری گئی۔ نہ ہم اس کے بنگلے پر آتے اور نہ ہی۔۔۔"

"موت کا ایک دن مقرر ہے۔" اعظم خان نے میری بات کاٹ دی "بہرحال' تمہاری باتوں سے ایک بات واضح ہوگئی ہے کہ حملہ آور کون تھے اور حملے کا مقصد کیا تھا۔ اس سے پولیس کو اپنی کارروائی میں آسانی ہوگی۔"

"برینددرا کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بہت اپ سیٹ ہے۔" اعظم خان نے جواب دیا "میگھنا کی موت نے اسے گہرا دکھ پہنچایا ہے۔ اسے اس بات کا بھی صدمہ ہے کہ اس کے مہمان جنہی حملہ آوروں کی کارروائی سے محفوظ نہیں رہے۔ یہ نیپالی بڑے مہمان نواز لوگ ہیں۔ مہمانوں کو بھگوان کا اوتار سمجھتے ہیں۔ ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ مہمانوں کی توہین تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتے اور یہاں تو معاملہ توہین سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک حملہ آوروں کو تلاش کرکے موت کے گھاٹ نہیں اتار دے گا' چین سے نہیں بیٹھے گا اور تمہارے بیان کے بعد اسے حملہ آوروں کی تلاش میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔ روی کو وہ آسانی سے تلاش کرلے گا۔"

ابھی ہم باتیں کررہے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور برینددرا ڈاکٹر پر بھاکر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ نرس جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے میرے سامنے سے کافی کا خالی کپ اٹھالیا۔

برینددرا کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا جس کے ساتھ "گیٹ ویل سون" کا کارڈ بھی لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے حوصلے کی داد دینی پڑی۔ وہ اپنی ایک عزیز ترین ہستی کا کریا کرم کرکے آیا تھا اور مجھے پھولوں کا گلدستہ پیش کررہا تھا۔

برینددرا دوسری کرسی گھسیٹ کر میرے قریب بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر بیڈ کے دوسری طرف آگیا اور میرے کندھے کی پٹی کھولنے لگا اور تب یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ مجھے اسپتال میں آئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ جب مجھے یہاں لایا گیا تھا تو میں بے ہوش تھا۔ مجھے اٹھارہ گھنٹوں بعد ہوش آیا تھا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد پھر بے ہوش ہوگیا تھا اور چھ گھنٹوں بعد آنکھ کھلی تھی اور یہی وہ موقع تھا جب میں نے بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر جانے کی کوشش کی تھی اور اس وقت مجھے ویلیم کا انجکشن لگادیا گیا تھا۔

کندھے کی پٹی کھول کر ڈاکٹر نے زخم کا معائنہ کیا۔ میں نے گردن کے پٹھوں اور بازو میں کھنچاؤ کی شکایت کی۔ ڈاکٹر نے دوا وغیرہ لگا کر نئی ڈریسنگ کردی اور سر کی پٹی کھولنے لگا۔

میرے سر پر گیارہ ٹانکے لگے تھے۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق مجھے کئی روز اسپتال میں رہنا تھا۔ مجھے زیادہ بولنے سے بھی منع کردیا گیا تھا۔ بلا بھی اسی اسپتال کے کسی اور کمرے میں تھی۔ میں نے اس سے ملنے کی اجازت چاہی تو ڈاکٹر نے منع کردیا۔

"آج نہیں۔" اس نے کہا "تم کل شام کو اسے دیکھ لو گے۔"

ڈاکٹر کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد نرس بھی باہر چلی گئی تھی اور تب اعظم خان برینددرا کو دیش کھ کے بارے میں بتانے لگا۔

"اوہ!" اس نے بھی حیرت کا اظہار کیا "اس کا مطلب یہ کہ یہ سب کچھ پنڈت رگھوناتھ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر وہ ہمیں دیش کھ وغیرہ کے بارے میں سچ بتا دیتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔ یہ ہندو پنڈت نہایت مکار ہوتے ہیں۔ مجھے پہلے بھی کئی مرتبہ ایسا تجربہ ہوچکا ہے۔ اب مجھے افسوس ہورہا ہے کہ میں نے اس کی بات کا یقین کیوں کرلیا تھا۔ بہرحال' اب اس کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اگر تم بہتر محسوس کررہے ہو تو انسپکٹر چندر بھان کو بلالیا جائے۔ وہ تمہارا بیان لینا چاہتا ہے تاکہ اس کیس کی باقاعدہ تفتیش شروع کی جاسکے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد انسپکٹر چندر بھان میرے کمرے میں موجود تھا۔ مجھے ایک بار پھر شروع سے اس واقعے کی تفصیل دہرانی پڑی۔ انسپکٹر چندر بھان بیچ میں سوالات بھی کرتا رہا۔

بیان میں میرا نام ہمت سنگھ ہی لکھا گیا تھا اور میں نے یہ بھی بتا دیا کہ دیش کھ ہندوستان سے ایک عورت کو اغوا کرکے لایا ہے' پیسے چھڑانے کے لیے میں اس کا پیچھا کررہا ہوں۔ میرے بیان کا یہ حصہ آف دی ریکارڈ رکھا گیا تھا۔

میں نے میگھنا کو قتل کرنے والے لمبے تڑنگے جس آدمی کا حلیہ بتایا تھا وہ روی تھا۔ دیش کھ کا دوست جس کے پاس وہ ہندوستان سے بھاگ کر پناہ لینے آیا تھا۔

برینددرا اور اعظم خان بھی انسپکٹر چندر بھان کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ نرس میرے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ وہ مجھے کھٹمنڈو کے بارے میں بتا رہی تھی اور میں پوری دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

نرس کی عمر چوبیس پچیس سال رہی ہوگی۔ اس کا قد لانبا' رنگت کسی قدر سانولی لیکن چہرے کے نقوش اور جسم کی ساخت پرکشش تھی۔ وہ بدھ کی پیروکار تھی۔

میں تین دن سے اسپتال میں تھا اور ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق میرا زیادہ وقت بے ہوشی میں ہی گزرا تھا اور اتفاق سے جب بھی میں ہوش میں آیا تھا' میں نے مایا متی نامی اس نرس کو دیکھا تھا حالانکہ رات کو دوسری نرس ڈیوٹی پر آجایا کرتی تھی لیکن میں نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

اگلے روز شام کو مجھے بلا سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔ اس وقت مایا متی ہی کی ڈیوٹی تھی۔ وہ مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر کمرے سے باہر لائی تو دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے دو مسلح کانسٹیبل بھی ہمارے پیچھے چلنے لگے۔

اسپتال کی یہ راہداری کافی کشادہ اور طویل تھی۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسپتال کتنا بڑا ہوگا۔ ہم ایک دوسری راہداری میں آگئے جس کے اختتام پر بہت کشادہ لابی تھی۔ اس لابی میں اسپتال کا استقبالیہ کاؤنٹر بھی تھا۔ بڑے سلیقے سے کرسیاں اور بینچ رکھے ہوئے تھے جن پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے کنکریٹ کے گملوں میں پودے لگے ہوئے تھے۔

لابی میں ایک طرف اوپر جانے کے لیے کشادہ زینہ تھا اور اس کے ساتھ ہی تین لفٹیں تھیں۔ مایا متی ایک نمبر لفٹ کے سامنے رک گئی۔ بٹن دباتے ہی دروازہ کھل گیا اور وہ وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے اندر لے آئی۔ دونوں پولیس والے بھی اندر آگئے۔

لفٹ بہت کشادہ تھی۔ یہ لفٹ دراصل وہیل چیئرز اور اسٹریچر پر مریضوں کو اوپر لانے لے جانے کے لیے مخصوص تھی جبکہ عام لوگوں کے استعمال کے لیے دوسری دو لفٹیں تھیں۔

تیسری منزل پر ہم لفٹ سے باہر آگئے۔ کشادہ راہداری میں نرسوں' ڈاکٹروں اور کچھ دوسرے لوگوں کی آمدورفت تھی۔ چند گز آگے بائیں طرف کی راہداری کے آخری دروازے کے ساتھ دو مسلح کانسٹیبل کھڑے تھے۔ نرس کے اشارے پر ایک کانسٹیبل نے دروازہ کھول دیا اور نرس وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے اندر آگئی۔ ہمارے ساتھ آنے والے کانسٹیبل باہر ہی رک گئے تھے۔

سامنے بیڈ پر بلا پڑی تھی۔ چہرے کے علاوہ اس کا پورا جسم چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ زرد ہورہا تھا۔ بیڈ کے قریب ہی ایک نرس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ گئی۔

مایا متی نے وہیل چیئر بیڈ کے قریب کردی۔ آہٹ سن کر بلا نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے ہاتھ چادر سے نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیسے ہو ہمت سنگھ۔" اس کے منہ سے کمزور سی آواز نکلی۔

میں کوئی جواب دینے کے بجائے اس کے چہرے کو تکتا رہا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بلا کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کی حالت خاصی تشویش ناک تھی۔

مجھے صرف پندرہ منٹ وہاں رکنے دیا گیا تھا اور پھر مایا متی میری کرسی دھکیلتے ہوئے مجھے باہر لے آئی۔

اس رات میں نے دوسری نرس کو پہلی مرتبہ اپنے کمرے میں دیکھا۔ وہ بوٹے سے قد کی گوری چٹی رنگیت کی مالک دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ وہ بھی بدھ مت کی پیروکار تھی۔

اس روز نہ تو اعظم خان آیا اور نہ ہی برندرا کی صورت دکھائی دی۔ اگلے دن بھی ان میں سے کوئی نہیں آیا۔ تیسرے روز صبح جبکہ نرس مایا متی مجھے ناشتا کروا رہی تھی، انسپکٹر اعظم خان دروازے میں نمودار ہوا۔ وہ بہت تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں بھی سرخی تھی جیسے رات جاگ کر گزاری ہو۔ نرس نے فوراً ہی اسے بھی چائے بنا کر دے دی۔

"ان کا کچھ پتا چلا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس کارروائی کر رہی ہے۔" اعظم خان نے جواب دیا "روی تو شہر ہی میں کسی جگہ روپوش ہے لیکن ویش کھ کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ بختاپور کی طرف فرار ہو گیا ہے۔ پولیس ان کی تلاش میں ہے۔ بہت جلد ان کا سراغ لگا لیا جائے گا۔"

"بختاپور کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کھٹمنڈو سے چند کلومیٹر آگے ایک دوسرا شہر ہے۔" اعظم خان نے جواب دیا "تم اطمینان رکھو۔ وہ لوگ بچ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ انسپکٹر چندر بھان ان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ میں اور انسپکٹر برندرا اس طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے کیونکہ دوسری طرف ہمارا کھیل بھی شروع ہو چکا ہے۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا لیکن میں نے کریدنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اعظم خان تقریباً ایک گھنٹے تک میرے پاس رہا اور پھر رخصت ہو گیا۔

دو دن اور گزر گئے۔ اس دوران میں برندرا صرف ایک مرتبہ چند منٹ کے لیے آیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے معاملے میں ابھی کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی تھی کیونکہ وہ اپنے معاملات میں الجھ کر رہ گئے تھے اور ظاہر ہے میں ان پر دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔ ان کی یہ مہربانی کیا کم تھی کہ یہاں مجھے ہر طرح کا آرام اور تحفظ حاصل تھا۔ اگر اعظم خان سے ملاقات نہ ہوتی تو شاید میرے لیے نیپال کی سرحد پار کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ نیپال میں آتے ہی اعظم خان کے توسط سے برندرا سے ملاقات ہو گئی تھی اور میں ان بہت سی مشکلوں سے بچ گیا تھا جو بغیر کاغذات کے کسی ملک میں داخل ہونے کی صورت میں پیش آ سکتی ہیں۔

اس سے اگلے روز نرس مایا متی ڈیوٹی پر آئی تو اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور آنکھوں میں وحشت سی ٹپک رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ شہر میں ہنگامے ہو رہے ہیں۔ ان ہنگاموں میں دو آدمی مارے گئے ہیں اور کئی زخمی ہوئے ہیں جنہیں شہر کے مختلف اسپتالوں میں داخل کرایا گیا ہے۔

مایا متی کے کہنے کے مطابق یہ ہنگامے کھٹمنڈو میں بھارتی سفیر کے اس بیان کے بعد شروع ہوئے تھے جس میں نیپالی عوام کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے اور عوام احتجاج کے لیے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ بھارتی سفیر کو فوراً ملک سے نکال دیا جائے۔

پولیس کی بھاری نفری نے بھارتی سفارت خانے اور سفیر کی رہائش گاہ کو گھیرے میں لے لیا تھا لیکن عوام بپھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے سفارت خانے کی عمارت پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ پولیس نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے پہلے لاٹھی چارج کیا اور پھر گولی چلا دی جس سے دو آدمی مارے گئے اور اس طرح ہنگامے پورے شہر میں پھیل گئے جس میں کئی آدمی زخمی ہوئے ہیں۔

ہنگامے دو دن تک جاری رہے۔ نیپال کی حکومت نے بھارتی سفیر کے متنازعہ بیان پر باقاعدہ احتجاج کیا تھا اور سفیر کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ملک چھوڑنے کا حکم بھی دے دیا گیا تھا لیکن یہاں بھی ہندو حکمرانوں کی ذہنیت کام کر گئی۔ سارا الزام پریس پر تھوپ دیا گیا کہ بھارتی سفیر کے بیان کو غلط رنگ میں اور توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا لیکن سفیر یا بھارتی حکومت کی طرف سے نہ تو معذرت کی گئی اور نہ ہی بھارتی سفیر کو واپس بلایا گیا۔

ان دو دنوں میں برندرا یا اعظم خان سے میری ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اپنے معاملات میں الجھے ہوئے تھے اور اس دوران میں اسپتال نہیں آئے تھے۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ میرے زخم مندمل ہو رہے تھے لیکن بلا کی حالت بدستور تشویش ناک تھی۔ میں دن میں کم از کم ایک مرتبہ بلا سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں جاتا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا۔ اس کے زخم میں پس پڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر اگرچہ مجھے تسلیاں دے رہا تھا لیکن میں مطمئن نہیں تھا لیکن ظاہر ہے کہ میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

تین دن مزید گزر گئے۔ میری حالت کافی بہتر تھی۔ کندھے کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا اور پٹی کھول دی گئی تھی۔ البتہ سر کے زخم میں تھوڑی بہت تکلیف تھی اور ڈاکٹر کے کہنے فراہم کی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا بیان درست ہو۔" میں نے اس کی بات سے اختلاف نہیں کیا۔

"ویسے ایک بات بتاؤں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی "تم اسپتال میں تھے تو اس وقت بھی میں نے یقین نہیں کیا تھا کہ تمہارا نام ہمت سنگھ ہو سکتا ہے۔"

"کیوں۔ یقین نہ کرنے کی وجہ؟" میں نے اسے گھورا۔

"جب تمہیں اسپتال لایا گیا تھا تو تم بے ہوش تھے۔ تمہارے شریر پر زخم چیک کرنے کے لیے ڈاکٹر پریکھا نے تمہارا معائنہ کیا تھا تو میں بھی اس کے ساتھ تھی۔" اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ!" میں نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

اور پھر میں نے موضوع بدل دیا۔ ہم ایک بار پھر اخبار میں شائع ہونے والی خبر کے حوالے سے گزشتہ رات کے واقعے کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ اس خبر میں مایا متی یا رتنا کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ پولیس نے گمنام کال کو ہی معلومات کا ذریعہ سمجھ لیا تھا اور سام سنگ نے فون پر پولیس کو جو کچھ بتایا تھا وہی پریس کو جاری کر دیا گیا تھا۔ بہرحال صورت حال خواہ کچھ بھی ہو احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ ہم دو چار روز تک روپوش ہی رہیں۔ سام سنگ نے رتنا یا مایا متی کا نام اس لیے نہیں لیا تھا کہ شاید اس طرح وہ مایا متی کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔

میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ دنیا کے خطرناک ترین انسان تھے۔ معمولی سے شک پر بھی کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ وہ یقیناً مایا متی کو دھوکے میں رکھ کر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے تاکہ اس کو گرفت میں لے کر میرے بارے میں معلوم کر سکیں۔

تین دن گزر گئے۔ مایا متی نے تو گھر سے قدم تک باہر نہیں نکالا تھا البتہ میں صبح ڈھابے پر جا کر اخبار اور ضرورت کی چیزیں لے آتا۔ پہلے دن کے بعد اخبار میں اس واقعے کے حوالے سے کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔

اس دوران میں میری ناک اور جبڑے کی سوجن بہت کم ہو گئی تھی اور مایا متی بھی اپنے آپ کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ دن میں کم از کم تین مرتبہ مرہم سے اس کی مالش ہوتی۔ وہ نرس تھی۔ اس کے گھر میں ایسی ادویات موجود تھیں جو ایسے موقعوں پر کام آ سکتی تھیں۔

میں نے شیو بھی بڑھانا شروع کر دیا تھا تاکہ میرے حلیے میں تھوڑی بہت تبدیلی آ سکے۔ ان تین دنوں کے دوران میں مایا متی اپنی ایک نرس دوست کو فون کر کے بلا کے بارے میں معلوم کرتی رہی تھی۔ بلا میرے لیے پریشان تھی لیکن میرے لیے یہ اطلاع اطمینان بخش تھی کہ اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔

پانچویں روز پھر ایک چھوٹی سی خبر اخبار میں شائع ہوئی۔ اس خبر کے مطابق شہر کے دو گروہوں میں تصادم ہو گیا تھا جس میں ایک آدمی مارا گیا تھا جس کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ بٹاک کے بدمعاش اور منشیات کے اسمگلر وجدان کا ساتھی ہے۔ اس روز اخبار کا اداریہ بھی اس خبر کے حوالے سے تھا۔ اداریے میں کھٹمنڈو میں وجدان جیسے شخص کی موجودگی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس شخص کو تلاش کر کے اس کی سرگرمیوں کا قلع قمع کیا جائے۔

صورت حال خاصی سنگین ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے پھنسانے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔ اس رات سام سنگ اور یشودھر نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ یشودھر سام سنگ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس کا قتل میرے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا اور اب دو گروہوں کے تصادم میں ایک آدمی مارا گیا تھا جسے میرا ساتھی ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور پولیس اور عوام کو میرے خلاف بھڑکایا جا رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ پولیس میرے پیچھے لگ جائے اور میں یہاں ٹکنے نہ پاؤں۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سام سنگ یہاں اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی آئے ہوں گے اور یہاں بھی اپنے ہی قبیل کے لوگوں سے ان کے گہرے رابطے تھے۔ رتنا کے بارے میں مایا متی بتا چکی تھی کہ وہ ناگ پال کے لیے کام کرتی ہے۔ ناگ پال اسے اپنے آدمیوں کی دل جوئی اور مہمانوں کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی تھی کہ سام سنگ کا ناگ پال سے رابطہ تھا اور دوسری طرف روی سے بھی اس کا رابطہ تھا۔ اس رات مجھے ریسٹورنٹ میں دیکھ کر وہ فوراً ہی وہاں سے کھسک گیا تھا اور ہو سکتا ہے اس نے ٹیلی فون کر کے یشودھر کو وہاں بلا لیا ہو یا ممکن ہے یشودھر اسی علاقے میں کہیں موجود ہو اور جب میں مایا متی کے ساتھ ریسٹورنٹ سے نکلا تو ان دونوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی اور اب ایک اور قتل۔

میں نے اعظم خان اور برندرا سے رابطہ کرنے کا فیصلہ

کے مطابق مجھے اب اسپتال میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ڈاکٹر کی اطلاع میرے لیے خاصی تشویش ناک تھی کہ مجھے اسپتال سے ڈسچارج کیا جارہا تھا۔ بریندرا اور اعظم خان کا تین دن سے کچھ پتا نہیں تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اسپتال سے نکلنے کے بعد کہاں جاؤں گا اور بلا کا کیا ہوگا۔

میں پورا دن اس پریشانی میں مبتلا رہا اور پھر اسی شام اعظم خان اور بریندرا بھی آگئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر مجھے ڈسچارج کررہا ہے تو بریندرا نے کہا۔

"میرے خیال میں اب تمہیں اسپتال میں پڑے رہنے کی ضرورت تو نہیں۔ آرام تو تم گھر پر بھی کرسکتے ہو۔ ڈاکٹر کی طرف سے مجھے اطلاع مل گئی تھی اسی لیے تو میں آیا ہوں کہ تمہیں گھر بھیجنے کا بندوبست کیا جاسکے۔"

"کیا اسی بنگلے میں جہاں۔۔۔"

"نہیں۔ وہ جگہ اب تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔" بریندرا نے میری بات کاٹ دی "تمہارے لیے دوسری جگہ کا بندوبست کیا گیا ہے۔ وہاں تم کسی مداخلت کے بغیر آرام بھی کرسکو گے اور آزادی سے تھوڑا بہت گھوم پھر بھی سکو گے۔"

"اور بلا کا کیا ہوگا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" بریندرا نے جواب دیا "وہ ابھی چند روز اسپتال ہی میں رہے گی اور پھر اسے بھی تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"اور ان کا کچھ پتا چلا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہم اپنی داخلی مصروفیات کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں دے سکے لیکن مجھے امید ہے کہ اب چند روز میں ان کا بھی سراغ لگالیا جائے گا۔" بریندرا نے کہا "میرے آدمی آج رات کسی وقت تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔"

وہ دونوں تقریباً آدھے گھنٹے تک میرے پاس بیٹھے رہے اور پھر ہاتھ ملا کر رخصت ہوگئے۔

رات گیارہ بجے ایک پستہ قامت آدمی کانٹیبل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جوگندر کے نام سے اپنا تعارف کراتے ہوئے ایک تھیلا میری طرف بڑھادیا۔

"باتھ روم میں جاکر کپڑے بدل لو۔ ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔"

میں کچھ کہے بغیر تھیلا لے کر لمحہ باتھ روم میں گھس گیا۔ تھیلے میں ٹنگ پائنچے کا سفید پاجامہ' کھدر کا سفید کرتہ اور کالا ہاف کوٹ تھا۔ میں نے اسپتال کے کپڑے اتار کر کھونٹی پر ٹانگ دیے اور یہ کپڑے پہن کر باہر آگیا۔ جوگندر کے پاس پلاسٹک کے ایک تھیلے میں ہوائی چپل بھی تھے جو اس نے میرے سامنے رکھ دیے۔

میں نے اسپتال سے رخصت ہونے سے پہلے بلا سے ملنے کی خواہش کی تو انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہم لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر آگئے۔

بلا جاگ رہی تھی۔ نرس کرسی پر بیٹھی اس سے باتیں کررہی تھی۔ میں دس منٹ سے زیادہ وہاں نہیں رکا۔ بلا کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتا رہا اور پھر جوگندر کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا۔

بہت بڑا اسپتال تھا۔ آمدورفت کے لیے اس کے دو بڑے گیٹ تھے لیکن جوگندر کسی گیٹ کی طرف جانے کے بجائے راہداریوں میں گھومتے ہوئے اسپتال کی پچھلی طرف آگیا۔ وہ دونوں کانٹیبل بھی ہمارے ساتھ تھے جو ہر وقت میرے کمرے کے دروازے پر موجود رہتے تھے۔

اس طرف ایک چھوٹا گیٹ تھا۔ اس گیٹ پر بھی ایک دربان موجود تھا لیکن اس نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہم گیٹ سے باہر آگئے۔

اس طرف تقریباً تیس فٹ چوڑی سڑک تھی جس کے دوسری طرف بہت بڑا پارک تھا لیکن اس وقت پارک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور سڑک پر بھی روشنی کا کوئی مناسب انتظام نہیں تھا۔ بجلی کے کھمبے تو موجود تھے لیکن بیشتر بلب یا تو ٹوٹ چکے تھے یا فیوز ہوگئے تھے۔ بائیں طرف بہت دور کسی کھمبے پر ایک بلب ٹمٹماتے ہوئے دکھائی دے رہا تھا۔

گیٹ سے نکلتے ہی سڑک پر بائیں طرف سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ جوگندر نے آگے بڑھ کر کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ میرے بیٹھنے کے بعد اس نے پولیس والوں کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک آدمی پہلے ہی سے موجود تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کردیا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔ نہ تو ڈرائیور نے جوگندر سے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی جوگندر نے ڈرائیور کو کچھ بتانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ ڈرائیور جانتا تھا اسے کہاں جانا ہے۔

گاڑی دو تین سڑکوں پر گھومنے کے بعد پیکالی بھیروا مندر

کے قریب سے گزر کر ترپیور اور ٹیکو ڈسٹرکٹ کو ملانے والی مین روڈ پر نکل آئی۔ میرے ساتھ بیٹھا ہوا جوگندر مجھے بتاتا جارہا تھا کہ ہم کن کن علاقوں سے گزر رہے ہیں۔ وہ سڑکوں اور راستے میں پڑنے والی بڑی بڑی عمارتوں کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ کررہا تھا۔

دریائے بھاگ متی پار کرکے ہم للت پور PUR LALIT کے علاقے میں داخل ہوگئے۔ یہ کشادہ سڑک چوک سے ہوتی ہوئی سیدھی قدیم شاہی محل اور دربار اسکوائر کی طرف چلی جاتی تھی۔ اگرچہ رات کے بارہ بجنے والے تھے مگر اس علاقے میں خاصی رونق تھی۔ لگتا تھا ابھی شام اتری ہو۔ تمام ریسٹورنٹس اور کھانے پینے کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔

ہماری کار دربار اسکوائر سے گزر کر مہابُدھا عبادت گاہ کی طرف نکل گئی اور اس سے تقریباً نصف میل آگے رنگ روڈ کے قریب ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور کو صرف ایک مرتبہ ہارن بجانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ گیٹ کھل گیا اور وہ کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

یہ بنگلا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی پہلے سے موجود تھا۔ جوگندر نے سنگھا نامی اس شخص کو میرے بارے میں ہدایات دیں اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"سنگھا آپ کا خادم ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف اس سے کہہ دیں۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا "فی الحال تو میں کافی کی طلب محسوس کررہا ہوں۔"

جوگندر نے سنگھا کی طرف رخ کرکے صرف میرے لیے ایک کپ کافی بنانے کو کہا اور پھر مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آیئے۔ میں آپ کو کمرا دکھادوں۔"

میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس بنگلے میں تین بیڈ رومز تھے۔ ہر بیڈ روم ضروری فرنیچر سے آراستہ تھا۔ وہ مجھے اس بیڈ روم میں لے آیا جو دوسرے کمروں سے قدرے بڑا تھا اور اس میں ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ ایک کرسی پر اپنا بیگ اور کرسی کے نیچے اپنے جوگرز اور بلا کے سینڈل دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ہمارا یہ سامان پہلے ہی یہاں پہنچا دیا گیا تھا اور یہ پہلے ہی سے طے تھا کہ اسپتال سے فارغ ہو کر ہمیں یہیں لایا جائے گا اور اسی لیے ہمارے لیے ڈبل بیڈ والے کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا لیکن فی الحال میں اکیلا ہی یہاں آیا تھا۔

ہم دوبارہ لاؤنج میں آگئے۔

"ٹھیک ہے سر۔" جوگندر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "آپ کافی پی کر آرام کیجیے۔ میں چلتا ہوں اور یہ۔۔۔" اس نے جیب سے کاغذ کا ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا "یہ وہ ادویات ہیں جو آپ کو اسپتال میں استعمال کرائی جارہی تھیں۔ آپ ان کا استعمال جاری رکھیے۔"

میں نے لفافہ اس سے لے لیا۔ جوگندر نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملایا۔ وہ سلام کرکے رخصت ہوگیا اور ٹھیک اسی وقت سنگھا کچن سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے کافی کا کپ سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ جوگندر کی گاڑی جیسے ہی باہر نکلی وہ گیٹ بند کرکے اندر آگیا۔

میں کمرے میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ فرش پر سینتھیٹک قالین بچھا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی مناسب ہی تھا۔ ایک طرف چھوٹی میز پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

میرے لیے صورت حال نہایت سنگین تھی۔ میں خود زخمی تھا اور بلا اسپتال میں پڑی تھی جس کے بارے میں مجھے زیادہ تشویش تھی۔ ہم شوبھا کو دیش مکھ کے چنگل سے چھڑانے کے لیے اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے اور ہمارے آتے ہی دو بے گناہ مارے گئے تھے۔ شاید میرا سایہ ہی منحوس تھا۔ جہاں جاتا تھا قتل و غارت کا بازار گرم ہوجاتا تھا۔ یہاں آنے کے پہلے ہی دن دو قتل ہوگئے تھے۔ اب آگے پتا نہیں کیا ہونے والا تھا۔

یہاں اگرچہ مجھے اعظم خان اور بریندرا جیسے با اثر پولیس افسروں کی حمایت حاصل تھی لیکن میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کررہا تھا۔ میں اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا عادی نہیں تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ میں خود بھی زخمی تھا اور بلا بھی' بریندرا اور اعظم خان اپنے مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ ابھی تک دیش مکھ اور روی کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ دس بارہ روز ہوچکے تھے اور میں شوبھا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پتا نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک لاؤنج میں بیٹھا انہی سوچوں میں غلطاں رہا۔ میں نے ایک دو مرتبہ نوٹ کیا تھا کہ سنگھا ایک طرف قالین پر بیٹھا بار بار میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اچانک ہی خیال آگیا کہ وہ میری ہی وجہ سے یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر کمرے میں آگیا۔ سنگھا بھی میرے پیچھے ہی آیا تھا۔

"میری وجہ سے تم بھی جاگ رہے ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو نیند نہیں آرہی۔ تم جاکر سوجاؤ۔"

سنگھا کچھ کہے بغیر بیڈ کے سامنے والی دیوار کے قریب رک گیا۔ اس دیوار میں تین مربع فٹ کی ایک الماری بنی ہوئی تھی جس کے پٹ بند تھے۔ اس نے الماری کے دائیں طرف والے پینل پر لگا ہوا سفید رنگ کا ایک بٹن دبا دیا۔ الماری کے دونوں پٹ اسپلٹ ونڈو کی طرح اطراف میں سمٹ گئے۔

اندر ایک ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ایک خانے میں کئی ویڈیو کیسٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔ سنگھا نے ٹی وی کی سائیڈ میں رکھا ہوا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"نیند نہیں آرہی تو ٹی وی سے دل بہلائیے۔ اس وقت چینل نمبر سات پر بڑے اچھے پروگرام آتے ہیں۔ اگر اس دوران میں کسی چیز کی ضرورت محسوس کریں تو مجھے آواز دے کر بلالیں۔"

"نہیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم جاکر سوجاؤ۔" میں نے کہا۔

سنگھا کے جانے کے بعد میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں صرف ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی جس پر رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کسی عورت کی آمدورفت بھی رہتی ہے۔ میگھنا نے بتایا تھا کہ برندرا شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی ایک الگ مکان میں رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اسی کا گھر ہو اور برندرا نے میری وجہ سے اپنی بیوی کو چند روز کے لیے گھر اور بھیج دیا ہو۔

میں نے کمرے کا دروازہ بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن پریشانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہو تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کچھ دیر تک کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر ٹی وی آن کردیا۔

اس کمرے کی سیٹنگ میں کچھ باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ مثال کے طور پر ٹی وی والی وہ الماری ایسی جگہ پر بنائی گئی تھی کہ بیڈ پر لیٹے لیٹے آرام سے ٹی وی دیکھا جاسکتا تھا۔ میں نے تکیے کا سہارا لے کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن دبانے لگا۔ زیادہ تر بھارتی چینلز تھے۔ میں چند منٹ ایک چینل کا کوئی پروگرام دیکھتا اور پھر دوسرا چینل لگا دیتا۔ چینل سات لگاتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ بہت ہی گندا اور بے ہودہ پروگرام تھا۔ یہ بھی انڈیا ہی کا کوئی چینل تھا۔ میں پہلے بھی کسی جگہ بتا چکا ہوں کہ بے حیائی اور بے غیرتی میں انڈیا والے یورپ اور امریکا کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یہ چینل بھی ان کی بے غیرتی کی عکاسی کررہا تھا۔ میں نے ٹی وی بند کردیا اور سوچنے لگا کہ سنگھا نے مجھے یہ ویلچپ پروگرام دیکھنے کا مشورہ کیوں دیا تھا پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب بھی تلاش کرلیا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ مجھ جیسا جوان اور تنہا آدمی شاید اس قسم کی چیزوں سے دل بہلانا پسند کرتا ہو۔

میں نے بیڈ سوئچ آف کرکے بتی بجھا دی اور آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

تیسرے دن شام کے بعد نرس مایا متی میرے سر کی پٹی تبدیل کرنے کے لیے پہنچ گئی۔

"تمہیں کس نے یہاں آنے کے لیے کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم اپنے مریض کا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوجائے۔" مایا متی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا تمام مریضوں کا اسی طرح پیچھا کیا جاتا ہے؟" میں نے اسے گھورا۔

"بالکل نہیں۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی "یہ تو ڈیپنڈ کرتا ہے۔ اچھا آؤ۔ میرے سامنے بیٹھو۔ تمہاری ڈریسنگ تبدیل کردوں۔"

میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میری پشت پر کھڑے ہوکر پٹی کھولنے لگی۔

"میرا خیال ہے اب ڈریسنگ کی ضرورت تو نہیں۔" وہ زخم پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی "زخم تو ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب صرف احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"اگر ڈریسنگ کی ضرورت نہیں تو رہنے دو۔" میں نے سر کے زخم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اچھا۔ اب یہ بتاؤ تمہارا آج شام کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

میں کئی روز تک اسپتال میں رہا تھا اور اس دوران مایا متی سے اچھی خاصی بے تکلفی ہوچکی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ وہ کھٹمنڈو سے تقریباً سو کلومیٹر دور آر نیکوہائی وے پر واقع سن کوسی بازار نامی چھوٹے سے قصبے کی رہنے والی ہے۔ کھٹمنڈو میں وہ اکیلی ہی رہتی تھی۔ یہاں اس نے ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا جس میں اس کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی رہتی تھی جو کسی سرکاری آفیسر کی سیکریٹری تھی۔

"کیا مطلب؟" مایا متی نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مطلب یہ کہ میں بیزاری کی حد تک بور ہوچکا ہوں۔ تنہائی سے گھبرانے لگا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ کم از کم آج شام تم میرا ساتھ دو۔ ہم دونوں کسی ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور۔۔۔"

"اور اس کے بعد؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اس کے بعد میں تمہیں تمہارے فلیٹ پر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "اگر میری وجہ سے تمہیں کوئی خوشی ملتی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے لیکن پہلے مجھے اپنے فلیٹ پر جانا پڑے گا۔"

"کیوں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کپڑے بدلنے ہوں گے۔ اس لباس میں تو میں بالکل اچھی نہیں لگ رہی۔" اس نے کہا۔

"بالکل اچھی لگ رہی ہو بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" میں نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ شام کو ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد اسپتال سے نکلنے سے پہلے لباس تبدیل کرلیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے گرے کلر کا اسکرٹ اور سلیولیس بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اسکرٹ بھی گھٹنوں سے کچھ اوپر تھا۔

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔" وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"تم بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ صرف چند منٹ لگیں گے۔" میں اسے ہال میں چھوڑ کر کمرے میں آگیا اور دروازہ بند کرکے کپڑے تبدیل کرنے لگا پھر جوگرز پہننے اور کمرے سے باہر آگیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے میں اپنے بیگ میں سے کچھ رقم لینا نہیں بھولا تھا۔

اس وقت شام کے آٹھ بجنے والے تھے۔ مایا متی کے ساتھ میں نے سیر و تفریح کے لیے پروگرام نہیں بنایا تھا۔ میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کررہا تھا اور پچھلے دو دن سے سوچ رہا تھا کہ اب مجھے بھی اپنے ہاتھوں پیروں کو حرکت دینی چاہیے۔ ان دو تین دنوں کے دوران میں، میں نے سنگھا سے شہر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرلی تھیں۔ ایک مرتبہ تو میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ سنگھا کو ساتھ لے کر شہر میں نکل چلوں لیکن سنگھا کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ میرے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوگا۔ اتفاق سے مایا متی آگئی تھی۔ اسے ڈاکٹر پربھاکر نے میری ڈریسنگ تبدیل کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ڈاکٹر پربھاکر کو برندرا کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ میرا خیال رکھے۔ میں نے مایا متی کو دیکھ کر ہی باہر جانے کا پروگرام بنایا تھا اور مایا متی تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد تیار ہوگئی تھی۔

ہم بنگلے سے نکل کر کچھ دور تک پیدل چلتے رہے پھر میں نے ایک سائیکل رکشا روک لیا۔ یوں تو ایک دو خالی ٹیکسیاں بھی ہمارے قریب سے گزری تھیں لیکن میں نے سائیکل رکشا کو ترجیح دی تھی۔ اس طرح میں شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہوسکتا تھا۔ رکشا بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ اوپر محراب کی طرح خوب صورت چھت بنی ہوئی تھی۔ یہ چھت محض رکشا کی سجاوٹ کے لیے تھی کیونکہ اس سے نہ تو دھوپ سے بچا جاسکتا تھا اور نہ ہی بارش سے۔

رکشا کی سیٹ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھے تھے اور میں نے محسوس کیا تھا کہ مایا متی نے کچھ جان بوجھ کر بھی اپنا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو کنارے کی طرف دباتے ہوئے مایا متی کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

رکشا بان ادھیڑ عمر لیکن ہٹا کٹا آدمی تھا۔ مایا متی نے اسے کانتی پاتھ (روڈ) کا کہہ دیا تھا۔

ہم جودھا گھاٹ سے دریا پار کرکے شوالیا مندر کے قریب سے ہوتے ہوئے تری بھون یونیورسٹی کے پہلو سے گزر کر کانتی پاتھ پر آگئے۔ یہ سڑک تریپور مارگ سے شروع ہوکر شہر کے دوسرے سرے پر لیکھ ناتھ مارگ تک چلی گئی تھی۔ شہر کی تمام قابل ذکر بڑی بڑی عمارتیں اور شاپنگ سینٹرز اس سڑک پر یا اس کے آس پاس واقع تھے۔ کانتی پاتھ دیکھ کر مجھے بنکاک کا سوکھم وٹ روڈ یاد آگیا۔ اس کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ کانتی پاتھ کے ایک طرف گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ اسے قدیم شہر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ بعض کشادہ سڑکوں کے ساتھ تنگ اور پر ہجوم بازاروں اور گلیوں کا ایک جال سا تھا جو چاروں طرف میلوں دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہندوؤں کے لاتعداد مندر اور بدھ عبادت گاہیں بھی اسی علاقے میں واقع تھیں۔

مایا متی مجھے ہر چیز کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ جنرل پوسٹ آفس ہے، یہ ملٹری اسپتال اور یہ بیرا اسپتال۔ وہ سامنے رتنا پارک ہے اور اس کے ساتھ رانی پوکھری اور وہ سامنے دائیں طرف میٹنل تھیٹر ہے۔ اس سے ذرا آگے چلے

جائیں تو کمار کی چوک ہے۔

مایا متی اس سڑک پر اور اس کے آس پاس واقع بڑے بڑے ہوٹلوں کی نشان دہی بھی کر رہی تھی۔ پورا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مایا نے رکشا نیشنل تھیٹر سے پہلے ہی بائیں طرف آصف جمال روڈ پر مڑوالیا۔ اب ہم گنجان آبادی والے علاقے میں آگئے تھے۔ مایا متی ایک ایک چیز کے بارے میں بتا رہی تھی اور میں اس طرح خوش ہو رہا تھا جیسے پہلی مرتبہ شہر کی بتیاں دیکھنے کے لیے آیا ہوں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ میں بڑی توجہ سے سڑکوں کے نام اور راستے ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔

دربار چوک پر مایا متی نے رکشا رکوالیا۔ میں نے اتر کر کرایہ ادا کیا اور مایا متی کے ساتھ ایک طرف چلنے لگا۔ یوں تو اس وقت شہر کے ہر چوک، ہر سڑک اور ہر موڑ پر رونق تھی لیکن دربار اسکوائر کی بات ہی کچھ اور تھی۔ یہ وہ علاقہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں کبھی رات نہیں ہوتی۔ ہم گنگا پاتھ سے ہوتے ہوئے فریک اسٹریٹ پر آگئے۔ یہاں چند اچھے ریسٹورنٹس تھے۔ فاسٹ فوڈ کی بے شمار دکانیں تھیں۔ خوراک میں زیادہ تر مچھلی اور بعض پرندوں کا گوشت استعمال ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سبزیوں سے بھی طرح طرح کی لذیذ ڈشیں تیار ہوتی تھیں۔ مچھلی سے بھی کئی طرح کی ڈشیں تیار ہوتی تھیں اور اس وقت تو پورے بازار میں تلی ہوئی اور کوئلوں پر بھونی جانے والی مچھلی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

مایا متی میرا ہاتھ پکڑے ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئی۔ اچھا معیاری اور ائر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ تھا۔ بیشتر میزیں اگرچہ بھری ہوئی تھیں مگر شور شرابا بالکل نہیں تھا۔ ہر میز پر مردوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی لڑکی ضرور دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے لباس بھی ایسے تھے کہ نظریں بے اختیار اس طرف اٹھ جاتی تھیں۔

ایک میز خالی ہوئی تو ہم نے فوراً اس پر قبضہ جمالیا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی سانولی رنگت والی ایک جوان ویٹریس بھی ہمارے سر پر نازل ہوگئی۔ مایا متی نے اپنی پسند کا آرڈر دے دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہماری میز پر کھانا سرو کردیا گیا۔ دو قسم کی مچھلی تھی اور بگلے کا گوشت تھا جو تکے کی طرح کوئلوں پر بھونا گیا تھا۔ میں نے بگلے کے گوشت کو تو ہاتھ نہیں لگایا البتہ میں مچھلی پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔ مچھلی واقعی بہت لذیذ تھی یا کئی روز تک اسپتال کا پرہیزی کھانا کھانے کے بعد پہلی مرتبہ چٹ پٹی چیز کھائی تھی اس لیے مجھے اچھی لگ رہی تھی۔

ہم ابھی کھانا کھا رہے تھے کہ اپنے قریب ایک نسوانی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"ہیلو مایا۔"

"ہیلو رتنا۔" مایا متی نے سامنے کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے بھی اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ مایا متی سے کسی قدر کم عمر تھی۔ رنگت گوری چٹی اور چہرے کے نقوش بھی دل فریب تھے۔ سب سے زیادہ کشش اس کے نگوں زیب تھی۔ اس نے بلاؤز بھی ایسا پہن رکھا تھا کہ سامنے کھڑا شخص کسی اضافی کوشش کے بغیر نہایت آسانی سے بلاؤز کے اندر دور تک جھانک سکتا تھا۔ رتنا کے سرخ ہونٹوں پر بڑی پرکشش مسکراہٹ تھی۔

رتنا اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ درمیانے قد کا ایک آدمی بھی تھا اور اس آدمی کی صورت دیکھ کر میرے دماغ میں سناٹا سا چھا گیا اور شدید سردی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی چلی گئی۔

وہ شخص بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا لیکن اس کا نام مجھے یاد نہیں آرہا تھا۔ وہ میری گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی آپ میں جھرجھری لی اور اپنی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔ میرے اندر کی صلاحیتیں بتدریج بیدار ہو رہی تھیں۔ میری وہ کیفیت ختم ہوگئی تھی جس نے مجھے پچھلے کئی روز سے بکری کے بچے کی طرح بزدل بنائے رکھا تھا۔ میں اب راست اس شخص کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک میری نظروں کی تاب نہ لاسکا اور پلکیں جھپکتے ہوئے وہ دوسری طرف دیکھنے لگا اور پھر رتنا کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"آؤ مس رتنا، دیر ہو رہی ہے۔ تم بھول گئی ہو کہ ساڑھے دس بجے ایک جگہ پر پہنچنا ہے۔"

رتنا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر میں نے دیکھ لیا کہ اس کے ہاتھ پر اس شخص کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی۔

"ہم تو یہاں کھانا کھانے آئے ہیں مسٹر سام سنگ۔ تمہیں ایک دم کوئی اور بات کیسے یاد آگئی۔ کیا اب تمہیں بھوک نہیں لگ رہی؟" رتنا نے یہ کہتے ہوئے مسکراتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بھول گیا تھا۔" سام سنگ نامی اس شخص نے جواب دیا "دیر ہوگئی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ کھانا ہم وہیں کھالیں گے۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" رتنا نے مایا متی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا پھر میری طرف دیکھا اور سام سنگ کے ساتھ چل پڑی۔

سام سنگ کے نام پر میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ اب مجھے یاد آگیا کہ وہ کون تھا اور اسے میں نے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

گزرے ہوئے واقعات کسی فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گزرتے چلے گئے۔ مجھے چیانگ سین کے وہ دن اچھی طرح یاد تھے جب میں اور سردار تھالوب گولڈن ٹرائی اینگل کے جنرل کھوراٹ کے ساتھ ایک خوفناک جنگ لڑ رہے تھے۔ اس جنگ میں سردار تھالوب کے وفادار وانگ ڈن کے علاوہ اس کے کئی آدمی مارے گئے تھے اور جنرل کھوراٹ کے ایک دو آدمی پکڑے بھی گئے تھے لیکن وہ ہمیں دھوکا دے کر فرار ہوگئے تھے اور دارا وغیرہ کے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف نکل گئے تھے۔ یہ سام سنگ بھی انہی میں سے ایک تھا جو ہماری حراست سے فرار ہوئے تھے۔

اور میرا خیال ہے... نہیں بلکہ یقین ہے کہ اس وقت سام سنگ نے بھی مجھے پہچان لیا تھا اس لیے اس نے وہاں سے بھاگ لینے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔ میں بھی اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن مایا متی کی وجہ سے ایسا نہیں کرسکا۔ مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ رتنا مایا متی کی دوست تھی اور سام سنگ رتنا کے ساتھ تھا۔ بعد میں کسی بھی وقت رتنا سے اس کے بارے میں پوچھا جاسکتا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کہاں کھو گئے؟" مایا متی نے یہ کہتے ہوئے میرے چہرے کے سامنے ہاتھ ہلایا تو میں چونک گیا۔

"اوہ۔ کچھ نہیں۔" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں تمہاری اس دوست کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا نام ہے اس کا ہاں۔ رتنا۔"

"کیوں۔ پسند آگئی وہ؟" مایا متی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا "وہ تم سے زیادہ حسین تو نہیں۔ اس کی تو صرف چمڑی گوری ہے جبکہ تم میں اور کئی گن ہیں۔"

"وہ بہت چالاک ہے۔" مایا متی بولی "اس میں ایک گن یہ ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں کسی مرد کو پھانس لیتی ہے۔ اب اپنی ہی مثال لے لو۔ تم سے اگرچہ اس کی بات چیت بھی نہیں ہوئی لیکن وہ تمہارے ذہن میں اپنے لیے سوچ کے دروازے کھول گئی۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "تم اسے کیسے جانتی ہو۔ میرا مطلب ہے رتنا کو؟"

"رتنا بھی میرے ساتھ اسپتال میں نرس تھی۔" مایا متی نے جواب دیا "اس کی ڈیوٹی زیادہ تر اسپیشل وارڈ اور پرائیویٹ رومز میں ہوتی تھی جہاں دولت مند مریض ہی داخل ہوتے ہیں۔ رتنا کو اسپتال کی سب سے دولت مند نرس سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پاس ایک رینالٹ گاڑی بھی تھی۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے پاس دولت کہاں سے آتی ہوگی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "اور پھر اس نے ایک بہت دولت مند مریض کو پھانس لیا اور اسپتال کی نوکری چھوڑ دی۔ ہمارا خیال تھا کہ رتنا اس دولت مند شخص سے شادی کرلے گی لیکن وہ رئیس اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ سیاست میں رہ کر کوئی شخص خود بے وقوف نہیں بنتا بلکہ دوسروں کو بناتا ہے۔ اس رئیس سیاست داں نے بھی رتنا کو بے وقوف بنایا تھا۔ کچھ عرصے اس سے کھیلتا رہا اور پھر اسے دوسروں کے حوالے کردیا۔ اب وہ اس کے دوستوں اور مہمانوں کا دل بہلاتی ہے لیکن رتنا بہت خوش ہے کیونکہ دل بہلاوے کے ساتھ اسے دولت بھی مل رہی ہے۔ پچھلے دنوں سنا تھا کہ اس نے گورکھا میں ایک خوب صورت لاج خرید لیا ہے۔"

"گورکھا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر شمال میں۔" مایا متی نے جواب دیا "خوب صورت ہل اسٹیشن ہے۔ وہاں رائل پیلس اور قلعہ بھی ہے۔ نیپال کی رائل فیملی گرمیوں میں چند ہفتے وہیں گزارتی ہے۔"

"رتنا کے دوست سیاست داں کا کیا نام ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"ناگ پال۔" مایا متی نے جواب دیا "اس نے انسانوں کے روپ میں واقعی بہت سے ناگ پالے ہوئے ہیں۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"کیا وہ اسمبلی کا ممبر بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں لیکن وہ اسمبلی کے کسی ممبر یا منسٹر سے زیادہ طاقت ور ہے۔" مایا متی نے کہا "اس نے اپنے گرد بہت طاقت جمع کر رکھی ہے۔ اسے تم نیپال کا بال ٹھاکرے کہہ سکتے ہو۔ جب چاہے ہنگامے کروا کر شہر بند کروا دیتا ہے۔ پچھلے دنوں جو ہنگامے ہوئے تھے، سنا ہے ان میں بھی اسی کا ہاتھ تھا مگر تم اس قدر کرید کیوں کر رہے ہو؟" مایا متی نے میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"کچھ نہیں۔ یونہی۔ اپنی معلومات میں اضافے کے لیے۔" میں نے جواب دیا اور کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میں کھانا کم کھا رہا تھا اور سوچ زیادہ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میرے دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ جب ہم بھارت کے سرحدی قصبے ٹنک پور میں تھے تو انسپکٹر اعظم خان نے بتایا تھا کہ ایک خاص گروہ نیپال میں گڑ بڑ پھیلانے کی کوشش کررہا ہے تاکہ نیپال اور بھارت کے تعلقات میں دراڑیں آجائیں۔ ہوسکتا ہے جرائم پیشہ لوگوں کا وہ گروہ اتنا زیادہ طاقت ور نہ ہو لیکن اسے ترياڈ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ترياڈ TRIAD اگرچہ ہانگ کانگ کی مافیا تنظیم تھی جسے اس وقت دنیا کی سب سے خوفناک تنظیم سمجھا جاتا ہے اور میں جانتا تھا کہ ترياڈ کو جنرل کھوراٹ جیسے خطرناک ترین لوگوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔

انسپکٹر اعظم خان کے کہنے کے مطابق ترياڈ نیپال میں اس جرائم پیشہ گروہ کی پشت پناہی کرکے نیپال کی اسمبلی میں اپنے آدمی پہنچانا چاہتی ہے تاکہ نیپال کے شمال مغربی علاقوں تک اس کی رسائی ہوسکے جہاں دنیا کی بہترین افیون پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے وہ علاقے بھی ملتے تھے جو پوست کی پیداوار کے لیے دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔

اور اب سام سنگ کو یہاں دیکھ کر انسپکٹر اعظم خان کے خیالات کی تصدیق ہورہی تھی۔ سام سنگ یقیناً اکیلا نہیں ہوگا۔ اس کے کچھ اور ساتھی بھی یہاں موجود ہوں گے لیکن سام سنگ مجھے دیکھ کر کھسک گیا تھا۔

اتفاق سے سام سنگ کا تعلق بھی ایسے آدمی سے تھا جسے نیپال کی سیاست میں ٹربل میکر کہا جاسکتا تھا۔ مایا متی نے ناگ پال کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے تو ایسی ہی رائے قائم کی جاسکتی تھی۔

میں نے سام سنگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور فی الوقت میری نظروں میں رتنا ہی ایسی ہستی تھی جو اس کے بارے میں کچھ بتاسکتی تھی اور فوری طور پر رتنا کے بارے میں مزید کوئی سوال کرنا مایا متی کو شک میں مبتلا کرسکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی میں دیش کھ کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ وہی تو میرا اصل مشن تھا۔ اسے میں کیسے بھول سکتا تھا۔ دیش کھ' روی کی پناہ میں تھا اور وہ دونوں روپوش تھے۔ پولیس ان کا کوئی سراغ نہیں لگا سکی تھی لیکن میں نے انہیں تلاش کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ رتنا ہی سے روی کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہوسکے گا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر ہم ٹہلتے ہوئے اندرا چوک کی طرف آگئے۔ دس بجنے والے تھے لیکن ساری دکانیں بند ہوئی تھیں۔ دکانوں کے سامنے ہاکروں نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ فٹ پاتھ اور سڑک کا بیشتر حصہ تو ان ہاکروں نے گھیر رکھا تھا۔

میں ایک ہاکر کے کیبن کے پاس رک گیا۔ آرٹیفیشل جیولری سجی ہوئی تھی۔ میں نے ایک خوب صورت رسٹ واچ خرید کر مایا متی کو دیا تو وہ کھل اٹھی۔

"اپنے ہاتھ سے باندھ دو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کلائی آگے کردی۔

میں نے رسٹ بینڈ اس کی کلائی پر باندھ دیا۔ اس کی قیمت اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن مایا اس تحفے پر بہت خوش ہوئی تھی۔

ہم کیل ٹول کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن آگے راستہ بند تھا۔ دو تین گاڑیاں اس طرح پھنس گئی تھیں کہ پیچھے ٹریفک جام ہوگیا تھا۔ ایک کار فٹ پاتھ پر چڑھ گئی جس سے پیدل چلنے والوں کا راستہ بھی بند ہوگیا تھا۔

"اس طرف سے آؤ۔ اس گلی سے نکل چلتے ہیں۔" مایا متی مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف کھینچنے لگی۔

ہم بازار کے عقب میں آکاش مندر والی گلی میں چلے گئے۔ اس مندر کا مرکزی دروازہ دوسری طرف تھا۔ پچھلی طرف واقع یہ تنگ سی گلی سنسان پڑی تھی۔ اندھیرا تھا۔ سامنے موڑ پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا لیکن اس کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ مایا متی ایک اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچی۔

سامنے گلی کا موڑ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ اس طرف سے بھی ایک آدمی گلی میں آرہا تھا۔ ہمارے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ ایک عورت اور ایک مرد تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر ہمارے پیچھے بھی آرہے تھے۔ غالباً یہ لوگ بھی ہماری طرح بارش سے بچنے کے لیے اس طرف آگئے تھے۔

میں مایا متی سے باتیں کرتے ہوئے چلتا رہا۔ مایا نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور وہ میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ سامنے سے آنے والا آدمی ہمارے قریب پہنچ گیا۔ وہ گلی کے عین وسط میں چل رہا تھا۔ وہ مزید قریب پہنچا تو میں نے مایا متی کو دباتے ہوئے ایک طرف ہٹنا چاہا تو یوں لگا جیسے مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

قریب پہنچ کر اس شخص نے اچانک ہی میرے گھونسا مار دیا۔ مجھے لگا جیسے میری ناک پر کسی وزنی ہتھوڑے سے زور دار ضرب لگائی گئی ہو۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔ مایا متی بھی چیختے ہوئے نیچے گر گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا' پیچھے سے آنے والے آدمی نے بھی میری گردن پر زور دار گھونسا رسید کردیا۔ میں کراہتے ہوئے آگے کو گرنے لگا تو سامنے والے شخص نے زوردار ٹھوکر لگادی۔

ٹھوکر میرے سینے پر لگی۔ میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں اچھل کر سیدھا ہوا تو دوسرے آدمی نے ایک اور گھونسا رسید کردیا۔

میں سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا لیکن ان دونوں نے مجھے چھاپ لیا تھا۔ ان کے گھونسوں اور لاتوں سے مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے مایا متی کی چیخوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہمارے عقب سے آنے والے آدمی کی ساتھی عورت مایا متی کی دھنائی کررہی تھی۔

اب مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ تقریباً ایک گھنٹا پہلے ریسٹورنٹ میں سام سنگ سے سامنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ مایا متی کی جانکار ایک سابق نرس رتنا بھی تھی۔ سام سنگ فوراً ہی وہاں سے کھسک گیا تھا۔ اس نے رتنا سے کہیں اور پہنچنے کا بہانہ کیا تھا لیکن اب بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ کہیں جانے کے بجائے وہ ریسٹورنٹ کے آس پاس ہی کہیں موجود رہا تھا اور غالباً فون کرکے اپنے کسی ساتھی کو بلالیا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ سے ہی ہمارا تعاقب کررہے تھے۔ بارونق بازاروں میں انہیں ہمارے خلاف کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن اس سنسان اور تاریک گلی میں انہوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔

اندھیرے میں ان کے چہرے نظر نہیں آرہے تھے لیکن ان دونوں میں ایک سام سنگ تھا اور وہ عورت یقیناً رتنا تھی جو مایا متی کی پٹائی کررہی تھی۔

میں کچھ دیر تو ان سے پٹتا رہا لیکن پھر مجھے موقع مل گیا۔ میرے پیر کی ٹھوکر سامنے والے آدمی کی پنڈلی کی ہڈی پر لگی تھی۔ وہ کراہتے ہوئے ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے منہ پر زوردار پنچ رسید کردیا اور اس کے ساتھ ہی بڑی تیزی سے پیچھے پلٹ گیا۔ دوسرا آدمی مجھے کک لگانے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اس کا پیر پکڑ کر پیچھے اچھال دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور جب اٹھنے کی کوشش کررہا تھا تو میری کک اس کی پسلیوں پر پڑی اور وہ چیخ اٹھا۔

اور پھر میں نے ان میں سے کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں ہر وہ حربہ استعمال کررہا تھا جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ ایک کو کک اور دوسرے کو پنچ۔ میری ایک کک رتنا کو بھی لگی جو مایا متی کو رگید رہی تھی۔ وہ چیختے ہوئے دوسری طرف الٹ گئی۔

سام سنگ نے چاقو نکال لیا۔ چاقو کھلنے کی "کررر" کی آواز سن کر ہی میں اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتے ہوئے میری طرف لپکا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس کی پیشانی پر لگی۔ وہ بلبلاتے ہوئے پیچھے الٹ گیا۔ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتے ہوئے دور جا گرا تھا۔

فلائنگ کک لگانے کے بعد میں بھی نیچے گرا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ دوسرا آدمی اس دوران میں مجھ پر حملہ آور ہوچکا تھا۔ میں نے اسے ہاتھوں پر سنبھال کر دور اچھال دیا اور اٹھ کر اس پر چھلانگ لگادی۔

میں اس کے سینے پر سوار اس کا گلا دبوچنے کی کوشش کررہا تھا کہ ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہمت سنگھ' بچیے...!"

یہ مایا متی کی آواز تھی۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس آواز میں پوشیدہ ہدایت پر عمل کیا اور اپنے حریف کو چھوڑ کر ایک طرف لوٹ لگادی اور اسی لمحے زمین پر پڑے ہوئے میرے حریف کی خوفناک چیخ گونج اٹھی۔

سام سنگ چاقو سے مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ مایا متی نے بروقت مجھے خبردار کردیا۔ میں تو ایک طرف لوٹ لگا کر چاقو کی زد میں آنے سے بچ گیا لیکن سام سنگ کا چاقو زمین پر پڑے ہوئے میرے حریف کے سینے میں دستے تک پیوست ہوچکا تھا۔

سام سنگ بدحواس ہوگیا۔ وہ چاقو اس کے سینے میں پیوست چھوڑ کر سیدھا ہوگیا۔ اسی وقت میں نے سنبھل کر اسے زوردار فرنٹ کک لگادی۔ وہ چیختے ہوئے زمین پر گرا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اٹھ کر مجھ پر حملہ کرے گا لیکن وہ حملہ کرنے کے بجائے اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ رتنا نے بھی اس کے پیچھے ہی دوڑ لگادی۔

مایا متی زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا مایا۔ زیادہ چوٹ..."

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ کراہی "سر پر چوٹ لگی ہے مگر میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے ایک ہاتھ سر سے ہٹالیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میں نے بھی گھوم کر زمین پر پڑے ہوئے اس آدمی کی طرف دیکھا۔ خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا اور وہ تڑپ رہا تھا۔

اسی وقت سامنے کے موڑ سے گلی میں تین چار افراد داخل ہوئے۔ ان میں کوئی عورت بھی تھی جس کے قہقہے کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔

"اس طرف آجاؤ۔ اس گلی میں۔" مایا متی میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑی۔

ہم پہلو کی ایک گلی میں داخل ہوگئے۔ یہ گلی بہت تنگ اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایک طرف مندر کی دیوار تھی اور دوسری طرف مکانوں کی عقبی دیوار۔ ان مکانوں کے دروازے دوسری طرف کشادہ گلی میں تھے۔

یہ تنگ اور تاریک سی گلی تقریباً پچاس گز طویل تھی۔ ابھی ہم نے نصف راستہ طے کیا تھا کہ عقب سے ایک خوفناک نسوانی چیخ سنائی دی۔ دوسری گلی میں آنے والوں نے گلی میں پڑے ہوئے اس شخص کو دیکھ لیا تھا جس کے سینے میں چاقو پیوست تھا۔ میں مایا متی کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگا۔

ہم ایک کشادہ گلی میں نکل آئے۔ یہاں قدرے روشنی تھی اور کچھ لوگوں کی آمدورفت بھی تھی۔ میں نے مایا متی کی طرف دیکھا۔ رتنا سے دھینگا مشتی میں اس کا بلاؤز پھٹ گیا تھا اور بال الجھے ہوئے تھے۔ میری قمیص کے بٹن بھی ٹوٹ گئے تھے۔ گریبان نیچے تک کھلا ہوا تھا۔ بال بھی بکھرے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کے یہ حلیے ہمیں لوگوں کی نظروں میں مشکوک بنا سکتے تھے۔

مایا متی ایک طرف چلتی رہی۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ہم گلیوں ہی گلیوں میں چلتے ہوئے کیلاگیل کے مین روڈ پر نکل آئے۔ اس طرف دکانیں بھی اکا دکا ہی تھیں اور زیادہ لوگوں کی آمدورفت بھی نہیں تھی۔ مایا متی بار بار اپنے جسم کے مختلف حصوں کو سہلا رہی تھی۔ میرا خیال تھا' رتنا نے اس کی اچھی خاصی ٹھکائی کردی تھی۔

مایا متی نے ایک خالی ٹیکسی روک لی۔ ہم پچھلی سیٹ پر بیٹھے تو ڈرائیور نے گردن گھما کر مشتبہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ مایا متی نے ڈرائیور کو باغ بازار کا کہہ کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ٹیکسی کیل ٹول اور آسن ٹول کے علاقوں سے ہوتے ہوئے کانتی پاتھ عبور کرکے رتنا پارک کے ساتھ باغ بازار کی طرف جانے والی سڑک پر مڑگئی۔ لیو ہوٹل سے ذرا آگے نکل کر مایا متی نے ٹیکسی رکوالی۔ میں نے میٹر دیکھ کر کرایہ ادا کیا اور ہم دونوں پیدل ہوٹل کی طرف چلنے لگے۔ وہ ٹیکسی آگے جاکر بائیں طرف مڑگئی تھی۔

مایا متی نے ایک اور ٹیکسی رکوالی۔ اس ٹیکسی کے ذریعے ہم رمشا پاتھ پر آگئے اور پھر ایک سائیکل رکشا پر بیٹھ کر کالی کا استھان نامی علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے بنگلے بھی تھے اور چھوٹے مکان بھی۔ رکشا چھوڑ کر ہم کافی دیر تک پیدل چلتے رہے اور بالآخر ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ بنگلا نما یہ مکان دوسرے مکانوں سے قدرے الگ تھلگ تھا۔ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔

"دیوار سے کود کر اندر سے چھوٹے دروازے کا کنڈا کھول دو۔" مایا متی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا "یہ کس کا مکان ہے۔ اگر چوری کے الزام میں دھر لیے گئے تو۔"

"کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" مایا متی نے میری بات کاٹ دی۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ گلی کافی کشادہ تھی۔ اس وقت ساڑھے گیارہ کا وقت ہوگا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ میں اچک کر دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود کر چھوٹے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ مایا متی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کردیا اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے برآمدے کی طرف چلنے لگی۔

برآمدے میں پہنچ کر مایا متی ایک دیوار کو ٹٹولنے لگی اور پھر "چھن" کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ کوئی چیز نیچے گری تھی۔ مایا متی کے ساتھ میں بھی جھک کر فرش پر ٹٹولنے لگا اور پھر چابیوں کا وہ گچھا میرے ہاتھ میں آگیا جو اوپر سے گرا تھا۔ میں نے گچھا مایا متی کے حوالے کردیا۔

مایا متی نے برآمدے والا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر بتی جلادی اور پھر آگے بڑھ کر دوسری بتیاں بھی جلاتی چلی گئی۔ وہ جس طرح اس مکان میں گھوم پھر رہی تھی اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ مکان اور اس کی کوئی چیز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"آؤ نا۔ تم یہاں کیوں رک گئے۔" اس نے برآمدے والا دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مکان۔۔۔"

"اپنا ہی ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی "یہ مکان میرے تاؤ کا ہے۔ وہ کچھ عرصہ پہلے یہیں رہتے تھے پھر گاؤں چلے گئے۔ میں صرف ویک اینڈ پر یہاں آجاتی ہوں۔ ایک دو دن بڑے سکون سے گزر جاتے ہیں۔"

یہ مکان دو بیڈ روم اور ایک مختصر سے لاؤنج پر مشتمل تھا۔ مناسب فرنیچر بھی موجود تھا اور کچن میں بھی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

مایا متی مجھے ایک کمرے میں لے آئی۔ یہاں بیڈ پر کچھ کتابیں اور کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی جس پر ضرورت کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ مایا متی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔

مایا متی کے چہرے اور گردن پر چند خراشیں نظر آرہی تھیں۔ یہ غالباً رتنا کے ناخنوں کا کمال تھا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر بھی گومڑا سا ابھر آیا تھا۔ وہ خراشوں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک ہاتھ سے دائیں طرف سینہ بھی دبا رہی تھی۔

میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ میری ناک پکوڑا بن گئی تھی اور بائیں طرف کا جبڑا بھی سوجا ہوا تھا۔ مایا متی نے آئینے میں مجھے دیکھا اور اٹھ کر دیوار کے شیلف پر رکھا ہوا ایک ڈبا اتار کر لے آئی۔ یہ میڈیکل باکس تھا۔ اس نے ایک ٹیوب نکالی اور انگلی پر کریم نکال کر میری پھولی ہوئی ناک اور جبڑے پر لگانے لگی۔ اس نے دوسری ٹیوب سے اپنے چہرے اور گردن کی خراشوں پر کریم لگائی اور پھنا ہوا بلاؤز اتار دیا۔ وہ جس طرح بار بار اپنا سینہ دبا رہی تھی اس سے پتا چلتا تھا کہ اس کے سینے پر اچھی خاصی ضرب لگی تھی۔ اس نے وہی ٹیوب اٹھالی جس سے میری ناک اور جبڑے پر کریم لگائی تھی اور جب وہ بلاؤز کے نیچے کا اِنر وئیر اوپر اٹھانے لگی تو میں وہاں سے ہٹ گیا۔

میں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں میں جھانکنے لگا۔ چند منٹ بعد مایا متی کمرے سے برآمد ہوئی تو وہ لباس بھی تبدیل کرچکی تھی۔ میں اس وقت لاؤنج میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کچن میں گھس گئی اور چند منٹ بعد چائے بنا کر لے آئی جس میں پاؤڈر ملک استعمال کیا گیا تھا۔

"میں اس کتیا کو چھوڑوں گی نہیں۔" وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "مجھے خیال نہیں تھا کہ وہ بدمعاشوں کے ساتھ رہ کر خود بھی بدمعاش ہوگئی ہے۔ اس نے پرانی دوستی کا بھی خیال نہیں کیا۔ کم بخت نے اس طرح مارا اور نوچا کھسوٹا ہے کہ میرے بدن کا جوڑ جوڑ ہل کر رہ گیا ہے۔"

میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوئے تھی جس کا مطلب تھا کہ اب وہ اس گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ میں کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"تمہارا وہ ملٹ کہاں ہے؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس ہے۔" میں نے جیب سے وہ ملٹ نکال کر اسے دکھایا۔

"اس کا مطلب ہے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔" وہ بولی۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو؟ انہوں نے ہمیں کیوں گھیرا تھا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں لوٹنے کے لیے۔" مایا متی نے کہا "وہ غنڈوں کے ساتھ مل کر آج کل شاید یہی دھندا کررہی ہے۔ اس نے سمجھا ہوگا کہ شاید میں نے کوئی بہت دولت مند گاہک پھانسا ہے۔ چڑیل بھی سات گھر چھوڑ کر وارداتیں کرتی ہے لیکن اس کمینی نے تو حد کردی۔ میں اسے ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔"

مایا متی کی باتوں نے مجھے کسی حد تک چونکا دیا تھا لیکن میں نے اس معاملے میں زیادہ جرح نہیں کی۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ انہوں نے ہمیں لوٹنے کے لیے حملہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اور کیا وجہ ہوسکتی ہے۔" وہ بولی "دولت کی ہوس نے اسے اندھا کردیا ہے۔ کسی دن وہ ماری جائے گی۔"

"اس آدمی کو پہلے بھی کبھی تم نے اس کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہ چپٹی ناک والا' جو ریسٹورنٹ میں اس کے ساتھ آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور یوں بھی رتنا تو بہت دنوں بعد نظر آئی تھی۔" مایا متی نے جواب دیا۔

"تمہیں یاد ہے میں ریسٹورنٹ میں تم سے رتنا کے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہا تھا اور تم نے میری اس جرح کا مطلب بھی غلط سمجھا تھا۔"

"تو اب مطلب سمجھا دو۔" اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور اپنا سینہ سہلانے لگی۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے چوٹ کچھ زیادہ ہی گہری لگی تھی۔

"وہ آدمی کوئی رہزن نہیں ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اس کا تعلق دنیا کی خطرناک ترین مافیا تنظیم ٹریاڈ سے ہے اور وہ راہزنی کی معمولی وارداتوں کے لیے تھائی لینڈ سے یہاں نہیں آیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑی۔

"تم نے اسپتال میں انسپکٹر اعظم خان اور برندرا کو باتیں کرتے سنا تھا۔" میں نے کہا "یہاں نیپال میں ایک بہت خوفناک سازش جنم لے رہی ہے بلکہ اس گھناؤنی سازش پر عمل شروع ہوچکا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں؟" اس کی نظریں اب بھی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ٹریاڈ ایک بہت بڑی مافیا تنظیم ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اگرچہ ہانگ کانگ میں ہے لیکن اس کی جڑیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پوری دنیا میں منشیات کی سپلائی پر اس کا کنٹرول ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اسے ٹریاڈ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا "یہی خوفناک تنظیم ٹریاڈ اب نیپال میں اپنے قدم جمانا چاہتی ہے۔ نیپال کی ایک جرائم پیشہ تنظیم سے اس کا معاہدہ ہوچکا ہے۔ اس میں کچھ سیاست داں بھی شامل ہیں۔ یہ لوگ سیاست میں اپنے آدمیوں کو اوپر لاکر اس ملک میں منشیات کی پیداوار پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ قتل و غارت ان کے لیے معمولی بات ہے۔"

"یہ تو برندرا جیسے پولیس والوں کا دردِ سر ہے۔ تمہارا ان معاملات سے کیا تعلق؟" مایا متی نے کہا "تم اپنی کسی دوست کو کسی بدمعاش کے شکنجے سے چھڑانے کے لیے یہاں آئے ہو۔ اس آدمی نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

"ان لوگوں سے میرا کچھ پرانا حساب چل رہا ہے اور آج اتفاق سے وہ شخص میرے سامنے آگیا تھا۔" میں نے کہا اور پھر اسے تھائی لینڈ کے واقعات کے بارے میں بتانے لگا "میں نے گولڈن ٹرائی اینگل میں گھس کر جنرل کھوراٹ کو بھاری نقصان پہنچایا تھا۔ وہ بہت عرصے تک مجھے تلاش کرتا رہا تھا لیکن میں تھائی لینڈ سے نکل گیا تھا اور مختلف ملکوں میں گھومتے ہوئے یہاں پہنچا ہوں۔ اس واقعے کو اگرچہ بہت عرصہ بیت چکا ہے مگر ایسی باتیں آسانی سے نہیں بھلائی جاسکتیں۔ یہاں سام سنگ سے آمنا سامنا ہونے اور ہم پر اس حملے کا مطلب یہ ہے کہ پرانا کھیل دوبارہ شروع ہوچکا ہے۔"

میری باتیں سن کر مایا متی جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"کیا تمہارا یہ مکان محفوظ ہے۔ میرا مطلب ہے اس کے بارے میں اور کون جانتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" مایا متی نے کہا "میں اپنے ساتھ کام کرنے والی دوسری لڑکیوں سے کچھ مختلف واقع ہوئی ہوں۔ دوسری لڑکیاں ویک اینڈ اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتی ہیں اور میں یہاں آرام کرنے آتی ہوں۔ مطالعہ کرتی ہوں۔ یہاں کوئی میری تنہائی میں مخل نہیں ہوتا۔ میرے اس گوشہ عافیت کے بارے میں میری کوئی دوست نہیں جانتی اس لیے تو میں یہاں آئی ہوں۔ مجھے شبہ تھا کہ رات کو کسی وقت رتنا غنڈوں کو لے کر میرے فلیٹ پر پہنچ جائے گی اسی لیے میں یہاں آگئی۔ یہاں ہم محفوظ ہیں۔ تمہارے لیے بھی فی الحال اس بنگلے میں جانا مناسب نہیں ہے۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ ہم چند روز بڑے اطمینان سے یہاں رہ سکتے ہیں۔"

"اور تمہارے کام کا کیا ہوگا۔ تمہیں تو ڈیوٹی پر جانا ہوگا نا۔" میں نے کہا۔

"کل تو میری چھٹی ہے۔" مایا متی نے جواب دیا "میں اپنی دوست کو فون کردوں گی کہ وہ میری ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست دے دے۔ اس کے بعد جو حالات ہوں گے ان کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔"

میں خاموشی سے اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ ویسے تو برندرا والا وہ بنگلا بھی میرے لیے محفوظ تھا لیکن وہاں رہ کر میں کچھ نہیں کرسکتا تھا جبکہ یہاں مایا متی کے توسط سے حالات سے باخبر رہ سکتا تھا۔ برندرا اور اعظم خان اپنے معاملات میں الجھے ہوئے تھے۔ پچھلے تین دنوں سے انہوں نے میری خبر تک نہیں لی تھی جبکہ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے کسی ایسے دوست کی ضرورت بھی تھی جو میری مدد کرسکے اور اتفاق سے مجھے مایا متی مل گئی تھی۔ آج جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد مجھے یقین ہوگیا تھا کہ مایا متی ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ دے گی۔

ہم دیر تک لاؤنج ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مایا متی بار بار بے چینی سے پہلو بدلتی رہی تھی۔

"تمہیں بیٹھنے سے تکلیف ہورہی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ویسے بھی ایک بج چکا ہے۔ کمرے میں جاکر سوجاؤ۔"

"دوسرے کمرے میں بستر لگا ہوا ہے۔ تم بھی جاکر سوجاؤ۔" مایا متی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

مایا متی اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں دوسرے کمرے میں آگیا۔ یہاں بیڈ بچھا ہوا تھا اور دو کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں کچھ دیر ایک کرسی پر بیٹھا رہا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ ناک اور جبڑے میں تکلیف کی وجہ سے بے چینی سی ہورہی تھی۔ مجھے ہلا کے بارے میں بھی پریشانی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ میں جب تک اس سے دور رہوں گا وہ محفوظ رہے گی۔ سام سنگ سے اچانک ہی ملاقات ہوئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں اسپتال میں داخل رہا ہوں اور میری دوست اب بھی اسپتال میں موجود ہے۔

میں دیر تک سام سنگ کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔ اسے کھنڈوا میں دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ اپنے گھناؤنے مشن کے سلسلے میں یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔ مجھ سے تو محض اتفاقاً سامنا ہوگیا تھا اور پہلے ہی موقع پر اس نے مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ ممکن ہے وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتا ہو لیکن اسے اپنی جان کے لالے پڑگئے تھے۔ مجھے مارنے کے چکر میں اس کا خنجر اپنے ہی ساتھی کے سینے میں پیوست ہوگیا تھا اور اسے سر پیر رکھ کر بھاگنا پڑا تھا۔ اب پتا نہیں وہ آدمی زندہ بچا تھا یا مرگیا تھا۔ بہرحال کھیل شروع ہوچکا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھ لگ گئی۔

وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں خوابیدہ سی نظروں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ میری آنکھ بلاوجہ نہیں کھل سکتی تھی۔

اور پھر اچانک کراہنے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے بستر چھوڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ کراہنے کی آواز مایا متی والے کمرے سے آرہی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مایا متی کے کمرے میں پہنچ گیا۔

مایا متی بستر پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ سینے پر تھا اور وہ بری طرح مچل رہی تھی۔

"ارے! کیا ہوا؟" میں تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ب۔۔۔ بہت شدید درد۔۔۔ ہورہا ہے۔" مایا متی نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے اور وہ ایک ہاتھ سے سینے کو دبائے ہوئے تھی۔

"اگر تم اجازت دو تو میں۔۔۔" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ مرہم (مرہم) مل دو۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی ٹیوب کی طرف اشارہ کیا۔ اسے سانس لینے میں بھی تکلیف ہورہی تھی۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر ٹیوب اٹھالی۔ مایا متی نے اس طرف سے قمیص اوپر اٹھادی۔ سینے پر نیلا دھبا پڑا ہوا تھا اور سوجن بھی نمایاں تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے زوردار ضرب لگی تھی جس سے گوشت پھٹ گیا تھا۔ میں نے ٹیوب سے کریم نکالی اور اس سے ہلکی ہلکی مالش کرنے لگا۔ مایا متی کچھ دیر کراہتی رہی پھر بتدریج پرسکون ہوتی چلی گئی۔ میں نے قمیص درست کرکے کمبل اس پر ڈال دیا اور باتھ روم میں ہاتھ دھوکر بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کچھ سکون ملا۔ بہت تکلیف ہورہی تھی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "اس کتیا نے کہنی سے ضربیں لگائی تھیں۔ میں چھوڑوں گی نہیں اسے۔"

"فی الحال تو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا "گوشت اندر سے پھٹ گیا ہے۔ تمہیں ٹھیک ہونے میں بھی دو چار روز لگیں گے۔"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں اور یہ چند روز تمہیں ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی حالانکہ تمہاری حالت بھی اچھی نہیں ہے۔" مایا متی نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ تم پہلی مرتبہ میرے گھر آئے اور میں تمہاری خدمت کرنے کے بجائے تم سے خدمت لے رہی ہوں۔"

"دوستی میں کسی پر کوئی احسان نہیں کیا جاتا۔" میں نے جواب دیا "ویسے تمہیں بولنے میں تکلیف ہورہی ہے۔ آرام سے لیٹی رہو اور سونے کی کوشش کرو۔"

"مجھے نیند نہیں آرہی۔" وہ بولی "تم میرے پاس بیٹھے رہو۔ پتا نہیں تم سے اتنی اپنائیت کیوں محسوس ہونے لگی ہے۔"

"یہ تمہارے خلوص کی نشانی ہے۔" میں نے کہا۔ جس انداز سے گفتگو کا موضوع تبدیل ہورہا تھا اس سے مایا متی کے بارے میں میرے دل میں نئے خدشات جنم لینے لگے۔ مایا متی بھی عورت ہی تھی۔ اس نے اسپتال میں میری بڑی خدمت کی تھی۔ وہ سب کچھ اگرچہ اس کی ڈیوٹی میں شامل تھا لیکن دل کو پھسلتے ہوئے کتنی دیر لگتی ہے۔ اس وقت مجھے یہی اندیشہ تھا کہ بات کچھ آگے نہ بڑھ جائے اسی لیے میں اسے تلقین کررہا تھا کہ اسے بولنے میں تکلیف ہوتی ہے اس لیے وہ زبان کو کم سے کم حرکت دے اور آرام سے لیٹی رہے اور سونے کی کوشش کرے۔

مجھے اگرچہ اب نیند نہیں آرہی تھی لیکن میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ مجھے "اونگھتے" پاکر مایا متی نے بھی آنکھیں بند کرلیں اور پندرہ بیس منٹ بعد وہ واقعی سوگئی تھی۔

میں صبح سویرے شال اوڑھ کر گھر سے نکل گیا۔ رات کو اس طرف آتے ہوئے دوسری گلی کے موڑ پر میں نے ایک ڈھابا دیکھا تھا۔ محلے میں واقع اس قسم کی دکانیں رات کو دیر تک کھلی رہتی ہیں اور صبح بھی جلدی کھل جاتی ہیں۔ اس وقت بھی وہ ڈھابا کھلا ہوا تھا۔ میں انڈے' ڈبل روٹی اور ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں لے کر پیسے دے رہا تھا کہ موٹر سائیکل پر اخبار کا ہاکر آگیا۔ یہ ہاکر اس ڈھابے پر کچھ اخبار دے جایا کرتا تھا جو دن بھر میں بک جایا کرتے تھے۔ اخبار نیپالی زبان میں تھا۔ اس پر لکھا ہوا ایک بھی لفظ اگرچہ میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا لیکن صفحہ اول پر ایک تصویر دیکھ کر میں نے ایک اخبار خرید لیا۔

مایا متی ابھی تک سو رہی تھی۔ میں نے چائے بنا کر اسے جگایا تو وہ کراہ اٹھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے سینہ دبالیا۔ میں نے اسے سہارا دے کر بیڈ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور چائے کا کپ اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"لو۔ گرم گرم چائے پی لو۔ کچھ سکون ملے گا۔"

"عجیب بات ہے۔" مایا متی نے مسکرانے کی کوشش کی "پہلے نرس مریض کی دیکھ بھال کرتی تھی اور اب مریض نرس کی دیکھ بھال کررہا ہے۔"

"اسی کو تو کہتے ہیں کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں۔" میں نے کہا۔ مایا متی نے کپ میرے ہاتھ سے لے لیا۔

چائے ختم کرکے میں نے وہ اخبار اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بھی تصویر پر نظر پڑتے ہی چونک گئی۔ وہ ایک ایسے آدمی کی تصویر تھی جو سڑک پر پڑا ہوا تھا اور اس کے سینے میں خنجر پیوست تھا۔ یہی تصویر دیکھ کر میں نے اخبار خریدا تھا۔ تصویر کے نیچے کیپشن اور اس کے ساتھ خبر پڑھ کر مایا متی کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔

"میں نے تمہیں یہ اخبار اس لیے نہیں دیا کہ اس تصویر کو دیکھ کر خوف سے کانپنا شروع کردو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کچھ مجھے بھی بتاؤ۔ کیا لکھا ہے اس تصویر کے حوالے سے؟"

مایا متی نے ایک بار پھر خبر پڑھی پھر اس نے جو کچھ بھی بتایا وہ بہت دلچسپ تھا "یہ شہر کے مشہور غنڈے روی کے ایک گرگے یشودھر کی لاش کی تصویر ہے جو گزشتہ رات بنکاک کے ایک مشہور بدمعاش وجدان کے ہاتھوں ایک لڑائی میں مارا گیا۔ یشودھر کا ایک ساتھی جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے پولیس کو فون پر بتایا تھا کہ وجدان بنکاک کا بہت بڑا بدمعاش اور منشیات کا اسمگلر ہے۔ نیپال کی پولیس نے کھٹمنڈو میں اس کی موجودگی کو کچھ اچھا شگون قرار نہیں دیا۔ پولیس بڑی سرگرمی سے اسے تلاش کررہی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

خبر واقعی دلچسپ تھی۔ پولیس کو فون پر یہ بیان دینے والا سام سنگ کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا اور اس میں سب سے زیادہ دلچسپی کی بات تو یہ تھی کہ پولیس نے اس گمنام کال پر اعتماد کرتے ہوئے وجدان کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔

"رات کو تم نے بتایا تھا کہ تم بہت عرصہ بنکاک میں رہ چکے ہو اور سام سنگ نامی وہ شخص بھی بنکاک ہی کا رہنے والا ہے جس سے رات کو تصادم ہوا تھا۔" مایا متی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "پولیس کو ٹیلی فون پر یہ اطلاع بھی اسی نے دی ہوگی لیکن یہ وجدان کون ہے؟ سام سنگ نے اسے پھنسانے کی کوشش کیوں کی ہے؟"

"اس لیے کہ وہ مجھے ہمت سنگھ کے نام سے نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا "اس نے پولیس کو وہی نام بتایا جو اسے معلوم تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم۔۔۔"

"ہاں۔ میں ہی وہ شخص ہوں جسے سام سنگ نے اپنے بیان میں بنکاک کا بہت بڑا بدمعاش اور اسمگلر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح پولیس میرے پیچھے لگ جائے گی اور۔۔۔"

"یہ خبر پڑھ کر میں سمجھ گئی ہوں کہ حالات کا رخ کس طرح موڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔" مایا متی نے کہا "میں تو یہ سوچ کر کانپ رہی تھی کہ اس نے اپنا جرم تمہارے سر پر تھوپ دیا ہے اور پولیس تمہاری تلاش شروع کردے گی۔"

"اس نے کوشش تو یہی کی ہے۔" میں نے کہا "اور مجھے پولیس پر حیرت ہے کہ انہوں نے اس کے بیان کا یقین کس طرح کرلیا حالانکہ عام طور پر پولیس اس طرح کی گمنام اطلاعات پر یقین ہی نہیں کرتی۔"

"ہوسکتا ہے اس میں بھی پولیس کی کوئی حکمت عملی ہو۔" مایا متی نے کہا "ممکن ہے اس طرح وہ اس شخص کو روشنی میں لانا چاہتے ہوں جس نے پولیس کو یہ اطلاعات

کرایا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر پولیس میرے پیچھے لگ گئی تو میرے لیے مشکلات بڑھ جائیں گی اور میں کبھی دیش کھ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔

مجھے برینددرا کے جس بنگلے میں بھیجا گیا تھا وہاں اگرچہ ٹیلی فون موجود تھا لیکن مجھے اس کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ وہ لوگ بھی مجھے غائب پاکر پریشان ضرور ہورہے ہوں گے۔ مجھے تلاش بھی کررہے ہوں گے لیکن میں یہاں چھپا بیٹھا تھا۔

میں نے مایا متی سے بات کی تو اس نے بھی میری تائید کی۔

"برینددرا کا نمبر معلوم کرنا کیا مشکل ہے۔" اس نے کہا "میں ابھی پتا کرلیتی ہوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آگئی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے اور ہم لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مایا متی نے فون کا ریسیور اٹھا کر اپنی اسی "دست نرس" کا نمبر ملایا اور چند منٹ بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے دوبارہ فون کیا اور دوسری طرف سے بتایا جانے والا نمبر ایک کاغذ پر نوٹ کرلیا اور ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ پولیس ہیڈ کوارٹر کا نمبر ہے۔ انسپکٹر برینددرا ساڑھے آٹھ بجے اس نمبر پر موجود ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم ساڑھے آٹھ بجے فون کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ساڑھے آٹھ بجے جب اس نمبر پر فون کیا گیا تو مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ کال کسی اور آفیسر نے ریسیو کی تھی لیکن میں نے اپنا نام (ہمت سنگھ) بتا کر برینددرا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو فوراً ہی اس سے لائن ملا دی گئی۔

"ارے مہاشے تم کہاں غائب ہو۔ ہم تو پریشان ہوگئے ہیں۔ پورے شہر میں تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔" برینددرا نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا "معاملہ کچھ ایسا تھا کہ اطلاع نہیں دے سکا۔ انسپکٹر اعظم خان کہاں ہیں؟"

"میرے پاس بیٹھا ہے۔" برینددرا نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد ریسیور پر انسپکٹر اعظم کی آواز سنائی دی تھی۔

انسپکٹر اعظم خان سے پہلے میں نے ہملا کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اس رات کے واقعے کے بارے میں بتا کر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اعظم خان نے پوچھا۔

"صحیح لوکیشن تو مجھے معلوم نہیں لیکن یہ کالی کے استھان کا کوئی علاقہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کالی کا استھان۔" دوسری طرف سے یہ نام دہرایا گیا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انسپکٹر اعظم کی آواز سنائی دی "اس علاقے میں کانچ اروراہوٹل ہے۔ کیا تم وہاں آسکتے ہو؟"

"یہ ہوٹل میں نے دیکھا تو نہیں ہے لیکن تلاش کرلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا "میں ٹھیک نو بجے اس ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور مایا متی کی طرف متوجہ ہوگیا "انسپکٹر اعظم نو بجے کانچ اروراہوٹل میں میرا انتظار کرے گا۔ یہ ہوٹل اسی علاقے میں ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔۔۔"

"یہاں سے کافی فاصلے پر ہے لیکن کوئی بھی رکشا یا ٹیکسی والا تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔" مایا متی نے جواب دیا۔

"ہمیں نہیں صرف مجھے۔" میں نے کہا "تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر وہاں یا راستے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" مایا متی نے گہرا سانس لیتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ میری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی اس لیے اس نے میرے ساتھ جانے پر ضد نہیں کی۔

میں پونے نو بجے گھر سے نکل گیا۔ میرا شیو بڑھا۔ ہوا تھا اور ناک اچھی تک کسی حد تک پھولی ہوئی تھی۔ دو تین گلیاں گھوم کر مین روڈ پر آتے ہی مجھے سائیکل رکشا مل گیا۔

میں نے راستوں کو پوری طرح ذہن نشین کرلیا تھا تاکہ واپسی میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ بیس منٹ میں' میں کانچ ہوٹل کے سامنے پہنچ گیا۔ میں اگرچہ پانچ منٹ لیٹ ہوچکا تھا لیکن ہوٹل کے آس پاس ٹہلتے ہوئے میں نے پانچ منٹ اور ضائع کردیے۔ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ میں دراصل یہ دیکھ لینا چاہتا تھا کہ آس پاس کوئی مشتبہ آدمی تو موجود نہیں لیکن مجھے ایسا کوئی چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

ہوٹل کے آس پاس کا علاقہ خاصا بارونق تھا۔ یہ رہائشی ہوٹل بھی بہت بڑا تھا۔ گیٹ کے اندر پارکنگ ایریا میں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میں برآمدے میں پہنچ کر ریسٹورنٹ کی طرف مڑ گیا۔

ریسٹورنٹ میں خاصا رش تھا لیکن انسپکٹر اعظم کو تلاش

کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھ برندرا بھی تھا۔ وہ دونوں مجھے دیکھتے ہی اپنی میز سے اٹھ کر میری طرف آگئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور ہم ریسٹورنٹ سے نکل کر ایک ملحقہ کمرے میں آگئے۔ اس وسیع کمرے میں ایک دوسرے سے فاصلے پر چار میزیں لگی ہوئی تھیں۔ تین میزوں پر تو کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ناؤنوش میں مصروف تھے۔ چوتھی میز خالی تھی۔ ہم جیسے ہی اندر داخل ہوئے ایک ویٹریس نے اس میز تک ہماری رہنمائی کی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ میز خالی رکھی گئی تھی۔ برندرا نے ویٹریس کو کافی کے لیے کہہ دیا اور ہم میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"سنگھا نے بتایا تھا کہ تم اس نرس کے ساتھ کہیں گئے تھے اور پھر لوٹ کر نہیں آئے۔ وہ نرس بھی غائب ہے۔" برندرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ۔"

"ہاں۔ کچھ گڑبڑ ہوگئی تھی۔" میں نے انگلی سے ناک سہلاتے ہوئے کہا اور پھر اس رات پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا "آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ ترپاڈ کے لوگ یہاں قدم جمانے کی کوشش کررہے ہیں۔ سام سنگ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ترپاڈ کا رکن ہے اور ایک موقع پر پہلے بھی میری اس سے جھڑپ ہوچکی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مسٹر وجدان۔" اعظم خان نے مسکراتے ہوئے کہا "تم نے گولڈن ٹرائی اینگل میں گھس کر جنرل کھوراٹ کو جو نقصان پہنچایا تھا اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کرے گا۔ یہ لوگ آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

انسپکٹر اعظم کے منہ سے اپنا اور گولڈن ٹرائی اینگل کا نام سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔" اعظم خان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی "میں تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کرچکا ہوں۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "مجھے تم پر اسی وقت شبہ ہوگیا تھا جب تم بلا کے ساتھ ایک ویران جگہ پر بس میں بیٹھے تھے۔ میرا خیال تھا کہ تم اس لڑکی کو بھگا کرلائے ہو لیکن جب تم نے ہوٹل میں میری جان بچائی تو مجھے اپنا نظریہ بدلنا پڑا۔ اگر تم لڑکی کو بھگا کرلائے ہوتے تو اس قسم کے واقعات سے دور ہی رہتے اور پھر تم نے دیش کھ کے بارے میں بتایا تو میں سمجھ گیا کہ تم وہ نہیں جو میں سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"کھٹمنڈو پہنچتے ہی تم لوگوں کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا۔ اس سے میں پریشان ہوگیا تھا۔ بہرحال' اسپتال میں' میں بلا سے تمہارے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ اس سے مجھے جے پور کے حوالے سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ میں نے جے پور میں ٹھاکر بھانوت سنگھ کو فون کرکے تمہارے بارے میں معلوم کیا اور پھر بنکاک پولیس سے بھی فون پر رابطہ کیا۔ وہاں سے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا وہ حیران کن ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر میرے حوالے سے بنکاک سے حاصل ہونے والی معلومات کے بارے میں بتاتا رہا "اس روز اخبار میں تمہارا نام پڑھا تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا "میں نے فوراً ہی متعلقہ پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا تو پتا چلا کہ کسی گمنام آدمی نے فون کرکے پولیس کو تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تمہیں فریم کیا جارہا ہے۔ تاکہ ایک طرف پولیس تمہارا پیچھا کرتی رہے اور دوسری طرف وہ لوگ تمہاری تاک میں رہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" میں نے کہا۔ اس نے میرے بارے میں جس طرح تحقیقات کی تھی اس پر مجھے خاصی حیرت ہوئی تھی "اس رات سام سنگ کو ریسٹورنٹ میں دیکھ کر میں چونک گیا تھا۔ اس کے ساتھ رتنا نام کی لڑکی مایا متی کی دوست ہے' میرا خیال تھا کہ میں بعد میں رتنا سے سام سنگ کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا لیکن اس کے دو گھنٹوں بعد ہی انہوں نے ہمیں گھیرنے کی کوشش کی۔ سام سنگ نے خنجر سے حملہ تو مجھ پر کیا تھا لیکن اس کا اپنا ہی ساتھی زد میں آگیا۔ اگلے روز اخبار سے پتا چلا کہ مقتول روی نامی آدمی تھا۔ اس طرح یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ سام سنگ کے ساتھیوں کو یہاں ناگ پال اور روی جیسے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔"

"مقامی لوگوں کی حمایت اور تعاون کے بغیر باہر کا کوئی آدمی اپنے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔" انسپکٹر اعظم خان نے کہا "کچھ آدمی ہماری نظروں میں بھی آئے ہیں اور برندرا کے آدمی ان کے بارے میں معلومات جمع کررہے ہیں۔ ہم انہیں یہاں قدم جمانے نہیں دیں گے ہمیں صرف موقع کا انتظار ہے۔"

"دیش کھ کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس طرف سے غافل نہیں ہوں۔ ایک دو دن میں اس کا پتا چل جائے گا۔" اعظم خان نے جواب دیا "لیکن

مایا متی کہاں ہے؟ وہ بھی اسی روز سے غائب ہے۔"

"وہ محفوظ ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر مایا متی کے بارے میں بتانے لگا۔

انسپکٹر برندرا اور اعظم خان ہمارے ٹھکانے کے بارے میں جاننا چاہتے تھے لیکن میں نے بتانے سے انکار کردیا۔

"بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہی رہیں۔" میں نے کہا "میں اپنے طور پر بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کے ساتھ رہا تو نہ صرف پابند ہوجاؤں گا بلکہ ان کی نظروں میں بھی آجاؤں گا۔ اسی لیے۔۔۔"

"سمجھ گیا۔" برندرا نے میری بات کاٹ دی "لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہارے ہاتھوں کوئی ایسا سنگین جرم نہ ہونے پائے کہ ہم تمہیں تحفظ فراہم نہ کرسکیں۔"

"آپ مطمئن رہیے مسٹر برندرا۔" میں نے کہا "میری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوگی کہ قانون کو مجھ سے کوئی شکایت ہو۔"

"اور میرا یہ کارڈ رکھ لو۔" برندرا نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا "تمہیں فون پر رابطہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ اگر میں ان میں سے کسی نمبر پر نہ ملوں تو پیغام چھوڑ دینا۔"

"شکریہ۔" میں نے کارڈ لے کر جیب میں رکھ لیا۔

باتوں کے دوران میں ہم کافی کی چسکیاں بھی لیتے رہے اور پھر جب میں ہوٹل سے باہر نکلا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے رہ گئے تھے۔ ہوٹل سے باہر آنے کے بعد میں تقریباً آدھا گھنٹا اس علاقے میں ٹہلتا رہا اور پھر ایک سائیکل رکشا پر سوار ہوکر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

رکشا میں نے دور ہی چھوڑ دیا اور گلیوں میں پیدل چلتے ہوئے مکان تک پہنچ گیا۔

گیٹ کو میں باہر سے کنڈا لگا گیا تھا۔ اندر داخل ہوکر میں نے دروازہ بند کردیا اور برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ پورے گھر کی بتیاں جل رہی تھیں۔ مایا متی نے شاید اکیلی ہونے کی وجہ سے ساری بتیاں جلا رکھی تھیں۔

میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا' دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔ کوئی نوک دار چیز میری گردن کو چھونے لگی اور اس کے ساتھ ہی ایک غراہٹ میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو اور کوئی حرکت مت کرنا۔"

میں پیچھے گھومنا چاہتا تھا لیکن اسی لمحے راہداری میں دائیں طرف سے مایا متی سامنے آگئی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس نے بائیں بازو سے مایا متی کو لپیٹ میں لے رکھا تھا اور دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر کی نوک مایا متی کے گال کو چھو رہی تھی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"آگے بڑھو!" میرے پیچھے کھڑا ہوا شخص ایک بار پھر بھیڑیے کی طرح غرایا۔ اس کے ساتھ ہی میری گردن پر نوک کا دباؤ بڑھ گیا۔ اس کی چبھن سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ خنجر یا چاقو تھا "ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس لڑکی کا گلا کاٹ دیا جائے گا۔"

میں قدم اٹھاتے ہوئے کمرے کے وسط میں آگیا۔ میرے ہاتھ بدستور سر سے اوپر تھے۔ پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے میرے لباس کو تھپتھپا کر میری تلاشی لی۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میرا خنجر بھی اس رات برندرا کے بنگلے پر ہی رہ گیا تھا جب دیش مکھ اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کیا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ اس طرح کسی کے گھر میں گھسنے کا کیا مطلب ہے۔" میں نے سامنے والے شخص کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا جس نے مایا متی کو دبوچ رکھا تھا۔

مایا متی کے چہرے پر خوف اور کرب کے ملے جلے تاثرات تھے۔

میری گردن پر سے چاقو کی نوک ہٹ گئی اور وہ شخص بھی میرے سامنے آگیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ سام سنگ تھا۔

"اس رات تم بچ گئے تھے۔" سام سنگ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "غلطی میری تھی کہ میں نے اپنے حواس پر قابو نہیں رکھا تھا اور میرا ہی ساتھی میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور پھر تم گدھے کے سر سینگوں کی طرح غائب ہوگئے۔ ہم پورے شہر میں تمہیں تلاش کرتے رہے لیکن تم لوگوں کا پتا نہیں چلا۔ وہ تو رتنا کی عقل کام کرگئی جس نے بتایا کہ تمہاری یہ دوست مایا متی بھی نرس ہے۔ ہوسکتا ہے وہ تمہیں اپنے ساتھ کہیں لے گئی ہو اور اس کی کوئی دوست جانتی ہو کہ یہ تمہیں کہاں لے جاسکتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہم نے کئی نرسوں سے معلوم کیا۔ سب نے یہی کہا کہ ہوسکتا ہے مایا متی تمہیں ساتھ لے کر اپنے گاؤں چلی گئی ہو۔

صرف ایک نرس نے یہ انکشاف کیا کہ مایا متی کا یہاں کوئی خفیہ ٹھکانا بھی ہے جہاں وہ ویک اینڈ گزارتی ہے۔ یہ بات ہمیں آج ہی معلوم ہوئی تھی۔

"آج ہم نے مایا متی کے فلیٹ پر ہلّا بول دیا۔ فلیٹ میں اس کے ساتھ رہنے والی لڑکی پہلے تو کچھ بتانے کو تیار نہیں ہوئی لیکن دو ہاتھ پڑتے ہی اس نے زبان کھول دی۔ اس لڑکی کے کہنے کے مطابق مایا متی ہر ویک اینڈ پر غائب ہوجاتی تھی۔ اس نے مایا متی سے کئی مرتبہ پوچھا کہ وہ ویک اینڈ پر کہاں جاتی ہے مگر اس نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ اس لڑکی کو شبہ تھا کہ مایا متی ویک اینڈ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ گزارتی ہے۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر ایک روز اس نے مایا متی کا پیچھا کیا اور اس مکان کو دیکھ لیا لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی کہ مایا متی ویک اینڈ کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ نہیں بلکہ اس مکان میں تنہا رہ کر گزارتی ہے۔ اس طرح ہمیں بھی اس مکان کا پتا چل گیا لیکن وہ لڑکی اب کسی اور کو اس مکان کے بارے میں نہیں بتاسکے گی۔"

"کیا مطلب!" میں نے اسے گھورا۔

"تم تو ہمیں بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ ہم محتاط رہنے کے عادی ہیں۔" سام سنگ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے تو سرنگا سے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کا معقول بندوبست کردے تاکہ وہ کسی اور کے سامنے زبان نہ کھول سکے لیکن اس کا ہاتھ کچھ زیادہ ہی بھاری ہے۔ اس نے صرف چند سیکنڈ ہی اس کے گلے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اگر وہ لڑکی سانس لینا بھول گئی تھی تو میرے خیال میں اس میں سرنگا کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔"

میں کانپ کر رہ گیا۔ ایک بے گناہ لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا لیکن ان لوگوں سے رحم کی توقع نہیں تھی۔ دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنا ان کی ہابی تھی۔ معمولی سی بات پر کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان جیسے لوگوں کے لیے بہت معمولی بات تھی۔

"دیکھو سام سنگ!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تمہیں میری تلاش تھی۔ میں تمہیں مل گیا۔ مایا متی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو جانتی بھی نہیں کہ میں کون ہوں۔ اسے چھوڑ دو۔ تمہیں جو بھی کھیل کھیلنا ہے میرے ساتھ کھیلو۔ اسے جانے دو۔"

"تمہارے ساتھ تو ہم کسی اور طرح نمٹیں گے۔ کھیل تو اس کے ساتھ کھیلا جائے گا۔" سام سنگ نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا "ایسی حسین لڑکی آسانی سے ہاتھ آجائے تو اس سے دستبردار نہیں ہوا جاسکتا۔ آسانی سے بھی کیوں۔ ہم تو بڑی جدوجہد کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں۔"

میں چند لمحے سام سنگ کی طرف دیکھتا رہا۔ ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر درندگی نمایاں تھی۔

"جنرل کھوراٹ نے بہت دور تک تمہارا پیچھا کیا تھا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "لیکن تم سنگاپور پہنچ کر فرار ہوگئے۔ تم جس جہاز پر سفر کررہے تھے وہ ہندوستان میں کسی جگہ گر کر تباہ ہوگیا۔ چند مسافر زندہ بچے تھے اور تم ان میں نہیں تھے۔ جہاز کے تباہ ہونے سے بہت سے لوگ زندہ جل گئے تھے جن کی لاشیں بھی شناخت نہیں ہوسکی تھیں اور یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ تم بھی مرجانے والوں میں شامل ہوگے لیکن۔۔۔ اس رات ریسٹورنٹ میں تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیکن تم جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ تم واحد شخص ہو جو گولڈن ٹرائی اینگل سے زندہ بچ کر نکل گئے تھے۔ برما اور چین تک تمہارا پیچھا کیا گیا۔ تم پر بار بار حملے ہوتے رہے اور تم ہر بار بچتے رہے۔ تم واقعی بہت ڈھیٹ آدمی ہو۔ ہوائی جہاز کے حادثے میں بھی بچ گئے۔ تمہیں شاید کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ ہم لوگ نیپال میں قدم جمانے کی کوشش کررہے ہیں اور تم فوراً یہاں پہنچ گئے۔ تمہیں جنرل کھوراٹ کی طاقت کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ بڑی بڑی حکومتیں آج تک اس کا راستہ نہیں روک سکیں تو تم کیا تیر مار لو گے۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں ایک لیبارٹری تباہ کرکے فرار ہوجانے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بہت طاقت ور ہو۔ تمہاری موت ہی اب تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔"

"تمہیں اپنے بارے میں بہت خوش فہمی ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "میں تو نیپال میں کسی اور مقصد سے آیا تھا لیکن یہ محض اتفاق ہے کہ تم سے سامنا ہوگیا۔ جس طرح تھائی لینڈ میں جنرل کھوراٹ کو میرے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی طرح اسے یہاں بھی منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"جنرل کھوراٹ کو تو ابھی ہم نے تمہارے بارے میں اطلاع بھی نہیں دی۔" سام سنگ نے کہا "چانگ لی کا خیال ہے کہ جنرل کھوراٹ کو تمہارے بارے میں اطلاع دینے کے بجائے تمہارا سر پلیٹ میں سجا کر اس کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ زیادہ خوش ہوگا۔ اس لیے ہم نے ابھی تک۔۔۔"

"چانگ لی کون؟" میں اسے ٹوک کر الجھی ہوئی نظروں

سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ یہ نام مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔

"تم شاید چیانگ سائمین کے اس ریٹائرڈ پولیس آفیسر کو بھول چکے ہو جو وہاں جنرل کھوراٹ کے لیے کام کررہا تھا۔" سام سنگ نے جواب دیا "وہ ریڈ کے دوران میں پولیس کی گرفت میں بھی آگیا تھا لیکن رشوت دے کر فرار ہوگیا تھا۔ جنرل کھوراٹ اپنے وفادار کو مایوس نہیں کرتا۔ جنرل نے اسے نیپال کے مشن کا چیف بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ میں جب تمہیں اس کے سامنے پیش کروں گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے یہ اگلوالیا تھا کہ یہاں ان کے ساتھ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا اور انہوں نے کسی اور کو بتایا بھی نہیں تھا کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔

میں نے سام سنگ کے دوسرے ساتھی کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی مایا متی کو گرفت میں لیے ہوئے تھا اور اس کے خنجر کی نوک مایا متی کے گال میں چبھ رہی تھی۔ مایا متی میری وجہ سے پہلے ہی بہت تکلیف اٹھا چکی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی اور نقصان اٹھانا پڑے۔

میری نظریں اس شخص کے خنجر والے ہاتھ پر جم گئیں۔ وہ شخص اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں خنجر کے دستے پر آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگیں۔

اس کی مٹھی کھلتی جارہی تھی۔ مجھے اس طرف متوجہ پاکر سام سنگ نے بھی اسی طرف دیکھا اور ایک دم چیخ اٹھا۔

"کیا کررہے ہو سرنگا۔ خنجر تمہارے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔"

سرنگا کو ایک جھرجھری سی آگئی۔ اسی لمحے اس کی مٹھی پوری طرح کھل گئی اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی مایا متی بھی تڑپ کر اس کے شکنجے سے نکلی اور جھک کر خنجر اٹھالیا۔ اس سے پہلے کہ میں یا سام سنگ کچھ سمجھ سکتے' مایا متی نے خنجر کا ایک بھرپور وار کیا۔ خنجر سرنگا کے پیٹ میں پیوست ہوگیا۔

سام سنگ بھی جیسے ہوش میں آگیا لیکن اس کے پوری طرح سنبھلنے سے پہلے ہی میں اپنی جگہ پر اچھلا۔ میری کک اس کے خنجر والے ہاتھ پر لگی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتے ہوئے صوفے کے پیچھے گر گیا۔

سام سنگ ایک دم بدحواس ہوگیا تھا لیکن میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور پے در پے اسے مکس مارتا رہا۔ سام سنگ نے ایک مرتبہ موقع پاکر باہر کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن میں نے اسے دروازے تک بھی نہیں پہنچنے دیا اور اسے ایک مرتبہ پھر مکس پر رکھ لیا۔

دوسری طرف مایا متی نے خنجر کے پے در پے وار کرکے سرنگا کو بری طرح گھائل کردیا تھا۔ مجھے حیرت ہورہی تھی کہ مایا متی میں اچانک ہی اتنا حوصلہ اور اتنی طاقت کیسے آگئی تھی لیکن سچ ہے کہ کسی بات کا خوف جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ ایک انجانی قوت میں بدل جاتا ہے۔

میں نے سام سنگ کو اٹھا کر پوری قوت سے پٹخ دیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ چیختے ہوئے زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے ایک پیر اس کے سینے پر رکھ دیا اور اس کا پیر پکڑ کر ٹانگ سیدھی اٹھادی۔

"میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ چانگ لی کہاں ہے اور تم لوگ یہاں کیا کررہے ہو البتہ یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ دیش مکھ کہاں ہے؟" میں نے اس کی ٹانگ کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

"مم۔۔۔ میں کسی دیش مکھ کو نہیں جانتا۔" سام سنگ کراہا۔

"تم جانتے ہو۔" میں نے ٹانگ کو ایک اور جھٹکا دیا "وہی دیش مکھ جو روی کے پاس انڈیا سے آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ وہ میتی دیوی کے ایک بنگلے میں ہیں۔" اس نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"پورا پتا بتاؤ۔" میں نے اس کی ٹانگ کو ایک اور جھٹکا دیا۔

سام سنگ چیخ اٹھا اور پھر اس نے بنگلے کا پتا بھی بتادیا۔

"تری بھون ائرپورٹ کی طرف جانے والی سڑک پر امیگریشن آفس سے ذرا پہلے بائیں طرف ایک سڑک مڑتی ہے۔ اسی سڑک پر بدھ کا ایک چھوٹا سا اسٹوپا ہے۔ اس اسٹوپا کے سامنے گلی میں دائیں طرف تیسرا بنگلا ہے۔ اس کا گیٹ سفید اور سرخ رنگ کا ہے۔ دیش مکھ اس عورت کے ساتھ وہیں چھپا ہوا ہے۔"

"اس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایک۔۔۔ صرف ایک۔۔۔" سام سنگ نے جواب دیا۔

میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیتے ہوئے اس کی ٹانگ چھوڑ دی اور بڑی تیزی سے جھک کر اس کی کنپٹی پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ سام سنگ کراہ کر ایک طرف الٹ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کم از کم ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں

آسکے گا۔

میں لپک کر مایا متی کے قریب پہنچ گیا۔ وہ ایک طرف بیٹھی ہانپ رہی تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کا لباس بھی خون آلود تھا۔ سرنگا قالین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کے جسم پر دو تین جگہوں سے خون بہہ رہا تھا۔

میں نے مایا متی کے ہاتھ سے خنجر چھین کر ایک طرف پھینک دیا اور اسے وہاں سے اٹھا کر کمرے میں لے گیا۔ لگتا تھا جیسے وہ اپنے حواس کھو بیٹھی ہو۔ اس کا چہرہ بالکل پتھر کی طرح ہورہا تھا۔ تاثرات سے عاری۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں ان لوگوں کو دیکھ لیتا ہوں۔" میں نے مایا متی کو بیڈ پر بٹھانا چاہا تو وہ چیختے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے پتا نہیں کس طرح ہمت کرکے سرنگا پر خنجر سے پے در پے وار کیے تھے لیکن ایک بار پھر خوف عود کر آیا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ مرگیا۔ میں نے اسے مار دیا۔۔۔" وہ ہکلائی۔

"وہ مرا نہیں زندہ ہے۔" میں نے اس کا کندھا تھپتھپایا "ڈرو نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔"

میں نے بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ ہٹا کر بیڈ پر بٹھادیا اور کمرے سے باہر آگیا۔

سرنگا ابھی زندہ تھا۔ وہ خون میں تر تھا اور اس کے چاروں طرف بھی خون بکھرا ہوا تھا۔ میں چند لمحے صورت حال کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میری سمجھ میں ایک ہی بات آئی تھی۔ میں نے جیب سے بریندرا کا دیا ہوا کارڈ نکالا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

کال کسی لڑکی نے ریسیو کی تھی۔

"مسٹر بریندرا ابھی ابھی آئے ہیں اور مصروف ہیں۔ آپ نمبر دے دیجئے۔ وہ فارغ ہوں گے تو میں پیغام دے دوں گی۔" اس نے میری بات سن کر کہا۔

"میرا نام ہمت سنگھ ہے۔" میں نے کہا "ان سے کہنا ایمرجنسی ہے۔ جلدی فون کریں۔" میں نے نمبر بھی لکھوا دیا اور فون بند کردیا۔

"ٹھیک پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھالیا۔ انسپکٹر اعظم خان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"کیا بات ہے وجدان۔ خیریت؟"

"گڑبڑ ہوگئی ہے خان صاحب۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتادی۔

"اوہ!" وہ بولا "کہاں ہو تم۔ مجھے پتا بتاؤ۔ ہم فوراً وہاں پہنچ رہے ہیں۔"

میں نے اسے اس مکان کا پتا سمجھا دیا اور فون بند کرکے مایا متی کے کمرے میں آگیا۔ وہ بیڈ کی پٹی پر گم صم سی بیٹھی تھی۔

"میں نے بریندرا کو فون کیا تھا۔" میں نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا "انسپکٹر خان سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ لوگ کچھ دیر میں یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔"

مایا متی کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔

تقریباً بیس منٹ بعد گلی میں گاڑیاں رکنے کی آواز سنائی دی تو میں جلدی سے اٹھ کر باہر آگیا۔ ایک بریندرا کی گاڑی تھی اور دوسری پولیس کی وین۔ پولیس والے اترکر ادھر اُدھر کھڑے ہوگئے۔ میں بریندرا اور اعظم خان کو اندر لے آیا۔ بریندرا کے دو ماتحت بھی اندر آگئے تھے۔ سام سنگ ابھی تک بے ہوش تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پشت پر لے جاکر ہتھکڑی پہنادی۔ بریندرا جھک کر سرنگا کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ ابھی زندہ ہے۔ اسے وین میں ڈال کر اسپتال پہنچادو اور اسے اٹھا کر میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دو۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے سام سنگ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

پولیس والے ان دونوں کو اٹھا کر باہر لے گئے۔ میں مایا متی کو کمرے سے نکال کر لے آیا۔ وہ اب بھی خوف سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"پریشان مت ہو مایا متی۔" بریندرا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ بلکہ سمجھو کچھ ہوا ہی نہیں۔ اب آگے جو کچھ ہوگا اسے ہم سنبھال لیں گے۔ تمہارا نام نہیں آئے گا۔"

"اب تمہیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔" اعظم خان نے کہا "اگر تم چاہو تو کل سے اسپتال میں اپنی ڈیوٹی انجام دے سکتی ہو۔"

"میرا خیال ہے ابھی یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "یہاں آنے سے پہلے سام سنگ اور سرنگا مایا متی کی ایک دوست کو بھی گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ اس کی لاش شاید اب بھی فلیٹ میں پڑی ہوگی یا ممکن ہے اس علاقے کی پولیس کو اس کا پتا چل گیا ہو۔"

"اوہ!" بریندرا اچھل پڑا "یہ کب کی بات ہے اور فلیٹ کہاں ہے؟"

سام سنگ نے مجھے اس لڑکی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ میں نے برندرا کو بتا دیا۔ اس نے مایا متی سے فلیٹ کا پتا دریافت کیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دیکھ لیتے ہیں۔ تم ایک دو دن یہیں رہ کر آرام کرو۔"

وہ لوگ چلے گئے۔ میں ان کے ساتھ گیٹ تک آیا تھا۔ گلی میں کچھ لوگ جمع ہوگئے تھے۔ ایک دو آدمیوں نے صورت حال معلوم کرنا چاہی تو برندرا نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کردی کہ اس گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے اور بروقت اطلاع ملنے پر کارروائی کرکے انہیں پکڑ لیا گیا ہے۔

ان کے جانے کے بعد میں گیٹ بند کرکے اندر آگیا۔ سب سے پہلے مایا متی کے خون آلود کپڑے تبدیل کروائے اور پھر لاؤنج والے کمرے سے قالین اٹھا کر باہر ڈال دیا اور فرنیچر پر خون کے دھبے صاف کرنے لگا۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور عجلت میں ہوا تھا کہ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی۔ رات دو بجے کے قریب ہم اس کام سے فارغ ہوئے۔ میں نے کچن میں جاکر خود کافی بنائی اور دونوں مگ لے کر مایا متی والے کمرے میں آگیا۔

اس کے چہرے پر اب بھی سنسنی کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس نے کافی کا مگ پکڑا تو ہاتھ بھی ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔ میں اس کی تسلی کے لیے باتیں کرتا رہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ معاملہ اب برندرا اور اعظم خان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خود ہی نمٹ لیں گے۔

ایک گھنٹے بعد جب میں اپنے کمرے میں جانے لگا تو مایا متی نے مجھے روک لیا۔

"میں کمرے میں اکیلی نہیں رہوں گی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بولی۔

"ڈر کس بات کا۔ اب تو سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔" میں نے کہا "لیکن ٹھیک ہے۔ تمہارے اطمینان کے لیے میں اپنا بستر بھی یہیں لے آتا ہوں۔"

میں دوسرے کمرے سے اپنا بستر لے آیا اور بیڈ کے قریب قالین پر بچھا دیا۔ مایا متی اصرار کرتی رہی کہ میں پلنگ پر لیٹ جاؤں۔ وہ نیچے بچھائے ہوئے بستر پر لیٹ جائے گی لیکن میں اپنے بستر پر لیٹ چکا تھا۔ مجھے نیند صبح چار بجے سے پہلے نہیں آسکی تھی۔

اگلا دن خاموشی سے گزر گیا۔ اخبار میں سرنگا اور سام سنگ کے بارے میں کچھ نہیں چھپا تھا۔ ان دونوں کی گرفتاری کو راز میں رکھا گیا تھا۔

گزشتہ رات سرنگا سے دھینگا مشتی سے مایا متی کے سینے میں ایک بار پھر تکلیف شروع ہوگئی تھی اور مجھے ایک بار پھر اس کے سینے پر مرہم کی مالش کرنی پڑی تھی۔

وہ پورا دن اسی طرح گزر گیا۔ میں ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے صرف ایک مرتبہ گھر سے باہر نکلا تھا۔ اس کے بعد میں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔

رات دس بجے کے قریب اعظم خان پہنچ گیا۔

"تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیش مکھ کا پتا چل گیا ہے۔ وہ۔۔۔"

"وہ مینتی دیوی کے علاقے میں ایک مکان میں چھپا ہوا ہے۔ شوبھا بھی اسی کے ساتھ ہے اور ان کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ!" اعظم خان نے چونک کر میری طرف دیکھا "تو تمہیں بھی پتا چل گیا ہے۔"

"میں نے کل رات ہی سام سنگ سے معلوم کرلیا تھا۔" میں نے جواب دیا "آپ کے آنے سے پہلے میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے اس مکان پر ہلّا بول دینا چاہیے۔"

"میں بھی یہی سوچ کر آیا تھا۔" اعظم خان نے کہا "مجھے سام سنگ نے آج صبح بتایا تھا۔ میں نے فوراً ہی ایک آدمی کو مینتی دیوی میں اس مکان کی نگرانی کے لیے بھیج دیا تھا۔ میں خود بھی ابھی اسی طرف سے ہو کر آرہا ہوں۔ دیش مکھ اسی مکان میں روپوش ہے۔ وہ ایک مرتبہ بھی گھر سے باہر نہیں نکلا۔ البتہ ایک نیپالی کو دو تین مرتبہ مکان میں آتے جاتے دیکھا گیا ہے۔ مکان کی نگرانی کرنے والے نے اسے پہچان لیا ہے۔ وہ روی کا آدمی ہے۔"

"آج دن میں آپ لوگوں نے کیا کیا؟" میں نے پوچھا "سام سنگ کے کسی اور آدمی کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔" اعظم خان نے نفی میں سر ہلا دیا "اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی۔"

"اس کا ایک اور ساتھی بھی یہاں موجود ہے۔۔۔ چانگ لی۔" میں نے کہا "وہ تھائی لینڈ کا ایک سابق پولیس آفیسر ہے۔ ڈیوٹی پر رہتے ہوئے بھی وہ جنرل کھوراٹ کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور ریٹائر ہونے کے بعد بھی اس کے لیے خدمات انجام دیتا رہا۔ ایسے ہی بے ضمیر لوگ اپنے ملک

کی بنیادوں کو دیمک کی طرح چاٹتے رہتے ہیں۔ چانگ لی بہت خطرناک آدمی ہے۔ یہاں روی اور ناگ پال سے ان لوگوں کے رابطے ہیں۔ ناگ پال سے شاید ان کا کوئی معاہدہ بھی ہوا ہے۔"

"کیسا معاہدہ؟" اعظم خان نے پوچھا۔

"جنرل کھوراٹ انہیں برسراقتدار آنے میں مدد دے رہا ہے اور ناگ پال اس کے بدلے میں انہیں پوست کی کاشت والے علاقوں میں قابض ہونے کا موقع دے گا۔ اس علاقے میں ہیروئن تیار کرنے کی دو تین فیکٹری پہلے ہی کام کر رہی ہیں۔ جنرل کھوراٹ ان لوگوں کو بے دخل کرکے اپنی جدید ترین فیکٹریاں لگانا چاہتا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" اعظم خان نے مجھے گھورا۔

"میں ان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "سام سنگ نے تمہارے سامنے ابھی تک زبان نہیں کھولی لیکن میں گزشتہ رات اس سے بہت کچھ اُگلوا چکا ہوں۔ آپ کو یہاں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ نیپالی سرکار کے خلاف جو سازش ہو رہی ہے اسے ناکام بنایا جائے۔ میں یہاں کی سیاست کو نہیں سمجھتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اگر ناگ پال کی قوت توڑ دی جائے تو یہ سازش خود بخود ختم ہوجائے گی لیکن اتنا خیال رہے کہ ناگ پال کو جنرل کھوراٹ جیسے شخص کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اس نے اس خطے پر قبضہ جمانے کے لیے اپنے خزانے کے منہ کھول رکھے ہوں گے اور آپ جانتے ہیں دولت میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔"

"مجھے ان مشکلوں کا احساس ہے لیکن یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ برائی زیادہ عرصے تک نہیں پنپ سکتی۔" اعظم خان نے کہا "یہاں ناگ پال جیسے زہریلے ناگ ہیں تو برندرا جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد ان حالات پر قابو پالیں گے۔" انسپکٹر اعظم خان نے کہا۔

"دیش مکھ کی طرف کس وقت چلنا ہے؟" میں نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"ابھی چلتے ہیں۔" اعظم خان نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "میں اسی لیے یہاں آیا تھا کہ تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گا۔ میں نے یہاں آتے ہوئے اپنے ایک آدمی کو یہاں کا فون نمبر دیا تھا۔ مجھے ایک کال کا انتظار ہے۔"

اور وہ کال ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آئی تھی۔ اعظم خان نے صرف دو منٹ بات کی اور فون بند کرکے کھڑا ہوگیا۔

"چلو۔ اب چلیں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

میں نے مایا متی کو ہدایت کردی کہ وہ دروازہ اندر سے لاک کرلے اور میری آواز پہچانے بغیر دروازہ نہ کھولے۔

اعظم خان کی گاڑی میں امیگریشن آفس بلڈنگ والے چوراہے پر پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ ہم اس چوراہے سے سیدھا آگے نکل گئے اور اسٹوپا سے تقریباً پچاس گز آگے جاکر اعظم خان نے گاڑی روک لی۔

اس وقت بارہ بجنے والے تھے۔ ہم کار سے اتر کر واپس آرہے تھے کہ ایک آدمی اسٹوپا سے نکل کر ہمارے سامنے آگیا۔ وہ پستہ قامت نیپالی تھا۔ وہ اعظم خان کا وہی آدمی تھا جو مکان کی نگرانی کر رہا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے روی بھی آگیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔" اس آدمی نے بتایا "اس کی گاڑی گیٹ کے سامنے کھڑی ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور تو نہیں آیا؟" اعظم خان نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس شخص نے نفی میں سر ہلا دیا "ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

"تم پچھلی گلی میں چلے جاؤ۔ کوئی اس طرف سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔" اعظم خان نے کہا۔

وہ آدمی پچھلی گلی میں چلا گیا۔ میں اور اعظم خان سامنے والی گلی میں داخل ہوگئے۔ تیسرے بنگلے کے سامنے سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ بنگلے کی دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔ پہلے میں دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے اندر کودا اور دیوار کے قریب لگے ہوئے پودوں کی آڑ میں دبک گیا۔ ایک منٹ بعد اعظم خان اندر کی طرف کودا تو برآمدے کی طرف سے ایک گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اے۔ کون ہے اُدھر۔ رک جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی فائر کی آواز بھی گونج گئی۔ میں نے برآمدے کی طرف سے شعلہ لپکتے ہوئے دیکھا تھا۔ جواب میں اعظم خان نے بھی گولی چلا دی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی برآمدے کی طرف سے چیخ کی ایک خوفناک آواز ابھری اور ایک آدمی دھڑام سے نیچے گرا۔

میں دوڑتے ہوئے برآمدے میں پہنچ گیا۔ اعظم خان کی گولی اس شخص کی کھوپڑی میں لگی تھی اور وہ فوراً ہی ختم ہوگیا تھا۔ میں نے جھک کر اس شخص کے ہاتھ سے پستول

چھین لیا۔

فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی اور پھر ایک کھڑکی سے فائرنگ شروع ہوگئی لیکن ہم محفوظ ہی رہے۔ اندر جو کوئی بھی تھا' اندھا دھند فائرنگ کررہا تھا۔

اعظم خان بھی برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم دونوں ستونوں کی آڑ میں کھڑے تھے۔

"تم یہیں رکو۔ میں اس طرف سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔" اعظم خان نے سرگوشی میں کہا اور برآمدے سے نکل کر دیوار کی آڑ لیتے ہوئے تیزی سے دوسری طرف دوڑ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اندر سے دو گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دی اور پھر کسی لڑکی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں برآمدے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور اندر سے نکلنے والا شخص مجھ سے ٹکرا گیا۔ میں لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ پستول بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ مجھ سے ٹکرانے والا شخص بھی میرے اوپر گرا تھا۔ میں نے اسے گرفت میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ پھسلی کی طرح میرے ہاتھ سے پھسل گیا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا' وہ شخص دوڑتے ہوئے بنگلے کی کمپاؤنڈ وال پر چڑھ چکا تھا۔ میں نے بھی اسی طرف چھلانگ لگادی۔

وہ شخص باہر کود گیا تھا۔ میں گیٹ کھول کر باہر نکلا تو وہ شخص گلی کی تاریکی میں غائب ہوچکا تھا۔ اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کا پیچھا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں بنگلے میں واپس آگیا۔

اندر کا منظر بڑا سنسنی خیز تھا۔ راہداری میں ایک آدمی کی لاش پڑی تھی۔ اس کے سر اور سینے سے خون بہہ رہا تھا۔ سر میں لگنے والی گولی سے اس کا بھیجا بھی بہہ نکلا تھا۔ اس کے چاروں طرف خون بکھرا ہوا تھا اور پستول اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس سے کچھ دور رتنا ایک کونے میں سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے بدن پر لباس برائے نام ہی تھا۔ چہرے پر زردی تھی اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میری صورت دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور بھی گہرے ہوگئے۔

"اگر نایا متی یہاں ہوتی تو تم سے اس رات کا بدلہ ضرور لیتی۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے اسے جو چوٹ لگائی ہے وہ اب تک جھیل رہی ہے۔ شکر کرو وہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔"

رتنا نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے ہونٹ تھر تھرا کر رہ گئے۔ میں راہداری میں ٹہلتا ہوا اس لاش کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ میں اس سے لپٹ گیا۔ اس نے مجھے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ شوبھا کو اس حالت میں دیکھ کر نجانے کیوں مجھے تھائی یاد آگئی اور پھر بے اختیار میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔

شوبھا نے کچھ دیر مجھے اپنے سینے کے ساتھ بھینچے رکھا پھر میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر میری پیشانی پر بوسہ دیا اور جب میں سیدھا ہوا تو چادر سے باہر نکلا ہوا اس کا برہنہ بازو دیکھ کر میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بازو پر کئی ایسے نشان نظر آرہے تھے جیسے متعدد انجکشن لگائے گئے ہوں۔ میں نے اس کا دوسرا بازو اٹھا کر دیکھا۔ اس پر بھی ایسے ہی نشانات تھے اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ اسے دن میں دو مرتبہ مارفین اور پیتھیڈرین کے انجکشن لگائے جاتے تھے۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں تھائی کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا تھا۔ اسے ہیروئن استعمال کرائی جاتی تھی۔

میں نے اسے اٹھانا چاہا تو چادر ہٹ گئی۔ اس کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا۔ میں نے دوبارہ اس پر چادر ڈال دی اور کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شوبھا میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے کچھ کہے بغیر ایک الماری کی طرف اشارہ کردیا۔

میں نے آگے بڑھ کر الماری کھول دی۔ اس میں مردانہ کپڑوں کے ساتھ دو تین زنانہ جوڑے بھی ہینگ ہوئے تھے۔ میں نے ایک جوڑا ہینگر سے اتار لیا۔

"تم خود سے پہن لوگی یا۔" میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شوبھا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کردیا اور دروازے کے قریب ہی کھڑا رہا۔ رتنا اب بھی ایک کونے میں سمٹی بیٹھی تھی۔ اعظم خان اب فون پر بات کررہا تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف آگیا۔

"یہ کون ہے؟" میں نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"روی!" اعظم خان نے جواب دیا۔

باہر برآمدے میں جو شخص اعظم خان کی گولی سے ہلاک ہوا تھا وہ نیپالی تھا جس کا مطلب تھا کہ جو شخص فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا وہ دیش مکھ تھا۔ اعظم خان کا وہ آدمی' جسے بنگلے کے پچھلی طرف بھیجا گیا تھا' بھی اندر آچکا تھا اور برآمدے والے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

"میں نے برندرا کو فون کردیا ہے۔ وہ فورس لے کر پہنچنے ہی والا ہے۔" اعظم خان نے بتایا پھر بولا "وہ کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے۔"

"شوبھا اس کمرے میں ہے۔" میں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے جواب دیا "اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔ اسے فوری طور پر اسپتال بھجوانا ہوگا۔"

"برندرا آتا ہے تو اس کا بندوبست کرتے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ دیش مکھ نکل جانے میں کامیاب ہوگیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔" اعظم خان نے کہا پھر کونے میں بیٹھی ہوئی رتنا کی طرف دیکھنے لگا "چلو اٹھو۔ کپڑے پہنو۔ ابھی تمہارے سسرال والے یہاں پہنچنے والے ہیں۔ کپڑے کہاں ہیں تمہارے؟"

"اس کمرے میں۔" رتنا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

اور جب دوسرے کمرے میں داخل ہو کر رتنا نے دروازہ بند کرنا چاہا تو اعظم خان بڑی تیزی سے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے اندر داخل ہوگیا اور دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔ اس کے فوراً ہی بعد مجھے رتنا کی چیخ کی آواز سنائی دی تھی۔

ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی کہ اعظم خان نے رتنا کے پیچھے کمرے میں چھلانگ کیوں لگائی تھی۔ کمرے کی عقبی سمت کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور غالباً رتنا نے اس طرف سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔

اعظم خان نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔ رتنا تھپڑ کھانے کے بعد ایک بار پھر تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ اس نے کپڑے پہن لیے اور اعظم خان کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گئی۔

میں نے شوبھا والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہ بھی کپڑے پہن چکی تھی اور بستر پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ میں اس کے قریب آگیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلاتے ہوئے بولا۔

"تم نے بہت کشٹ (مشکلات) اٹھایا ہے شوبھا لیکن اب گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

شوبھا نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ اعظم خان بھی اندر آگیا۔ اس نے ایک دو منٹ شوبھا سے بات کی اور پھر باہر نکل گیا۔

مزید پندرہ منٹ گزر گئے۔ باہر گلی میں بہت سے لوگ جمع ہوچکے تھے۔ شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن اندر داخل ہونے کی کسی نے جرأت نہیں کی تھی۔

اور پھر پولیس سائرن کی آواز سن کر اعظم خان برآمدے میں چلا گیا۔ اس کے ساتھی نے باہر کا گیٹ کھول دیا۔ برندرا اور کئی پولیس والے اندر آگئے۔ رتنا کو دو پولیس والوں کے حوالے کردیا گیا۔

پندرہ منٹ بعد مجھے اور شوبھا کو ایک پولیس جیپ میں بٹھا کر اسپتال کی طرف روانہ کردیا گیا۔ دو مسلح پولیس والے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

اسپتال میں شوبھا کا فوراً ہی ٹریٹ منٹ شروع کردیا گیا۔ کئی روز بعد اس رات مجھے بلا سے بھی ملنے کا موقع مل گیا۔ وہ سو رہی تھی لیکن ڈیوٹی پر موجود نرس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ بلا جاگ گئی۔ وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے چھوڑ کر جاچکے ہو۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ وہ پہلے سے بہت بہتر ہوچکی تھی۔

"تمہیں چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہوں۔ میں تو شوبھا کی تلاش میں تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"کچھ پتا چلا اس کا؟" بلا نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ مل گئی ہے اور اس کو اسپتال لے کر آیا ہوں۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ! کیا ہوا اسے؟" بلا بولی "کہاں ہے وہ۔ میں ابھی اس سے ملوں گی۔"

"اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔ صبح مل لینا۔" میں نے جواب دیا اور بیڈ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں تقریباً آدھے گھنٹے تک بلا سے باتیں کرتا رہا اور پھر اچانک ہی مجھے مایا متی کا خیال آگیا۔ میں بلا سے دوسرے دن آنے کا وعدہ کرکے اس کے کمرے سے نکل آیا۔ کچھ دیر شوبھا کے پاس رکا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگایا تھا اور اس پر غنودگی سی طاری ہورہی تھی۔

میں مایا متی کے مکان پر واپس پہنچا تو تین بجنے والے تھے۔ مایا متی خوف کی وجہ سے ابھی تک جاگ رہی تھی اور اس نے گھر کی ساری بتیاں جلا رکھی تھیں۔ میری آواز پہچاننے کے بعد ہی اس نے دروازہ کھولا تھا۔

کئی روز سے کچھ ایسی ہی سرگرمیاں تھیں کہ رات کے آخری پہر تک بھاگ دوڑ رہتی تھی۔ نیند بھی پوری نہیں ہوتی تھی اور تھکن بھی ہورہی تھی۔ مایا متی کو میں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ میری دوست مل گئی ہے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں بستر پر لیٹا تو مجھے ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

○☆○

کئی روز گزر گئے۔ بلا کو اسپتال سے فارغ کردیا گیا تھا۔ اس کا زخم مندمل ہوچکا تھا۔ بس ذرا احتیاط کی ضرورت تھی۔ تاہم شوبھا اسپتال ہی میں تھی۔ اسے کئی روز تک علاج کی ضرورت تھی۔ مایا متی بھی اپنے فلیٹ پر منتقل ہوچکی تھی اور اس نے ڈیوٹی بھی جوائن کرلی تھی۔ برندرا نے یہ مہربانی کی تھی کہ ایک آدمی اس کی حفاظت پر مقرر کردیا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ پولیس کے دو آدمی سادہ لباس میں اس کے لیے وقف کردیے گئے تھے۔ ایک دن میں اس کے آس پاس موجود رہتا اور دوسرا رات کو اس کے فلیٹ کی نگرانی کرتا۔

میں اور بلا آرنیکو روڈ پر دریائے دھولی کھولا کے کنارے ایک اور مکان میں منتقل ہوگئے تھے (نیپال میں بے شمار چھوٹے بڑے دریا ہیں اور یہاں دریا کو کھولا کہا جاتا ہے) یہ مکان ایک خوب صورت کاٹیج کی طرح تھا اور اس کے گرد ایک وسیع کمپاؤنڈ بھی تھا۔ اس کا بندوبست برندرا ہی نے کیا تھا اور مجھے بعد میں پتا چلا تھا کہ یہ کاٹیج محکمہ پولیس کی ملکیت تھا جسے کبھی کبھار مہمانوں کے لیے ڈاک بنگلے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور عام طور پر یہ خالی ہی رہتا تھا۔ یہاں برندرا نے ہمارے لیے ایک آدمی کا بھی بندوبست کردیا تھا۔ ادھیڑ عمر کا شاہ ایک اچھا خانساماں بھی تھا۔ برندرا ہی کے توسط سے میں نے ایک چھوٹی کار بھی کرائے پر لے لی تھی۔ ان تمام انتظامات کے علاوہ اگلے ہی روز آمن جمال روڈ پر واقع ایک دکان سے میں نے ایک خنجر بھی خرید لیا تھا۔ خنجر کے بغیر میں اپنے آپ کو ادھورا سمجھتا تھا۔

روی کی ہلاکت کے بعد ان لوگوں کی سرگرمیاں کچھ ہوگئی تھیں۔ دیش کھ' ناگ پال سے جا ملا تھا۔ سام سنگ برندرا اور اعظم خان نے اس طرح غائب کیا تھا کہ اس بارے میں کچھ سننے ہی میں نہیں آرہا تھا۔

گاڑی مل جانے کے بعد مجھے گھومنے پھرنے میں بھی آزادی مل گئی تھی۔ میں کبھی بلا کو ساتھ لے کر شہر گھومتا رہتا اور کبھی اکیلا ہی نکل جاتا۔ جب میں اکیلا ان علاقوں میں نکل جاتا جہاں قدم قدم پر غنڈوں بدمعاشوں سے سامنا ہونے کا احتمال رہتا تھا۔ مجھے دراصل کچھ ایسے لوگوں کی تلاش تھی جو روی اور ناگ کے کسی مخالف گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی حد اپنے وطن سے مخلص بھی ہوں۔

اس رات میں ریڈ لائٹ ایریا میں تھا۔ گاڑی میں دور ایک کشادہ سڑک پر ایک بڑے شاپنگ سینٹر کے پارکنگ لاٹ پر چھوڑ دی تھی اور اندھیری گلیوں میں پیدل چلتے ہوئے بالآخر ایک تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا تھا۔

یہ اسکن بزنس کا ایریا تھا۔ منشیات بھی یہاں کھلے فروخت ہورہی تھی۔ بدمعاش اور رہزن بھی شکار کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ یہاں معمولی معمولی باتوں پر چاقو پستول نکل آتے تھے۔ اس علاقے میں گھومتے ہوئے میں بہت جلد اندازہ لگالیا کہ یہاں منشیات فروشوں اور غنڈوں کے کئی گروہ سرگرم عمل تھے۔ مجھے بھی منشیات فروش ایجنٹوں نے ایک دو جگہوں پر روکنے کی کوشش کی تھی مگر کنی کترا کر نکل آیا تھا۔

ریسٹورنٹ میں بھی ایک دو منشیات فروش بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نوعمر لڑکا میری میز پر بھی آیا تھا۔ اس نے مجھے ہیروئن کی پڑیا دکھا کر سستے داموں خریدنے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔

"شاب جی۔" اس نے آگے جھکتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا "لونڈیا مانگتا ہے تو بھی ہم کو بولنے کا ہے نا۔ ایک دم ان ٹچ۔ فسٹ کلاس۔"

میں نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو فر ادھر کیا کرنے کو آیا شاب جی۔" لڑکے نے گھورا "نشہ نہیں۔ لونڈیا نہیں۔ تو ادھر کیا لینے کو آیا؟"

وہ لڑکا اٹھ کر چلا گیا اور میں سوچنے لگا کہ بارہ تیرہ سال عمر کے اس لڑکے کا مستقبل کیا ہوگا؟

میں ریسٹورنٹ میں بیٹھا بدمزہ چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ باہر دو آدمیوں میں کسی بات پر جھگڑا شروع ہوگیا۔

ایک دوسرے کو گندی گالیاں دیتے ہوئے سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ ان کے آس پاس کھڑے ہوئے لوگ دور ہٹنے لگے۔ وہ دونوں صورتوں ہی سے بدمعاش لگ رہے تھے۔ ایک قدرے نکلتے ہوئے قد اور صحت مند جسم کا مالک تھا جبکہ دوسرا درمیانے قد و قامت کا اور دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ اپنے حریف سے زیادہ تیز و طرار لگ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر ان کی لڑائی باتوں سے آگے بڑھی تو وہ پٹ جائے گا۔

لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا۔ دراز قامت غنڈے نے اسے تھپڑ مار دیا تھا۔ دبلے پتلے غنڈے نے غفلت میں ایک تھپڑ تو کھالیا تھا لیکن اس کے بعد اس نے اپنے حریف کی جو درگت بنائی وہ قابل دید تھی۔

ہٹا کٹا غنڈا مار کھا کر پسپا ہوگیا اور پھر یہ دھمکی دیتے ہوئے بھاگ گیا کہ وہ اپنے باپ کی حلال کی اولاد ہے تو وہیں کھڑا رہے۔

میں دروازے کے قریب والی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دبلا پتلا غنڈا میری میز پر آکر بیٹھ گیا۔

"بھاگ گیا سالا۔" وہ ایک طرف تھوکتے ہوئے بولا "ناگ پال کے سائے میں جی رہے ہیں حرامی۔ اپنے اندر اتنا دم خم نہیں کہ ون ٹو ون مقابلہ کرسکیں۔ اب گیا ہے اپنی ماں کے کھسموں کو بلانے۔ اپن بھی آج بوت پتا ہوا ہوں۔ ایک آدھ کا گردن توڑ کر ہی جائے گا ادھر سے۔"

ناگ پال کا نام سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ مخنی سا بدمعاش ناگ پال کا حریف تھا۔ ممکن ہے اس کا اپنا کوئی گینگ ہو یا اکیلا ہی ہو لیکن اس کی دلیری' حوصلہ اور لڑنے کا انداز مجھے پسند آیا تھا اور میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس جنگ کا آخری مرحلہ دیکھ کر ہی یہاں سے اٹھوں گا۔

"چائے پیو سومبا دادا۔ وہ بھاگ گیا۔ اب نہیں آئے گا۔" ہوٹل کے ویٹر نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ دیا۔

"جب تک وہ حرامی نئیں آئے گا ہم بھی ادھر بیٹھا ہوں۔" سومبا دادا نے کپ اٹھاتے ہوئے کہا "تم لوگ گواہ رہنا۔ سومبا دادا بھاگا نئیں ہے۔ میں سالا ناگ پال حرامی سے نئیں ڈرتا۔"

وہ بولتا رہا اور میں دلچسپ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

اور پھر آدھے گھنٹے بعد اس کا حریف واپس آگیا۔ اس کے ساتھ اس کی طرح کے دو ہٹے کٹے غنڈے اور بھی تھے۔ سومبا اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر چلا گیا۔ وہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر تک گالیوں اور دھمکیوں کا تبادلہ ہوتا رہا اور پھر وہاں ایک خوفناک جنگ شروع ہوگئی۔

میں بڑی دلچسپی سے سومبا کو لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی خوب صورتی سے داؤ پیچ استعمال کررہا تھا۔ اس کے پہلے حریف نے خنجر نکالا تو پلک جھپکنے کی دیر میں وہ خنجر سومبا کے ہاتھ میں پہنچ چکا تھا۔

ایک موقع پر سومبا ان کے قابو آگیا۔ دو آدمیوں نے اسے اس طرح گرفت میں لیا کہ وہ تقریباً بے بس ہوکر رہ گیا تھا جبکہ تیسرا آدمی خنجر اٹھا کر اس کی طرف لپکا۔

مجھے بنکاک کا وہ خوفناک منظر یاد آگیا جب میں تھائی کے ساتھ اندرا ریجنٹ ہوٹل گیا تھا اور ٹائیگر کے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ مہاراج کے آدمی ہماری مدد کو پہنچ گئے تھے اور ٹائیگر کے آدمیوں نے ماسٹر پھوپھانگ کو اسی طرح موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ دور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ کسی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں تھی لیکن مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوسکا۔ ایک اچھا اور کارآمد آدمی بے موت مارا جارہا تھا۔

میں ایک ہی چھلانگ میں ریسٹورنٹ سے باہر آگیا۔ وہ آدمی سومبا پر حملہ کرنے کے لیے خنجر والا ہاتھ سر سے اوپر اٹھا چکا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ وار کرتا' میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے یل (YELL) کیا تھا۔ مارشل آرٹ میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ حریف پر حملہ کرتے ہوئے دہاڑنے کی آواز اس کا حوصلہ پست کردیتی ہے۔

میں پوری قوت سے ہوا میں اچھلا تھا۔ میری فلائنگ کک اس کے منہ پر لگی اور وہ بلبلاتے ہوئے پیچھے الٹ گیا۔ خنجر بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔ میں بھی نیچے گرا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ میرا یہ حملہ اس شخص کے لیے اگرچہ بالکل غیر متوقع تھا لیکن وہ فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ایک اور فلائنگ کک لگادی اور پھر پے در پے اسے کک لگاتا رہا۔

سومبا اب بھی ان دو آدمیوں کی گرفت میں تھا۔ ان دونوں نے اسے پیچھے سے جکڑ رکھا تھا۔ سومبا آہستہ آہستہ آگے کو جھکنے لگا اور پھر اس نے اپنے آپ کو آگے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔ وہ دونوں اس کے اوپر سے ہوتے ہوئے پشت کے بل زمین پر گرے۔

سومبا فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ اس کا ایک حریف اٹھنے

کی کوشش کررہا تھا لیکن سوما کی زوردار ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی اور وہ بلبلاتے ہوئے الٹ گیا۔

یہ کھیل چند منٹ سے زیادہ جاری نہیں رہ سکا۔ میں اور سوما ان تینوں کو بار بار زمین چاٹنے پر مجبور کررہے تھے۔ سوما کا اصل حریف' جس سے شروع میں جھگڑا ہوا تھا' زیادہ تر میرے ہتھے چڑھا رہا تھا۔ اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

اس کے دونوں ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ شخص میرے سامنے زمین پر پڑا ہوا تھا۔ سوما نے آگے بڑھ کر اسے زوردار ٹھوکر رسید کردی۔

"آج میں تمہیں زندہ چھوڑ رہا ہوں۔" وہ ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا "اس حرامی ناگ پال سے بھی کہہ دینا کہ آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرے۔ میں اس حرامی کو بھی زمین چٹادوں گا۔"

وہ شخص اٹھ کر ایک طرف بھاگ گیا۔ سوما میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"شکریہ دوست۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا "تم میرے لیے اجنبی ہو لیکن جس طرح تم نے میری جان بچائی ہے میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا لیکن کیا تم نے بیچ میں کود کر غلطی نہیں کی؟"

"نہیں دوست۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے جواب دیا "تم جیسے دلیر اور حوصلہ مند آدمی کے کام آکر مجھے خوشی ہوئی۔"

"یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔" وہ بولا "ناگ پال اپنے آپ کو اس دیش کا راجا سمجھنے لگا ہے مگر ہے تو وہی اُچکا' جیب کترا۔ دولت آجانے سے آدمی کی فطرت تو نہیں بدل جاتی۔ بہرحال' آؤ۔ میرے ساتھ ایک کپ چائے پیو۔"

ہم ریسٹورنٹ میں آگئے۔ ویٹر نے پوچھے بغیر ہمارے سامنے چائے رکھ دی۔ اب دور دور کھڑے ہوئے لوگ بھی قریب آنے لگے تھے۔ سوما کو تو تقریباً سب ہی لوگ جانتے تھے۔ بہت سے لوگ مجھے بھی عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ بغیر ہڈ کی ایک جیپ ریسٹورنٹ کے سامنے آکر رکی۔ اس میں آٹھ دس غنڈے بھرے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں ہاکی تھی کسی کے ہاتھ میں تیغہ اور کوئی لاٹھی اٹھائے ہوئے تھا۔

میں محتاط ہوگیا۔ میں سمجھا تھا کہ شاید یہ انہی لوگوں کے آدمی ہیں جو مار کھا کر بھاگے ہیں لیکن یہ سوما کے آدمی تھے۔

"میں تو دِلّی بازار میں تھا سوما دادا۔" ایک لمبا تڑنگا غنڈا آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ میں تیغہ تھا۔ "جیسے ہی اطلاع ملی میں ان لوگوں کو لے کر چلا آیا۔ کون لوگ' کہاں گئے۔ ہمیں بتاؤ۔ ہم ان کے ٹکڑے کرکے پھینک دیں گے۔"

"بھاگ گئے وہ حرامی۔ اس ٹائیگر نے انہیں مار مار کر بھگا دیا۔" سوما نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر میرے بارے میں بتانے لگا کہ اگر میں مداخلت نہ کرتا تو آج مارا جاتا۔

وہ سب لوگ میرے سامنے جھک گئے۔

"تم لوگ جاؤ۔" سوما نے کہا "اب کئی روز تک حرامی لوگ اپنے زخم چاٹتے رہیں گے اور اس کے بعد ہی کچھ کرنے کی سوچیں گے اور پھر جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ جاؤ۔ تم لوگ اپنا اپنا کام کرو۔"

وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ہم تقریباً آدھا گھنٹا مزید بیٹھے رہے اور پھر میں اٹھ گیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" میں نے سوما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم سے کچھ باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

ہم ریسٹورنٹ سے نکل کر ٹہلتے ہوئے اس طرف آئے جہاں میری گاڑی کھڑی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر سوما کو پسنجرز سیٹ پر بٹھایا اور پھر اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔

میں سوما کو مایا متی والے مکان میں لے آیا۔ اس کی ایک چابی میں نے مایا متی سے پہلے ہی لے لی تھی۔

سوما کو پہچاننے میں' میں نے غلطی نہیں کی تھی۔ غنڈا ضرور تھا مگر منشیات کی خرید و فروخت سے اسے شدید نفرت تھی۔ کتالی نام کے اس غنڈے سے سوما کی لڑائی اسی بات پر ہوئی تھی۔ کتالی کا تعلق ناگ پال کے گروہ سے اور ناگ پال کا اصل بزنس منشیات ہی سے متعلق تھا۔ سوما کے گروہ کے لڑکے وہاں گھوم پھر کر منشیات فروخت کرتے تھے اور کتالی ان لڑکوں کی نگرانی کررہا تھا۔ سوما نے منع کیا تھا کہ اپنے لڑکوں کو یہاں سے لے جائے اور اس پر جھگڑا بڑھ گیا تھا۔

وہ ناگ پال کے آدمی تھے جو پٹ کر گئے تھے اور یقین تھا کہ بات یہیں ختم نہیں ہوگئی تھی۔ معاملہ آگے گا۔ ناگ پال کو جب پتا چلے گا تو وہ خاموش نہیں رہے اتفاق یہ تھا کہ میں بھی اس معاملے میں ملوث ہوگیا ایک اچھی بات یہ تھی کہ مجھے سوما جیسا آدمی مل گیا

گے کہ یہاں کے لوگ اس زہر سے محفوظ رہیں۔ میں اتنا چاہتا ہوں کہ یہاں ان کے قدم نہ جمنے پائیں۔ اگر نیپال میں ان کے قدم جم گئے تو اس کے بعد وہ انڈیا کے شمالی خطے کی طرف بڑھیں گے۔ ہماچل پردیش کا علاقہ بھی پوست کی پیداوار کے لیے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ وہاں بھی چرس وافیون وغیرہ سرعام فروخت ہوتی ہے۔ منشیات کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جنرل کھوراٹ اس صورت حال سے فائدہ اٹھائے گا اور نیپال کے بعد اس کے قدم اسی خطے کی طرف اٹھیں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اسے یہیں روک دیا جائے اور آگے بڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" سوما نے کہا "مجھے بتاؤ کیا کرنا ہوگا۔ میرے پاس ایسے آدمیوں کی کمی نہیں جو میرے ایک اشارے پر آگ میں بھی کود پڑیں گے۔ آج سے وہ سب تمہارے ڈسپوزل پر ہوں گے۔ تم حکم کرو۔"

"فی الحال تو ناگ پال اور اس کے غیر ملکی مہمانوں جنہیں تم چینی سمجھ رہے ہو' کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ ویش کھ بھی ناگ پال کے پاس پہنچ گیا ہے۔ وہ میرے سامنے بازی ہار گیا ہے لیکن میں جانتا ہوں وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ فی الحال ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جائے۔"

"تم فکر مت کرو۔" سوما نے کہا "میں اپنے سارے آدمیوں کو حرکت میں لے آؤں گا۔"

"اس طرح گڑبڑ ہوجائے گی۔" میں نے کہا "دو چار ذہین آدمیوں کو منتخب کرکے ان کی ڈیوٹی لگادو جو روزانہ شام کو تمہیں رپورٹ دیتے رہیں۔ میری اور تمہاری ملاقات روزانہ رات گیارہ بجے اسی مکان میں ہوگی اور ہم آپس میں تبادلہ خیال کرلیا کریں گے۔"

سوما نے میرے اس پروگرام سے اتفاق کیا اور اس کے ساتھ ہی ہماری اس روز کی ملاقات ختم ہوگئی۔ سوما کو رخصت کرنے کے بعد میں تقریباً آدھا گھنٹا مزید اسی مکان میں ٹھہرا رہا اور پھر دروازوں کو تالے لگا کر چابیوں کا گچھا میں نے برآمدے میں اسی طاق میں رکھ دیا جہاں سے اس رات مایا متی کو اٹھاتے ہوئے دیکھا تھا۔

جب میں اپنی گاڑی پر وہاں سے رخصت ہورہا تھا تو گیارہ بج رہے تھے۔ دریائے دھولی کھولا کے کنارے پر وہ ڈاک بنگلا بھی اگرچہ کالی کا استھان کے ہی علاقے میں تھا۔ اس سے ذرا آگے آرنیکو روڈ تھا جس کے دوسری طرف تھاپا تھالی کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔ میں اگر چاہتا تو گلیوں ہی گلیوں سے میں کام لے سکتا تھا۔

سوما سے کھل کر باتیں ہوئیں۔ اسے میں نے بتادیا کہ یہاں کیا سازش ہورہی ہے اور جنرل کھوراٹ یہاں پوست کی کاشت والے علاقے پر کس طرح قبضہ جمانے کی کوشش کررہا ہے۔ میں نے اسے سام سنگ اور چانگ لی کے بارے میں بھی بتادیا جو ناگ پال کی اس معاملے میں مدد کررہے تھے۔

"اچھا۔ وہ چینی۔" سوما نے کہا "مجھے اس پر پہلے ہی شبہ تھا۔ اچھا ہوا تم نے بتادیا لیکن تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟"

"میرا بھی ان سے کچھ پرانا حساب چل رہا ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے تھائی لینڈ میں منشیات کی اسمگلنگ کے حوالے سے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتانے لگا "میں یہاں دیش کھ کے تعاقب میں آیا تھا۔" میں نے اس تعاقب کا پس منظر بھی بتادیا اور آخر میں اسے سام سنگ سے آمنا سامنا ہونے کے بعد سے اب تک کے واقعات بتانے لگا۔

"ہم دونوں کا راستہ ایک ہی ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ بولا "تم جس طرح اس لڑائی میں کود پڑے تھے اس سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہوسکتے۔ ایسے حالات میں ہر کوئی دور بھاگتا ہے لیکن تم نے اپنی جان کی بھی پروا نہیں کی۔ آج سے ہماری دوستی پکی۔ تم آواز بھی دو گے تو یہ سوما اپنی جان ہتھیلی پر لے کر پہنچ جائے گا۔"

"مجھے صرف ایک معاملے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔

"حکم کرو۔" وہ بولا "مجھے کسی آزمائش میں پیچھے نہیں پاؤ گے۔"

"ان کا منصوبہ بہت خطرناک ہے۔" میں نے کہا "گولڈن ٹرائی اینگل کا جنرل کھوراٹ یہاں بھی اپنے قدم جمانا چاہتا ہے تاکہ یہاں بھی ہیروئن کی فیکٹریاں لگا سکے۔ اس نے ناگ پال جیسے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملالیا ہے جو اس کا راستہ ہموار کررہے ہیں۔" میں کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا اور پھر اسے بتانے لگا کہ وہ لوگ کس طرح یہاں اپنی جگہ بنا رہے ہیں "موت کے یہ سوداگر ہشت پاکی طرح پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔" میں کہہ رہا تھا "ظاہر ہے ہم پوری دنیا میں اس سیلاب کو نہیں روک سکتے لیکن جس حد تک ممکن ہو اس حد تک کوشش تو کرسکتے ہیں۔ یہ تمہارا دیش ہے۔ تم اور تمہاری طرح کے دوسرے بہت سے لوگ چاہیں

میں ہوتے ہوئے ڈاک بنگلے تک پہنچ سکتا تھا لیکن سنگھا دربار (شاہی محل) کے قریب سے میں نے گاڑی کا رخ پرتھوی پاتھ (روڈ) کی طرف موڑ دیا۔

بھورا کالی مندر والے چوراہے پر میں نے ایک دکان سے کچھ پھل خریدے اور... کار کو وہاں سے آر نیکو روڈ کی طرف موڑ دیا۔ اس طرح مجھے ڈاک بنگلے تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

کار کی آواز پر گیٹ کا شما نے کھولا تھا۔ میں برآمدے کے سامنے کار روک کر اندر داخل ہوا۔ بلا لاؤنج میں ایک صوفے پر نیم دراز اونگھ رہی تھی اور سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ کوئی انڈین فلم چل رہی تھی۔

میں نے پھلوں والی ٹوکری سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور ٹی وی بند کردیا۔ اس کے ساتھ ہی بلا نے آنکھیں کھول دیں۔ ٹی وی کی آواز شاید اس کے لیے لوری کا کام دے رہی تھی۔ آواز بند ہوتے ہی وہ جاگ گئی تھی۔

"ارے! بہت دیر لگا دی تم نے ہمت سنگھ۔ کہاں رہ گئے تھے۔" بلا انگڑائی لیتے ہوئے بولی "بھوک سے جان نکلی جارہی ہے۔ میں نے تمہارے انتظار میں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔"

میں نے بلا کو جواب دینے کے بجائے کاشما کو آواز دے کر کھانا لگانے کو کہا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔

باتھ روم میں منہ ہاتھ دھو کر میں نے کپڑے بھی بدل لیے اور جب لاؤنج میں واپس آیا تو کاشما سینٹر ٹیبل پر ہی کھانا لگا رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں، میں بلا کو بازار میں ہونے والی لڑائی اور سومبا سے ملاقات کی تفصیل بتاتا رہا۔

"کیا وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ عین وقت پر دھوکا تو نہیں دے گا؟" بلا نے کہا۔

"میں کسی کو پہچاننے میں غلطی بہت کم کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "سومبا کو پہچاننے میں بھی میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان تو دے دے گا لیکن مجھ سے دھوکا نہیں کرے گا۔"

کھانے کے بعد ہم دیر تک ٹی وی پر فلم دیکھتے رہے۔ نیپال میں دو طبقے آباد تھے۔ ہندو اور بدھ مت لیکن ہندو نہ صرف مکمل طور پر معیشت پر چھائے ہوئے تھے بلکہ ان کا کلچر بھی نمایاں تھا۔ شہر میں بھی بدھ کے پیرو کار کثیر تعداد میں نظر آتے تھے لیکن ان کی اکثریت دیہی علاقوں میں آباد تھی۔ وہ بہت سادہ لوگ تھے۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ سیاست سے بھی انہیں زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ ایسی چیزوں سے الگ تھلگ بھی نہیں تھے۔

معاشرے پر عمومی طور پر ہندو ازم کی چھاپ نمایاں تھی۔ ٹی وی پر بھی زیادہ تر انڈین پینسلز ہی کے پروگرام دکھائے جاتے تھے اور سنیماؤں میں بھی زیادہ تر انڈین فلمیں ہی چلتی تھیں۔

اس وقت ٹی وی پر جو فلم چل رہی تھی، خاصی دلچسپ تھی۔ جب فلم ختم ہوئی تو میں نے گردن گھما کر بلا کی طرف دیکھا تو وہ سو رہی تھی۔ میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔ ٹی وی بند کیا اور بلا کو کمرے میں لاکر بستر پر گرا دیا اور خود دوسرے کمرے میں آگیا۔

میں اگرچہ الگ کمرے ہی میں سوتا تھا لیکن صبح جب آنکھ کھلتی تو بلا کو اپنے بیڈ پر پاتا تھا۔ کسی کی طرف پڑے ہوئے پاتا۔ پتا نہیں وہ کس وقت اپنے کمرے سے نکل کر میرے پاس آجاتی تھی۔

شوبھا کے مل جانے کے بعد مجھے ذہنی طور پر سکون نصیب ہوا تھا اور میں نے ایک بار پھر یوگا کی پریکٹس شروع کردی تھی اور مراقبہ بھی کیا کرتا تھا۔

صبح سویرے اٹھ کر میں کچھ دیر مراقبہ اور یوگا کی پریکٹس کرتا پھر گاڑی پر دربار مارگ کی طرف نکل جاتا جہاں رتنا پارک میں بھی تھوڑی دیر یوگا کی مشق کرتا پھر جوگنگ اور ایکسرسائز کرتا اور سورج طلوع ہونے کے بعد پارک کی دوسری طرف کا نکی پاتھ سے ہوتے ہوئے اسپتال پہنچ جاتا۔

شوبھا کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی اور وہ بڑی تیزی سے روبہ صحت ہورہی تھی۔ اس سے ابھی تک میری تفصیلی بات چیت نہیں ہوسکی تھی لیکن اس روز شام کو جب میں بلا کے ساتھ اسپتال آیا تو گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ شوبھا کو اس بات پر حیرت تھی کہ ہم اسے بچانے کے لیے دیش کھ کا پیچھا کرتے ہوئے کھٹمنڈو تک آگئے تھے اور پھر اسی روز گفتگو کے دوران میں بلا نے سونیا کے بارے میں بتا دیا تو شوبھا کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا۔

"بے چاری۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "بہت اچھی لڑکی تھی۔"

ماحول پر سوگواری سی طاری ہوگئی۔ ہم بہت دیر تک سونیا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

میں اور بلا آٹھ بجے اسپتال سے نکلے۔ ہیلو گپتا ہوٹل میں کھانا کھایا اور دس بجے کے قریب اپنے ڈاک بنگلے پر واپس پہنچ گئے۔ ہمارے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں تھا

بلا نے ٹی وی آن کردیا اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن دبا دبا کر اپنی پسند کا چینل تلاش کرنے لگی۔ میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

برہندرا اور اعظم خان کی طرف سے پچھلے تین چار دن سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ٹیلی فون پر برہندرا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ بھتاپور کی طرف گیا ہوا ہے۔ انسپکٹر اعظم خان کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔

پونے گیارہ بجے کے قریب میں مایا متی کے مکان پر جانے کے لیے روانہ ہوگیا اور میں ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچ گیا تھا۔

سومبا بھی عام طور پر ٹھیک گیارہ بجے ہی وہاں پہنچ جایا کرتا تھا۔ میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ سوا گیارہ بج گئے لیکن سومبا نہیں آیا۔

ساڑھے گیارہ بجے فون کی گھنٹی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں اس وقت برآمدے میں کھڑا تھا۔ اندر آیا تو تیسری مرتبہ گھنٹی بج چکی تھی۔ میں نے بلا کو یہ نمبر نوٹ کروا رکھا تھا۔ برہندرا اور اعظم خان کے پاس بھی یہ نمبر موجود تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کس کی کال ہوسکتی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ایک جانی پہچانی سی آواز سنائی دی۔ میں اس آواز کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ وہ آواز دوبارہ میری سماعت سے ٹکرائی۔

"میں سومبا بول رہا ہوں ماسٹر۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں سومبا۔" میں نے جلدی سے کہا "میں یہاں تمہارا انتظار کررہا ہوں اور تمہیں یہاں کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"تم بھول گئے ہو ماسٹر کہ میں روزانہ تمہارے پاس آرہا ہوں۔" سومبا نے جواب دیا "میں اکثر ٹیلی فون کے قریب والی کرسی پر بیٹھتا رہا ہوں اور ٹیلی فون سیٹ پر نمبر لکھا ہوا ہے۔"

"سمجھ گیا۔" میں اس کے مشاہدے اور قوت حافظہ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا "کہو۔ خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت کلاک ٹاور کے قریب انا پورنا ریسٹورنٹ سے بول رہا ہوں۔ دیش کھ کے ایک آدمی کو میں نے قابو میں کیا ہوا ہے۔ اسے تمہارے مکان پر لانا مناسب نہیں ہے۔ تم یہاں آجاؤ۔ اس شخص سے کچھ کام کی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور برآمدے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں کار کو مختلف گلیوں میں گھماتے ہوئے دربار مارگ کی طرف آگیا۔ دربار پاتھ سیدھی کلاک ٹاور چوک تک چلی گئی تھی۔

انا پورنا ریسٹورنٹ تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں کار سے اتر کر ریسٹورنٹ کی طرف چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک آدمی نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک ایک نیپالی تھا۔ سر کے بال بکھرے ہوئے جنہیں تقریباً دو انچ چوڑے الاسٹک بینڈ کے ذریعے سمیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ نیلی جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں بھی نیلے رنگ کا رومال بندھا ہوا تھا۔ ٹھوڑی پر چند بال تھے اور آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ ماسٹر۔" اس شخص نے کہا "سومبا یہاں نہیں ہے۔ وہ رتنا پارک میں تمہارا انتظار کررہا ہے۔"

"رتنا پارک!" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ شکار نے کچھ ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی تھی۔" اس شخص نے جواب دیا "سومبا اسے رتنا پارک کی طرف لے گیا ہے۔ مجھ سے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہیں وہیں لے آؤں۔"

میں نے ایک بار پھر غور سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اب میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ ان آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس رات جیپ پر... ریڈ لائٹ ایریا کے ریسٹورنٹ میں سومبا کے پاس آئے تھے۔

میں نے اسے کار میں بٹھالیا اور کار کو گھماتے ہوئے دوبارہ دربار پاتھ کی طرف لے آیا۔

رتنا پارک تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں نے کار سڑک کے کنارے پر کھڑی کردی اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ دوسری طرف سے وہ آدمی بھی اتر چکا تھا۔ ہم دونوں پارک میں داخل ہوگئے۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے۔ دس بجے تک اس پارک میں بڑی رونق رہتی تھی۔ مناسب فاصلوں پر لگے ہوئے کھمبوں پر برقی بلب بھی جگمگاتے تھے لیکن اس وقت تاریکی اور سناٹا تھا۔

میں اس شخص کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ ایک جگہ قد آدم

پودوں کے قریب پہنچ کر رک گیا اور پھر اچانک ہی اس نے پودوں کی دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ سنائی دی تھی۔

"لعنت ہو تم پر۔" مجھے اپنے ساتھی کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی چناخ کی آواز ابھری اور اس مرتبہ ایک آدمی چیخ اٹھا تھا۔

میرا ساتھی پودے پھلانگ کر واپس آگیا۔

"میں سمجھا تھا شاید کوئی ہماری نگرانی کررہا ہے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا "یہ سارے دھندے بھی رات کو پارکوں ہی میں ہوتے ہیں۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ کن دھندوں کی بات کررہا تھا۔

پارک میں کافی آگے جاکر وہ درختوں کے ایک کنج کے قریب رک گیا۔ اس کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس کی کھڑکی سے روشنی نظر آرہی تھی۔ یہ غالباً پارک کے نگران کا کمرا تھا۔

ہم جیسے ہی آگے بڑھے' ایک آدمی پودوں سے نکل کر ہمارے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا لیکن میرے ساتھی کو پہچان کر وہ راستے سے ہٹ گیا۔ ہم دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوگئے۔

کمرا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک طرف باغبانی میں استعمال ہونے والی چیزیں پڑی تھیں۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے گملے بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں سیلن اور کھاد وغیرہ کی ناگوار سی بو بھری ہوئی تھی۔

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ایک سومبا' دوسرا اس کا ایک لمبا تڑنگا ساتھی جس کے ہاتھ میں خم دار بلیڈ والا تیغہ تھا اور تیسرا آدمی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کی اچھی خاصی خاطر تواضع بھی کی گئی تھی۔

سومبا مجھے دیکھ کر مسکرادیا۔

"سوری ماسٹر۔" وہ بولا "اسے تمہارے ٹھکانے پر لانا مناسب نہیں تھا۔ اس وقت یہی مناسب جگہ نظر آئی تھی اسی لیے ہم اسے یہاں لے آئے۔"

"کچھ بتایا اس نے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بکا تو ہے۔ باقی تم پوچھ لو۔" سومبا نے جواب دیا۔

اور پھر اس شخص نے جو کچھ بتایا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق ناگ پال' ویش کھ اور چانگ لی نے اپنے خطرناک منصوبے کو حتمی شکل دے دی تھی اور وہ چند روز میں اس پر عمل کرنے والے تھے۔ اس ابتدائی مرحلے میں ہندوستان سے آنے والی ایک شخصیت کو قتل کردیا جاتا۔ جس شخص کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا وہ اتنا اہم تو نہیں تھا لیکن ہندوستان میں لوک سبھا کا ممبر ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستانیوں نے نیپال کو اپنی کالونی سمجھ رکھا تھا۔ اس قسم کے لوگ آزادی سے یہاں آتے رہتے تھے۔ کئی لوگوں نے تو یہاں جائدادیں بنا رکھی تھیں اور ان کے کاروبار بھی تھے۔

ہندوستان کے بہاری لال نامی جس شخص کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا وہ ایک ہفتے بعد کھٹمنڈو پہنچنے والا تھا۔ کھٹمنڈو کے نواحی علاقے میں اس کی ایک شان دار کوٹھی بھی تھی اور اس نے یہاں بزنس بھی شروع کررکھا تھا۔ وہ اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے سومبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کچھ بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"اس کا کیا کیا جائے؟" سومبا نے زمین پر پڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا "کیا اس کی چھٹی کردی جائے؟" اس نے مخصوص انداز میں گلے پر ہاتھ پھیرا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا "لیکن اسے کم از کم اس وقت تک منظر عام پر نہیں آنا چاہیے جب تک بہاری لال کھٹمنڈو سے واپس نہیں چلا جاتا۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر۔" سومبا نے کہا "اسے اس وقت تک ایسی جگہ پر رکھا جائے گا جس کے بارے میں اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوگا۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ زمین پر پڑے ہوئے اس شخص کو اٹھا کر باہر لے گئے۔ میں اور سومبا بھی کمرے سے باہر آگئے۔ سومبا نے بتی جلتی رہنے دی تھی۔ البتہ دروازہ بند کرکے باہر سے کنڈا لگادیا تھا۔

میں سومبا کے ساتھ چند منٹ وہاں کھڑا رہا پھر سومبا اپنے آدمیوں کے پیچھے کانتی روڈ کی طرف چلا گیا اور میں دربار پاتھ کی طرف آگیا جہاں میری گاڑی کھڑی تھی۔

یہ دربار روڈ اور کانتی روڈ کے درمیان بہت بڑا پارک تھا۔ اس کے سامنے دربار روڈ کی طرف بس اسٹاپ بھی تھا۔ میں چونکہ روزانہ صبح سویرے یہاں آیا کرتا تھا اس لیے اس پارک کے بیشتر حصوں سے واقف ہوگیا تھا۔

میں پختہ روشوں پر چلنے کے بجائے پارک کے اس حصے کی طرف جارہا تھا جہاں درختوں کی بہتات تھی۔ میں ابھی درختوں کے قریب پہنچا ہی تھا کہ کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور

میں گرتے گرتے بچا۔ سنبھل کر پیچھے دیکھا تو رک گیا اور مڑ کر میں گرنے والی چیز کو دیکھنے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

اس چیز کو دیکھنے کے لیے میں بائیں طرف پارک کے جنگلے کے ساتھ ایک تنگ پگڈنڈی تھی جو بس اسٹاپ سے کانتی روڈ تک چلی گئی تھی۔ سڑک کی بجلی کے کھمبے پر جلنے والے بلب کی بہت مدھم سی روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی۔

میں اس چیز کو دیکھ کر چونک گیا جس سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ چیز ہلکی سی روشنی میں چمک رہی تھی۔ میں جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ ٹھوس کرسٹل کا انسانی مجسمہ تھا بلکہ مجسمے کا پیٹ سے نیچے کا دھڑ تھا۔ میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تین چار گز کے فاصلے پر مجسمے کا اوپر کا دھڑ بھی پڑا ہوا تھا۔

یہ کسی عورت کا مجسمہ تھا جو ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کرسٹل کا یہ ٹوٹا ہوا مجسمہ اس جگہ کہاں سے آیا تھا۔ میں اس پارک کے بیشتر حصوں سے واقف تھا۔ پارک میں شاہ نیپال اور ملکہ رتنا کے پتھر کے مجسمے تو دیکھے تھے لیکن کرسٹل کا یہ مجسمہ کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہاں روشنی بہت ہلکی تھی۔ چہرے کے نقوش نظر نہیں آرہے تھے اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ یہ ملکہ کا مجسمہ تھا یا کسی دیوی کا۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کرسٹل کا یہ مجسمہ کہیں سے چوری تو نہیں کیا گیا؟ ہوسکتا ہے یہی بات ہو۔ کوئی شخص اسے کہیں سے چرا کر لایا ہو پھر شاید کسی خوف کی وجہ سے اسے یہاں پھینک کر بھاگ گیا۔ پھینکنے سے مجسمہ ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔

اس مجسمے کے بارے میں میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات ابھر رہے تھے۔ اس کا شمار نوادرات میں بھی ہوسکتا تھا۔ اسے یہاں چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ ابھی تو یہ صرف دو ٹکڑے ہی ہوا تھا۔ کسی اور کے ہاتھ لگ جاتا تو مزید ٹوٹ پھوٹ ہونے سے ضائع ہوسکتا تھا۔

میں نے جھک کر وہ مجسمہ اٹھالیا۔ ایک حصہ ایک بغل میں اور دوسرا دوسری بغل میں۔ دونوں حصے خاصے وزنی تھے۔

پارک سے باہر نکلنے سے پہلے میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار کے قریب آگیا۔ مجھے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو چوری کے الزام میں دھر نہ لیا جاؤں۔

میں نے مجسمے کے دونوں حصوں کو کار میں پیچھے رکھ دیا۔ دونوں حصے سیٹ پر پورے نہیں آئے تھے۔ ایک حصہ سیٹ پر رکھا اور دوسرا اس کے آگے فٹ میٹ پر رکھنا پڑا تھا۔

میں بہت ہلکی رفتار سے کار چلاتا رہا تاکہ جھٹکا لگنے سے مجسمے کو ٹھیس نہ پہنچے اور مزید ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔

جب میں نے کار روکی تو چونگے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں ڈاک بنگلے جانا چاہتا تھا جہاں بلا بھی موجود تھی لیکن میں مایا متی والے مکان پر پہنچ گیا تھا۔ مجھے راستے میں بالکل احساس نہیں رہا تھا کہ کس طرف جارہا ہوں۔ بہرحال میں نے یہی سوچ لیا کہ اس مجسمے کو یہاں رکھ کر ڈاک بنگلے چلا جاؤں گا اور صبح سب سے پہلے برندرا سے رابطہ کرکے اس کے بارے میں بتاؤں گا تاکہ یہ پتا چلایا جاسکے کہ یہ مجسمہ کہاں سے چوری کیا گیا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر کار کو اندر لے آیا۔

میں نے مجسمے کے دونوں حصے کار سے نکال کر مایا متی والے کمرے میں پہنچا دیے اور انہیں بیڈ پر ڈال کر دونوں حصوں کو آپس میں ملانے لگا۔ وہ مجسمہ اس طرح ٹوٹا تھا جیسے بلیڈ سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہو۔ میں نے انہیں آپس میں ملایا تو وہ بڑی آسانی سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے۔ کہیں اور کوئی خراش تک نہیں آئی تھی۔

میں سیدھا ہوکر اس مجسمے کو دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

وہ ایک بھرپور جوان عورت تھی۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے لگ بھگ۔ اگر وہ زندہ عورت ہوتی تو اس کا بدن بڑا گداز ہوتا۔ چہرے کے نقوش نہایت پرکشش' موٹی موٹی آنکھیں جو پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور لگتا تھا ان میں بے پناہ کرب بھرا ہوا ہو۔ بال لمبے تھے جو پیچھے پشت تک چلے گئے تھے۔ پیر کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک وہ ایک مکمل اور بھرپور عورت تھی۔

لگتا تھا جیسے کرسٹل کی چٹان کو تراش کر یہ مجسمہ تیار کیا گیا ہو۔ مجسمہ ساز نے اس کی تیاری میں بڑی محنت اور مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی نادر شاہکار تھا جسے یقیناً میوزیم سے چرایا گیا تھا اور چور کسی وجہ سے خوف زدہ ہوکر اسے پارک میں پھینک گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ صبح سب سے پہلے برندرا کو اس کے بارے میں اطلاع دوں گا۔

میں سر سے پیر تک گہری نظروں سے اس مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا جوڑ اگرچہ آپس میں مل گیا تھا لیکن غور سے دیکھنے پر جوڑ پر بال سے بھی باریک لکیر سی نظر آرہی تھی

پھر مجھے نجانے کیا خیال آیا کہ میں مایا متی کا میڈی سن باکس اٹھالایا اور اس میں سے چیزیں نکال نکال کر تلاشی لینے لگا لیکن میری مطلوبہ چیز نہیں ملی۔

ڈریسنگ ٹیبل کی تلاشی لیتے ہوئے مجھے ایک دراز میں سے اسکاچ ٹیپ کا رول مل گیا۔ رول کے اوپر کا کچھ ٹیپ میلا ہوچکا تھا جسے میں نے کاٹ کر پھینک دیا اور بڑی احتیاط سے مجسمے کے جوڑ پر ٹیپ چپکانے لگا۔ جس طرح کوئی ماہر سرجن مریض کا آپریشن کرتے ہوئے احتیاط کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اسی احتیاط سے میں نے مجسمے کے جوڑ پر چاروں طرف ٹیپ چپکا دیا۔ ٹیپ چپکاتے ہوئے میں عجیب سی کیفیت میں مبتلا رہا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں طمانیت سی محسوس کرنے لگا جیسے میں نے واقعی کسی زندہ انسان کا آپریشن کرکے اسے موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہو۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ایک بار پھر مجسمے کا جائزہ لیا۔ شفاف ٹیپ کے نیچے اب جوڑ کا بال برابر رخنہ بھی نظر نہیں آرہا تھا اور پھر میری نظریں اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار پر جم گئیں۔ یہ ہار بھی مجسمے ہی کا ایک حصہ تھا۔ اس کے عین وسط میں لاکٹ کی طرح انگوٹھے کے ناخن کے برابر ایک چپٹا موتی تھا جو سینے کے عین وسط میں رکھا ہوا تھا۔ اس ہار کو بھی بڑی مہارت اور خوب صورتی سے تراشا گیا تھا۔

میں نے آخری مرتبہ مجسمے کو دیکھا اور پھر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ کچھ دیر پہلے میں نے اس کی آنکھوں میں بے پناہ کرب محسوس کیا تھا لیکن اب ان خوب صورت آنکھوں میں کرب کی وہ کیفیت نہیں تھی۔

میں نے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا اور بتی بجھا کر کمرے سے باہر آگیا۔

برآمدے والے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے میرے پیر من من کے ہو رہے تھے۔ پورے جسم پر عجیب سنسنی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں بڑی مشکل سے باہر آسکا تھا۔ دروازے کو تالا لگا کر جیسے ہی پلٹا' آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی۔ سر ایک دم بھاری ہوگیا جیسے اندر غبار سا بھرتا جارہا ہو۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور بڑی مشکل سے چلتے ہوئے برآمدے سے نیچے آگیا۔ ٹانگیں جیسے پتھر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ قدم اٹھائے نہیں اٹھ رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے پیچھے کی طرف کھینچ رہی ہو۔ ایک دو مرتبہ میں نے اپنی بانہوں پر کسی کی ہلکی سی گرفت بھی محسوس کی تھی اور میں نے مڑ کر بھی دیکھا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یکایک مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میں سر کو بار بار جھٹک رہا تھا لیکن دماغ کا خمار کم ہونے کے بجائے بڑھتا جارہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی کار تک پہنچ سکا تھا اور پھر کار کے اگلے پہیے پر نظر پڑتے ہی میں چونک گیا۔ ٹائر فلیٹ ہوچکا تھا۔ میں کار کا سہارا لیتے ہوئے دوسری طرف آگیا۔ دوسرا آگے کا ٹائر بھی فلیٹ تھا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ پورے جسم پر جیسے چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ میں کار سے ٹیک لگائے کھڑا ایک بار پھر سر کو ہولے ہولے جھٹکے دینے لگا۔ اسی وقت پانی کی چند بوندیں میرے اوپر پڑیں۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ پانی کی موٹی موٹی بوندیں میرے چہرے پر بھی گریں۔

تاریک آسمان پر گھن گرج کی آواز سنائی دینے لگی اور ایک دم تیز بارش شروع ہوگئی۔ میں برآمدے میں آگیا۔ بارش بڑی تیزی سے شروع ہوئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے طوفانی شکل اختیار کرگئی۔ تند ہوا کے جھکڑ آسمان سے برسنے والی پانی کی بوچھار کو کبھی ایک طرف دھکیلتے اور کبھی دوسری طرف۔ بادلوں کے گرجنے کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

میرے دماغ کا غبار پھیلتا جارہا تھا۔ ایک عجیب سی سنسناہٹ تھی جو مجھے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں بھی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

اور پھر نجانے کس طرح میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب ڈاک بنگلے واپس نہیں جاؤں گا۔ کار کے دونوں اگلے ٹائر فلیٹ ہوچکے تھے۔ اچانک شروع ہونے والی بارش نے طوفانی شکل اختیار کرلی تھی۔ میری اپنی کیفیت کچھ بہتر نہیں تھی۔ ایسی صورت حال میں میرے لیے واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس حالت میں نہ تو میں پیدل ڈھائی تین میل کا فاصلہ طے کرسکتا تھا اور نہ ہی ایسی طوفانی بارش میں کوئی سواری ملنے کا امکان تھا۔

پھر ایک اور حیرت انگیز بات ہوئی۔ یہ فیصلہ کرتے ہی میرے اندر کی بحرانی کیفیت بھی خود بخود بدلنے لگی۔ دماغ پر چھایا ہوا غبار چھٹنے لگا۔ بوجھل پن بتدریج دور ہوتا گیا اور ٹانگیں بھی ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگیں۔ چند منٹ بعد میں اپنے آپ کو بالکل پہلے جیسا محسوس کرنے لگا۔

میں تقریباً دس منٹ تک برآمدے میں کھڑا آسمان سے برستے ہوئے پانی کو دیکھتا رہا پھر اندر آگیا۔ دروازہ بند کرکے میں سیدھا کچن میں گھس گیا۔

چائے بنا کر میں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر بیلا کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں رات کو واپس نہیں آسکوں گا۔

فون بند کرکے چائے پیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یکایک مجھے کیا ہوگیا تھا۔ کار کے دونوں ٹائر بھی اچانک کیسے فلیٹ ہوگئے تھے؟ میں سوچتا رہا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

چائے ختم کرکے میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی لیکن اس کا زور ٹوٹ گیا تھا۔

اور پھر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر مایا متی والے کمرے کی طرف مڑ گیا جہاں میں نے کرشل کے اس خوب صورت عورت کے مجسمے کو مایا متی کے بستر پر لٹا دیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے بتی جلا دی اور مجسمے کی طرف دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ سنسنی کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔

میں نے ایک گھنٹا پہلے اس مجسمے کو بستر پر لٹا کر اس کی "مرہم پٹی" کی تھی تو گہری نظروں سے متعدد بار اس کا جائزہ بھی لیا تھا۔ کرسٹل کا وہ شفاف مجسمہ بالکل اسی رنگت کا تھا جیسا کہ آب شیشے کے کسی ٹکڑے کو دیکھتے ہیں لیکن اب وہ مجسمہ ویسا نظر نہیں آرہا تھا۔ اس میں بہت ہلکے گلابی رنگ کی جھلک نظر آرہی تھی۔

میں اسے اپنا وہم سمجھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ بتی میں نے جلتی ہی رہنے دی تھی اور دروازہ بھی کھلا چھوڑ دیا تھا۔ دوسرے کمرے میں آکر میں بستر پر لیٹ گیا اور سرہانے پڑی ہوئی ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ امریکا اور روس کی سرد جنگ کے پس منظر میں انگریزی ناول تھا۔ جن دنوں میں مایا متی کے ساتھ یہاں رہا کرتا تھا یہ ناول ان دنوں بھی پڑھا کرتا تھا اور کبھی بھی دو تین صفحات سے زیادہ نہیں پڑھ سکا تھا۔ وہ صفحہ مڑا ہوا تھا جس کی چند سطریں آخری مرتبہ پڑھی تھیں۔ میں نے صفحہ سیدھا کیا اور اس سے آگے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن چند سطروں سے زیادہ نہیں پڑھ سکا۔ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں نے کتاب بند کرکے سرہانے رکھ دی اور آج کی صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔

دیش مکھ کے پکڑے جانے والے آدمی نے جو انکشافات کیے تھے وہ بڑے تشویش ناک تھے۔ بھارت کے سرحدی قصبے تک پور کے اس گھٹیا سے رہائشی ہوٹل میں انسپکٹر اعظم خان نے بھی ایسے ہی خدشات کا اظہار کیا تھا اور اب اس کی باتوں کی تصدیق ہو رہی تھی۔ نیپال میں ہندوستان کی کسی بھی معزز شخصیت کے قتل سے ہنگامے ہوں گے۔ دونوں ملکوں کے تعلقات میں رخنہ پڑے گا اور جنرل کھوراٹ جیسے لوگ ایسے موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ تو منصوبہ ہی ان لوگوں کا تھا۔ یہاں ناگ پال جیسے اس کے ایجنٹ موجود تھے جو نیپالی حکومت کو ان واقعات کا ذمے دار ٹھہرا کر مزید انتشار پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس انتشار میں جنرل کھوراٹ کو یہاں قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔ مجھے بہاری لال کے قتل کو ہر صورت میں روکنا تھا۔ یہ تو بہرحال طے تھا کہ صبح ہوتے ہی میں نے انسپکٹر برینددرا کو اس صورت حال سے آگاہ کرنا تھا تاکہ کسی سنگین صورت حال سے نمٹنے کے لیے مناسب بندوبست کیا جاسکے۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

لیکن وہ آواز۔۔۔ میری آنکھ اسی آواز سے کھلی تھی۔ میں گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا لیکن کسی عورت کے کراہنے کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس مکان میں اس وقت میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں یہاں اکیلا ہی تو آیا تھا۔ میرے ساتھ کرسٹل کے اس ٹوٹے ہوئے مجسمے کے سوا اور کوئی نہیں تھا جسے بستر پر ڈال کر میں نے اسکاچ ٹیپ سے جوڑ دیا تھا اور یہ سوچنا ہی حماقت تھی کہ عورت کا وہ مجسمہ تکلیف سے کراہ رہا ہوگا۔

اچانک ہی ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے اندر آنے کے بعد طوفانی بارش سے بچنے کے لیے کوئی عورت بیرونی دیوار کود کر اندر آکر برآمدے میں بیٹھ گئی ہو اور اب کسی تکلیف سے کراہ رہی ہو۔

میرے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ میں نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ میں بستر سے اٹھ کر ننگے پیر کمرے سے باہر آگیا اور لاؤنج کی طرف جانے کے لیے دو ہی قدم چلا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ آواز مایا متی والے کمرے کی طرف سے آئی تھی۔

میں مڑ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ میرا دماغ الجھ کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کراہنے کی آواز کس طرف سے آئی تھی۔ میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ کراہنے کی وہ آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ سمت کا اندازہ لگانے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ آواز اس کمرے ہی کی طرف سے آئی تھی۔ آواز سے صاف لگ رہا

تھا کہ کوئی عورت کسی تکلیف سے ہولے ہولے کرا رہی تھی۔

میں کمرے کی طرف مڑگیا اور پہلا قدم اندر رکھتے ہی اس طرح رک گیا جیسے زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ہوں۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ سنسنی کی ایک لہر میرے پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔ گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ عورت کا وہ خوب صورت کرسٹل کا مجسمہ بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ نہیں... کرسٹل کا مجسمہ نہیں... وہ عورت تھی۔ زندگی سے بھرپور عورت۔ میں نے اس کا کرسٹل کا جسم پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اب وہ بے جان کرسٹل نہیں، گوشت و پوست کی زندہ عورت تھی۔ رنگت ایسی جیسے دودھ میں ہلکا سا گلابی رنگ ملا دیا گیا ہو۔ سرخ احمریں ہونٹ اور سینے کا ہلکا سا زیر و بم اس میں زندگی کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، چہرے پر کرب کے ہلکے سے آثار تھے اور وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔

وہ بے لباس تھی اور اس طرح پشت کے بل بالکل چت لیٹی ہوئی تھی جس طرح میں نے اس مجسمے کو لٹایا تھا۔ اس کے پیٹ پر ایک طرف سے دوسری طرف تک وہ اسکاچ ٹیپ اب بھی موجود تھا جو میں نے مجسمے کو جوڑنے کے لیے چپکایا تھا۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ شاید میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے یہاں کرسٹل کے ایک ٹوٹے ہوئے مجسمے کو لٹایا تھا اور اس وقت میرے سامنے ایک نہایت حسین و جمیل عورت لیٹی کسی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ ایسا ملکوتی حسن اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میں نے ایک انگلی دانتوں میں دبائی۔ میں نے انگلی پر دانت کچھ زیادہ ہی زور سے گاڑ دیے تھے۔ میں انگلی کو دوسرے ہاتھ سے سہلانے لگا۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا تھا کہ میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔

اس گلابی اور گداز بدن پر نظریں ٹکانا مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے بیڈ پر ایک طرف پڑی ہوئی چادر کھول کر اس کے جسم پر ڈال دی۔ اس کا چہرہ نہیں ڈھکا تھا۔

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ عورت کی آنکھیں حسین ہوں تو لوگ ہرنی کی آنکھوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہرنی کی آنکھیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں لیکن ان آنکھوں کے سامنے تو جیسے ہرنی کی آنکھیں بھی ہیچ نظر آئیں۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جنہیں بے اختیار چوم لینے کو دل چاہتا تھا لیکن میں اپنی اس خواہش پر عمل نہیں کرسکا۔ کیونکہ ان آنکھوں میں بے پناہ اداسی اور کرب تھا۔ میں زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں جھانکنے کی تاب نہ لاسکا۔

وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے شاید کچھ کہنا چاہا تھا مگر ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ میں نے اس کے جسم پر ڈالی ہوئی چادر کی طرف دیکھا۔ پہلو میں چادر کے نیچے حرکت کرتی ہوئی پھر اس کا ہاتھ چادر سے باہر نکل آیا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ میرا جسم جھنجھنا اٹھا۔ یہ کیفیت صرف ایک لمحے کو رہی تھی۔ اس کے بعد میں نارمل ہوگیا تھا۔

میں ہولے ہولے اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔ لمبی لمبی انگلیاں، گداز ہتھیلی اور گول کلائی۔ اس ہاتھ میں زندگی بھرپور حرارت موجود تھی۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے احمریں ہونٹوں پر نہایت خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

وہ میرا ہاتھ چادر کے اندر لے گئی اور جب اس نے میرا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھا تو مجھے بے اختیار جھرجھری سی آگئی اور دل ایک بار پھر کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ میرا واہمہ یا خواب نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کرسٹل کا بے جان مجسمہ تھا۔ وہ زندگی کی حرارت سے بھرپور حسین اور جوان عورت تھی۔ میرا ہاتھ اس کے بدن کا گداز محسوس کررہا تھا۔

اس نے میری انگلی پیٹ پر اس جگہ رکھ دی جہاں اسکاچ ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ وہ میری انگلی کو اپنے بدن کے اوپر جوڑ پر آگے پیچھے حرکت دینے لگی۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور ٹیپ کے اوپر انگلی سے اس جوڑ کو سہلانے لگا۔ کبھی میری نظریں اس کے چہرے کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر بھی اب وہ کرب نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ ہاتھ روک لیا تو ایک عجیب سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے میں بھنبھنا رہی ہوں اور اس بھنبھناہٹ میں نہایت مدھم اور شہد جیسی میٹھی سرگوشی سنائی دی۔

"ہاتھ کیوں روک لیا۔ سہلاتے رہو۔ مجھے بڑا سکون مل رہا ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں

بند تھیں اور ہونٹ ملے ہوئے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ شہد کی مکھی کی طرح رس گھولتی ہوئی وہ مدھر سی سرگوشی اسی کی تھی۔

میرا ہاتھ پھر حرکت کرنے لگا۔ میں اسکاچ ٹیپ کے اوپر ہولے ہولے انگلی پھیرتا رہا اور پھر اس نے چادر اپنے اوپر سے ہٹادی۔ پیٹ تک اس کا جسم برہنہ ہوگیا۔ میری نظریں جھک گئیں۔

"پٹی اتار دو۔" شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں شہد جیسی میٹھی سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی "پٹی اتار دو اور زخم کو سہلاتے رہو۔ میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔"

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے لب ملے ہوئے تھے۔ البتہ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان خوب صورت آنکھوں میں کرب اور اداسی کے بجائے تشکر کے جذبات تھے۔

میں قدرے آگے جھک گیا اور اسکاچ ٹیپ اس طرح ہٹانے لگا جیسے زخم سے پٹی ہٹا رہا ہوں۔ میں بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ ٹیپ ہٹاتا رہا جیسے اندیشہ ہو کہ بے احتیاطی سے زخم نہ چھل جائے۔ پوری طرح ٹیپ ہٹانے کے لیے ایک مرتبہ میں نے اسے اوندھا بھی دیا تھا۔

ٹیپ ہٹانے کے بعد میں نے ایک بار مرتبہ پھر غور سے دیکھا۔ اس کے پیٹ پر یا پچھلی طرف کوئی معمولی سا نشان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ملکوتی حسن کی مالک اس عورت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کرسٹل کا وہی مجسمہ تھا جسے میں دو ٹکڑوں میں، رتنا پارک سے اٹھا کر لایا تھا اور اسے جوڑنے کے لیے میں نے ٹیپ چپکا دیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر اس کے جسم پر چادر ڈال دی۔ سینے پر چادر درست کرتے ہوئے دوسری مرتبہ نظریں اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار پر پڑ گئیں۔ پہلی مرتبہ میں نے وہ ہار اس طرح دیکھا تھا کہ وہ مجسمے کے کرسٹل ہی کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ وہ الگ سے کوئی چیز نہیں تھی لیکن اب وہ ہار جسم سے الگ نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے سینے پر چادر درست کی تو میری انگلی سے ٹکرا کر وہ ہار اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ وہ موتی نہیں تھا۔ چھوٹے چھوٹے پتھر تھے جو سنہری لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً بہت قیمتی پتھر تھے۔ ان کی رنگت اگرچہ سیاہ تھی لیکن ان میں نیلاہٹ کی بھی جھلک تھی۔ درمیان انگوٹھے کے ناخن کے برابر اسی رنگت کا چپٹا پتھر تھا۔ اس پر شاید کچھ لکھا ہوا تھا لیکن وہ تحریر اس قدر باریک تھی کہ اسے پڑھنے کے لیے محدب عدسے کی ضرورت تھی۔

میں اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ گلابی رنگت اب سرخی میں بدل گئی تھی اور آنکھوں میں زندگی کی بھرپور چمک عود کر آئی تھی۔ وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اب میں بھی پلک جھپکے بغیر اس کی خوب صورت آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ مقناطیسی کشش تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مقناطیسی لہریں آنکھوں کے راستے میرے پورے جسم میں پھیلتی چلی جارہی ہوں۔ مجھے اپنا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جسم کا جوڑ جوڑ جیسے ہل کر رہ گیا۔ اعصاب میں تناؤ پیدا ہونے لگا جو شدید تر ہوتا جارہا تھا۔ لگتا تھا دماغ کی نسیں جیسے لاسٹک کے تار کی طرح کھنچی چلی جارہی ہوں لیکن میں نے پلکیں نہیں جھپکیں نہ ہی نظریں ہٹائیں۔

اس کی نظریں بھی میری نظروں میں گڑی ہوئی تھیں۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ حرکت کررہا تھا اور پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ میرے جسم کو زوردار جھٹکا لگا اور پھر میں پرسکون ہوتا چلا گیا۔ دماغ کی نسوں کا تناؤ کم ہوگیا اور اعصاب کی کشیدگی بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ تاہم اس دوران

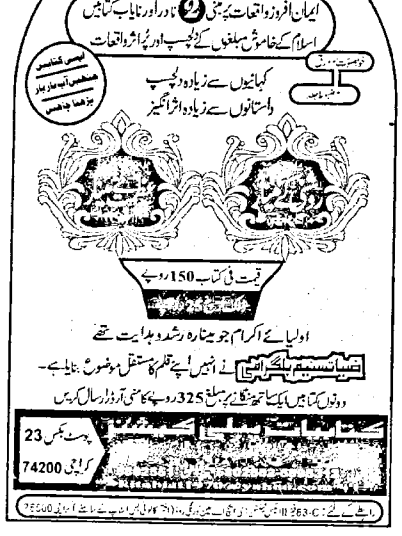
مشہور مصنفہ ضیا تسنیم بلگرامی کی دلچسپ سوانح عمری کا حصہ
ایمان افروز واقعات پر مبنی
نادر اور نایاب کتابیں
اسلام کے خاموش مبلغوں کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
کہانیوں سے زیادہ دلچسپ
داستانوں سے زیادہ اثر انگیز
قیمت فی کتاب 150 روپے
اولیائے اکرام جو مینارہ رشد و ہدایت تھے
ضیا تسنیم بلگرامی نے انہیں اپنے قلم کا مستقل موضوع بنایا ہے۔
دونوں کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر صرف 325 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

میں میرا جسم پسینے میں تر ہو چکا تھا اور میں اپنے چہرے اور پیشانی پر بھی پسینے کی نمی محسوس کر رہا تھا۔

"شکریہ میرے دوست!" وہی کانوں میں رس گھولتی ہوئی مدھم سی سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی "تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

اس کے ہونٹوں میں ذرا سا خم آگیا تھا اور وہ مسکراہٹ بڑے غضب کی تھی۔ اس طرح مسکرانے سے اس کی ٹھوڑی پر دائیں طرف بہت ننھا سا گڑھا پڑ گیا تھا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میں تو پارک سے کرسٹل کا ایک ٹوٹا ہوا مجسمہ اٹھا کر لایا تھا اور یہ جو کچھ بھی ہوا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ کیا میں اب بھی کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"نہیں یہ کوئی خواب نہیں ہے۔" اس مرتبہ کوئی سرگوشی میری سماعت سے نہیں ٹکرائی تھی بلکہ یہ گنگناتی ہوئی آواز اس کے ہونٹوں سے خارج ہوئی تھی "تم نے مجھے چھو کر دیکھ لیا۔ میں زندہ انسان کی طرح تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت تم زندہ انسان کی طرح میرے سامنے موجود ہو لیکن۔" میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "میں تو کرسٹل کے مجسمے کے دو ٹکڑے اٹھا کر لایا تھا اور محض تجسس کی وجہ سے انہیں جوڑ کر ٹیپ چپکا دیا تھا لیکن اب بھی یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا کہ کرسٹل کے دو بے جان ٹکڑے اس طرح آپس میں مل جائیں تو وہ ایک زندہ انسان کا روپ دھار لیں گے۔ یہ اسرار۔۔۔"

"یہ اسرار ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا وجدان علی۔"

اس کے منہ سے اپنا نام سن کر میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں ایک بار پھر تیز سنسناہٹ ہونے لگی۔ میں بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا۔

"تت۔۔۔ تم میرا نام۔۔۔"

"میں نام ہی نہیں، تمہارے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ دی "میرے بارے میں جاننے کے لیے جلد بازی سے کام مت لو۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ اگر تم مجھے پارک سے اٹھا کر نہ لاتے تو ہماری یہ ملاقات کبھی نہ ہوتی۔ میں فنا ہو جاتی اور میری روح تمہاری تلاش میں بھٹکتی رہتی۔"

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ہندو پنڈت اور پجاری پراسرار قوتوں کے حصول کے لیے جاپ کرتے رہتے تھے۔ میں نے جے پور کے شمشان گھاٹ میں ایک ایسے ننگ دھڑنگ پجاری کو دیکھا تھا جس کے بقول اس کے 'اگر میں اسے پارک سے اٹھا کر نہ لاتا' وہ کسی پراسرار شکتی (قوت) کے ہو جاتی اور اس کی روح میری تلاش میں بھٹکتی رہتی۔ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ کسی دماغ گھوم رہا تھا۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ حصول کے لیے جاپ کر رہا ہے۔ کئی پجاریوں کے بارے میں یہ کیا اسرار تھا کہ کرسٹل کے ٹوٹے ہوئے مجسمے کے سنا تھا کہ پراسرار قوتیں ان کے قبضے میں ہیں اور پھر ہردوار آپس میں مل کر جیتے جاگتے انسان میں تبدیل ہو گئے اور رشی کیش میں بھی میں نے بہت سے پجاریوں، یوگیوں اور میری نظر کا دھوکا بھی نہیں تھا۔ وہ ایک ایسی حقیقت جوگیوں کو بھوک پیاس اور موسم کی شدت سے بے نیاز جاپ میرے سامنے موجود تھی جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا کرتے ہوئے دیکھا تھا اور ہردوار کے پنڈت آشوتوش کو تو میں کوئی جادو تھا یا میں کسی طاغوتی چکر میں پھنس رہا تھا۔ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ جس نے حیات ابدی جیسی پراسرار جیسے سوچتا گیا، میرا ذہن الجھتا گیا۔ شکتی حاصل کرنے کے لیے دو کنواری لڑکیوں کو موت کے

اچانک ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ گھاٹ اتار دیا تھا اور تیسری لڑکی کو عین سورج گرہن کے جب میں کرسٹل کے اس مجسمے کو یہاں چھوڑ کر جا رہا تھا کہ میری اور چترا پریتم کی مداخلت سے وقت ذبح کرنے جا رہا تھا۔ مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ سوچے وہ لڑکی بچ گئی تھی اور آشوتوش بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ ٹانگیں جیسے پتھر رشی کیش میں، میں نے بہت سے یوگیوں کو کسی نہ کسی تھیں اور قدم اٹھائے نہیں اٹھ رہے تھے۔ اس وقت پر قابو پانے کے لیے جاپ کرتے دیکھا تھا۔ خود میں نے دو مرتبہ تو مجھے یوں بھی لگا تھا کہ جیسے کوئی غیبی قوت بھی مار آستینیں FIRE SERPENT یا اگنی ناگ پر قابو بانہوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ رہی ہو اور جب میں جیسے پانے کے لیے یوگ کی کنڈلینی کی ریاضت شروع کی تھی۔ میں تک پہنچ گیا تھا تو کار کے اگلے دونوں ٹائر فلیٹ کسی گھناؤنے مقصد کے لیے یہ پراسرار قوت حاصل کرنا حالانکہ میں بہت محتاط انداز میں کار چلا کر لایا تھا۔ میرا مقصد نیک تھا۔ میں کسی بھی قوت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور بہت صاف ستھری تھی۔ گھر آنے تک دونوں دوسروں کی بھلائی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ میری اس درست تھے اور پھر اچانک شروع ہونے والی وہ طوفانی ریاضت میں باقاعدگی نہیں رہی تھی لیکن جب بھی موقع ملتا، حالانکہ مجھے یاد تھا کہ پارک میں جب ان لوگوں کی مشق کرتا رہتا تھا اور پچھلے کئی روز سے تو میں باقاعدگی کے بعد میں سوما سے باتیں کر رہا تھا تو ایک مرتبہ سے مشق کرتا رہا تھا۔ کئی مرتبہ تو مجھے اپنے اندر کچھ عجیب سی آسمان کی طرف بھی دیکھا تھا۔ آسمان چمکتے ہوئے بجلیاں بھی محسوس ہوئی تھیں لیکن میں نے کبھی ان پر توجہ نہیں آیا تھا لیکن اچانک دھواں دھار بارش۔۔۔! یہ سے بھرا ہوا تھا اور کہیں بادل کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا تو کیا یہ بھی کوئی ایسی ہی پراسرار شکتی ہے۔ ایک نہایت اسرار تھا؟ کیا مجھے روکنے کے لیے۔۔۔ خوب صورت عورت کے روپ میں؟

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔" اس نے شاید میرا "میرے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے چین لیا تھا "وہ سب کچھ تمہیں روکنے کے لیے ہی کیا گیا تھا۔ ہو رہے ہو۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی "تم انتظار نہیں چلے جاتے تو میں یہاں تکلیف سے تڑپ تڑپ کر کرسکتے۔ مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ۔ میں تمہیں بتاتی ہوں۔" ہو جاتی۔"

اس نے ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

یہ گتھی سلجھنے کے بجائے الجھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر رک گیا۔

بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ کون تھی؟ اچانک میرے دماغ "ایک منٹ!" میں نے کہا "میں تمہیں اس الماری سے کپڑے نکال کر دیتا ہوں۔ وہ پہن لو تو۔۔۔"

اور دھماکا سا ہوا۔ جب میں ہندوستان نہیں آیا تھا، "کپڑے تو میں نے پہنے ہوئے ہیں۔" اس نے یہ کہتے کرتا تھا کہ ہندوستان بہت پراسرار ملک ہے ہوئے آہستگی سے اپنے اوپر سے چادر ہٹا دی۔

ہندوستان آیا تو اس قسم کی باتیں آہستہ آہستہ سا میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کے جسم پر اسکن کلر کا لباس تھا اور یہ عجیب لباس تھا۔ سینے پر جسم سے چپکا ہوا اور اس سے نیچے بتدریج ڈھیلا ہوتا ہوا میکسی کی طرح پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس میں باریک باریک بے شمار سنٹیتھیں تھیں۔

اس نے ایک بار پھر ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا تو وہ بے اختیار کراہ اٹھی۔ میں نے اسے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور کافی دیر تک پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی۔ میرے اپنے حساب میں اس کی عمر بیس بائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ساڑھے پانچ فٹ قد اور بھرا بھرا گداز جسم۔ میں یہ بھی اعتراف کروں گا کہ اس جیسی حسین لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ دنیا کی حسین ترین لڑکیاں بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آتی تھیں۔ اس کے شہد کی رنگت کے بال بہت گھنے اور کولھوں تک پھیلے ہوئے تھے۔

"تمہارے ذہن میں بے شمار الجھنیں ہیں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم ایسا کرو۔ اپنے لیے چائے یا کافی لے آؤ پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں اور تمہارے ساتھ میری یہ ملاقات کیوں ہوئی؟"

میں اس وقت واقعی چائے یا کافی کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں کمرے سے نکل کر کچن میں پہنچ

اردو زبان کی ٹیلی فونی خواتین داستان

دیوتا

43 حصے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

تمام حصے ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت -/2300 روپے

یہ رعایت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ منی آرڈر یا چیک ارسال کرنے پر دی جائے گی

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (ڈاکٹر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

گیا۔

کافی بناتے ہوئے ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن پھر میں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ میں ایسا بزدل بھی نہیں تھا اور پھر وہ کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی جس سے ڈرا جائے۔ وہ مافوق الفطرت ہستی ضرور تھی لیکن اس کا انداز دوستانہ تھا۔ میں نے کرسٹل کے مجسمے کے ٹوٹے ہوئے دو ٹکڑوں کو جوڑا تھا اور وہ انسان کا روپ دھار گئی تھی۔ وہ میری شکر گزار تھی کہ میری وجہ سے اسے نئی زندگی ملی تھی۔ مجھے اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں تھا اس لیے مجھے اس سے ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

میں کمرے میں آکر بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا لیکن وہ اس وقت تک کچھ نہیں بولی جب تک میں نے کپ خالی کرکے میز پر نہیں رکھ دیا۔ اس نے اشارہ کیا تو میں کرسی سے اٹھ کر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑلیا۔ مجھے اپنے جسم میں برقی لہریں سی کوندتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نظروں کا تصادم ہوتے ہی میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ اس کے لب خاموش تھے لیکن اس کی گنگناتی ہوئی سرگوشی جیسی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"میں نیلگری ہوں۔" وہ خاموش زبان سے کہہ رہی تھی "میں ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کی گپھاؤں میں رہتی ہوں۔ وہ برف پوش چوٹیاں ہزاروں سال سے میرا رین بسیرا ہے۔ میں نیلگری کی برف پوش چوٹیوں کی وہ شکتی ہوں جسے ہر کوئی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ کوششیں ہزاروں برسوں سے ہورہی ہیں۔ بڑے بڑے پنڈت' جوگی اور یوگی مجھے حاصل کرنے کے لیے زندگی بھر جاپ کرتے ہیں۔ جیون کا ایک ایک پل بڑی کٹھنائیوں اور تپسیا میں گزارتے ہیں مگر مجھے پانے کی حسرت من میں لیے ہی اس سنسار (دنیا) سے سدھار (رخصت) جاتے ہیں۔ وہ آدھا راستہ بھی نہیں طے کرپاتے۔ کوئی جل کر بھسم ہوجاتا ہے' کوئی پانی میں ڈوب کر مرجاتا ہے اور کوئی خوف سے مرجاتا ہے۔" وہ خاموش ہوگئی۔ میں پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کی مقناطیسی لہریں برقی رو کی طرح میرے وجود میں پھیل رہی تھیں۔ میرا رواں رواں اس کی خاموش آواز سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"ان کی نیتوں میں کھوٹ تھی۔ وہ مجھے حاصل کرکے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہزاروں برسوں میں کوئی بھی پنڈت یوگی یا جوگی ایسا نہیں تھا جو کسی نیک مقصد کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہو۔ سب کی نیتوں میں فتور تھا۔ ہر کوئی حکمرانی کے خواب دیکھتا رہا لیکن ان کے سپنے بھی چکنا چور ہوگئے اور وہ خود بھی نشٹ (تباہ) ہوگئے۔

"تم پہلے شخص ہو جو اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے شکتی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ تم نے اب تک جو کچھ بھی دوسروں کے لیے کیا۔ تم نے تپسیا کی تو دوسروں کے لیے کٹھنائیاں برداشت کیں تو دوسروں کے لیے اور جب تم نے مجھے حاصل کرنے کے لیے رشی کیش میں جاپ شروع کیا اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے۔ تم ایک ودوا (بیوہ) شیطان کے چنگل سے چھڑانے کے لیے اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آگئے۔ تم نے اپنا جاپ بھی جاری رکھا۔

"میں پہلی مرتبہ اپنے ایک چاہنے والے کو دیکھنے کے لیے نیلگری کی برف پوش چوٹیوں سے نیچے اتری ہوں۔ تمہیں تلاش کررہی تھی کہ ایک بیری (دشمن) نے مجھے تلاش کرلیا۔ میں اس سے چھپنے کے لیے کرسٹل کے مجسمے میں چلی گئی لیکن اس نے مجھے پہچان لیا۔ وہ مجھے ٹکڑے کرکے جانا چاہتا تھا لیکن پارک میں تمہیں دیکھ کر وہ بھاگ گیا۔ اپنی سچائی کی بدولت بہت کم وقت میں ریاضت کے جس پر پہنچ چکے ہوں وہ اس سے ابھی بہت دور ہے۔ ہوسکتا ہے نے اسے نہ دیکھا ہو لیکن تمہیں دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہوگئی اور وہ بھاگ نکلا۔

"یہ تمہارے اندر کی لگن تھی کہ تم مجھے اٹھا کر لے آئے اور یہ تمہارے من کی سچائی تھی کہ تم نے میرے شریر (جسم) کے دونوں حصوں کو ملا کر ان پر پنی لیپ دی میں اس بیری کی دشمنی سے بچ گئی۔"

"وہ بیری کون ہے؟" میں نے اس کے خاموش ہو پوچھا۔

"تم اسے جان لوگے۔" نیلگری نے جواب دیا تمہارے قریب ہے۔ تمہارے آس پاس ہے۔ اس کے میں کھوٹ ہے۔ وہ مجھے حاصل کرنے کے لیے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ کون ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"تم بہت جلد جان لوگے۔" وہ بولی "میں ابھی تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ تمہارا جاپ ابھی پورا نہیں ہوا تم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہو۔ میں تو یہ دیکھنے کے

ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں سے اتری تھی کہ وہ کون ہے جو مجھے بے دل سے پکار رہا ہے لیکن وہ بیری ہے۔ اس نے مجھے بڑا کشٹ (تکلیف) دیا ہے۔ تم اسے تباہ نہیں کروگے تو وہ تمہیں تباہ کردے گا۔ اس کے پاس بہت سی قوتیں ہیں۔ وہ مجھے حاصل کرکے مہان شکتی والا بننا چاہتا ہے۔ وہ میرے لیے جاپ کررہا ہے پر ابھی تم سے بہت دور ہے۔ اگر اس کا جاپ تم سے پہلے پورا ہوگیا تو وہ مجھ پر قبضہ کرلے گا اور۔۔۔"

"اور کیا۔۔۔؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"اور اس سے آگے مت پوچھو۔" وہ بولی "اس اور سے آگے تباہی ہے۔ بربادی ہے۔"

"کیا میں اسے روک سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تم اسے روک لوگے۔ تمہارے پاس اور بھی قوتیں ہیں۔ تم ان قوتوں سے کام لوگے تو اسے روک لوگے اور اگر تم نے غفلت کی تو وہ تمہیں روک دے گا۔ تمہارے پیروں میں زنجیریں ڈال دے گا۔"

نیلگری بولتی رہی اور میں سنتا رہا۔ اس کی باتیں بھی اس کی طرح پراسرار تھیں۔ اس کی نظریں میرے چہرے سے ہٹ گئیں۔ میں نے بھی گردن گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ دن کا بہت ہلکا سا اجالا پھیل رہا تھا۔

نیلگری نے دوبارہ میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ اس نے میرا دوسرا ہاتھ بھی پکڑلیا اور مجھے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنے لگی۔

مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہورہی تھی۔ سنسناہٹ پورے بدن میں پھیلتی جارہی تھی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ لگتا تھا جیسے وہ ان دیکھی لہروں کی صورت میں آنکھوں کے راستے میرے اندر سمارہی ہو۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی ہلچل محسوس کرنے لگا۔ وہ مجھے اپنی طرف کھینچتی رہی۔ اس کے احمریں ہونٹ میری پیشانی کو چھونے لگے۔ مجھے لگا جیسے میری پیشانی پر دہکتا ہوا انگارا رکھ دیا گیا ہو۔ میرے دماغ پر دھند سی چھانے لگی۔ میری آنکھیں بند ہورہی تھیں۔

اور جب میری آنکھ کھلی تو میں بستر پر پڑا ہوا تھا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ وہاں نہ نیلگری تھی اور نہ ہی کرسٹل کا وہ خوب صورت مجسمہ۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ کیا یہ سب خواب تھا؟ لیکن کرسٹل کا وہ ٹوٹا ہوا مجسمہ تو میں پارک سے اٹھا کر لایا تھا۔ وہ تو خواب نہیں تھا پھر وہ مجسمہ کہاں گیا؟

میں بستر سے اٹھ رہا تھا کہ میرا ہاتھ تکیے کے قریب کسی چیز سے ٹکرا گیا اور جب میں نے گردن گھما کر دیکھا تو میرے دماغ میں زوردار دھماکا ہوا اور شدید سردی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ سنسناہٹ پورے بدن میں پھیلتی چلی گئی۔ میں متوحش نظروں سے تکیے کے قریب پڑی ہوئی اس چیز کو دیکھ رہا تھا۔

وہ سیاہ چمکتے پتھروں کا ہار تھا جو نیلگری کی خوب صورت گردن کی زینت بنا ہوا تھا!

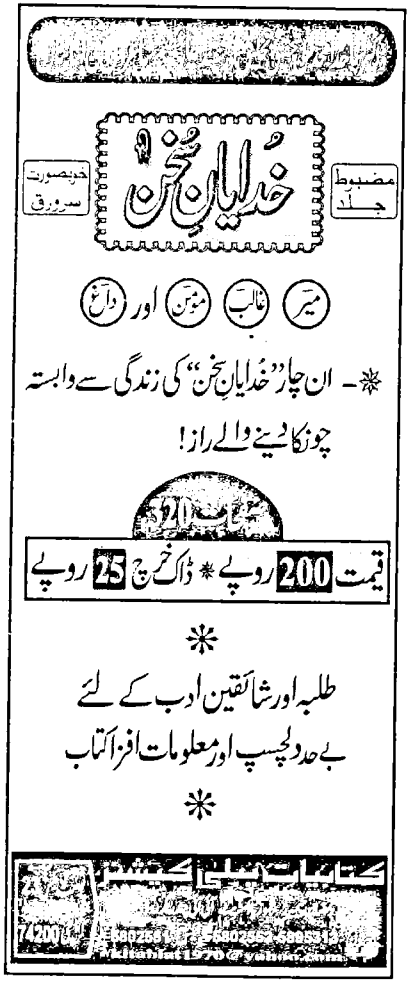

مجھے اپنا دل ایک بار پھر کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ خون کی گردش تیز ہوگئی اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں متوحش نظروں سے اس مالا کو دیکھ رہا تھا جو میرے چہرے کے سامنے میرے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں میں لٹکی ہوئی تھی۔

یہ وہی مالا تھا۔ شک کی کوئی بات نہیں تھی۔ یہی مالا میں نے نیلگری کی خوب صورت گردن میں دیکھی تھی۔ نیلگری۔۔۔ کرشل کا ٹوٹا ہوا مجسمہ جو میں ایک پارک سے اٹھا کر لایا تھا اور وہ مجسمہ ایک حسین انسانی پیکر میں ڈھل گیا تھا اور یہ مالا اس کی گردن میں تھی۔

نیلگری حسین تھی۔ بہت حسین۔ اس نے اپنے بارے میں ایک عجیب انکشاف کیا تھا۔ وہ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کی باسی ایک بہت مہان شکتی تھی جسے حاصل کرنے کے لیے ہزاروں سال سے پنڈت، یوگی اور بہت سے لوگ جاپ اور تپسیا کررہے تھے لیکن کوئی آج تک آدھا راستہ بھی طے نہیں کرپایا تھا۔

رشی کیش میں بدھ یوگی گوتم بھوش نے اگنی ناگ پر قابو پانے کے لیے مجھے ایک یوگ بتایا تھا اور میں نے تپسیا شروع کردی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ کسی شکتی پر قابو پانے کے لیے پنڈت اور یوگی جاپ کے دوران کیا منتر پڑھتے ہیں۔ مجھے بھی گوتم بھوش نے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن پہلے روز جب میں یوگ کا آسن اختیار کرکے بیٹھا تھا تو میرے دل سے بے اختیار اللہ کا نام نکلا تھا اور پھر میں جب بھی جاپ پر بیٹھتا دل ہی دل میں اللہ کا ورد کرتا رہتا۔ اس کے سوا کوئی اور منتر کبھی میرے دل میں یا میری زبان پر نہیں آیا تھا۔

میرے جاپ میں بھی کبھی باقاعدگی نہیں رہی تھی لیکن شاید یہ اللہ کا پاک نام تھا جو مجھے منزل کے قریب لاتا چلا گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں اپنے اندر چھپی ہوئی اگنی ناگ کی شکتی پر قابو پانا چاہتا تھا لیکن میرے دل میں کوئی ہوس نہیں تھی۔ نہ تو مجھے زن کی ہوس تھی نہ زر کی۔ میں کسی حسین عورت کے حصول کے لیے یہ منتر نہیں کررہا تھا نہ ہی میں دنیا پر حکومت کرنے کا خواہش مند تھا۔ میں تو برائیوں کے خلاف ایک جنگ لڑ رہا تھا۔ میرے دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ میں اس دنیا سے برائیوں کا خاتمہ کردوں لیکن میں اکیلا تھا اور دنیا برائیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان خودرو کانٹے دار جھاڑیوں کی طرح جو قدم قدم پر پیروں سے لپٹ کر راستہ روک رہی تھیں لیکن مقام شکر تھا کہ اس خارزار میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو میرا سہارا بنتے رہے اور میں آگے بڑھ رہا تھا۔

میں نے جب وہ یوگ شروع کیا تھا تو میرے دل میں ایسی کوئی نیت نہیں تھی کہ میں یہ مہان شکتی حاصل کرکے دنیا کو اپنے قدموں پر جھکنے پر مجبور کردوں گا۔ میری ریاضت اور جاپ میں جس طرح عدم توجہی اور طویل وقفے آرہے تھے اس حساب سے تو مجھے اسی جگہ پر ہونا چاہیے تھا جہاں سے میں نے سفر شروع کیا تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام تھا جو مجھے اس راستے میں آگے لیتا چلا گیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگنی ناگ بہت مہان شکتی تھی اور میں نے اب تک لوگوں سے جو کچھ بھی سنا تھا اس کے مطابق باقی تمام شکتیاں اس کے سامنے ہیچ تھیں لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ میں نے کبھی سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تو اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ میں تو شوبھا کو چھڑانے کے لیے دیش مکھ جیسے بدمعاش کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آگیا تھا اور ہمارے حالات کچھ اس قدر پیچیدہ ہوگئے تھے کہ مجھے کسی اور طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ بے چاری میگھنا میری وجہ سے ماری گئی۔ میں خود شدید زخمی ہوا اور بلا موت کے منہ سے لوٹ کر آئی۔

حالات کی گمبھیرتا سے مجھے ذرا سا موقع ملا تھا اور میں نے اپنی یوگ کی ریاضت دوبارہ شروع کردی تھی۔ اسی دوران یہاں جنرل کھوراٹ کے آدمیوں سے ٹکراؤ ہوگیا۔ سام سنگ کو انسپکٹر برندرا نے اپنی تحویل میں لے کر اس طرح غائب کردیا تھا کہ جیسے اس دنیا میں اس کا نام ونشان ہی نہ رہا ہو۔

گزشتہ رات مجھے سومبا نے فون کرکے بلایا تھا کہ اس نے دیش مکھ کے ایک آدمی کو پکڑا ہے۔ دیش مکھ کے اس آدمی سے کچھ کام کی باتیں معلوم ہوگئی تھیں اور وہاں سے واپس آتے ہوئے مجھے پارک میں کرشل کا وہ ٹوٹا ہوا مجسمہ ملا تھا جسے میں اٹھا کر گھر لے آیا تھا اور وہ مجسمہ ایک زندہ عورت کا روپ دھار گیا تھا۔ اس نے اپنا نام نیلگری بتایا تھا اور اس نے جو انکشافات کیے تھے وہ سنسنی خیز تھے۔ نیلگری ہی وہ پراسرار شکتی تھی جس کے حصول کے لیے لوگ ہزاروں سال سے جاپ کررہے تھے۔ تپسیا کررہے تھے اور کٹھنائیاں جھیل رہے تھے لیکن کوئی ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا لیکن گزشتہ رات وہی مہان شکتی ایک حسین ترین عورت نیلگری کے روپ میں میرے گھر میں موجود تھی۔

شاید یہ ایک ایسا حسین سپنا تھا جو ہر شخص دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے بھی رات کو شاید کوئی خواب دیکھا تھا۔ کرشنل کا بے جان مجسمہ انسانی روپ کیسے دھار سکتا ہے لیکن حقیقت کو جھٹلانا بھی میرے اختیار میں نہیں تھا۔ نیلگری واقعی انسانی روپ میں یہاں موجود تھی۔ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مالا ٹھوس ثبوت فراہم کررہی تھی کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

وہ مالا میرے ہاتھ میں تھی اور میں متوحش نظروں سے ان چپٹے پتھروں کو دیکھ رہا تھا جن کی رنگت اگرچہ سیاہ تھی لیکن ان میں نیلاہٹ کی جھلک بھی نمایاں تھی۔ کوئی بھی پتھر ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ناخن سے بڑا نہیں تھا اور ہر پتھر کی موٹائی دو ملی میٹر سے زیادہ نہیں تھی تاہم درمیان کا پتھر ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کے برابر تھا۔ یعنی دوسرے پتھروں سے قدرے بڑا۔ ان سب پتھروں کو بڑی مہارت سے ایک مخصوص انداز میں تراشا گیا تھا اور اس سے بھی زیادہ مہارت کی بات یہ تھی کہ ان تمام پتھروں میں چوڑائی کے رخ پر باریک سوراخ کیے گئے تھے جن میں نہایت باریک سنہری تار داخل کرکے انہیں پرویا گیا تھا۔ ان پتھروں کی تعداد اکیس تھی۔ دس ایک طرف، دس دوسری طرف اور درمیان میں وہ بڑا پتھر تھا جس پر اجنبی زبان کی کوئی تحریر کندہ تھی۔ وہ تحریر اس قدر باریک تھی کہ محدب عدسے کے بغیر اسے نمایاں کرنا ممکن نہیں تھا۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ ہورہی تھی۔ پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ مہان شکتی ایک حسین عورت کے روپ میں رات بھر میرے پاس رہی تھی۔ جسے حاصل کرنے کے لیے دنیا والوں نے سکھ چین تج رکھا تھا۔ مجھے وہ لمحات یاد آگئے جب اس نے مجھے اپنے اوپر جھکا کر اپنے ہونٹ میری پیشانی پر ثبت کردیے تھے۔ میں ایک.... جھرجھری لے کر رہ گیا۔ مجھے پیشانی کا وہ حصہ اب بھی انگارے کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہورہا تھا اور پھر میرا ہاتھ بے اختیار پیشانی پر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز بکھر گئی جیسے جلترنگ بج اٹھے ہوں۔

میں اچھل پڑا اور متوحش نظروں سے ادھر اُدھر کمرے میں دیکھنے لگا۔ کمرے میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ کھنکتی ہوئی ہنسی کی وہ بدھری آواز چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی اور پھر وہ آواز بتدریج تحلیل ہوتی چلی گئی۔

وہ کہاں غائب ہوگئی؟

میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا۔ کیا وہ واقعی انسان کے اندر کی وہ مہان شکتی اگنی ناگ تھی۔ جو نیلگری کے روپ میں مجھے دیکھنے کے لیے میرے پاس آئی تھی؟ کیا کل رات پارک میں اس ٹوٹے ہوئے کرشنل کے مجسمے کا میرے سامنے آجانا محض اتفاق تھا؟ کیا یہ سب کچھ حقیقت تھی اور وہ واقعی نیلگری تھی یا میں کسی پراسرار طاغوتی چکر میں پھنس رہا تھا۔

وہ جلترنگ جیسی قہقہے کی مدھر سی آواز ایک بار پھر کمرے کی فضا میں بکھر گئی۔ میں نے ایک بار پھر چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہ آواز اس مرتبہ بھی چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور پھر پہلے کی طرح فضا میں تحلیل ہوگئی۔

اس مرتبہ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگا۔ باہر تیز دھوپ تھی جس سے ایک لمحے کو میری آنکھیں چکا چوند سی ہوگئیں۔ میں نے پردہ برابر کردیا اور کمرے کی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب آخری مرتبہ میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تھا تو اس وقت دن کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی تھی اور نیلگری نے مجھے اپنے اوپر جھکا کر میری پیشانی پر ہونٹ ثبت کیے تھے تو میرے دماغ پر دھند سی چھانے لگی تھی اور میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ میں شاید گہری نیند سوگیا تھا اور اب آنکھ کھلی تھی تو گیارہ بج رہے تھے۔

میں نیلگری کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ لاؤنج میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے لگا جیسے میں خواب سے بیدار ہوا ہوں۔

وہ مالا اب بھی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں اسے تکیے کی طرف اچھالنا ہی چاہتا تھا کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں ایک سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی۔

"اس مالا کی حفاظت کرنا۔۔۔"

میرا ہاتھ رک گیا۔ میں نے ایک بار پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا البتہ بہت بھینی بھینی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ عجیب سی مسحور کن خوشبو تھی اور مجھے احساس ہوا کہ یہ خوشبو شروع ہی سے کمرے کی فضا میں رچی ہوئی تھی۔

لاؤنج میں فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ وہ مالا میرے ہاتھ میں

تھی۔ میں ٹیلی فون کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہمت سنگھ۔ سو رہے تھے کیا؟" ہیلو کے جواب میں بلا کی آواز سنائی دی۔

"او۔۔۔ ہاں۔ میں سو رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ میری آواز میں ہلکی سی ہکلاہٹ تھی۔

"کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" بلا نے کہا۔

"ہاں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آتا ہوں آدھے گھنٹے میں۔" میں نے کہا۔

"مجھے کچھ شبہ ہے ہمت سنگھ۔" بلا کی آواز سنائی دی "تمہاری آواز کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔ رات کو تم نے فون کیا تھا تو اس وقت بھی تمہاری بات سن کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں تم نے دارو تو نہیں پی لیا اور۔۔۔"

"تم جانتی ہو مجھے شراب اور کسی بھی قسم کے نشے سے شدید نفرت ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اچھی طرح جانتی ہوں۔" بلا نے جواب دیا "لیکن رات کو جب تم نے فون پر یہ کہا کہ بڑی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے اور تمہاری گاڑی کے دو ٹائر بھی فلیٹ ہوگئے ہیں تو مجھے تم پر شبہ ہوا تھا کہ شاید تم نے ترنگ میں آکر دارو پی لیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔

"گاڑی کے ٹائر فلیٹ ہونے والی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن بارش اور وہ بھی دھواں دھار بارش۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور تم بارش کی بات کر رہے تھے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا بلا۔" میں نے کہا "گزشتہ رات بارش اتنی زوردار تھی کہ میں باہر نہیں نکل سکا اور اسی لیے میں نے تمہیں فون کردیا تھا تاکہ تم پریشان نہ ہو۔"

"اور اس کے بعد تم نے اپنا فون انگیج رکھا۔" بلا نے جواب دیا۔ "میں تمہیں بار بار فون کرتی رہی لیکن ہر مرتبہ تمہارا فون انگیج ملا۔ میں نے چھ بجے بھی فون کیا تھا۔ اس وقت بھی۔۔۔"

"ایک منٹ بلا!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "فون بند مت کرنا۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے بات کرتا ہوں۔"

میں نے فون کا ریسیور میز پر رکھ دیا اور باہر والے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھول کر برآمدے میں پہنچا تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ باہر تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ آسمان پر کہیں بادل کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

میں نے کار کی طرف دیکھا تو سنسنی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرگئی۔ اگلے دونوں ٹائر صاف نظر آرہے تھے۔ کوئی بھی ٹائر فلیٹ نہیں تھا۔ دونوں میں پوری ہوا بھری ہوئی نظر آرہی تھی اور کہیں بارش کے نشان بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ رات کو جس طرح دھواں دھار بارش ہوئی تھی اس کے پیش نظر تو آنگن میں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہونا چاہیے تھا لیکن زمین خشک تھی۔

میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ میں نے اندر آکر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو بلا۔ میں آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ ہار اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔ کمرے میں آکر میں نے ایک بار پھر اس مالا کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھنا چاہا لیکن اس پراسرار سرگوشی کا خیال آگیا۔ میں نے وہ ہار گلے میں ڈال لیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

میرا دماغ سلگ رہا تھا۔ پورے بدن میں بھی جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ میں کپڑے اتار کر نل کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ ٹھنڈے پانی کی دھار میرے سر پر پڑ رہی تھی۔ میرے دماغ کی تپش بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

اس دوران میں رات کے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ میں نے یہاں سے جانا چاہا تھا تو میرے پیر من من کے بھاری ہوگئے تھے۔ ایک قدم اٹھانا دو بھر ہوگیا تھا پھر کار کے اگلے دونوں ٹائر فلیٹ ملے تھے اور پھر دھواں دھار بارش شروع ہوگئی تھی اور میں نے بلا کو فون کردیا تھا کہ رات کو نہیں آسکوں گا۔

میرے دماغ میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ مجھے یاد آگیا کہ نیلگری نے کہا تھا کہ اس نے مجھے یہاں روکا تھا۔ اگر میں چلا جاتا تو وہ رات بھر تکلیف میں رہتی اور فنا ہوجاتی۔ نیلگری شکتی تھی۔ مہان شکتی۔ اس نے یہاں سے میرے جانے کے تمام راستے بند کردیے تھے اور مجھے رات کو یہاں رکنا پڑا تھا لیکن۔۔۔ میں نے ٹیلی فون تو انگیج نہیں رکھا تھا اور بلا کے کہنے کے مطابق وہ رات بھر فون کرتی رہی تھی اور مجھے چھ بجے بھی فون کیا تھا تو لائن انگیج ملی تھی۔۔۔ لیکن اب لائن مل گئی تھی۔

تو کیا اس میں بھی نیلگری کی شکتی کام کر رہی تھی۔ وہ جب تک یہاں رہی بلا کو یہاں کا فون انگیج ملتا رہا اور نیلگری چلی گئی تو شاید پہلی ہی کوشش میں بلا کو لائن مل گئی تھی۔

میں جیسے جیسے سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا گیا۔ باتھ روم سے نکل کر میں نے دوسرے کپڑے پہنے اور باہر آگیا۔ اس کے چند منٹ بعد میں اس کار میں ڈاک بنگلے کی طرف جا رہا تھا جس کے دو ٹائر رات کو فلیٹ نظر آئے تھے۔ مکان کو تالا لگا کر میں نے چابی برآمدے میں اسی جگہ رکھ دی تھی۔ آج ویک اینڈ شروع ہو رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ مایا متی بھی آج یہاں ضرور آئے گی۔

مجھے بلا کے پاس پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ میں جیسے ہی کار سے اترا وہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں یا اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو رہا ہو۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا اور اپنا چہرہ میرے چہرے کی طرف لانے لگی۔ میں گڑبڑا سا گیا۔

"کیا کر رہی ہو۔ کاشا سامنے کھڑا ہے۔" میں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا اسے آج پھر پرانا دورہ پڑا ہے۔

"ایک منٹ۔ رک جاؤ۔" اس کے لہجے میں درشتی تھی۔ اس نے قدرے آگے جھک کر میرا منہ سونگھا اور پھر مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی "ٹھیک ہے۔ میں سمجھی تھی کہ تم نے پینا شروع کردی ہے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اندر چلو۔ میں نے ابھی ناشتا نہیں کیا۔ میں سمجھ گیا تم کیا جاننا چاہتی ہو لیکن معدہ خالی ہو تو دماغ بھی کام نہیں کرتا۔ پہلے ناشتا پھر کوئی اور بات۔"

کاشا لان میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ بلا نے آواز دے کر اسے ناشتا تیار کرنے کو کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر آگئی۔ وہ لاؤنج میں ہی بیٹھنا چاہتی تھی لیکن میں اسے بیڈ روم میں لے آیا اور اسے بیڈ پر دھکیل کر خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

"رات کو بارش کہاں ہوئی تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"چند منٹ انتظار کرلو۔ سب بتا دوں گا کہ بارش کہاں اور کیسے ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا "کل رات سے اب تک انسپکٹر اعظم یا بریندرا سے تو کوئی رابطہ نہیں ہوا؟"

"ایک ڈیڑھ گھنٹا پہلے انسپکٹر اعظم کا فون آیا تھا۔" بلا نے جواب دیا "اس کا فون آنے کے بعد ہی تو میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ کوئی خاص بات؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ بہت ہی خاص بات ہے۔" میں نے جواب دیا "کل رات سومبا نے دیش مکھ کے ایک آدمی کو پکڑا تھا جس نے ایک بہت ہی خوفناک منصوبے کا انکشاف کیا ہے۔ اگر ان کا یہ منصوبہ کامیاب ہوگیا تو بڑی گڑبڑ ہوگی۔ یہاں خون ریز ہنگامے شروع ہوجائیں گے۔ بے گناہ لوگ مارے جائیں گے اور اس گڑبڑ کا فائدہ ناگ پال اور جنرل کھوراٹ کے آدمی اٹھائیں گے۔"

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کاشا ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ بلا نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا اخبار اٹھا کر بیڈ پر بچھا دیا۔ کاشا نے ٹرے اس پر رکھ دی اور باہر چلا گیا۔ ٹرے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ بلا نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا تھا۔

ناشتے کے دوران گفتگو کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ میں اسے بتا رہا تھا کہ ہندوستان کی لوک سبھا کا ایک ممبر بہاری لال چند روز بعد یہاں آنے والا ہے اور یہاں اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ کھٹمنڈو اور دہلی میں پہلے ہی ٹسل چل رہی تھی۔ کھٹمنڈو میں ایک ہندوستانی سیاست داں کے قتل کے بعد جو صورت حال سامنے آئے گی وہ خاصی تشویش ناک ہوگی اور اس کے بعد ان کے منصوبے کا اگلا مرحلہ زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔

"یہ سارا منصوبہ جنرل کھوراٹ کا ہے۔" میں کہہ رہا تھا "اس نے یہاں اپنے قدم جمانے کے لیے منصوبے پر عمل شروع کردیا ہے۔ ناگ پال اور دیش مکھ جیسے بے ضمیر اس کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہر ملک میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ انسپکٹر خان اور بریندرا کو اس منصوبے سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے تاکہ پیش بندی کرکے صورت حال کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کی جائے۔"

"اور وہ بارش والی بات؟" بلا ایک بار پھر مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اسے شاید اب بھی شبہ تھا کہ رات کو میں نے شراب پی رکھی تھی۔

"شاید تم میری بات کا یقین نہ کرو لیکن اب میں تمہیں جو کچھ بھی بتانے جا رہا ہوں اس میں ذرا بھی غلط بیانی نہیں ہوگی۔ ایک ایک لفظ سچائی پر مبنی ہے اور گزشتہ رات مجھ پر جو کچھ بیتی ہے وہ ٹھوس حقیقت ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہو۔" میں نے کہا۔

"تم تجسس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو یار۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "تم جانتے ہو میں

نے کبھی تمہاری کسی بات پر شبہ نہیں کیا۔ بہرحال' اب شروع ہوجاؤ۔ میں سننے کو بے چین ہو رہی ہوں۔"

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے رتنا پارک میں ملنے والے کرسٹل کے ٹوٹے ہوئے مجسمے کے بارے میں بتانے لگا۔ میں جیسے جیسے بات کو آگے بڑھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سنسنی کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے اسے میری بات پر یقین نہ آرہا ہو لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت تھی۔

"تمہیں شاید میری باتوں کا یقین نہیں آرہا لیکن یہ دیکھو۔" میں نے قمیص کے بٹن کھول کر اسے اپنے گلے میں پڑا ہوا ہار دکھایا "یہ... یہ ہار نیلگری کے گلے کی زینت بنا ہوا تھا۔ صبح جب وہ غائب ہوگئی تو یہ ہار بستر پر پڑا ہوا تھا۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "کیا میں یہ مالا دیکھ سکتی ہوں۔"

میں نے وہ ہار گلے سے اتار لیا۔ یہاں میں آپ کو ایک اور بات بتا چلوں کہ جب سے یہ ہار میں نے گلے میں ڈالا تھا مجھے اس کے لمس سے ایک عجیب سی حرارت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس وقت میں نے ہار اتار کر بلا کے ہاتھ پر رکھا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ تو انگاروں کی طرح تپ رہا ہے۔ تم نے گلے میں کیسے پہنا ہوا تھا۔" وہ ہاتھ کو آہستہ آہستہ جھٹکے دیتے ہوئے بولی۔

"شاید تمہارے من میں کوئی کھوٹ آگئی تھی۔" میں نے مالا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور پتا نہیں یہ مالا کہاں سے اٹھالائے ہو۔ مجھے زندگی میں پہلی بار تمہاری باتوں پر شبہ ہونے لگا تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ گزشتہ رات تم کسی آوارہ لڑکی کو وہاں لے گئے تھے اور اس کے ساتھ خوب وارو بھی پیا تھا۔ سوری ہمت سنگھ۔" وہ ندامت بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "مجھے تمہارے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"لو۔ اب اس ہار کو دیکھو۔" میں نے کہا "اب تمہارا من صاف ہوگیا ہے۔ اب یہ تمہیں انگارے کی طرح تپتا ہوا نہیں لگے گا۔"

بلا نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میں نے مالا اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس مرتبہ کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ مالا کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر دیکھنے لگی پھر اسے میری طرف بڑھا دیا۔

"اسے پہن لو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "یہ ایک مہان شکتی کی طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔ بلکہ تمہاری سچائی کا انعام ہے۔ مجھے یقین ہے یہ مالا آگے چل کر تمہارے بہت کام آئے گی۔"

ہم دیر تک نیلگری کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں گزشتہ رات بھر جاگا تھا۔ صبح اگرچہ چند گھنٹے سو گیا تھا لیکن میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

میں بستر پر لیٹا تو بلا اٹھ کر باہر چلی گئی۔ میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں شام پانچ بجے بیدار ہوا تھا۔ کچھ دیر تک پلنگ پر پڑا اینٹھتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے ساری کسل مندی دور ہوگئی۔

میں تیار ہو کر کمرے سے نکل رہا تھا کہ بلا سے ٹکرا گیا۔ وہ کمرے میں آرہی تھی۔

"اوہ۔" وہ گڑبڑا سی گئی "میں تمہیں جگانے کے لیے ہی آرہی تھی۔ آؤ۔ لان میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ کاشا چائے بنا رہا ہے۔"

"انسپکٹر اعظم یا برندرا کا فون تو نہیں آیا تھا؟" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"دوپہر تین بجے کے قریب برندرا کا فون آیا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ تم سو رہے ہو۔ اس نے جگانے کو منع کردیا۔" بلا نے بتایا۔

"مجھے جگا دیتیں۔" میں نے کہا "تم جانتی ہو میں اس سے ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔"

"اس نے کہا تھا کہ وہ پانچ بجے کے لگ بھگ دوبارہ فون کرے گا۔ اسی لیے تو میں تمہیں جگانے کے لیے آرہی تھی۔ ہوسکتا ہے تھوڑی دیر میں اس کا فون آجائے۔" بلا نے جواب دیا۔

ہم لان میں آکر بیٹھے ہی تھے کہ گیٹ کے سامنے جیپ آکر رکی اور پھر ایک منٹ بعد برندرا اور انسپکٹر اعظم ہمارے سامنے موجود تھے۔ وہ ہمارے پاس لان ہی میں بیٹھ گئے اور اس کے دس پندرہ منٹ بعد کاشا ہم سب کے لیے چائے لے آیا۔

چائے کے دوران ہی میں نے انہیں دیش کھ اور ناگ پال کے منصوبے سے آگاہ کردیا۔

"ہمیں بھی اپنے مخبروں سے کچھ ایسی اطلاع ملی ہے۔" انسپکٹر اعظم نے میری بات سننے کے بعد کہا "لیکن بہاری لال کا نام سامنے نہیں آیا۔ تاہم اطلاع یہ ہے کہ چند روز کے اندر اندر ہندوستان کے ایک ایم پی کو گھٹنڈو میں قتل کردیا جائے گا۔ جسے بنیاد بنا کر ہنگامے شروع کردیے جائیں گے۔ بہرحال' نام معلوم ہوجانے سے ہمیں گائیڈ لائن مل گئی ہے۔ ہم آج ہی معلوم کرلیں گے کہ بہاری لال یہاں کب آرہا ہے۔"

"اور وہ جیسے ہی ایئرپورٹ پر جہاز سے اترے گا ہم اس کی نگرانی شروع کردیں گے۔" یہ بات برندرا نے کہی تھی۔

"اور دیش کھ کے بارے میں کوئی رپورٹ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔" برندرا نے جواب دیا "روی کی موت کے بعد وہ ناگ پال کے پاس چلا گیا ہے۔ ہم نے اس کے بارے میں اپنی وزارت داخلہ کو رپورٹ بھیج دی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ رپورٹ کل صبح تک وزارت خارجہ کے دفتر میں پہنچ جائے گی اور وزارت خارجہ بھارتی سفیر کو اپنے دفتر میں طلب کرکے اسے دیش کھ کی ناپسندیدہ سرگرمیوں سے آگاہ کردے گی۔"

"گڈ آئیڈیا۔" میں نے کہا "لیکن میرا خیال ہے اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔"

"لیکن ہماری حکومت کی طرف سے احتجاج تو ریکارڈ ہوجائے گا۔" برندرا نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بات تو درست ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

چائے کے دوران اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے انہیں رتنا پارک سے ملنے والے کرسٹل کے مجسمے اور نیلگری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ انہیں ایسی کوئی بات بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب وہ دونوں رخصت ہوگئے۔ اس کے چند منٹ بعد ہم بھی شوبھا سے ملنے کے لیے اسپتال کی طرف روانہ ہوگئے۔ اسپتال میں مریضوں سے ملنے کے لیے وقت مقرر تھا لیکن ہمارے لیے کوئی پابندی نہیں تھی۔ شوبھا پرائیویٹ روم میں تھی اور اس کی حفاظت کے لیے بھی دو پولیس والے ہر وقت کمرے کے سامنے موجود رہتے تھے۔ ہمارے بارے میں انہیں ہدایت تھی کہ ہم جب چاہیں شوبھا کے پاس جاسکتے ہیں۔

شوبھا کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی اور وہ بڑی تیزی سے روبہ صحت ہو رہی تھی۔ انسپکٹر برندرا نے اپنے تعلقات سے کام لیتے ہوئے نرس مایا متی کی ڈیوٹی بھی اسی کے کمرے میں لگوا دی تھی۔ مایا متی کی ڈیوٹی اگرچہ شام چھ بجے ختم ہوجاتی تھی لیکن وہ رات دس گیارہ بجے تک شوبھا کے پاس رہتی تھی۔

جب ہم کمرے میں داخل ہوئے تو مایا متی بھی دوسری نرس کے ساتھ کمرے میں موجود تھی۔ وہ اپنی یونیفارم اتار کر گھر کے کپڑے پہن چکی تھی اور اس نے منہ ہاتھ دھو کر چہرے پر ہلکا سا میک اپ بھی کرلیا تھا۔

ہم ساڑھے آٹھ بجے تک شوبھا کے پاس بیٹھے رہے اور جب وہاں سے رخصت ہوئے تو مایا متی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ دربار مارگ کے علاقے میں رتنا ہوٹل میں کھانا کھا کر مایا متی کو اس کے فلیٹ پر ڈراپ کرتے ہوئے اپنے ڈاک بنگلے کی طرف نکل جائیں گے۔

ہم شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے تقریباً پون گھنٹے میں رتنا ہوٹل پہنچ سکے تھے۔ عام حالات میں یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں طے ہوسکتا تھا لیکن اس وقت شہر کی تمام سڑکوں پر ٹریفک کی بھرمار رہتی تھی۔ جگہ جگہ ٹریفک جام ہوجاتا تھا۔ بعض اوقات تو چند منٹ کا فاصلہ ٹریفک جام کی وجہ سے گھنٹوں میں طے ہوتا تھا۔

رتنا ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں بھی اس وقت رونق شباب پر تھی۔ کوئی میز خالی نظر نہیں آرہی تھی۔ ہم ہال کے دروازے کے قریب کھڑے متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ مایا مجھے اور بلا کو اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے ایک طرف لپکی۔

ایک میز خالی ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور گاہک وہاں تک پہنچ سکے ہم اس میز پر قابض ہوگئے۔ اس طرف سرو کرنے والی ویٹریس بھی ہماری اس پھرتی پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

ہم نے ویٹریس کو اپنی اپنی پسند کے کھانے نوٹ کروا دیے اور میں متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہماری میز پر کھانا سرو ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

کھانے کے دوران ایک موقع پر بلا کا ہاتھ منہ کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔ وہ متوحش نظروں سے میری پشت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" میں اس کی کیفیت دیکھ کر چونک گیا۔

"وہ... وہ تمہارے پیچھے تیسری میز پر انسپکٹر پانڈے..."

بلا کہتے کہتے رک گئی۔

انسپکٹر پانڈے کے نام پر میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ فوری طور پر اس نام کی شناخت میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی لیکن جب میں نے گردن گھما کر دیکھا تو ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔

اس شخص کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ فرنچ کٹ داڑھی' باریک مونچھیں' پیچھے کو بنے ہوئے سر کے بال' آنکھوں پر گولڈن فریم کی عینک اور قیمتی لباس۔ وہ انسپکٹر پانڈے ہی تھا جو عرصہ پہلے راجستھان میں سارسکا کے قریب پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے کروڑوں روپے کی نقدی اور مندر پر بھینٹ میں چڑھائے جانے والے طلائی زیورات لے کر فرار ہوگیا تھا اور ہندوستان کی پولیس اس کی تلاش میں ٹامک ٹوئیاں مارتی رہ گئی تھی۔

اس نے اگرچہ اپنا حلیہ بدل لیا تھا لیکن ہم اسے کیسے بھول سکتے تھے۔ اس بدلے ہوئے حلیے میں بھی بلا نے فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا۔ بلا جب سارسکا کے جنگل میں ڈاکوؤں کے قبضے میں تھی تو میں اسے چھڑانے کے لیے جنگل میں گھس گیا تھا اور بعد میں انسپکٹر پانڈے بھی پولیس فورس لے کر جنگل میں داخل ہوگیا تھا اور پھر ڈاکوؤں کے گروہ کے قلع قمع اور اس گروہ کے سرغنہ گنگولی چوہدری کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد انسپکٹر پانڈے دو دن تک ہمارے ساتھ جنگل میں رہا تھا۔ اس کے بعد جب ٹھاکر بھانوت سنگھ اور روپ متی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو انسپکٹر پانڈے ہی اس حادثے کی تفتیش کررہا تھا اور ہمارا اکثر اس سے ملنا جلنا رہتا تھا اور پھر اس کے تقریباً ایک ہفتے بعد وہ پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے دولت لے کر فرار ہوگیا تھا۔

اور اب وہ اگرچہ بہت عرصے بعد نظر آیا تھا لیکن ہم اسے کیسے بھول سکتے تھے۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی تھی کہ ہندوستان کی پولیس انسپکٹر پانڈے کو تلاش کیوں نہیں کرسکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کچھ عرصے ہندوستان ہی میں کہیں روپوش رہنے کے بعد نیپال آگیا تھا۔

انسپکٹر پانڈے اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی بھی تھی۔ اس کی عمر بیس بائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ گو کہ وہ نیپالی لیکن اس کی رنگت نکھری ہوئی اور چہرے کے نقوش بڑے دل فریب تھے۔ اس نے سلیولیس بلاؤز اور اسکرٹ پہن رکھا تھا۔

وہ دونوں بھی کھانا کھا رہے تھے۔ انسپکٹر پانڈے کے ہاتھ میں نوالہ تھا اور اتفاق سے اسی وقت اس کی نظریں بھی میری طرف اٹھ گئیں۔ نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا اور آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر پانڈے کی میز پر پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔ وہ ایک سابق پولیس آفیسر تھا۔ اس کا بڑا دبدبہ تھا لیکن اس وقت مجھے اپنے سامنے دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا تھا حالانکہ میں قانون کا محافظ نہیں تھا۔ نہ ہی اسے پکڑنے کی مہم پر نکلا ہوا تھا لیکن۔۔۔ احساس جرم ہی بہت بڑا خوف ہوتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ایک سنگین جرم کرکے بھاگا ہوا ہے اور پکڑے جانے کے خوف نے اس کے دل پر لرزہ سا طاری کردیا تھا۔

"اطمینان سے کھانا کھاؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "کوئی پریشانی نہیں۔ بعد میں کسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں گے اور سنو۔ مجھ سے ملے بغیر جانا مت۔" میرا لہجہ نارمل تھا اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی تھی لیکن اس کی ساتھی لڑکی کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی "ہیلو ہنی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم پرانے دوست ہیں۔ بہت عرصے بعد آمنا سامنا ہوا ہے۔ تم لوگ آرام سے کھانا کھاؤ۔ بعد میں ملیں گے۔"

میں اپنی میز پر آگیا اور کرسی پر بیٹھنے سے پہلے میں نے پانڈے کی طرف دیکھا۔ اس کی کیفیت کسی حد تک معمول پر آگئی تھی لیکن آنکھوں میں کسی قدر وحشت بدستور موجود تھی۔ میں نے اس لڑکی کے سامنے اسے اس کے نام سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہ یہاں نجانے کس نام سے رہ رہا تھا۔ اس کے اصل نام کا انکشاف اس کے لیے کسی قسم کی الجھنیں پیدا کرسکتا تھا اور پھر میرا لہجہ اور انداز بھی دوستانہ ہی رہا تھا۔ میں دراصل پانڈے کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے دیکھ کر تو اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا تھا۔ پانڈے یہاں میرے کام آسکتا تھا اور میں نے فوراً ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے بجائے پانڈے کو دوست بنایا جائے۔ دیش مکھ راجستھان سے ایم پی تھا اور پانڈے کا تعلق بھی راجستھان ہی سے تھا۔ اسی حوالے سے وہ میرے بہت کام آسکتا تھا۔

"وہ پانڈے ہی ہے نا؟" بلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "کھانے کے بعد کسی اور جگہ پر بیٹھ کر ہماری باتیں ہوں گی۔"

"وہ کون ہے؟" مایا متی نے بھی ایک سوال کر ڈالا۔

"پرانا دوست ہے۔ اتفاق سے آمنا سامنا ہوگیا ہے۔ بہت دلچسپ آدمی ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر ہم خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

ہمارا کھانا ابھی جاری تھا کہ بلا نے آگے جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"وہ بل ادا کرکے اٹھ رہے ہیں۔"

"گھبراؤ نہیں۔ وہ کہیں نہیں جائے گا۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

میں نے غلط نہیں کہا تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے پانڈے اس لڑکی کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا تھا۔

"ہم کافی شاپ میں جارہے ہیں۔ تم لوگ وہیں آجانا۔ کافی اکٹھے ہی پئیں گے۔" پانڈے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے آپ پر مکمل طور پر قابو پاچکا تھا پھر اس نے بلا کی طرف دیکھا۔

"ہیلو دیوی جی۔ کیسی ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں مہاراج۔" بلا نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک۔" پانڈے بولا "بہرحال' تم لوگ کافی شاپ میں آؤ تو اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" اور پھر وہ میرے کندھے پر جھک گیا "میرا نام چترنجن ہے۔ بھولنا نہیں۔" اس کی سرگوشی اتنی ہلکی تھی کہ میں بھی بمشکل آواز سن سکا تھا۔

پانڈے اس لڑکی کے ساتھ میزوں کے درمیان چکراتا ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم نے بھی کھانا ختم کرکے بل ادا کیا اور ہال سے باہر آگئے۔ وسیع و عریض لابی کے بائیں طرف ایک کشادہ راہداری تھی جہاں چند گفٹ شاپس بھی تھیں۔ اس راہداری کے بالکل آخر میں کافی شاپ کے الفاظ چمک رہے تھے۔

ہم دکانوں میں سجے ہوئے سامان کو دیکھتے ہوئے کافی شاپ میں داخل ہوگئے۔ یہ بھی خاصا وسیع ہال تھا۔ یہاں کئی میزیں خالی تھیں۔ کافی شاپ میں رش نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ڈائننگ ہال میں کھانے سے فارغ ہونے والے بیشتر لوگ ہوٹل کے نائٹ کلب کا رخ کررہے تھے۔ اس طرف صرف وہی لوگ آرہے تھے جنہیں بے ہنگم اچھل کود اور پرشور موسیقی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

انسپکٹر پانڈے اس لڑکی کے ساتھ کھڑکی کے ساتھ والی ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم قریب پہنچے تو ان دونوں نے اٹھ کر ہمارا استقبال کیا تھا۔ پانڈے نے مدھومالا کے نام سے اس لڑکی کا تعارف کرایا۔ میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاصی حسین تھی۔ سلیولیس بلاؤز اور اسکرٹ بھی گھٹنوں سے اوپر تھا۔ اس کی بائیں کلائی میں سونے کا ایک کڑا تھا اور دائیں کلائی میں ایک خوب صورت اور قیمتی مردانہ گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے بلا کے بعد مایا متی کا تعارف کرایا تو پانڈے مسکراتے ہوئے بولا۔

"دیوی جی سے ملاقات ہوچکی ہے لیکن انہیں شاید یاد نہیں۔"

"مجھ سے!" مایا متی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ تو لوگوں کے چہرے یاد نہیں رکھ سکتیں لیکن ہم آپ کو نہیں بھول سکتے۔" پانڈے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں چند مہینے پہلے بیمار ہوا تھا اور پورا ایک ہفتہ اسپتال میں رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹروں کی دی ہوئی کڑوی کسیلی دواؤں سے زیادہ آپ کی مسیحائی مریضوں کے من میں جیون کی جوت جگاتی ہے۔"

پانڈے کی اس بات پر مایا متی نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

ہماری ان باتوں کے دوران ہی ایک سانولی سی ویٹریس نے ہمارے سامنے اسپریسو کافی سرو کردی تھی۔ کافی کی چسکیوں کے دوران گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ میں پانڈے کو چترنجن کے نام سے ہی مخاطب کرتا رہا تھا۔ پانڈے نے روپ متی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم سارسکا میں تھے تو انسپکٹر پانڈے کے ساتھ ہمارے چند روز بڑے اچھے گزرے تھے۔ میں شاید پہلے بھی کہیں یہ بتاچکا ہوں کہ سارسکا میں پانڈے ہی ایک ذمے دار اور فرض شناس پولیس آفیسر نظر آیا تھا لیکن آخر میں اس نے جو حرکت کی تھی اس پر تو میں آج تک حیران تھا اور اب طویل عرصے بعد اس سے سامنا ہوا تھا تو میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس نے ایسی گھناؤنی حرکت کیوں کی تھی کہ اس کی زندگی بھر کی نیک نامی گندگی میں غرق ہو کر رہ گئی تھی۔ پانڈے نے بھی شاید میری اس بے چینی کو محسوس کرلیا تھا۔

"اگر آپ تینوں خواتین اجازت دیں تو ہم دونوں ذرا الگ بیٹھ کر بزنس کی باتیں کرلیں۔" اس نے باری باری بلا وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں ان تینوں نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ ہم نے اپنے اپنے مگ اٹھائے اور ہال کے پہلو کے دروازے

سے نکل کر لان میں آ گئے۔ یہاں بھی میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ رنگین چھتریاں بھی لگی ہوئی تھیں۔ صرف دو میزیں ایسی تھیں جن پر دو جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی چار میزیں خالی تھیں۔ ہم اس کھڑکی سے ذرا ہٹ کر ایک میز پر بیٹھ گئے۔ یہاں سے ہم کھڑکی کے راستے باہر کا منظر بھی دیکھ سکتے تھے۔

"میں بہت کچھ جاننے کے لیے بے چین ہو پانڈے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب تم شروع ہو جاؤ۔ اور یہ بتاؤ کہ تم نے ایسی گھناؤنی حرکت کیوں کی تھی اور اتنا عرصہ کہاں غائب رہے؟"

"گھناؤنی حرکت!" پانڈے کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "سب سے پہلے تو مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ تم نے مدھو مالا کے سامنے میری لاج رکھ لی اور کوئی ایسی بات نہیں کی کہ اسے مجھ پر شک کا موقع ملتا۔"

"ظاہر ہے تم نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ بلکہ میں تو تمہارا بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے زخمی جانکی کو شہر بھجوانے کے لیے فوری طور پر جیپ کا بندوبست کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

"ارے! تمہاری اس دوست کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔ کیسی ہے وہ؟" اس نے پوچھا۔

"وہ اب ہمارے بیچ نہیں رہی۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔۔۔ کیا وہ اس رو نے۔۔۔"

"نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس کے وہ زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے۔ کئی مہینوں بعد ہردوار میں اسی شیطان سے تصادم ہو گیا تھا جس کی تلاش میں ہم سارسکا کی پہاڑیوں والے مندر تک گئے تھے۔ بہرحال' یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گا۔"

"مجھے افسوس ہوا۔" پانڈے نے کہا۔

"میں تم سے کچھ سننے کا منتظر ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔" پانڈے مسکرا دیا "ابھی تم نے کہا تھا کہ یہ بہت گھناؤنی حرکت تھی۔ ٹھیک کہا تم نے لیکن بیس سال کی پولیس سروس میں مجھے کیا ملا تھا۔ میں نے کئی بار اپنی زندگی داؤ پر لگائی۔ عوام کے جان و مال کے تحفظ کے لیے بدمعاشوں' چوروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں سے مقابلے کیے۔ میرے جسم پر گولیوں کے کم از کم نصف درجن نشان ایسے ہیں جو میری فرض شناسی' دیانت داری اور بہادری کا ثبوت ہیں لیکن ان بیس برسوں میں عوام اور حکومت نے مجھے کیا دیا۔ صرف چار ہزار روپے مہینہ تنخواہ۔ میری فرض شناسی اور بہادری کی گواہی تو تم بھی دو گے۔ میں نے کبھی اپنے فرض سے غفلت نہیں برتی۔ میں جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ کسی لڑائی میں مارا جاتا تو میری بہادری اور فرض شناسی کے گن گائے جاتے۔ مجھے بعد از مرگ ایوارڈ دیا جاتا اور اگر خوش قسمتی سے میں موت سے بچ کر اپنی سروس پوری کر لیتا تو ریٹائرمنٹ پر میرے ہاتھ میں چند ہزار روپوں کا چیک تھما دیا جاتا اور بس۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں نے اگر وہ گھناؤنی حرکت کی تھی تو کیا برا کیا تھا۔ کیا میرے دل میں ارمان نہیں تھے۔ میری خواہشات نہیں تھیں؟ کیا میں چار ہزار روپے مہینے کی تنخواہ میں ایسا قیمتی لباس پہن سکتا تھا۔ کسی ایسے بڑے ہوٹل میں قدم رکھنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ نہیں میرے دوست۔" اس نے گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ویسے بھی وہ دولت میں نے کسی کے گھر سے نہیں چرائی تھی۔ وہ تو مندر کا مال تھا۔ میں نہ چراتا تو مجھ سے بڑے چور وہاں موجود تھے۔ وہ سب کچھ ہڑپ کر جائے۔ یہ پنڈت اور پجاری ہ کیا سیوا (خدمت) کرتے ہیں وہ جنتا (عوام) کی؟ بلکہ وہ تو جنتا کو دھرم کے نام پر بے وقوف بنا کر دونوں ہاتھوں سے انہیں لوٹ رہے ہیں۔ عیش کرتے ہیں وہ لوگ۔۔۔ اگر میں نے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لیے ہیں تو کیا جرم کیا ہے۔"

"ہاں واقعی تم نے بھگوان کے گھر میں چوری کر کے کوئی جرم نہیں کیا لیکن۔۔۔"

"بھگوان۔" اس نے میری بات کاٹ دی "میں کسی دھرم ورم کو نہیں مانتا۔ میں نے جب یہ منصوبہ بنایا تھا تو میرے ساتھیوں نے مجھے بہت ڈرایا تھا کہ کالی کا غذب مجھے تباہ کر دے گا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کالی کا غذب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میں عیش کر رہا ہوں اور تمہیں ایک اور مزے کی بات بتاؤں۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ پنڈت اور پجاری لوگ دھرم سے کتنے مخلص ہیں۔"

"دھرم سے ان پنڈتوں اور پجاریوں کے خلوص کا مجھے بخوبی اندازہ ہو چکا ہے لیکن میں تمہاری بات ضرور سننا چاہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ سارسکا سے فرار کے بعد میں پورا ڈیڑھ مہینہ گورکھ پور کے ایک مندر میں روپوش رہا تھا۔" پانڈے نے کہا۔

اس انکشاف پر مجھے واقعی حیرت ہوئی تھی۔ پانڈے نے جو واردات کی تھی وہ ایسی نہیں تھی کہ دھرم چاری اور

قانون کے محافظ اسے آسانی سے فراموش یا نظر انداز کر دیتے۔ پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے کروڑوں روپے کی نقدی اور زیورات لوٹنے کے علاوہ اس کے ہاتھوں اس مندر کے دو تین پنڈتوں کے قتل بھی ہوئے تھے۔ اس طرح ایک طرف قانون کے محافظ اور دوسری طرف پنڈت پجاری بھکاری کتوں کی طرح اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ہندوستان بھر کے چھوٹے بڑے تمام مندروں کو اس واردات سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور سارے ہندوستان کے پنڈت اور پجاری بڑی سرگرمی سے اس کی تلاش میں تھے اور بقول اس کے وہ ایک مندر ہی میں پناہ لیے ہوئے تھا۔

"مجھے مندر میں پناہ دینے والا بھی ایک پنڈت ہی تھا۔" پانڈے کہہ رہا تھا "وہ جان گیا تھا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کی پورے ہندوستان کی پولیس اور پنڈتوں کو تلاش ہے لیکن نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نے اس پنڈت کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس کا دھرم چار رخصت ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے نہ صرف اپنے مندر میں پناہ دی بلکہ میرے لیے شراب اور لڑکیوں کا بندوبست بھی کرتا رہا۔

"وہ پنڈت مجھے میری تلاش کے حوالے سے خبریں دیتا رہا۔ وہ اگر چاہتا تو مجھے بڑی آسانی سے پکڑوا سکتا تھا لیکن اسے کیا ملتا؟ شاید دس پندرہ ہزار روپے انعام کے طور پر مل جائے لیکن میں نے اسے دو لاکھ روپے دیے تھے۔ چھوٹے سے مندر کے اس پنڈت نے اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ میرا محافظ بن گیا۔

"اس پنڈت نے نہ صرف میری حفاظت کی بلکہ میرے عیش و آرام کا بھی خیال رکھا۔ ڈیڑھ مہینے بعد جب میری تلاش کا غلغلہ کم ہوا تو اس پنڈت نے ہندوستان سے نکلنے میں بھی میری پوری مدد کی۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گورکھ پور نیپال کی سرحد سے زیادہ دور نہیں۔" پانڈے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "نیپال کی عین سرحد پر لمبینی نام کا وہ قصبہ ہے جہاں مہاتما بدھ نے جنم لیا تھا۔ بدھ کی اس جنم بھومی کی زیارت کے لیے بدھ بھکشو بڑی تعداد میں گورکھ پور کے راستے اس طرف آتے رہتے ہیں۔ اس پنڈت نے کچھ رقم خرچ کر کے میرے لیے جعلی کاغذات بنوا دیے اور مجھے بھکشوؤں کے ایک قافلے میں شامل کروا دیا۔ بدھ بھکشو بننے کے لیے مجھے گنجا بھی ہونا پڑا تھا۔ بہرحال' میں بھکشوؤں کے اس قافلے میں شامل ہو کر بڑی آسانی سے سرحد پار کر کے لمبینی پہنچ گیا۔ ایک دن وہاں رہا اور پھر کھٹمنڈو تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہاں چند روز میں بھکشو ہی کے بھیس میں ایک اسٹوپا میں رہا اور پھر بھکشو والا لبادہ اتار کر شہر کے گنجان اور گھٹیا ترین علاقے میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے کر رہنے لگا۔

"میرے پاس بے حساب دولت تھی اور مجھے دولت خرچ کرنے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہ خرچی مجھے لوگوں کی نظروں میں مشتبہ بنا سکتی ہے۔ اس لیے میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

"میں ہر چند مہینوں بعد ٹھکانے بدلتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ان علاقوں کے حساب سے میرے مالی حالات میں تبدیلی آتی گئی اور بالآخر کچھ عرصہ پہلے میں نے بودناتھ میں ایک پرانا حویلی نما مکان خرید لیا جو برسوں سے ویران پڑا تھا۔ اس وقت تک میں شہر میں اپنی حیثیت اور شخصیت مستحکم کر چکا تھا۔ کسی کو مجھ پر شبہ نہیں ہوا کہ میں درحقیت کون ہوں۔ اس پرانے حویلی نما مکان پر دو لاکھ روپے اور خرچ کر کے میں نے اسے اپنی جنت بنا لیا۔ تم دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"یہ بودناتھ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شہر سے چند میل دور شمال کی طرف ایک بڑی پرسکون اور خوب صورت جگہ ہے۔" پانڈے نے جواب دیا "وہاں ایک بہت بڑا بدھ اسٹوپا بھی ہے۔ دولت مند لوگوں کا علاقہ ہے۔ حویلی اور محل نما مکانات ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر ہیں کہ کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تم شاید ابھی تک شہر سے باہر نہیں نکلے۔ بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ کھٹمنڈو ویلی شہر کے اطراف میں میلوں دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ دریا ہیں' گنگناتے جھرنے ہیں' آبشار ہیں۔ یہاں تمہیں فطرت کے ایسے حسین مناظر دکھائی دیں گے کہ تمہیں حیرت ہو گی۔ بدھ لوگ زیادہ تر شہر سے باہر اسی وادی میں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے ہیں اور۔۔۔"

"یہ سب تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے ٹوک دیا "ہندوستان کا قانون تو شاید تمہیں بھول گیا ہو لیکن کیا وہ پنڈت اور پجاری بھی تمہیں بھول چکے ہیں۔ کیا تمہارے خیال میں وہ تمہاری تلاش میں یہاں نہیں آئے ہوں گے؟"

"وہ لوگ مجھے واقعی نہیں بھولے۔" پانڈے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "یہ پنڈت اور پجاری۔ ان کا تو دھرم ہی پیسہ ہے۔ وہ اس چوٹ کو اتنی آسانی سے کیسے بھول

سکتے ہیں۔ اس واقعے کو اگرچہ کئی ماہ بیت چکے ہیں لیکن انہوں نے میری تلاش ختم نہیں کی۔ بلکہ تلاش کا یہ دائرہ بھارت سے نکل کر دوسرے ملکوں تک پھیل گیا ہے۔ چھ مہینے پہلے برما کے سرحدی علاقے میں میرے ایک ساتھی کو پکڑ لیا گیا تھا۔ کالی کے مندر سے مال لوٹ کر فرار ہونے والے ہم چار آدمی تھے۔ ایک میں۔ دوسرا سب انسپکٹر، تیسرا ایک ہیڈ کانسٹیبل، چوتھا حوالدار تھا۔ فرار کے اگلے ہی روز ہم حصے بانٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہوگئے تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل چھ مہینے پہلے برما کے سرحدی قصبے سے پکڑا گیا۔ اس سے کچھ برآمد نہیں ہوسکا لیکن پجاریوں نے اسے اذیتیں دے دے کر ہلاک کردیا۔ اس کے بارے میں یہ سب کچھ اخبارات میں چھپا تھا۔

"تین مہینے پہلے آسن ٹول کے علاقے میں واقع ایک مندر کے قریب ایک ایسا سادھو میری نظروں میں آیا تھا جسے عرصہ پہلے میں نے سارسکا میں دیکھا تھا۔ اس کے بارے میں میرا یہ شبہ درست ثابت ہوا کہ وہ میری اور سب انسپکٹر جگدیش کی تلاش میں ہی یہاں آیا ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی دو پارٹیاں میری تلاش میں یہاں آچکی تھیں۔

"میں اپنی حویلی میں محصور ہو کر رہ گیا۔ انتہائی اہم ضرورت کے وقت ہی باہر نکلتا۔ پندرہ دن بعد جب میرے ایک آدمی نے بتایا کہ وہ سادھو واپس جاچکا ہے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔"

"گویا تمہارے دل میں اب بھی ان کا خوف ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"یہ خوف تو کبھی نہیں نکل سکتا۔" پانڈے نے جواب دیا "تمہیں دیکھ کر بھی میرا دل کانپ اٹھا تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ شاید تم بھی میری تلاش میں یہاں آئے ہو لیکن تمہاری باتوں سے مجھے قدرے اطمینان ہوا۔"

"لیکن اگر واقعی ایسا ہو تو۔۔۔؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"ناممکن۔" پانڈے نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا "مجھ سے پہلے تم کالی کے مندر کی اس دولت تک پہنچ چکے تھے اور تمہیں موقع بھی حاصل تھا۔ تم اگر چاہتے تو وہ ساری دولت لے کر فرار ہوسکتے تھے اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا اور ہم بھی ٹاپتے رہ جاتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ تمہیں دولت کا لالچ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس واقعے سے پہلے کئی روز تک میرا تمہارا ساتھ رہا تھا۔ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بڑی حد تک سمجھ چکا تھا۔ ہماری یہ ملاقات محض اتفاق ہے اور تمہارے بارے میں تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے دل میں دولت کا کوئی لالچ نہیں ہے لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ یہاں کس سلسلے میں آئے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "تم اگرچہ اپنے ملک کی پولیس کو بھی مطلوب ہو اور دھرم کے ٹھیکے داروں کو بھی لیکن میں تم پر بھروسا کررہا ہوں۔"

"میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دوں گا۔ کہو۔ کیا معاملہ ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"دیش مکھ کو جانتے ہو۔ راجستھان کا ایم پی؟" میں نے کہا۔

"اس حرامی کو کون نہیں جانتا۔" پانڈے نے جواب دیا "چند روز پہلے میں نے اسے یہاں دیکھا تھا۔ روی نامی ایک مقامی غنڈے کے ساتھ لیکن ایک روز اخبار میں پڑھا کہ روی ایک جھڑپ میں مارا گیا ہے۔ دیش مکھ بھی اس کے بعد نظر نہیں آیا۔ شاید انڈیا بھاگ گیا ہوگا۔ میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ دراصل میں ہر اس شخص سے دور رہنے کی کوشش کرتا رہا ہوں جس کا تعلق راجستھان سے ہو لیکن تم اس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"وہ انڈیا فرار نہیں ہوا کھٹمنڈو ہی میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اسی کا پیچھا کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔ اس نے میری ایک دوست کو ہردوار میں قتل کردیا تھا اور دوسری دوست کو اغوا کرکے یہاں لے آیا تھا جسے میں نے اس کے شکنجے سے چھڑالیا لیکن دیش مکھ غائب ہوگیا۔ اس سے ابھی مجھے کچھ حساب کرنا ہے اس لیے اب بھی میں اس کی تلاش میں ہوں اور یہاں کی پولیس بھی اسے ڈھونڈ رہی ہے کیونکہ دیش مکھ نے کھٹمنڈو آتے ہی اپنا کھاتا کھول لیا تھا۔ اس کے حساب میں کم از کم چار افراد کا قتل ہے۔"

"پولیس کو اس سے نمٹنے دو۔" پانڈے نے کہا "تم نے اپنی دوست کو اس کے شکنجے سے چھڑالیا۔ یہی غنیمت ہے۔ بہتر ہے کہ اب اس سے دور ہی رہو۔"

"ناگ پال کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"ہمت سنگھ۔" اس نے مجھے گھورا "معلوم ہوتا ہے یہاں آکر تم نے کچھ زیادہ ہی ہاتھ پیر پھیلا لیے ہیں۔ جانتے ہو ناگ پال کون ہے؟"

"ایک زہریلا سانپ۔" میں نے جواب دیا "مار آستین۔ اس دھرتی نے اسے جنم دیا۔ اسے پالا، اسے زندگی

دی۔ عزت دی، دولت دی اور وہ اپنی اس دھرتی ماں کو کیا صلہ دے رہا ہے؟ دھرتی تو ماں سمان ہوتی ہے پانڈے اور وہ ناگ پال غیروں کے ہاتھ اپنی اس ماں کا سودا کررہا ہے۔"

میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بات جاری رکھی "تم نے بھارت کی سرزمین پر جنم لیا اور تم اس سے انکار نہیں کرو گے کہ اس سرزمین نے تمہیں بہت کچھ دیا تھا۔ تم ایک جرم کرکے وہاں سے بھاگ آئے لیکن تم اپنے وطن کی مٹی کو تو نہیں بھول سکتے۔ تمہاری جڑیں تو اب بھی اسی مٹی میں ہیں۔ تم نے اپنے عیش و آرام اور دولت حاصل کرنے کے لیے ایک جرم تو کیا لیکن تم اس دھرتی کا سودا تو نہیں کرسکتے۔ کیونکہ تم اب بھی اس مٹی سے جڑے ہوئے ہو لیکن یہ ناگ پال۔ یہ تو واقعی آستین کا سانپ ہے۔ جس میں بے پناہ زہر بھرا ہوا ہے۔ یہ دشمنوں کے ہاتھ اپنی ہی ماں کا سودا کررہا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے ناگ پال کے بارے میں وہ سب کچھ بتانے لگا جو اب تک مجھے معلوم ہوا تھا "اور یہ دیش مکھ بھی آج کل اسی کے پاس ہے۔ یہ لوگ نہایت گھناؤنے منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ کیا تمہارے خیال میں انہیں آزاد چھوڑ دینا چاہیے؟"

"میں نے ایک جرم ضرور کیا ہے لیکن اپنے وطن کی مٹی سے ناتا نہیں توڑا۔" پانڈے نے جواب دیا "دیش مکھ کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ غنڈا گروی اور بدمعاشی کی طاقت پر ایم پی بنا تھا۔ اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنا تھا اور وہ ایم پی کے رتبے کی پروا کیے بغیر ایسی گھناؤنی حرکتیں کرتا رہا۔ دولت کے حصول کے لیے تو آدمی کچھ بھی کرسکتا ہے لیکن دھرتی ماں کا سودا۔ میں تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ایسے بے ضمیر شخص کو تو زندہ زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔"

میں گہری نظروں سے پانڈے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ اس نے کالی کے مندر کی دولت ضرور لوٹی تھی لیکن وہ اپنی دھرتی کا غدار نہیں تھا۔

میں دیر تک اس سے ناگ پال اور دیش مکھ کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میں تمہارا ساتھ دوں گا اور مجھ سے جو کچھ ہوسکے گا کروں گا۔ ویسے تمہارے پاس کوئی پلان ہے؟"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا "تم ڈکیتی اور قتل جیسے سنگین جرم کے بعد انڈیا سے فرار ہوکر آئے ہو اور دیش مکھ اور ناگ پال کو ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

"کیا مطلب؟" پانڈے نے مجھے گھورا۔

"ان دونوں تک پہنچنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔

"اچھا آئیڈیا ہے۔" وہ بولا "اگر انہیں شبہ ہوگیا تو میری جان بھی جاسکتی ہے لیکن اب مجھے اس کی پروا نہیں ہوگی۔ میں ایک دو دن بعد تم سے رابطہ کروں گا لیکن کہاں اور کیسے؟"

"میں جن لوگوں کے ساتھ رہ رہا ہوں انہیں اس معاملے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دو۔ میں وقتاً فوقتاً تم سے رابطہ کرتا رہوں گا۔ ویسے اگر کوئی ایمرجنسی ہو تو تم سومبا کو اطلاع دے سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"سومبا۔ وہ نیڈی بدمعاش۔" پانڈے بولا۔

"ہاں وہی۔ وہ بھی۔۔۔"

"میں اسے جانتا ہوں۔" پانڈے نے میری بات کاٹ دی "میرا ان لوگوں سے اگرچہ کبھی کوئی رابطہ نہیں رہا لیکن ایسے لوگوں کے بارے میں معلومات رکھتا ہوں۔ ایسے دو چار آدمی میرے پاس بھی ہیں جو کسی مشکل وقت میں میرے کام آسکتے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے پانڈے جی۔" میں نے کہا "اب ہم مل کر ان شیطانی قوتوں کا مقابلہ کریں گے۔"

پانڈے نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں جب اپنی جگہ سے اٹھے تو میری نظریں بے اختیار کافی شاپ کی کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ٹیبل خالی تھی۔ بلا وغیرہ میں سے کوئی بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

"وہ تینوں کہاں چلی گئیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے پانڈے کی طرف دیکھا۔

"وہ بیٹھے بیٹھے بور ہوگئی ہوں گی اور میرا خیال ہے اب وہ ہمیں نائٹ کلب میں ملیں گی۔ آؤ۔ دیکھتے ہیں۔" پانڈے نے کہا۔

کافی شاپ والے ہال سے گزرتے ہوئے پانڈے نے کافی کا بل ادا کردیا اور پھر لابی میں سے ہو کر ہم نائٹ کلب کی طرف آگئے۔

نائٹ کلب کی مستیاں عروج پر تھیں۔ ایک نیم عریاں رقاصہ موسیقی کی تیز دھنوں پر میزوں کے درمیان تھرک رہی تھی۔ پانڈے کا خیال درست نکلا تھا۔ وہ تینوں بھی ایک میز پر بیٹھی لطف اندوز ہورہی تھیں۔

اس وقت بارہ بج چکے تھے۔ ہمیں دیکھ کر بلا وغیرہ اٹھ کر

ہماری طرف آنے لگیں۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" میں نے پانڈے سے پوچھا۔ میرا اشارہ مدھومالا کی طرف تھا۔

"یہ یہاں کے ایک طاقتور شخص کی بیٹی ہے۔ اس سے ملاقات کی تفصیل... خاصی طویل ہے پھر کسی وقت بتاؤں گا۔" پانڈے نے جواب دیا۔

وہ تینوں ہمارے قریب آگئیں۔ مدھومالا نے پانڈے کا ہاتھ پکڑلیا اور ہم سب لوگ لابی سے ہوتے ہوئے باہر آگئے۔

پارکنگ میں پانڈے کی کار دیکھ کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی اور ایسی قیمتی کار تو اب اس کے لیے بہت معمولی چیز تھی۔ وہ دونوں ہم سے ہاتھ ملا کر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ میں' بملا اور مایا متی کے ساتھ پارکنگ کے دوسرے سرے پر کھڑی اپنی کرائے کی کار کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت ہم میں یہی طے پایا تھا کہ مایا متی رات ہمارے ساتھ رہے گی اور صبح وہیں سے اپنی ڈیوٹی پر چلی جائے گی۔

مایا متی کی وجہ سے اس رات ہم دیر تک جاگتے رہے۔ زیادہ تر شوبھا کے بارے میں باتیں ہوتی رہی تھیں۔ مایا متی کے خیال میں شوبھا کو دس پندرہ دن مزید اسپتال میں رہنا پڑے گا۔

مایا متی صبح سویرے ہی اسپتال چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں دیر تک سویا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو بلا حسب معمول پلنگ پر میرے پیروں کی طرف آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔

تین روز گزر گئے۔ اس دوران کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ چوتھے روز صبح اسپتال میں انسپکٹر اعظم سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ایک دلچسپ انکشاف کیا۔

"ایک ایسا آدمی ہماری نظروں میں آگیا ہے جس کے ذریعے ہم دیش مکھ تک پہنچ سکتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"کون...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ایک سابق انڈین پولیس آفیسر نوپانڈے ہے۔" اعظم خان نے جواب دیا "اس کا تعلق راجستھان سے ہے۔ کئی سال پہلے وہ سارسکا کی پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے دولت لوٹ کر بھاگا تھا اور دو تین آدمی بھی اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ کل رات اسے کال دھرا کے علاقے میں ایک ایسی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے جو ناگ پال کی ملکیت ہے۔ برینررا کے آدمی کئی روز سے اس عمارت کی نگرانی کررہے ہیں۔ برینررا کو اپنے ایک آدمی سے جیسے ہی پانڈے کے بارے میں اطلاع ملی اس نے پانڈے کی نگرانی کا بھی حکم دے دیا لیکن اس عمارت سے نکلنے کے بعد پانڈے کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوگیا۔ اسے بھی شاید اپنی نگرانی کا شبہ ہوگیا تھا۔"

میرے دل کی دھڑکن تیز ہورہی تھی۔ انسپکٹر پانڈے کا پولیس کی نظروں میں آجانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ میں نے دیش مکھ اور ناگ پال پر پانڈے کے ذریعے ہاتھ ڈالنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں گڑبڑ ہوسکتی تھی لیکن یہ بھی اچھی بات تھی کہ پانڈے کو اپنی نگرانی کا پتا چل گیا تھا اور وہ پولیس والوں کو چکمہ دے کر غائب ہوگیا تھا۔

اعظم خان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں بھی بملا کو شوبھا کے پاس چھوڑ کر اسپتال سے نکل آیا اور اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میری کار شہر کے شمالی علاقے میں واقع ٹانگسیل دربار کے قریب سے ہوتی ہوئی بودناتھ کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

مجھے پہلی مرتبہ شہر سے باہر نکلنے کا موقع ملا تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ میلوں دور تک پھیلی ہوئی کھٹمنڈو وادی بے حد حسین تھی۔ جس طرح نیپال قدرتی حسن سے مالا مال ہے اس طرح اس کی تاریخ بھی خاصی دلچسپ ہے۔ دنیا کی بلند ترین پہاڑی چوٹیاں رکھنے والا یہ ملک صدیوں تک دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس کی جدید تاریخ کا آغاز اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ۱۷۶۹ء میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے شمالی ہند کے راجپوتوں کو ان پہاڑوں میں دھکیل دیا تھا۔ ایک گورکھا سردار نے قبائلیوں کو جمع کرکے اپنی حکومت قائم کرلی اور اس طرح یہاں شاہ خاندان کے دور کا آغاز ہوا۔ اس خاندان نے ایک سو پچیس سال تک یہاں حکومت کی اور بالآخر ۱۹۵۰ء میں ایک انقلاب کے بعد یہاں جمہوریت معرض وجود میں آگئی اور شاہ مہندرا کو نیپال کا آئینی بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔

انقلاب سے پہلے سوا سو سال کی تاریخ اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ یہاں رانا خاندان ہی برسر اقتدار رہے۔ حکمران طبقہ تو بہت دولت مند' مضبوط اور طاقت ور تھا لیکن عوام زبوں حالی کا شکار تھے۔ عوام کی اکثریت کے پاس نہ تن ڈھانپنے کو کپڑے تھے اور نہ پیٹ بھرنے کو کھانا۔ ظلم و تشدد سے کبھی انہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ حقوق کا

مطالبہ کرنے والوں کو سرعام تشدد کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ زندگی کی تمام سہولتیں اور عیاشیاں حکمران طبقے کے لیے مخصوص تھیں۔

وزارت عظمیٰ کا عہدہ اے کلاس رانا کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ راجا کی پہلی اور خاندانی بیوی کا بیٹا اے کلاس رانا کہلاتا تھا۔ دوسری بیویوں سے ہونے والے بیٹے بی کلاس میں آتے تھے۔ جبکہ داشتاؤں سے ہونے والی اولاد کو سی کلاس سمجھا جاتا تھا۔ انہیں کسی قسم کی مراعات حاصل نہیں تھیں۔ تاہم اس تیسرے درجے سے تعلق رکھنے والے مرد اپنی محنت اور ذہانت سے فوج میں زیادہ سے زیادہ کرنل کے عہدے تک پہنچ سکتے تھے۔ جبکہ اے کلاس سے تعلق رکھنے والے مردوں کو براہ راست جنرل کے عہدے پر تعینات کیا جاتا تھا۔

دلچسپی کی بات یہ تھی کہ حکمران نہ صرف کئی کئی شادیاں کرتے تھے بلکہ لاتعداد داشتاؤں سے بھی دل بہلاتے تھے۔ ان کی اولاد بھی اسی حساب سے ہوتی تھی۔ رانا جنگ بہادر کی اولاد کی تعداد سو سے بھی زیادہ تھی۔ راناؤں کی اولاد کی اس صورت حال نے بھی عام لوگوں پر مایوسی طاری کررکھی تھی۔ اتنے لاتعداد راناؤں کے ہوتے ہوئے عام آدمی کو آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔

حکمرانوں کی ان جائز اور ناجائز اولادوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا جاتا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک ایسا شخص عدلیہ کا چیف جسٹس تھا جس نے اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی تھی اور اپنا نام لکھنا بھی نہیں جانتا تھا اور اس زمانے میں فوج کا کمانڈر انچیف بھی ایک ایسا ہی شخص تھا جو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ فوج کی ٹریننگ کیا ہوتی ہے۔

نیپال میں اکثریت گورکھوں کی ہے۔ بیس فیصد آبادی بدھ کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر شہروں سے دور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے ہیں اور کس مپرسی کا شکار ہیں۔ دھرم کے لحاظ سے یہاں ہندوازم کا غلبہ ہے اور ہندوستان کی بنیا قوم اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔ نیپال کے قانون میں ایک انسان کے قاتل کو تو معافی مل سکتی ہے لیکن گائے کی ہتیا کرنے والے کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اس کے لیے معافی یا قید کی سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہاں بندروں اور ہاتھیوں کی بھی بہتات ہے۔ ہاتھیوں کی افزائش نسل کے لیے تو باقاعدہ نیشنل پارک قائم کیے گئے ہیں اور انہیں بھی پورا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے جبکہ بندروں کو بھی قانونی تحفظ حاصل ہے۔

میں یہی سب کچھ سوچتا ہوا بڑی احتیاط سے کار چلا رہا تھا کیونکہ اس علاقے میں بندروں کی کچھ زیادہ ہی بہتات تھی۔ وہ درختوں پر اچھلتے کودتے' ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے ہوئے بار بار سڑک پر آرہے تھے۔

پہاڑی پر وہ اسٹوپا دور سے ہی نظر آگیا جس کی پانڈے نے نشان دہی کی تھی۔ اس پہاڑی کے قریب سے گزر کر میں نے کار کو بائیں طرف ایک اور سڑک پر موڑ دیا۔ یہ تنگ سی سڑک بتدریج نشیب کی طرف چلی گئی تھی۔ ایک جگہ میں نے کار روک لی۔ وہاں سے بائیں طرف ایک تنگ سا راستہ ایک سرسبز ٹیلے کی طرف چلا گیا تھا۔ جہاں وہ حویلی نما مکان دور ہی سے نظر آرہا تھا۔

میں نے پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجایا تو تھوڑی ہی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر نیپالی عورت نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کرکے اندر چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ میں نے گاڑی اندر لے جاکر روک لی۔

بہت بڑی اور بہت شان دار حویلی تھی۔ پھاٹک سے آگے تقریباً دو ایکڑ پر مشتمل لان تھا۔ جس میں حوض بھی تھا اور اس میں فوارہ بھی لگا ہوا تھا۔ لان کے آخر میں وہ شان دار عمارت تھی جس کے پورچ میں پانڈے کی کار کھڑی تھی۔

ایسی حویلیاں میں نے جے پور میں دیکھی تھیں۔ پانڈے بھی راجستھان ہی کا رہنے والا تھا۔ اس نے بھی ایسی بہت سی حویلیاں دیکھی ہوں گی اور کسی ایسی حویلی میں رہنے کے خواب بھی دیکھے ہوں گے اور اپنے ان خوابوں کی تعبیر اسے نیپال میں ملی تھی۔

نیپالی عورت نے عمارت کے پچھلی طرف اشارہ کردیا۔ میں عمارت کے پہلو سے گزرتا ہوا پچھلی طرف پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اس طرف بھی بہت بڑا سرسبز لان تھا جس کے وسط میں سوئمنگ پول تھا۔ پانڈے پول سے نکل کر بدن پر ایک بڑا سا تولیا لپیٹ رہا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر گھاس پر مدھومالا پشت کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر دو نہایت مختصر سے چیتھڑے تھے اور میرا خیال ہے وہ کچھ دیر پہلے ہی تالاب سے نکل کر وہاں لیٹی تھی۔ اس کے بدن پر پانی کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بھی اس نے وہاں سے اٹھنے یا اپنے بدن پر تولیا لپیٹنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس اس کے ہونٹوں پر خفیف سی

مسکراہٹ آگئی تھی۔

پانڈے نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں اسے لیتا ہوا وہاں سے کچھ دور چلا گیا جہاں بانس کی کھپچیوں کی ایک میز اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔" پانڈے نے کہا "لیکن میرے خیال میں یہاں تمہاری آمد بلاوجہ نہیں ہوسکتی۔ ضرور کوئی خاص بات ہوگی۔"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" میں نے جواب دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ عمارت کا ایک دروازہ اس طرف بھی تھا جس کے سامنے کشادہ برآمدہ تھا "کل رات۔" میں نے دوبارہ پانڈے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کل رات تم کال دھرا گئے تھے۔ شاید دیش مکھ سے ملنے کے لیے۔"

"اوہ!" پانڈے اچھل پڑا "تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس نے جھیتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"پہلے میں تم سے کچھ سننا چاہوں گا۔" میں نے کہا۔

"کل رات دیش مکھ سے میری ملاقات ہوگئی تھی۔" پانڈے نے جواب دیا "جس رات رتنا ہوٹل میں تم سے ملاقات ہوئی تھی اس سے اگلے ہی روز میں نے دیش مکھ سے ملاقات کی کوشش شروع کردی تھی۔ میرا پیغام تو اسی روز اس تک پہنچ گیا تھا لیکن ملاقات سے پہلے وہ میرے بارے میں تسلی کرلینا چاہتا تھا اور جب اسے یقین ہوگیا کہ میں وہی پانڈے ہوں جو ہندوستان بھر کے پجاریوں' پنڈتوں اور پولیس کو مطلوب ہے تو اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا تھا۔

"میں نے بھی اسے ایک من گھڑت کہانی سنا دی کہ یہاں بھی میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ کچھ لوگ یہاں بھی مجھے تلاش کررہے ہیں اور مجھے خطرے سے بچنے کے لیے اس کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہے۔ دراصل میں اس کی ہمدردیاں حاصل کرکے اسے اس حصار سے باہر نکالنا چاہتا ہوں جو ناگ پال نے اس کے گرد قائم کررکھا ہے اور وہ حصار بہت مضبوط ہے۔ اسے توڑنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ دو چار روز میں اسے باہر لاسکوں۔"

"لیکن تمہیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔" میں نے جواب دیا "یہ ساری باتیں تم سے ٹیلی فون پر بھی ہوسکتی تھیں لیکن تمہیں خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے میں نے خود یہاں آنا ضروری سمجھا۔"

"میں نے ساری زندگی پولیس میں گزاری ہے اور میں اس قسم کے خطرات سے بخوبی آگاہ ہوں۔" پانڈے نے کہا اور برآمدے کی طرف دیکھنے لگا۔

میری نظریں بھی اسی طرف اٹھ گئیں۔ نیپالی ملازمہ ایک ٹرے اٹھائے اسی طرف چلی آرہی تھی جس میں لیموںیڈ کے تین گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ٹرے ہمارے سامنے میز پر رکھ دی۔

"مدھومالا کا گلاس وہیں لے جاکر دے دو۔" پانڈے نے اشارہ کیا۔ نیپالی ملازمہ نے ایک گلاس اٹھالیا اور مدھومالا کی طرف چلی گئی۔

"میں اس خطرے کی بات نہیں کررہا جو تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے گلاس اٹھا کر ایک چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر۔۔۔؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں اسے پولیس کے خطرے سے آگاہ کرنے آیا تھا لیکن اس وقت برقی کوندے کی طرح یہ خیال آیا تھا کہ اگر میں نے اسے پولیس کے خطرے سے آگاہ کردیا تو شاید وہ کوئی بہانہ کرکے پیچھے ہٹ جائے اور اب جبکہ وہ دیش مکھ تک پہنچ چکا تھا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور گڑبڑ ہوجائے۔

"کس خطرے کی بات کررہے ہو؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"وہ بات یہ ہے کہ۔۔۔" میں نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا "دیش مکھ کو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ دولت کا پجاری ہے۔ دولت حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کررہا۔ میری دوست شوبھا جے پور میں بڑے سکون کی زندگی گزار رہی تھی۔ شہر کے وسط میں اس کا ایک بہت بڑا خالی پلاٹ بھی تھا اور دیش مکھ وہ پلاٹ ہتھیانا چاہتا تھا۔" میں نے مختصر طور پر اسے شوبھا کے بارے میں بتایا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم نے اپنے بارے میں اسے سب کچھ بتادیا ہے۔ یہ بات اس کے علم میں آگئی ہے کہ تم کالی کے مندر سے کروڑوں کی دولت لوٹ کر بھاگے ہوئے ہو اور دیش مکھ اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرسکتا ہے۔ میرا مطلب ہے۔۔۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" اس نے کہا "لیکن میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوں۔ پولیس میں میری زندگی ان جیسے حرامیوں سے نمٹتے ہوئے ہی گزری ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ وہ میرے خلاف ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکے گا۔"

"ایک بات اور۔" میں نے کہا "یہاں کی پولیس بھی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ تمہیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔

ایسا نہ ہو کہ تم بھی پولیس کی نظروں میں آجاؤ۔"

"مجھے اس بات کا بھی احساس ہے۔" پانڈے نے جواب دیا "گزشتہ رات میں دیش مکھ سے ملنے کے لیے ہی جس بلڈنگ میں گیا تھا۔ دو گھنٹوں بعد باہر نکلا تو کال دھرا ہی ا

طرف خفیہ مقامات پر لاؤڈ اسپیکر لگائے گئے تھے اور یہ خانے میں ایک جگہ ٹیپ ریکارڈر پر بین کرنے' رونے اور چیخوں کا کیسٹ لگا دیا جاتا۔ ان لاؤڈ اسپیکرز کے ذریعے یہ آوازیں چاروں طرف گونجنے لگتیں۔

"جب میں نے یہ حویلی خریدی تو اس سے صرف تین مہینے پہلے ڈاکوؤں کا وہ گروہ کسی وجہ سے اپنا یہ ٹھکانا چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا تھا۔ مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ انہی دنوں پولیس کا ڈاکوؤں کے اس گروہ سے تصادم ہو گیا تھا جس نے عرصے سے شہر اور اس کے نواح میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اس مقابلے میں سات ڈاکو مارے گئے تھے۔ حویلی میں ان پوشیدہ تاروں اور خفیہ لاؤڈ اسپیکروں کی دریافت کے بعد مجھے دو اور دو چار کا حساب لگانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میرے خیال میں کچھ ڈاکو مارے گئے تھے اور کچھ خوف زدہ ہو کر یہاں سے بھاگ گئے تھے۔ اس طرح یہ آسیب زدہ حویلی مجھے مل گئی۔ لوگ حیران ہیں کہ بدروحوں نے مجھے کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچایا۔ بعض لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں تو میں یہی جواب دیتا ہوں کہ میں ان سے بڑا آسیب ہوں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" میں نے کہا "جو شخص کالی کے مندر سے خزانہ لوٹ سکتا ہے اس سے بڑا آسیب اور کون ہوگا۔"

ہم ابھی تک اوپر ہی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ میں ایک راہداری سے گزر کر دوسری طرف آ گیا۔ یہ عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ اس طرف بھی ایک کشادہ ٹیرس بنا ہوا تھا۔ میں نے جیسے ہی ٹیرس سے نیچے جھانکا۔ ٹھٹک کر رک گیا۔ مدھو مالا تالاب کے نیلگوں پانی میں پشت کے بل تیر رہی تھی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔

نیچے آ کر بھی کچھ دیر تک میں پانڈے سے باتیں کرتا رہا پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کر کے کار کا رخ گیٹ کی طرف گھما دیا۔ پانڈے نے آگے جا کر گیٹ کھول دیا اور میں اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتا ہوا گاڑی کو باہر نکال لے گیا۔

جب میں اسپتال واپس پہنچا تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے اور بلا وہیں موجود تھی۔ میں بھی کچھ دیر وہاں رکا اور پھر ہم شوبھا سے اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔

ڈاک بنگلے پر پہنچتے ہی میں نے ٹیلی فون پر برندرا یا انسپکٹر اعظم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی دفتر میں موجود نہیں تھا۔ میں نے ان کے لیے پیغام چھوڑ دیا۔

پانڈے سے ملاقات کے بعد میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ پانڈے دیش مکھ تک پہنچ گیا تھا اور دوسری طرف پولیس کی نظروں میں بھی آ گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پانڈے کا آپس میں ٹاکرا ہو جائے۔ میں پانڈے کو پولیس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر بات بدل دی کہ کہیں بدک نہ جائے لیکن میں سمجھتا تھا کہ اب اس کے بارے میں بتانا ضروری ہو گیا تھا تاکہ پولیس بھی ناگ پال یا دیش مکھ کا ساتھی سمجھ کر دھر نہ لے۔ میرے خیال میں اب پانڈے ہی ایسا شخص تھا جو ناگ پال کے حصار سے نکال سکتا تھا۔

شام چھ بجے کے قریب وہ دونوں ڈاک بنگلے پہنچے۔

"تمہارا پیغام ملا تھا۔ کوئی خاص بات؟" انسپکٹر اعظم خان نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس وقت لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہاں۔" میں نے کہا "صبح اسپتال میں ملاقات کے دوران تو تم نے پانڈے نام کے ایک آدمی کے بارے میں بتایا تھا۔ گزشتہ رات کال دھرا کے علاقے میں تمہارے آدمیوں کو دے کر غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں۔ وہ بھی انڈین پولیس کو مطلوب ہے۔ انتظار کل رات نظر آ گیا تھا۔ رات کو تو وہ ہمارے آدمیوں کو دے کر بھاگ گیا لیکن ایک دو دن میں وہ ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔ آج اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ہم جلد ہی اس کے ٹھکانے کا پتا لگا لیں گے۔"

"میرا خیال ہے اس پر نگرانی ختم کر دی جائے۔ یہ ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر اعظم نے مجھے گھورا اور پھر بھی چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"دیش مکھ' ناگ پال کی پناہ میں ہے اور پولیس کو ناگ پال کے کسی ٹھکانے پر چھاپا مارنے سے گھبرا رہی ہے۔ میرا خیال ہے پانڈے' دیش مکھ کو ناگ پال کی پناہ سے نکال سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اعظم خان چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ راجستھان کے شہر سار سکا کی پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے بہت بڑا خزانہ لے کر بھاگا تھا۔ ہندوستان کی پولیس اور پنڈت اس کی تلاش میں ہیں؟" میں نے جواب دیا۔ "میں اسے پانڈے کے بارے میں بتانے لگا "چند روز پہلے

ہوٹل میں اس سے سامنا ہو گیا تھا۔ اس سے ملاقات سے پہلے میں نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ وہ میری ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔"

"اوہ!!" انسپکٹر اعظم خان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور وہ ابھی ہوئی نظروں سے برندرا کی طرف دیکھنے لگا۔

اس موضوع پر کافی دیر تک بحث ہوتی رہی اور بالآخر پانڈے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ جیسے ہی محسوس کروں گا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل رہا ہے تو پانڈے کو ان کے حوالے کر دوں گا۔

ان دونوں کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہاری لال دو دن بعد انڈیا سے کھٹمنڈو آنے والا تھا۔ پولیس نے اس کی حفاظت کے لیے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ ان کے پروگرام کے مطابق ہوائی جہاز کے آنے سے ایک گھنٹا پہلے تری بھون ایئرپورٹ کو گھیرے میں لے لیا جائے گا اور ان تمام راستوں کی بھی نگرانی کی جائے گی جس طرف سے بہاری لال کو گزرنا ہوگا۔ مہاراج گنج کے علاقے میں بہاری لال کی کوٹھی کے اطراف میں بھی مسلح پولیس والے تعینات کر دیے جائیں گے۔

اور پھر اس روز صبح دس بجے میں بھی ایئرپورٹ پر موجود تھا۔ انسپکٹر برندرا میرے قریب ہی تھا بلکہ میں اس کے قریب رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ برندرا کے پاس سیلولر فون تھا اور وہ وقتاً فوقتاً اس فون پر اپنے آدمیوں کو کچھ ہدایات بھی دے رہا تھا۔

جہاز آنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگا لیا۔ چند سیکنڈ تک وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اس طرح چیخا کہ آس پاس کھڑے ہوئے لوگ بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا بکتے ہو! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ فون پر کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے۔ اس علاقے کو گھیرے میں لے لو۔ میں اعظم خان کو بھیج رہا ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بسنت پورہ میں دیش مکھ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ انسپکٹر اعظم کہاں ہے؟"

"وہ ارائیول لاؤنج کے سامنے کھڑا ہے۔" میں نے اشارہ کیا۔

برندرا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف چل پڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ برندرا نے انسپکٹر اعظم خان کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم بسنت پورہ جا کر دیکھو کیا معاملہ ہے۔ میں یہاں موجود ہوں۔"

دیش مکھ کے قتل کی خبر سن کر انسپکٹر اعظم خان بھی اچھل پڑا تھا اور پھر اس نے وہاں رک کر وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ٹرمنل سے نکل کر پارکنگ ایریا کی طرف دوڑ پڑا۔

بسنت پورہ شہر کا وسطی اور گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں کی زیادہ سرگرمیاں بھی ایسے ہی علاقوں میں رہتی تھیں لیکن اس وقت وہ علاقہ اس لحاظ سے سنسان پڑا تھا کہ تمام گلیاں بند تھیں۔ پولیس نے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور لوگ اِدھر اُدھر کونوں کھدروں میں کھڑے تھے۔

گنگا پاتھ سے بائیں طرف ایک اور سڑک پر مڑتے ہی اعظم خان نے جیپ روک لی۔ یہ قدرے کشادہ سڑک تھی جس کے دائیں بائیں کئی گلیاں پھوٹتی تھیں۔ یہاں لاتعداد ریسٹورنٹس اور شراب خانے تھے۔ ایک دو تھرڈ کلاس قسم کے نائٹ کلب بھی تھے۔ اس علاقے میں اسکن بزنس بھی ہوتا تھا اور منشیات فروشوں کے ایجنٹ بھی گھومتے رہتے تھے لیکن یہاں سڑک پر پولیس والوں کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم عمارتوں کی بالکونیوں اور کھڑکیوں سے لوگ جھانک رہے تھے۔ کئی دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور سامان بکھرا ہوا تھا۔

ایک شراب خانے کے سامنے سڑک پر چار لاشیں پڑی تھیں جن میں ایک لاش دیش مکھ کی تھی۔ دو لاشوں کے جسموں پر پولیس کی وردیاں نظر آ رہی تھیں اور چوتھی لاش کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بھی کوئی غنڈا ہی تھا۔

ایک سب انسپکٹر اعظم خان کو دیکھتے ہی قریب آ گیا۔ ہم جیپ سے اتر کر لاشوں کے قریب پہنچ گئے۔ دیش مکھ کی لاش گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی۔ سڑک پر چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔

"یہ سب کیا ہوا۔ کیسے ہوا؟" اعظم خان نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"ہم فزیک اسٹریٹ کی طرف گشت پر تھے۔ ہمیں اطلاع ملی کہ کچھ غنڈوں نے اس طرف لوٹ مار شروع کر دی ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو لے کر اس طرف آیا تو درجن بھر غنڈے دکانوں میں لوٹ مار کر رہے تھے اور یہ۔۔۔" اس نے دیش مکھ کی لاش کی طرف اشارہ کیا "یہ ایک کھلی جیپ پر کھڑا غنڈوں

کو احکامات دے رہا تھا۔ میں نے ایک دکان لوٹنے والے غنڈوں کو روکنے کی کوشش کی تو اس شخص نے گولی چلا دی۔ میرا ایک سپاہی زخمی ہو کر گرا۔ میں نے بھی اپنے آدمیوں کو فائرنگ کا آرڈر دے دیا۔

"میرے ساتھ چھ آدمی تھے۔ ان سے پہلے لوٹ مار کرنے والے درجن بھر غنڈوں نے ہم پر فائرنگ شروع کردی۔ میرے دو جوان فائرنگ کی زد میں آگئے۔" اس نے سڑک پر فٹ پاتھ کے قریب پڑی ہوئی پولیس والوں کی لاشوں کی طرف اشارہ کیا "اور پھر انہی کے ایک آدمی کی فائرنگ سے یہ چھلنی ہو کر گر پڑا۔" اس مرتبہ اس نے دیش مکھ کی طرف اشارہ کیا "اس کے گرتے ہی غنڈے جیپ پر سوار ہو کر زبردست فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے۔"

"اسے جانتے ہوئے یہ کون ہے؟" میں نے دیش مکھ کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"یس سر۔" سب انسپکٹر نے کہا "یہ انڈیا کا ایک ایم پی ہے جو غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہوا ہے۔"

انڈین ایم پی کا لفظ سن کر میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے اعظم خان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ شاید وہ بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جو میرے ذہن میں تھا۔

ناگ پال کا منصوبہ بڑا خوفناک تھا۔ اس رات سومبانے دیش مکھ کے جس آدمی کو پکڑا تھا اسی نے انکشاف کیا کہ وہ لوگ ہندوستان سے آنے والے ایک ایم پی کو قتل کر کے کھٹمنڈو میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں بہاری لال کا نام سننے میں آیا تھا اور اعظم خان اور برجیندرا نے اپنی تمام تر توجہ بہاری لال کی طرف مبذول کردی تھی اور جب بہاری لال کا جہاز تری بھون ائرپورٹ پر اترنے والا تھا تو بازار میں دیش مکھ کو قتل کردیا گیا تھا۔

صورت حال کو دیکھتے ہوئے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب کچھ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہوا تھا۔ پولیس کی تمام تر توجہ بہاری لال کی طرف تھی اور ناگ پال نے کسی طرح دیش مکھ کو باہر نکال کر پولیس سے بھڑا دیا تھا اور اپنے ہی ایک آدمی کے ہاتھوں دیش مکھ کو گولیوں سے چھلنی کردیا۔ جبکہ ان کا ایک اور آدمی پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا اور پولیس کے دو آدمی غنڈوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

دیش مکھ غنڈا' بدمعاش اور قاتل سہی لیکن وہ تھا تو انڈیا کی ایک ریاست کا ایم پی۔ وہ ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلی میں آیا تھا۔ وہ غنڈا گردی' ڈکیتیوں' اغوا اور قتل کی وارداتوں میں ملوث تھا۔ رشی کیش اور ہردوار میں ایسی وارداتوں کا مرتکب ہوا تھا اور ایک عورت کرکے نیپال آگیا تھا۔ یہاں اس کی آمد غیر قانونی تھی انڈیا کا ایک ایم پی تھا جسے یہاں قتل کردیا گیا تھا۔ گورنمنٹ بھی نیپال میں اس کے غیر قانونی داخلے تادیلیں پیش کرسکتی تھی۔ نیپالی سرکار کو اس کے قتل الزام ٹھہرا سکتی تھی۔

دوسری طرف ناگ پال اس موقع سے فائدہ ا تھا۔ بلکہ اس نے تو جان بوجھ کر یہ موقع پیدا کیا تھا انسپکٹر کے بیان کے مطابق فائرنگ میں پہل دیش آدمیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور بالآخر دیش مکھ کو کے ایک آدمی نے چھلنی کیا تھا۔ گویا یہ سب کچھ پہلے تھا کہ اگر دیش مکھ پولیس سے جھڑپ کے دوران بچ جا اسے ہر صورت میں ختم کردیا جائے۔

میں نے اعظم خان کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا کے چہرے پر بھی ایک لمحے کو تشنسی کے سائے لہرا متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کئی دکانیں کھلی تھیں۔ اچھی خاصی توڑ پھوڑ کی گئی تھی اور سامان دکانوں سامنے فٹ پاتھ پر بھی بکھرا ہوا تھا۔

میں نہیں جانتا کہ اعظم خان اس وقت کیا سوچ لیکن میرا خیال تھا کہ دیش مکھ کی لاش کو فوری طور پر سے ہٹا دینا چاہیے تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اعظم خان اس سلسلے میں کوئی بات کرتا اعظم خان کی جیب میں ہوئے سیلولر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے فون جیب نکال لیا۔ وہ برجیندرا کی کال تھی۔ وہ مہاراج گنج میں بہاری لال کی کوٹھی کے قریب سے بول رہا تھا۔ بہاری خیریت سے اپنی کوٹھی پہنچ گیا تھا۔

اعظم خان نے اسے یہاں کی صورت حال سے کردیا۔ وہ چار پانچ منٹ تک فون پر برجیندرا سے بات پھر رابطہ منقطع کرکے اس نے دو تین جگہوں پر فون پھر فون بند کرکے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"برجیندرا یہاں آرہا ہے اور میں نے ایمبولینسز بھی فون کردیا ہے۔ ان لاشوں کو فوری طور پر یہاں ہوگا۔"

سرکاری اسپتال وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا منٹ میں دو ایمبولینسز پہنچ گئیں۔ چاروں لاشوں کو بھجوا دیا گیا۔ چند پولیس والے بھی ان کے ساتھ

مرچکے

لاشیں اٹھ جانے کے بعد دکان دار' جو آس پاس کی بلڈنگوں میں چھپے ہوئے تھے' آہستہ آہستہ باہر آنے لگے۔ اور لوگ بھی بلڈنگوں سے نکل رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اعظم خان کو گھیر لیا تھا۔ ہر شخص اسے کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کررہا تھا۔ کچھ دکان دار اپنا سامان سمیٹنے لگے۔ ریسٹورنٹس بھی کھلنے لگے۔

ہر شخص جانتا تھا کہ یہ ناگ پال کے غنڈے تھے جو دو جیپوں پر لد کر وہاں آئے تھے اور کسی اشتعال کے بغیر انہوں نے توڑ پھوڑ اور لوٹ مار شروع کردی تھی اور دیش مکھ ایک کھلی جیپ پر کھڑا چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو اشتعال دلا رہا تھا۔ ناگ پال کو نیپال کا بال ٹھاکرے کہا جاتا تھا۔ وہ جب چاہتا شہر کے کسی بھی حصے میں ہنگامے شروع کروا دیتا اور شہر بند کروا دیتا۔ ہنگاموں کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتی تھی کیونکہ اس کے پیچھے ڈرگ مافیا کی بہت بڑی طاقت تھی۔ غنڈوں کی ایک فوج تھی جو جدید ترین اسلحے سے لیس تھے۔ ماضی میں ایک دو مرتبہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ جس پر اس کے غنڈوں نے پورے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم کردیا تھا۔ کئی بے گناہ مارے گئے تھے۔ لوگ بھی اس کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن آج یہاں پر موجود ہر شخص اس کے خلاف کھل کر بول رہا تھا۔

مزید پندرہ بیس منٹ بعد برجیندرا بھی پہنچ گیا۔ برجیندرا لوگوں سے پوچھ گچھ کررہا تھا کہ اس دوران اسے فون پر ایک اور سنسنی خیز اطلاع ملی۔

ناگ پال کے مسلح غنڈے اسپتال سے دیش مکھ کی لاش اٹھا کر لے گئے تھے اور بھوتاہیتی کے مرکزی چوراہے پر لوگوں کو جمع کیا جارہا تھا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ دیش مکھ کی لاش کو جلوس کی صورت میں پورے شہر میں گھمایا جائے گا اور لوگوں کو اشتعال دلا کر ان کے دلوں میں سرکار کے خلاف نفرت کو ابھارا جائے گا۔

بھوتاہیتی کا علاقہ اگرچہ وہاں سے کافی دور تھا لیکن بسنت پورہ کی دکانیں ایک بار پھر بند ہونے لگیں۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کا رخ کرنے لگے کیونکہ سب ہی لوگ جانتے تھے کہ ہنگامے شروع ہوگئے تو پورا شہران کی لپیٹ میں آجائے گا۔

میں اعظم خان کے ساتھ بھوتاہیتی کی طرف روانہ ہوگیا۔ رانی پوکھری اور رتنا پارک کے درمیان کانتی پاتھ کا وہ بہت بڑا چوراہا مکمل طور پر مسلح غنڈوں کے قبضے میں تھا۔ اگرچہ پولیس بھی بڑی تعداد میں موجود تھی لیکن میں جانتا تھا کہ جب ہنگامہ شروع ہوگا تو پولیس بھی کچھ نہیں کرسکے گی۔

چوراہے کے وسط میں ایک ٹرک پر مچان بنا کر دیش مکھ کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ اس پر پڑا ہوا سفید کپڑا خون سے داغ دار تھا۔ دوسرے ٹرک پر بنے ہوئے ایسے ہی پلیٹ فارم پر ناگ پال کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ نصف درجن گن مین بھی تھے۔ انہوں نے آٹومیٹک رائفلیں اس طرح تان رکھی تھیں کہ کسی بھی لمحہ فائر کھول سکتے تھے۔ ان دونوں ٹرکوں کے آس پاس بھی لاتعداد گن مین موجود تھے۔

ناگ پال کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا۔ کرتوت تو اس کے بال ٹھاکرے جیسے تھے ہی حلیہ بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ میں نے جے پور میں بال ٹھاکرے کو ٹی وی کے ایک پروگرام میں دیکھا تھا اور اب ناگ پال کو دیکھ رہا تھا۔ اسے بال ٹھاکرے کی ڈپلی کیٹ کہنا غلط نہیں ہوگا۔

چھ فٹ کے قریب قد' اکہرا بدن' پیلے رنگ کا لمبا کرتہ' سفید دھوتی۔ ماتھے پر قشقہ' گلے میں تین تہی سی مالائیں' ایک مالا تسبیح کی طرح ہاتھ میں تھی۔

ناگ پال اگرچہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں لوگوں سے خطاب کررہا تھا لیکن اس کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ ایک آدمی نے اس کے منہ کے سامنے میگا فون تھام رکھا تھا جس سے اس کی آواز دور تک پھیل رہی تھی۔

زہر آلود تقریر کرنے کے بعد ناگ پال ٹرک سے اتر گیا۔ جلوس آگے بڑھنے لگا تو پولیس نے اسے روک لیا۔ پولیس کے کچھ اور ذمے دار آفیسر بھی وہاں موجود تھے جو بار بار میگا فون پر لوگوں سے منتشر ہونے کی اپیل کررہے تھے لیکن جلوس پولیس والوں کو دھکیلتا ہوا آسن ٹول کے مرکزی چوراہے پر پہنچ گیا۔ اس چوراہے سے مختلف سمتوں میں چھ بازار نکلتے تھے اور یہاں بہت بڑا مندر بھی تھا۔

پورا علاقہ بند تھا۔ بلڈنگوں کی بالکونیوں میں کھڑے ہوئے لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ہر چہرہ خوف زدہ تھا۔

پولیس نے ایک بار جلوس کو روکنے کی کوشش کی۔ مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ شروع کردیا۔ پولیس نے جلوس کو منتشر کرنے کے لیے ہلکا لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس کے گولے پھینکے جانے لگے اور پھر ہجوم میں سے کسی نے پہلی گولی چلا دی۔

مظاہرین نے دکانوں کے شٹر توڑ کر لوٹ مار شروع کردی تھی۔ پولیس کو دور رکھنے کے لیے باقاعدہ فائرنگ کی جارہی

تھی اور پھر پولیس نے بھی فائر کھول دیا۔
اعظم خان مجھے کھینچتا ہوا دور لے گیا۔
"اب تمہارا یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔" وہ مجھے ایک گلی کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا "تم ڈاک بنگلے پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں بعد میں کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔"
بلوائی تمام بازاروں میں پھیل رہے تھے۔ لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ آنسو گیس فضا میں پھیل گئی تھی جس سے آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔
میں تنگ اور آڑی ترچھی گلیوں میں ہوتا ہوا اندرا چوک کی طرف نکل آیا۔ یہ علاقہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اندرا چوک سے اوٹو روڈ پر آتے ہی مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ پہلے تو وہ کہیں جانے کو تیار نہیں تھا لیکن آرنیکو روڈ کا نام سن کر اس نے مجھے بٹھالیا۔ شہر کی گنجان آبادی سے نکل کر کانتی پاتھ سے آگے پرتھوی پاتھ چوک اور اس سے آگے کا علاقہ عام طور پر ہنگاموں سے محفوظ رہتا تھا اور اسی لیے ٹیکسی ڈرائیور اس طرف آنے پر تیار ہو بھی گیا تھا۔
پستہ قامت نیپالی ڈرائیور اس قدر تیز رفتاری سے ٹیکسی چلا رہا تھا جیسے موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ فضا میں خوف و ہراس ضرور تھا لیکن ڈرائیور کی تیز رفتاری کی وجہ کوئی خوف نہیں تھا۔
اگر آپ کو کبھی کھٹمنڈو جانے کا اتفاق ہوا ہو تو نیپالی ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں یہ دلچسپ بات آپ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکسی کی تیز رفتاری سے میٹر بھی تیز چلتا ہے اور زیادہ کرایہ بنتا ہے۔ حالانکہ یہ بات تو ایک بے وقوف بھی سمجھتا ہے کہ کسی مخصوص فاصلے تک ٹیکسی خواہ تیز رفتاری سے چلائی جائے یا ہلکی رفتار سے میٹر اتنا ہی کرایہ بنائے گا۔
پرتھوی چوک سے آگے ...بگمتی کا کھولا (دریا) پار کر کے آرنیکو روڈ پر آتے ہی میں نے ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے ایک طرف چل پڑا۔ پولیس کا ڈاک بنگلا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ مجھے وہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔
ہنگاموں کی اطلاع یہاں پہنچ چکی تھی اور بلا خاصی پریشان تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر طمانیت سی چھا گئی۔
"ہنگامے کیوں شروع ہو گئے اور تم کہاں تھے؟" بلا نے پوچھا۔
"دیش مکھ کو قتل کر دیا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"دیش مکھ یا ہماری لال کو۔ پولیس اس کی حفاظت نہیں کر سکی۔" بلا نے کہا۔
"پولیس کو بلف کیا گیا ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا "یہ سب کچھ باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ یہ آگ ناگ پال نے بھڑکائی ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اتنی آسانی سے ٹھنڈی نہیں ہوگی۔"
ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ دیش مکھ ختم ہو گیا تھا۔ دھرتی کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تھا لیکن مجھے افسوس اس بات کا تھا کہ میرے ہاتھ اس کی گردن تک نہیں پہنچ سکے تھے۔
شام کے وقت میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا تو پتا چلا کہ ہنگامے شہر کے کچھ اور علاقوں تک پھیل گئے تھے۔ پولیس ناگ پال کو گرفتار کرنے کے لیے چھاپے مار رہی تھی لیکن وہ آگ بھڑکانے کے بعد روپوش ہو گیا تھا۔
رات کو بھی شہر کے مختلف علاقوں میں بلوائیوں اور پولیس کے بیچ آنکھ مچولی جاری رہی۔ وقفے وقفے سے فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔
صبح ہوتے ہی ہنگاموں کا زور بڑھ گیا۔ دس بجے کے قریب کاشا نے بتایا کہ پرتھوی چوک بھی ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ اس چوک کے عین وسط میں کالی کا بہت بڑا مندر تھا۔ بلوائیوں نے اس مندر کو لوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ یہاں ہنگامے میں ایک پجاری بھی مارا گیا تھا۔
گیارہ بجے کے قریب برندرا کا فون آگیا۔ اس نے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے سختی سے ہدایت کی تھی کہ ہم ڈاک بنگلے سے باہر نہ نکلیں۔
میرے ذہن میں اچانک ہی پانڈے کا خیال آگیا۔ اس سے پرسوں دوپہر کے بعد سے میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ میں فون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر اس کا نمبر ملانے لگا۔
لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ کال بدھو بلا نے ریسیو کی تھی۔ وہ مجھ سے بات کرتے رہنے پر مصر تھی اور بڑی مشکل سے اس نے پانڈے کو فون پر بلایا تھا۔
"ارے تم کہاں ہو ہمت سنگھ۔ میں تو تمہارے لیے بہت پریشان ہوں۔ سوما بہ بھی کوئی رابطہ نہیں ہو پایا۔" پانڈے نے میری آواز سنتے ہی کہا۔
"میں فی الحال تو محفوظ ہوں۔" میں نے جواب دیا "لیکن ہنگامے بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔"

"تم اس وقت کہاں پر ہو؟" پانڈے نے پوچھا۔
میں نے پولیس ڈاک بنگلے کا نام لیے بغیر اسے اپنی لوکیشن کا بتایا تو اس کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔
"فوراً نکلو وہاں سے۔ سنگھ دربار اور اس کے آس پاس واقع وزارت داخلہ کے دفاتر اور سپریم کورٹ کو گھیرے میں لیا جانے والا ہے۔ اس مرتبہ ناگ پال کے ارادے بڑے خطرناک ہیں۔ تم بلا کو لے کر فوراً میری طرف آجاؤ۔"
"لیکن پورا شہر بند ہے اور..."
"تمہیں شہر کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میری بات کاٹ دی "رنگ روڈ کی طرف سے نکل کر تری بھون ائیرپورٹ کے اوپر سے ہوتے ہوئے تم بودھ ناتھ کی طرف آسکتے ہو۔ یہ راستہ لمبا ضرور ہے لیکن بالکل محفوظ ہے۔ تم فوراً یہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور ابھی بہت سی باتیں ہیں جو ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتا۔"
"ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "اگر نکلنے کا موقع نہ ملا تو فون کروں گا۔"
میں نے ریسیور رکھ دیا اور بلا سے مشورہ کرنے لگا۔ اسے ہنگاموں سے ڈر لگ رہا تھا۔ اسے جب یہ پتا چلا کہ وہ جگہ شہر سے بہت دور پہاڑیوں میں محفوظ مقام پر ہے تو وہ فوراً ہی جانے کو تیار ہو گئی۔
میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا۔ اتفاق سے اعظم وہاں موجود تھا۔ پہلے تو میں اس سے شہر کے حالات کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔ اس کے کہنے کے مطابق صورت حال خاصی تشویش ناک تھی۔ کھٹمنڈو میں بھارتی سفیر کے بیان نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اس نے واشنگ الفاظ میں نیپالی سرکار کو دھمکی دی تھی کہ کھٹمنڈو میں پولیس کے ہاتھوں ایک انڈین ایم پی کے قتل پر بھارت سرکار خاموش نہیں بیٹھے گی۔ نیپال سرکاری نے اگرچہ بھارتی سفیر کے اس بیان پر احتجاج کیا تھا اور اس امر کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ دیش مکھ غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوا تھا۔ یہاں اس کی سرگرمیاں بھی مجرمانہ اور غیر قانونی تھیں اور وہ پولیس کے ہاتھوں نہیں ایک جھڑپ کے دوران اپنے ہی غنڈوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن بھارت سرکار اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی نیپال کے احتجاج کو بھی زیادہ اہمیت دی تھی۔ اس کے برعکس بھارتی میڈیا نے اس واقعے کو خوب اچھالا جا رہا تھا۔ سٹیلائیٹ چینلز پر بھارتی سیاست دانوں کے بیانات بھی کھٹمنڈو میں ان ہنگاموں کے پھیلاؤ کا باعث بن رہے تھے۔
"ایک خاص بات جس کے لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔" میں نے اس کی بات ختم ہونے کے بعد کہا "تھوڑی دیر پہلے پانڈے سے میری بات ہوئی تھی۔ اس کا خیال ہے کہ ہنگامے ہمارے علاقے کی طرف مزید پھیلیں گے اس لیے ہمیں اس کے ہاں شفٹ ہو جانا چاہیے۔ بلا ان حالات سے خاصی پریشان اور خوف زدہ ہے۔ وہ تو یہاں سے جانے کو تیار ہے۔ میں نے سوچا تم سے بھی مشورہ کر لوں۔"
"میں خود تم لوگوں کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔" اعظم خان نے جواب دیا "پرتھوی چوک پر کالی کے مندر کو نذر آتش کیے جانے کے بعد ہنگاموں کا زور اس طرف بڑھ گیا ہے۔ سیکریٹریٹ اور دیگر تمام سرکاری دفاتر بھی اسی طرف ہیں۔ بلوائی ان سرکاری عمارتوں پر حملے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ پولیس کا ڈاک بنگلا بھی زد میں آسکتا ہے جہاں تم لوگ ٹھہرے ہوئے ہو۔ اگر وہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور تم جہاں بھی جاؤ مجھے اطلاع دے دینا یا اس نمبر پر پیغام چھوڑ دینا۔"
"ٹھیک ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں یہاں سے نکل جائیں گے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔
بلا کمرے میں تھی۔ میں جب وہاں پہنچا تو وہ اپنے کپڑے سوٹ کیس میں ڈال رہی تھی۔ اس نے میرے بھی تین چار جوڑے ڈال لیے اور چند ضروری چیزیں رکھنے کے بعد سوٹ کیس بند کرتے ہوئے بولی۔
"چلیں!"
"تو گویا تم نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔" میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔
"موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے نا۔" بلا نے کہا۔
"تو چلو۔ میں بھی تیار ہوں۔" میں نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس اٹھا لیا۔
"کاشا برآمدے میں تھا۔ اس نے ٹیلی فون پر اعظم خان سے میری باتیں سن کر اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم یہاں سے جانے والے ہیں۔ اس لیے میرے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوٹ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا اور برآمدے سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔
کاشا نے سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ میں اسے محتاط رہنے کی ہدایات دیتا ہوا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ بلا بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ

چکی تھی۔

کاشما نے گیٹ کھول دیا۔ میں نے گاڑی باہر نکالتے ہوئے کاشما کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور گاڑی کو بائیں طرف موڑ دیا۔

آر نیکو روڈ پر آکر میں نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ یہی سڑک دھوبی کھولا (دریا) پار کر کے سیدھی بھگتا پور کی طرف چلی گئی تھی لیکن ہمیں دھوبی کھولا تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دریا سے پہلے ہی میں نے کار کو بائیں طرف والے راستے پر موڑ دیا۔

یہ سڑک تری بھون ائرپورٹ کے پچھلی طرف پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی بودناتھ اور اس سے آگے شمال میں مہادیو مندر کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ وادی میلوں دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اس میں چھوٹی چھوٹی کئی بستیاں بھی تھیں۔

دریائے بھاگ متی پار کر کے ہم بائیں طرف مڑ گئے اور پھر بودناتھ میں حویلی کی طرف جانے والا راستہ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

یہ راستہ اگرچہ بہت طویل تھا لیکن محفوظ بھی تھا۔ ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ میں راستے میں بار بار بلا کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ پورے راستے خوف زدہ سی رہی تھی لیکن جب میں نے حویلی کے پھاٹک کے سامنے کار روکی تو اس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔

دربان کے جواب میں پھاٹک میں پہلے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی پھر پورا پھاٹک کھل گیا اور میں گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا۔

پانڈے اور مدھومالا ہمارے استقبال کے لیے برآمدے میں موجود تھے۔ مدھومالا نے بھی گرم جوشی سے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ حسب معمول اس کے بدن پر مختصر لباس تھا۔ مجھے وہ وقت یاد آگیا جب جے پور میں بلا سے میری نئی نئی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بھی اسی طرح مختصر لباس پہنا کرتی تھی اور بہت عرصے بعد اس میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ وہ ڈھنگ کا لباس پہننے لگی تھی۔ مدھومالا کے دماغ کی بھی شاید کوئی گرہ ڈھیلی تھی۔

اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ ہم وسیع و عریض لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ پانڈے کے کہنے پر نیپالی خادمہ نے چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی تھی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم شہر کی صورت حال پر تبصرہ کرتے رہے۔ پانڈے کے خیال میں یہ ہنگامے ابھی مزید کئی روز جاری رہیں گے کیونکہ ناگ پال اس بار کھل کر سامنے آگیا تھا۔ وہ خود تو کسی جگہ روپوش تھا لیکن اس کے زہر میں بجھے ہوئے تیر روزانہ اخبارات میں شائع ہو رہے تھے۔

"تم تو ان کے سرکل میں داخل ہو چکے تھے۔ شاید معلوم ہو کہ ناگ پال کہاں چھپا ہوا ہے؟" میں نے پانڈے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت لاؤنج میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔ مدھومالا' بلا کو حویلی دکھانے کے لیے لے گئی تھی۔

"نہیں۔" پانڈے نے جواب دیا "اس نے کچھ لوگوں کو محفوظ ٹھکانے بنا رکھے ہیں اور اس کے چند خاص آدمیوں کے سوا ان کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ البتہ قرین یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جس روز یہ ہنگامہ شروع ہوا تھا اس وقت میں بھی دیش مکھ کے ساتھ تھا۔ ہنگامہ شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ناگ پال کا ایک آدمی مجھے وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔"

"کیا مطلب!" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بعد میں ناگ پال کے اس آدمی دینا ناتھ نے مجھے بتایا تھا کہ یہ منصوبہ ناگ پال ہی کا تھا کہ جس روز ایم پی بھارلال یہاں پہنچنے والا ہو اسی روز دیش مکھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور اس کے قتل کا الزام پولیس پر تھوپ کر ہنگامے شروع کر دیے جائیں۔ تمام تیاری پہلے ہی سے کر لی گئی تھی۔ دیش مکھ کو ناگ پال ہی نے آمادہ کیا تھا کہ ایک گینگ کے ساتھ بسنت پورہ میں ہنگامہ شروع کرے۔ اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ پولیس کی بسنت پورہ کے ہنگامے کی طرف متبدل ہو جائے گی تو وہ پارٹی اس وقت بھاری لال کو موت کے گھاٹ اتار دے جب وہ ائرپورٹ سے نکل رہا ہوگا۔

"دیش مکھ کچھ جز بز سا ہوا تھا لیکن ناگ پال کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ یہ اہتمام اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کیا گیا ہے۔ دراصل۔" پانڈے چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "دراصل دیش مکھ' ناگ پال پر بھروسہ کر گیا تھا۔ اس کی وجہ سے روی اور اس کے دو ممبئی اور ساتھی بھی مارے گئے تھے۔ ناگ پال اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اور اس لیے بھی اس نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ ناگ پال کو کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ ایم پی بھاری لال آنے والا ہے۔ اس نے بھاری لال کا نام استعمال کیا۔ اصل منصوبہ یہی تھا کہ پولیس بھاری لال کی حفاظت

میں ہوگی اور دوسری طرف دیش مکھ کو ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ دیش مکھ جرائم پیشہ سہی لیکن وہ انڈیا کا ایم پی تو تھا اور ہنگامے شروع کرنے کے لیے یہ بنیاد ہی کافی تھی۔"

"ناگ پال واقعی بہت چالاک آدمی ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر دیش مکھ' ناگ پال کے ہاتھوں نہ مارا جاتا تو میں کسی وقت موقع پا کر اسے ٹھکانے لگا دیتا۔" پانڈے نے کہا۔

پانڈے کی اس بات پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں زبان سے کچھ کہنے کے بجائے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"دیش مکھ واقعی مہا حرامی آدمی تھا۔" پانڈے کہہ رہا تھا "اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ سارسکا کی پہاڑیوں میں کالی کے مندر سے خزانہ لے کر میں ہی بھاگا تھا۔ وہ مجھ سے یہ خزانہ حاصل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس نے ٹیلی فون پر جے پور میں پنڈت موہن داس سے میرے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی تھیں اور پھر موہن داس کو بھی یہاں آنے کے لیے کہا تھا۔ میں نہیں جانتا موہن داس کون ہے لیکن اس کے نام کے ساتھ پنڈت کا لفظ ہی اس کے تعارف کے لیے کافی ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ سالا دیش مکھ مارا گیا ورنہ میرے لیے پریشانیاں پیدا ہو جاتیں۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں دیش مکھ کی موت کے بعد مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے۔" میں نے کہا "پنڈت موہن داس نامی کوئی شخص اگر یہاں آنے والا ہے تو وہ تمہارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔" پانڈے نے جواب دیا "لیکن میں مطمئن اس لیے ہوں کہ میرے اس ٹھکانے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں۔ نہ دیش مکھ کے آدمیوں کو اور نہ ہی ناگ پال کے آدمیوں کو۔"

"لیکن تمہارا وہ ہمدرد جس نے تمہیں یہ سب کچھ بتایا تھا؟" میں نے کہا۔

"وہ بھی میرے اس ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" پانڈے مسکرایا۔

"لیکن تم باہر تو نکلو گے۔ تمہیں آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے اس کا بھی بندوبست کر رکھا ہے۔" پانڈے مسکرایا "میں جب باہر نکلنے کے لیے میک اپ کروں گا تو تم بھی مجھے نہیں پہچان سکو گے۔"

اِدھر ہم لاؤنج میں باتیں کرتے رہے اور اُدھر مدھومالا' بلا کو حویلی دکھاتی رہی اور پھر اچانک ہی بلا کی چیخ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ یہ آواز حویلی کے پچھلی طرف سے آئی تھی۔ ہم دونوں اٹھ کر اس طرف دوڑ پڑے۔

حویلی کے عقبی برآمدے میں پہنچتے ہی میں رک گیا اور پھر میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ ابل پڑا۔ مدھومالا نے بلا کو سوئمنگ پول میں دھکا دے دیا تھا اور اب خود بھی پانی میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔

میں نے پانڈے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا اور ہم دونوں پھر اندر آگئے۔

○☆○

ہمیں اس حویلی میں رہتے ہوئے چار پانچ روز ہو گئے۔ اس دوران انسپکٹر اعظم خان اور بریندرا سے میرا فون پر مسلسل رابطہ رہا تھا۔ ان سے نہ صرف شوبھا کے بارے میں بلکہ شہر کی صورت حال کا بھی پتا چلتا رہا تھا۔ ہنگامے دم توڑ چکے تھے اور شہر تقریباً سکون پذیر ہو رہا تھا۔

اور پھر اس روز شام سے ذرا پہلے پانڈے نے شہر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ اس نے جو میک اپ کیا وہ واقعی بڑے کمال کا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس میک اپ میں میں بھی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ نہ صرف اس کا چہرہ بدل گیا تھا بلکہ وہ حلیے سے بھی نیپالی لگ رہا تھا۔ سفید چوڑی دار پاجامہ اس پر پھولدار کرتہ اور کالے رنگ کا ہاف کوٹ۔ سر پر کالے رنگ کی گول ٹوپی تھی جس پر گولڈن ستارے ٹنکے ہوئے تھے۔ اس نے کانٹیکٹ لینسز لگا کر آنکھوں کا رنگ بھی بدل لیا تھا۔

میں بھی پانڈے کے ساتھ ہو لیا۔ یوں تو مدھومالا اور بلا بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھیں لیکن ہم نے انہیں ساتھ لے جانا... مناسب نہیں سمجھا۔

پانڈے کی گاڑی بہت شان دار تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ گاڑی اس نے چند مہینے پہلے خریدی تھی۔ اس کا ایک جاننے والا کچھ منافع دے کر یہ گاڑی خریدنا چاہتا تھا مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

شہر کے حالات بڑی حد تک پرسکون تھے۔ ہم ہری گوا ڈسٹرکٹ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اس علاقے کی تقریباً ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ریسٹورنٹس بھی آباد تھے۔ سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی لیکن فضا میں ٹینشن بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔

اس وقت سورج غروب ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹا باقی تھا۔ پانڈے نے ہیتی سار روڈ سے آگے لال دربار کے قریب یاک اینڈ ہیتی ہوٹل کے سامنے گاڑی روک لی۔ یہ ایک بڑا

رہائشی ہوٹل تھا۔ اس کا اپنا ایک پارکنگ لاٹ بھی تھا لیکن پانڈے نے گاڑی باہر ہی روکی تھی۔ مجھے گاڑی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرکے وہ خود نیچے اتر کر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوگیا۔

وہ چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی نیپالی لباس میں تھا۔ وہ دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور میں بھی اپنی سیٹ پر اس طرف گھوم گیا۔

وہ دینا ناتھ تھا۔ پانڈے کا وہی دوست یا مخبر جس نے اسے دیش مکھ کے بارے میں خبردار کیا تھا اور بعد میں بھی ناگ پال کے بارے میں ٹیلی فون پر اسے اطلاعات فراہم کرتا رہا۔ مجھے یاد آگیا کہ سہ پہر چار بجے کے قریب بھی پانڈے ٹیلی فون پر اسی سے باتیں کرتا رہا تھا۔

"فون پر بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اب ذرا تفصیل سے بتاؤ وہ کون لوگ ہیں اور کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" پانڈے نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تین آدمی ہیں۔" دینا ناتھ نے جواب دیا "لیکن ناگ پال سے ملاقات کے لیے ایک ہی آدمی آیا تھا جس نے اپنا نام دین دیال بتایا تھا۔"

"ناگ پال کہاں ہے؟" پانڈے نے اسے ٹوک دیا۔

"نارا دیوی روڈ والی بلڈنگ میں۔" دینا ناتھ نے جواب دیا "دین دیال کو ناگ پال ہی کا ایک قریبی آدمی لے کر آیا تھا۔ دین دیال نے ناگ پال کو پیشکش کی تھی کہ اگر وہ تمہیں پکڑ کر اس کے حوالے کردے تو وہ مندر سے لوٹی ہوئی دولت کا آدھا حصہ اسے دے دے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر کہنے لگا "دین دیال جب وہاں سے رخصت ہوا تو میں نے اس کا پیچھا شروع کردیا۔ وہ کلاک ٹاور کے قریب ایک تھرڈ کلاس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں۔"

"میں ناگ پال کے بارے میں سننا چاہتا ہوں۔ اس نے دین دیال کو کیا جواب دیا تھا۔" پانڈے نے پوچھا۔

"اس کا جواب واضح نہیں تھا۔ اس نے دین دیال کو انتظار کرنے کو کہا تھا۔" دینا ناتھ نے جواب دیا۔

"ان کی ملاقات کب ہوئی تھی؟" پانڈے نے پوچھا۔

"کل رات کو۔" دینا ناتھ نے جواب دیا "دین دیال نے کہا تھا کہ وہ دیش مکھ کی طرف سے اطلاع ملنے پر یہاں آئے ہیں۔ میں تو تمہیں کل رات ہی بتانا چاہتا تھا مگر میرے پاس تو تمہارا فون نمبر بھی نہیں ہے۔"

"میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔" پانڈے نے کہا۔ پچھلی سیٹ سے اتر کر ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ اس نے بورڈ کا خانہ کھول کر بڑی مالیت کے چند نوٹ نکال کر دینا ناتھ کے ہاتھ میں تھما دیے "یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ لوگوں میں کیا ڈیل ہوتی ہے۔ میں کل صبح تمہیں فون کروں گا۔"

دینا ناتھ نے نوٹ جیب میں ٹھونسے اور کار سے اتر گیا۔ پانڈے نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں گاڑی کے باہر کی طرف لگے ہوئے سائیڈ مرر کو دیکھتا رہا۔ میں دینا ناتھ کا عکس نظر آرہا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گاڑی ایک موڑ گھوم کر کانتی پاتھ کی نظروں سے نکل گئی۔

مجھے یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا اور جب میں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو پانڈے کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"میرا پولیس کا بیس سال کا تجربہ ہے۔" وہ بولا "ہر انسان کے چہرے کو دیکھ کر اس کے اندر تک جھانک لیتا ہوں۔ دینا ناتھ کے بارے میں، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مجھے دھوکا نہیں دے گا۔"

"بعض اوقات چہرے دھوکا بھی دے جاتے ہیں۔ بہرحال، یہاں تمہاری ملاقات شاید پہلے سے طے تھی تبھی اس نے تمہیں پہچانا کیسے؟"

"میں تو اس کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ میں نے ہی اپنی شناخت کرائی تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پانڈے نے گاڑی ایک دو جگہوں پر روک کر کچھ چیزیں خریدیں۔ ان میں بڑھیا شراب کی دو بوتلیں بھی شامل تھیں۔ جب اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے گاڑی اسپتال کی طرف موڑ دی۔

اس وقت آٹھ بجنے والے تھے۔ مایا متی کی ڈیوٹی ختم ہوچکی تھی لیکن وہ اس وقت بھی اسپتال میں موجود تھی۔ وہ مجھے راہداری ہی میں مل گئی تھی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو شوبھا مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ شیر کے حالات کی وجہ سے پچھلے دنوں وہ بھی خاصی پریشان رہی تھی۔

میں پانڈے کو گاڑی میں چھوڑ آیا تھا اس لیے میں شوبھا کے پاس چند منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھا۔

شوبھا نیکو اسپتال میں تھی۔ واپسی پر ہم پر تھوڑی دور طرف سے گزرے تو پانڈے نے چوک کے قریب گاڑی روک لی۔ چوک کے اطراف میں کچھ اور لوگ بھی جمع تھے۔ چوک کے وسط میں بھدرا کالی کا مندر جل کر راکھ ہوچکا تھا۔ چوک کا ڈھانچا رہ گیا تھا جس میں کہیں کہیں سے اب بھی آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

دھوئیں کی لکیریں ہر طرف سے بھی گزرے تھے کئی جگہوں پر ہم شہر میں جس طرف سے بھی گزرے تھے کئی جگہوں پر تم کے مناظر دیکھنے کو ملے تھے اور مجھے یہ سب کچھ دیکھ اس کر دکھ ہوا تھا۔ چند لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ کئی بے گناہ مارے گئے تھے۔

آر نیکو روڈ سے گزرتے ہوئے میں نے کار پولیس کے ڈاک بنگلے کی طرف مڑوالی۔ میں کاشما کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن قریب پہنچے تو میرا دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔ ڈاک بنگلا بھی ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ دو پولیس والے ایک درخت کے نیچے بیٹھے شاید اس ملبے کی حفاظت کررہے تھے۔ میں نے ان سے کاشما کے بارے میں دریافت کیا تو پتا چلا کہ وہ ڈاک بنگلے پر حملے میں زخمی ہوگیا تھا اور پولیس اسپتال میں زیر علاج ہے۔

ہم نکو کا کھولا دریا کے ساتھ ساتھ رام شاہ پاتھ پر ہوتے ہوئے بیلی سار روڈ پر نکل آئے۔ وہاں سے پانڈے نے گاڑی دوسری طرف موڑ دی اور اس طرح مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے ہم شہر کے نواح میں بودناتھ کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئے۔ جب ہم حویلی پہنچے تو ساڑھے نو بج رہے تھے۔

حویلی میں ایک نئے چہرے کو دیکھ کر میں ٹھٹک گیا۔ اس آدمی کا قد چھ فٹ تو ضرور رہا ہوگا۔ کسرتی بدن، مضبوط ہاتھ پیر اور گھری ہوئی رنگت۔ اس کے سر کے بال قریب سے تراشے ہوئے اور چہرے کے نقوش میں کسی حد تک چینیوں جیسی مشابہت تھی۔ اس نے پرانی جینز اور چمڑے کی بغیر آستین کی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ بالوں سے بھرا ہوا تھا اور گلے میں سیاہ رنگ کا ایک دھاگا پڑا ہوا تھا جس میں قریب قریب متعدد گرہیں لگی ہوئی تھیں۔

"یہ کون ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے پانڈے کی طرف دیکھا۔

"شیرپا۔" پانڈے نے جواب دیا "مدھو مالا کے باپ کا ملازم ہے۔ کبھی کبھی یہاں آجاتا ہے۔"

ہم کار سے اتر کر برآمدے میں آگئے۔ شیرپا نے ہم دونوں کو سلام کیا اور ہمارے لیے اندر جانے کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اس کا انداز فدویانہ تھا۔ اس سے میں نے فوراً ہی اندازہ لگالیا کہ وہ بڑا نستعلیق اور خدمت گزار قسم کا آدمی ہے۔

مدھو مالا اور بلا کمرے میں تھیں۔ آواز سن کر وہ بھی لاؤنج میں آگئیں۔ نیپالی ملازمہ نے بتایا کہ کھانا تیار ہوچکا ہے۔ پانڈے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نیپالی ملازمہ میز پر کھانا لگانے لگی۔ شیرپا بھی اس کی مدد کررہا تھا۔

جب میں اسپتال میں داخل تھا اور بعد میں بھی مایا متی کے ساتھ رہ رہا تھا تو وہ مجھے نیپال کے بارے میں دلچسپ باتیں بتاتی رہتی تھی۔ اس نے مجھے شیرپا قبیلے کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ نیپال کی بارہ ملین آبادی میں شیرپا قبائلیوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی اور یہ نسل رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بکھرے ہوئے شیرپا قبائلی نیپال کے بلند برف پوش پہاڑوں پر آباد ہیں۔ سردیوں کے موسم میں بھی یہ لوگ سطح سمندر سے کم از کم ساڑھے بارہ، تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر رہتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں یہ لوگ نقل مکانی کرکے سولہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی تک چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ ان خطرناک پہاڑی راستوں پر، جہاں ایک عام آدمی قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا، یہ شیرپا قبائلی بے خوف و خطر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے چلے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں سر ایڈمنڈ ہیلری نے ۲۹۰۲۸ فٹ بلند ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی کو سر کیا تو اس کے ساتھ تینزنگ نامی آدمی ایک شیرپا ہی تھا۔ یہ دونوں دنیا کے پہلے انسان تھے جنہوں نے دنیا کی بلند ترین چوٹی کو پہلی مرتبہ سر کیا تھا۔ آج بھی کوہ پیما ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کرنے کا عزم کرتے ہیں تو سامان اٹھانے کے لیے شیرپا قلیوں ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس وقت کھانے کے دوران شیرپا قبیلے ہی کے بارے میں باتیں ہورہی تھیں۔ وہ شخص جو اس وقت ہمارے سامنے موجود تھا اس کا اصل نام لاچیوت تھا۔ وہ بھی ہماری باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا اور اپنے قبیلے کی بعض دلچسپ رسموں کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"ہم سے زیادہ دلچسپ تو مستانگ قبیلہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ قبیلہ تبت کی سرحد کے قریب تقریباً بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر مستانگ نامی علاقے ہی میں آباد ہے۔ یہ لوگ اگرچہ بدھ مت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی بعض رسمیں بدھ کے پیروکاروں سے بالکل مختلف ہیں۔ مستانگ قبیلے کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی آبادی میں

زیادہ تعداد مردوں کی ہے۔ عورتوں کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ کن انکھیوں سے بلا اور مدھو مالا کی طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "یہاں شادی بیاہ کے رسم و رواج دنیا سے بالکل مختلف ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی مرد یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ رات گزارے لیکن متانگ قبیلے کی عورتیں دو دو' تین تین اور بعض اوقات چار چار شادیاں کرتی ہیں لیکن شوہروں کا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ وہ بڑے اتفاق سے مل جل کر رہتے ہیں اور مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔ متانگ ہی میں آباد بعض قبیلے ایسے ہیں جن کی شادی کی رسمیں ان سے بھی مختلف اور زیادہ دلچسپ ہیں۔"

"وہ بھی بتادو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اس قبیلے میں ایک لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے تو اسے اپنے شوہر کے بھائیوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ شوہر کی طرح اس کے بھائیوں کا بھی لڑکی پر اتنا ہی حق ہوتا ہے۔ لڑکی کوئی اعتراض نہیں کرتی۔ البتہ اسے یہ دھیان رکھنا ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ میں پلنے والے بچے کا باپ ان بھائیوں میں سے کون ہے۔"

"خاصا مشکل کام ہے۔" میں نے کہا۔

"عورتوں کے حصے میں تو ہمیشہ مشکل کام ہی آتے ہیں۔ عیش تو مرد کرتے ہیں۔" مدھو مالا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں لاجواب سا ہو کر رہ گیا۔

کھانے کے بعد ہم لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔ لاجپوت شیرپا برتن سمیٹنے اور دھونے میں بھی نیپالی ملازمہ کی مدد کرتا رہا پھر وہ ہمارے لیے کافی بنا کر لے آیا۔ اس نے کافی کے مگ ہمارے سامنے رکھے اور خود قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور باتوں کا سلسلہ ایک بار پھر چل نکلا۔ شیرپا نیپال کے اونچے برف پوش پہاڑوں میں آباد مختلف قبیلوں کے بارے میں یہ دلچسپ باتیں بتاتا رہا اور ہمیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں رہا اور جب گھڑی کی طرف دیکھا تو دو بج رہے تھے۔ مدھو مالا اور بلا تو نجانے کب وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ان دونوں میں خوب گاڑھی چھننے لگی تھی اور وہ دونوں رات کو سوتی بھی اکٹھی ہی تھیں۔

مجھے بھی جماہیاں آنے لگی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد میں بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

○☆○

دو دن اور گزر گئے۔ اس دوران صرف ایک بار اعظم خان سے ٹیلی فون پر میرا رابطہ ہوسکا تھا۔ وہ اور ڈیرہ ناگ پال والے معاملے میں مصروف تھے اور اعظم خان نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں فی الحال پانڈے کی حویلی ہی میں رہوں۔

پانڈے بھی ٹیلی فون پر دینا ناتھ سے رابطہ رکھے ہوئے تھا لیکن دین دیال وغیرہ کے بارے میں اسے مزید کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

پانڈے خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا لیکن میں مطمئن نہیں تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

اس رات میں اور پانڈے دیر تک لان میں بیٹھے رہے۔ چاندنی میں اردگرد کا ماحول بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ ہمارا گفتگو کا موضوع ناگ پال ہی تھا۔ دیش مکھ ختم ہو چکا تھا۔ جس مشن پر اس کے پیچھے آیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ شوبھا اس کے چنگل سے چھڑا لیا گیا تھا۔ دیش مکھ بھی اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شوبھا کو لے کر ہندوستان واپس چلے جانا چاہیے تھا لیکن یہاں کچھ اور نئے مسائل سامنے آگئے تھے اور مجھ جیسا خدائی فوج دار ان سے نظریں نہیں چرا سکتا تھا۔ انسپکٹر اعظم خان نے شوبھا والے معاملے میں میری بڑی مدد کی تھی۔ وہ اپنے ایک مشن پر یہاں آیا تھا۔ مجھے ان سیاسی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ناگ پال یہاں بہت اونچا سیاسی کھیل کھیل رہا تھا اور مجھے صرف ان معاملات سے دلچسپی تھی جن کے لیے یہ کھیل کھیلا جارہا تھا اور بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا جارہا تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ جنرل کھوراٹ کو کم از کم اس خطے میں اس گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا جس کے لیے راہ ہموار کی جارہی تھی لیکن ان ہنگاموں کی وجہ سے سارا گڑبڑ ہوگئی تھی۔ میں شہر سے دور اس حویلی میں دبک کر رہ گیا تھا۔ سوبھا وغیرہ سے بھی میرا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ پانڈے کو ناگ پال سے صرف اس حد تک دلچسپی تھی کہ وہ اپنا بچاؤ کرنا چاہتا تھا۔

چانگ لی کے بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ کن سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں نے حویلی سے باہر نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلے روز پانچ بجے کے قریب میں اکیلا ہی اپنی گاڑی پر حویلی سے نکل گیا۔ شہر کی رونق لوٹ آئی تھی۔ لوگ سب کچھ بھول گئے تھے۔ سب سے پہلے میں نے اسپتال کا رخ کیا۔ شوبھا اب پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اس کے چہرے پر

شگفتگی بھی نظر آنے لگی تھی۔

میں ساڑھے سات بجے تک شوبھا کے پاس بیٹھا رہا اور جب واپسی کے لیے روانہ ہوا تو مایا متی بھی میرے ساتھ تھی۔

ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں چائے پی پھر مایا متی کو اس کے فلیٹ پر چھوڑا اور میں ریڈ لائٹ ایریا کی طرف نکل آیا جہاں پہلی مرتبہ سوبھا سے ملاقات ہوئی تھی۔ سوبھا اس ٹھکانے میں نہیں ملی تھا تاہم اس کے ایک اور آدمی سے سامنا ہوگیا جو مجھے گھنٹا گھر چوک پر لے آیا۔

سوبھا اپنے دو آدمیوں کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ نہایت گھٹیا سا ریسٹورنٹ تھا اس کے اوپر تین منزلہ مکان تھا جس میں رہائشی ہوٹل قائم تھا۔ یوں تو رہائشی ہوٹل میں آمدورفت کے لیے الگ راستہ تھا لیکن ریسٹورنٹ کے اندر سے بھی راستہ موجود تھا۔

میں سوبھا سے باتیں کررہا تھا کہ زینے سے دو آدمیوں کو اترتے دیکھ کر چونک گیا۔ ایک تو لمبا تڑنگا اور ہٹا کٹا آدمی تھا۔ سرمنڈا' آنکھیں سرخ اور مونچھیں اس طرح گچھے دار تھیں جیسے گلہریوں کی دُمیں چپکا رکھی ہوں اور دوسرا آدمی دینا ناتھ تھا۔ پانڈے کا مخبر اور دوست۔ دراصل میں اسی کو دیکھ کر چونکا تھا۔

دینا ناتھ نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس لمبے تڑنگے آدمی کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ دوسرا لمبا تڑنگا آدمی یا تو دین دیال تھا یا اس کا ساتھی لیکن دینا ناتھ کو اس کے ساتھ دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ دینا ناتھ واپس آئے تو مجھے دیکھ لے۔ میں سوبھا کو لے کر اٹھ گیا اور گاڑی میں بیٹھ کر ہم اس علاقے سے بہت دور ایک اور ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔

"اب سب سے پہلے تمہیں چانگ لی کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔" میں نے سوبھا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "وقت گزرتا گیا تو انہیں یہاں قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔"

"میں نے اس چینی کاٹھ کا نام معلوم کرلیا تھا لیکن اسی روز ہنگامے شروع ہوگئے۔ اتفاق سے کل میں اس طرف گیا تھا لیکن وہ کہیں اور چلا گیا ہے۔ میں ایک دو دن میں معلوم کرلوں گا لیکن تمہیں کہاں اطلاع دی جائے۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"تم مجھے اپنا کوئی ایسا پتا دو جہاں روزانہ کم سے کم ایک گھنٹا خود موجود رہو۔" میں نے کہا۔

"میں روزانہ شام چھ سے آٹھ بجے کے دوران اس نمبر پر موجود رہوں گا۔" سوبھا نے ایک کاغذ پر نمبر لکھ کر میری طرف بڑھا دیا "یہ دربار اسکوائر کے ایک ریسٹورنٹ کا نمبر ہے۔ میرا نام بتاؤ گے تو مجھے فوراً ہی بلا لیا جائے گا۔"

"ایک بات اور۔" میں نے کاغذ جیب میں رکھتے ہوئے کہا "دینا ناتھ کو جانتے ہو؟"

"ہم پہلے جس ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے میں نے اسے وہاں دیکھا تھا اور میرا خیال ہے تم اسی کی وجہ سے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔" سوبھا نے کہا۔

"ہاں۔ ٹھیک سمجھے۔ وہی دینا ناتھ۔" میں نے کہا "اپنا ایک آدمی اس کی نگرانی پر لگا دو۔ میں اس کی سرگرمیوں سے آگاہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کام تو میں آج ہی سے شروع کروا دیتا ہوں۔ وہ رات نو بجے کے بعد عام طور پر اندرا چوک کے آس پاس ہی رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔" میں نے سیٹ چھوڑ دی اور سوبھا سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سوبھا وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

میری گاڑی شہر سے نکل کر بودناتھ کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ اس وقت نو بج رہے تھے۔ یہ سڑک بالکل سنسان تھی۔ پورے راستے میں صرف ایک گاڑی سامنے سے آتی ہوئی ملی تھی۔

حویلی والے راستے پر مڑتے ہی میں نے کار روک لی۔ چاندنی رات میں اونچے ٹیلے پر حویلی کا ہیولا بڑا پراسرار منظر پیش کررہا تھا۔ اگر ایسے میں اچانک ہی عورتوں کے بین کرنے' رونے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو پتا پانی ہوجائے۔ میں کافی دیر حویلی کی طرف دیکھتا رہا اور پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس رات میں نے پانڈے کے سامنے دینا ناتھ کے حوالے سے اپنے خدشات کا اظہار کردیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں سی ابھر آئیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ دینا ناتھ ہی تھا۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"میں جو چہرہ ایک مرتبہ دیکھ لیتا ہوں اسے کبھی نہیں بھولتا۔" میں نے جواب دیا "دینا ناتھ کو اس شخص کے ساتھ دیکھ کر مجھے شبہ ہی نہیں یقین ہوگیا ہے کہ وہ تمہارے خلاف

کوئی سازش کررہا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف تو تم بھی کرو گے کہ دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ہر شخص دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تم نے دولت کے لیے اپنی ساری زندگی کی نیکیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ تم جیسا فرض شناس اور دیانت دار شخص دولت کے لالچ میں آسکتا ہے تو دینا ناتھ جیسے شخص کی کیا حیثیت ہے۔ وہ لوگ تو ہیں ہی دولت کے پجاری۔ چرس اور ہیروئن بیچنے والے۔ ایک ایک روپے کے لیے لڑنے والے۔ انہیں صرف اور صرف دولت سے محبت ہے۔ کسی کی زندگی کی انہیں کوئی پروا نہیں۔ پچھلے دنوں اس شہر میں جو کچھ بھی ہوا ہے سب کچھ دولت کی ہوس میں ہی تو ہوا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"دینا ناتھ تو ناگ پال کا ایک معمولی سا کارندہ ہے۔ ایسے لوگ تو جلدی لالچ میں آجاتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ دین دیال نے دینا ناتھ کو لالچ دیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی حصہ طے ہوگیا ہو اور دینا ناتھ ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوگیا ہو۔ میں نے جب پہلی بار اسے دیکھا تھا تو اپنے خدشات کا اظہار کردیا تھا اور اب پھر تمہیں خبردار کررہا ہوں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" پانڈے نے گہرا سانس لیا "اس کا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ میں کل ہی۔۔۔"

مدھو مالا اور بلا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے جملہ مکمل نہیں کیا اور پھر میں نے بھی موضوع بدل دیا۔

اس رات کھانے کے بعد مدھو مالا پانڈے کو لے کر اپنے کمرے میں گھس گئی اور میں بلا کو لے کر اوپر ایک کمرے میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد شیرا بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی مانوس ہوگیا تھا اور اس کی زیادہ گپ شپ میرے ساتھ ہی ہوتی تھی۔ وہ بیڈ کے قریب قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور نیپال کے برف پوش پہاڑوں میں آباد مختلف قبیلوں کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ کرنے لگا۔

بارہ بجے کے قریب شیرا نیچے چلا گیا تو میں نے کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا اور کھڑکی میں کھڑے ہو کر نشیب میں دور تک پھیلی ہوئی وادی کو دیکھنے لگا۔ چاندنی رات میں وادی کا یہ منظر دلچسپ بھی تھا اور دل فریب بھی۔

میں کافی دیر کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا پھر مڑ کر بیڈ کی طرف آگیا۔ بلا سو چکی تھی۔ وہ اس طرح آڑی ترچھی پھیلی ہوئی تھی کہ میں لیٹنا چاہتا تو اسے ایک طرف ہٹانا پڑتا۔ میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور سیٹی پر لیٹ گیا اور فوراً ہی میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

چیخ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب ہوئے نیند میں چیخی ہوگی لیکن وہ پرسکون اور گہری نیند تھی۔

میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف ساڑھے تین بج رہے تھے۔ میرے دماغ میں سنسنا ہو رہی تھی۔ وہ نسوانی چیخ شاید میرا واہمہ تھی۔ میں لیٹ گیا لیکن اسی لمحے چیخ کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ واہمہ نہیں تھا۔ نچلے ہال سے نیپالی ملازمہ کے چیخنے کی سنائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میں ایک جھٹکے سے سیٹی سے اٹھ گیا۔ بلا بھی جاگ گئی تھی۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ وحشت زدہ سی نظروں سے ادھر دیکھنے لگی۔

"شی!" میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا "پستول کہاں ہے؟" میرا لہجہ بھی سرگوشی تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ تو نیچے ہے۔ سوٹ کیس میں۔" بلا نے جواب دیا۔

نیچے سے چیخنے اور اٹھا پٹخ کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کھیل شروع ہوچکا تھا۔ میں نے بلا کو کمرے ہی میں رہنے کا اشارہ کیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ لمحے فائر اور اس کے ساتھ ایک نسوانی چیخ کی آواز گونجی۔ نیپالی ملازمہ کی چیخ تھی۔ مدھو مالا کے چیخنے کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

میں ہال میں دبے قدموں بالکونی کی طرف بڑھا ریلنگ کے قریب پہنچ کر میں نے نیچے جھانکا لیکن وہاں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ میں زینے کی طرف آگیا۔ چند سیڑھیاں کر میں نے بالکونی کی چھت کے نیچے جھانکا تو مجھے اپنا کے بجائے کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ تین آدمی تھے اور میرے خدشات بالکل درست ثابت ہوئے تھے۔ ان میں ایک دینا ناتھ تھا۔ دوسرا تزنگا دین دیال جس کے ساتھ دینا ناتھ کو ریسٹورنٹ میں ہوئے دیکھا تھا۔ تیسرا آدمی بھی لمبا تزنگا تھا لیکن اس میرے لیے اجنبی تھا۔

ان میں سے ایک نے پانڈے کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ دین دیال نے شیرپا کو پیچھے سے اس طرح گرفت میں لے رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر شیرپا کی گردن کو چھو رہا تھا۔ دینا ناتھ نے مدھومالا کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ مدھو مالا کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔

"تم بہت چالاک بنتے تھے پانڈے۔" دینا ناتھ کہہ رہا تھا "میں تو پورے خلوص سے تمہارے لیے کام کرنے کو تیار ہوگیا تھا لیکن تم نے مجھ پر بھروسا نہیں کیا۔ دین دیال نے جب بتایا کہ معاملہ کروڑوں روپے کے خزانے کا ہے تو میرا ایمان بھی ڈانواں ڈول ہوگیا۔ ہمارا ایمان ہی کہاں ہے۔ ہم تو دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ جہاں چمک دکھائی دی اسی طرف مڑ گئے۔"

"تم پر مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔ اس لیے میں نے تمہیں اپنے اس ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن۔۔۔ تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟" پانڈے نے کہا۔

"تھوڑی سی عقل میری کھوپڑی میں بھی ہے جسے میں کبھی کبھی استعمال کرلیتا ہوں۔" دینا ناتھ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم نے مجھے اپنے کسی ٹھکانے کے بارے میں کبھی نہیں بتایا لیکن اس رات میں نے تمہاری گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیا تھا اور پھر وہیکل رجسٹریشن آفس سے تمہارا پتا معلوم کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ہم تو کل ہی یہاں آجاتے لیکن یہ مہاشے کچھ اور تسلی کرلینا چاہتے تھے۔"

"تمہارے لیے اب ایک ہی راستہ ہے انسپکٹر پانڈے" دینا ناتھ کے خاموش ہوتے ہی دین دیال بول پڑا "کالی کے مندر سے لوٹی ہوئی دولت ہمارے حوالے کردو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ حویلی، کار اور لونڈیا تمہارے پاس ہی رہے گی۔ ہم تمہیں چند لاکھ کی بھینٹ بھی دے دیں گے تاکہ تمہیں سڑکوں پر ہاتھ پھیلا کر بھیک نہ مانگنی پڑے۔ انکار کی صورت میں پہلے اس لونڈیا کا حشر خراب کیا جائے گا۔ تمہارے سامنے اور پھر تم۔۔۔ تمہیں ہم آسانی سے نہیں ماریں گے۔ اس وقت تک نہیں مرنے دیں گے جب تک تم لوٹا ہوا خزانہ ہمارے حوالے نہیں کردو گے۔"

"تم میرے ٹکڑے بھی کرڈالو تو میں خزانہ تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔" پانڈے نے جواب دیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک اور آدمی سیڑھیوں کے نیچے والے کمرے سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس کا چہرہ میں نہیں دیکھ سکا تھا لیکن وہ بھی اپنے دوسرے دونوں ساتھیوں کی طرح کیم سنگھ تھا۔

"وہ نیچے کسی کمرے میں نہیں ہے۔" اس کی آواز سماعت سے ٹکرائی "وہ یقیناً مجھے تلاش کررہا تھا۔"

"اوپر جاکر دیکھ پنڈت موہن۔" دینا ناتھ نے کہا شام کو میں نے اسے اسی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا کے ساتھ رہتا ہے۔ کہیں چھپ گیا ہوگا۔"

پنڈت موہن سیڑھیوں کی طرف گھوم گیا۔ اس میں بھی پستول تھا۔ اس طرف مڑتے ہی اس کی نظر اٹھ گئی تھیں۔ میں اس کی نظروں سے چھپا نہیں اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے چیختے ہوئے بڑی تیزی سے ہاتھ اوپر اٹھا کر گولی چلا اندھا دھند چلائی گئی گولی میرے سر کے اوپر سے نے پنڈت موہن کو دوسرا فائر کرنے کا موقع نہیں دیا۔

میں پوری قوت سے اپنی جگہ سے اچھلا اور ریلنگ کے اوپر سے ہوتا ہوا پنڈت موہن کے اوپر اسے ساتھ لیتا ہوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ پنڈت موہن سے نہ صرف چیخ نکل گئی تھی بلکہ پستول بھی اس کے ہاتھ چھوٹ گیا تھا۔

صورت حال ایک دم بدل گئی۔ پنڈت موہن کی فائر کی آواز نے دین دیال وغیرہ کو ایک لمحے کو بدحواس تھا۔ شیرپا اور پانڈے نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ پانڈے اپنے حریف پر جھپٹا۔ اس کے حریف کے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول ہوا میں اڑ سیڑھیوں پر جاگرا۔ وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔

شیرپا نے بھی اپنے حریف کو پلٹ دیا تھا۔ دین دیال کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل دھب سے شیرپا اٹھ کر اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ دینا ناتھ نے مدھو چھوڑ کر اس کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گرا۔ دین دیال کا خنجر اگرچہ اس کے ہاتھ نہیں رہا تھا لیکن اس نے شیرپا پر چھلانگ لگا دی۔ دینا ناتھ بھی شیرپا کی طرف جھپٹا تھا۔ شیرپا بڑی خوب سے ان دونوں کا مقابلہ کررہا تھا۔

میرا حریف پنڈت موہن مجھ سے اس طرح لپٹا ہوا میں اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے جھکتا چلا گیا۔ پنڈت موہن میرے اوپر سے قالین پر گرا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو موہن پڑے پڑے میرے سینے پر زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ پشت کے بل گر گیا۔ موہن نے دین دیال والا خنجر

مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں اس وقت دونوں کہنیاں زمین پر ٹکائے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ پنڈت موہن نے خنجر کو تلوار کی طرح پکڑ کر میرے سینے پر وار کیا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا وہ حیرت انگیز تھا۔ خنجر میرے سینے پر لگا تو چھناکے کی ایسی آواز سنائی دی جیسے لوہے سے لوہا ٹکرایا ہو۔ پنڈت موہن کے ہاتھ کو بھی اسی طرح زوردار جھٹکا لگا تھا جیسے اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو۔ وہ خود بھی پیچھے الٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت ابھر آئی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے گلے کی طرف اٹھ گیا۔ میری انگلیاں اس پراسرار مالا کو چھونے لگیں جو نیلگری اس روز اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گئی تھی۔

پنڈت موہن نے بھی میرے گلے میں سیاہ پتھروں کی وہ مالا دیکھ لی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت پھیلتی چلی گئی۔ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس نے بچنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں اسے رگیدتا چلا گیا۔

شیرپا نے دین دیال کی گردن اپنے سیدھے بازو کے شکنجے میں دبالی تھی۔ طاقت، قدوقامت میں وہ دونوں ایک جیسے تھے لیکن دین دیال اس کے مقابلے میں کچھ کمزور پڑ رہا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ شراب پینے کا عادی تھا اور شیرپا نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ وہ شراب اور کسی اور نشے کے کبھی قریب نہیں گیا تھا۔ دینا ناتھ بھی شیرپا پر بار بار حملہ کررہا تھا لیکن شیرپا کی لاتیں بھی چل رہی تھیں جس وجہ سے دینا ناتھ اپنے حملوں میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔

پانڈے اپنے حریف سے نمٹنے کی کوشش کررہا تھا۔ شراب نے پانڈے کو بھی اندر سے کھوکھلا کر رکھا تھا۔ اس کا حریف اس پر حاوی ہو رہا تھا۔ وہ پانڈے کو بری طرح رگید رہا تھا لیکن ایک مرتبہ پانڈے کو موقع مل گیا۔ اس نے اپنے حریف کو دور اچھال دیا اور یہ پانڈے کی بدقسمتی تھی کہ اس کا حریف صوفے کے قریب اس جگہ گرا تھا جہاں پستول پڑا ہوا تھا۔ پانڈے نے سنبھل کر اس پر چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس کا حریف پستول اٹھا چکا تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گولی چلا دی۔

شیرپا نے دین دیال کی گردن مروڑ دی تھی۔ وہ ایک طرف پڑا تڑپ رہا تھا۔ اسی دوران پنڈت موہن نے مجھے سر سے اوپر اٹھا کر ایک طرف اچھال دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں دیوار سے ٹکرا کر گروں گا لیکن مجھے یوں لگا جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے سنبھال لیا ہو۔ میں بڑے آرام سے پیروں کے بل زمین پر آیا تھا جیسے میں نے خود کسی اونچی جگہ سے چھلانگ لگائی ہو اور یہ وہی موقع تھا جب پانڈے کے حریف نے اس کے سینے میں گولیاں اتاری تھیں۔

"خبردار۔" پانڈے کے حریف کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

میں اس وقت پنڈت موہن کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس شخص نے ایک بار پھر چیخ کر مجھے خبردار کیا کہ میں اپنی جگہ سے حرکت نہ کروں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پستول کا رخ میری طرف کردیا لیکن ٹھیک اسی لمحے ہال کی فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔

یہ گولی بلا نے چلائی تھی جو بالکونی سے اتر کر زینے پر آگئی تھی اور اس نے زینے پر پڑا ہوا پنڈت موہن والا پستول اٹھا کر فائر کردیا تھا۔ گولی اس شخص کی ٹانگ پر لگی تھی جس نے مجھے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ بلا نے ایک اور گولی چلا دی۔ اس مرتبہ اس کا نشانہ خالی گیا۔ وہ شخص لنگڑاتا ہوا کچن میں گھس گیا۔

پنڈت موہن نے بھی اس طرف دوڑ لگا دی تھی۔ دینا ناتھ نے بھی ایک طرف بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن شیرپا نے اسے دبوچ لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک صوفے کے پیچھے لے گیا۔

کچن کی طرف سے چلائی جانے والی ایک گولی مدھومالا کی ٹانگ پر لگی جو ایک طرف کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی میں ایسا وقت پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ٹانگ پر گولی لگی تو وہ چیختی ہوئی نیچے گری۔

بلا نے بھی سیڑھیوں سے چھلانگ لگا دی۔ بلا بہت عرصے سے میرے ساتھ تھی۔ پہلے وہ بھی مدھومالا ہی کی طرح تھی۔ ناز اٹھوانے والی لیکن سارسکا کے جنگل میں پیش آنے والے واقعے کے بعد تو وہ ایک دم بدل گئی تھی۔ رشی کیش سے شوبھا اور سونیا کے اغوا کے بعد ہردوار میں اس نے غنڈوں پر جس طرح گولیاں چلائی تھیں وہ ایک قابل تعریف بات تھی اور اس وقت بھی گویا وہ فارم میں آگئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں پستول تھامے کچن کے عین سامنے آگئی اور پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ اس تابڑ توڑ فائرنگ سے بچنے کے لیے پنڈت موہن نے کچن کا دروازہ بند کردیا تھا۔

کچن میں مٹی کے تیل کا چولھا استعمال ہوتا تھا۔ کیروسین کا ڈرم کچن کے دروازے کے باہر کی طرف دیوار کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ بلا کی چلائی ہوئی آخری گولی اس ڈرم میں لگی۔ تیل کی دھار بہہ نکلی جس نے فوراً ہی آگ پکڑلی۔

کچن کے سامنے آگ بڑی تیزی سے پھیلنے لگی تھی۔ بلا اس آگ کی پروا کیے بغیر دوڑ کر کچن کے قریب پہنچ گئی۔ دروازہ بند ہی تھا۔ اس نے باہر سے کنڈا لگا دیا۔ فرش پر بہتا ہوا تیل دروازے کے نیچے سے کچن کے اندر داخل ہونے لگا۔ اس طرح آگ کے شعلے اندر بھی پہنچ گئے تھے۔ اندر سے دروازہ دھڑدھڑایا جانے لگا۔

شیرپا نے دینا ناتھ کو چھوڑ کر مدھومالا کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ دینا ناتھ نے ہال کے عقبی دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے لپک کر اسے پکڑلیا۔

شیرپا مدھومالا کو کندھے پر لاد کر باہر کی طرف دوڑا۔ آگ بڑی تیزی سے پھیلنے لگی تھی۔ میں نے چیخ کر بلا کو باہر نکل جانے کو کہا اور دینا ناتھ کو گھسیٹتا ہوا میں بھی دروازے کی طرف لپکا۔

شیرپا نے مدھومالا کو عمارت سے دور لے جا کر گھاس پر ڈال دیا اور دوڑتا ہوا پورچ میں پہنچ گیا۔

"صاحب جی۔ اپنا گاڑی نکالو۔ دور لے جاؤ۔ گیٹ کی طرف۔ جلدی کرو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا اور پانڈے والی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

میں نے دینا ناتھ کو بلا کے حوالے کردیا اور دوڑتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے اسے ریورس گیئر میں پیچھے گیٹ کی طرف لیتا چلا گیا۔ شیرپا بھی اپنی گاڑی پیچھے لے آیا تھا۔

حویلی کے ہال میں آگ پھیل گئی تھی۔ مٹی کا بہتا ہوا تیل جہاں بھی پہنچا تھا وہاں اس نے شعلے بھڑکا دیے تھے۔ اندر سے چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ پانڈے اور نیپالی ملازمہ کی لاشیں بھی اندر ہی تھیں۔ انہیں باہر نکالنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ چند منٹ میں پوری حویلی آگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔

میری کار کی ڈکی میں ایک رسی موجود تھی۔ میں نے رسی نکال کر دینا ناتھ کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وقت ہم جائیں گے کہاں۔

اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ مایا متی کا مکان موجود تھا اور وہ مکان ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔

"صاحب جی!" شیرپا کی آواز سن کر میں چونک گیا "بلے بی... کا ٹانگ سے خون بہہ رہا ہے۔ میں نے اسے کپڑا باندھ دیا ہے لیکن اس کا علاج ضروری ہے۔ آپ اپنا گاڑی پر بیٹھ کر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔"

میں نے پانڈے والی گاڑی کی طرف دیکھا۔ مدھومالا سیٹ پر نیم دراز تھی۔ اس نے دانت بھینچ رکھے تھے۔ چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

"کہاں چلو گے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ ہمارے پیچھے آؤ۔" شیرپا نے یہ کہتے ہوئے حویلی کا پھاٹک کھول دیا اور پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

میں نے بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ بلا بھی دوسری سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ حویلی کے اندر آگ پھیل چکی تھی۔ شعلے اب کھڑکیوں سے باہر لپک رہے تھے۔ تپش سے شیشے چٹخ چٹخ کر ٹوٹ رہے تھے۔ لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازوں اور شعلوں کی بھربھراہٹ میں بیڈ مومن اور اس کے ساتھی کی چیخوں کی آوازیں دب گئی تھیں یا پھر وہ جل کر بھسم ہوچکے تھے۔

حویلی کے پھاٹک سے باہر نکل کر میں نے شیرپا کی گاڑی کو آگے نکلنے کا راستہ دے دیا اور اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔

دونوں گاڑیاں پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی ایک دوسرے کے پیچھے دوڑنے لگیں۔ ان خطرناک راستوں پر شیرپا بڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کررہا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے بھی اپنی کار کی رفتار تیز رکھنی پڑ رہی تھی۔ کیونکہ یہ راستہ وہ نہیں تھا جس سے میرا شہر آنا جانا رہتا تھا۔ دائیں بائیں پہاڑیوں میں کئی تنگ سے راستے تھے اور اگر شیرپا کسی ایسے راستے پر مڑ جاتا تو میرے لیے اسے تلاش کرنا مشکل ہوجاتا۔

شیرپا کی گاڑی ایک طویل چکر کاٹ کر دریائے بھاگ متی کی طرف نکل آئی تھی۔ دریا کی طرف مڑتے ہوئے میں نے گردن گھما کر پہاڑیوں کی طرف دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس طرف آسمان پر گویا آگ سی لگی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے ان پہاڑیوں کے بیچ میں کسی جگہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ حویلی میں لگی ہوئی آگ کے شعلوں کی سرخی نے اس طرف کی فضا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

دونوں گاڑیاں بھاگ متی کے کنارے کے ساتھ ساتھ

ایک ناہموار سے راستے پر دوڑتی ہوئی پلشپائی ناتھ ڈسٹرکٹ میں گوری گھاٹ مندر کی طرف نکل آئیں۔ دریائے بھاگ متی رنگ روڈ کے ساتھ ساتھ للت پور کی طرف چلا گیا تھا اور شیرپا کی گاڑی نکسل روڈ کی طرف مڑ گئی تھی اور پھر رائل پلس کے قریب لازم روڈ سے ہوتے ہوئے ہم سومبا ناتھ کی طرف نکل آئے۔

یہ بھی شہر کا پوش علاقہ تھا۔ بڑے بڑے بنگلے تھے۔ ایک بہت بڑے بدھ اسٹوپا کے قریب سے گزرتے ہوئے شیرپا کی کار ایک کشادہ گلی میں داخل ہو کر ایک بنگلے کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ میں نے بھی گاڑی اس کے پیچھے روک لی۔

رات کا آخری پہر تھا۔ ہمیں شہر میں سے گزرتے ہوئے بھی کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی اور یہ تو رہائشی علاقہ تھا۔ یہاں تو بالکل سناٹا تھا۔ شیرپا نے دو تین مرتبہ کار کا ہارن بجایا تو تب کہیں ایک بوڑھے نے گیٹ کھولا تھا۔ اس کے جسم پر مخصوص نیپالی لباس تھا۔ وہ گہری نیند سے جاگا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

یہ بہت بڑا بنگلا تھا۔ دونوں کاریں آگے پیچھے رک گئیں۔ میں انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ شیرپا نے مجھ سے پہلے ہی اپنی گاڑی سے اتر کر مدھومالا کو گود میں اٹھالیا تھا۔

ہم دونوں اس بوڑھے نیپالی سے پہلے ہی برآمدے سے ہوتے ہوئے ہال میں آگئے۔ شیرپا نے مدھومالا کو ایک صوفے پر لٹا دیا اور ٹیلی فون کی طرف لپکا۔

میں مدھومالا کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دائیں ٹانگ کو پکڑ رکھا تھا۔ گولی گھٹنے سے چھ سات انچ اوپر ران میں لگی تھی اور گوشت میں پیوست ہوگئی تھی۔ شیرپا نے اس جگہ اگرچہ پٹی باندھ دی تھی لیکن خون رس رہا تھا۔

شیرپا نے فون کا ریسیور پٹخ دیا اور غصے میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی ڈاکٹر کو فون کررہا ہے۔

"وہ ڈاکٹر کم بخت یا تو سو رہا ہے یا گھر پر نہیں ہے۔ کال ریسیو نہیں ہورہی۔" شیرپا بولا۔

"میری گاڑی سے دینا ناتھ کو اٹھا کر اندر لے آؤ۔ میں ڈاکٹر کا بندوبست کرتا ہوں۔" میں یہ کہتے ہوئے باہر آگیا۔

بلا اس وقت تک گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آچکی تھی۔ شیرپا نے پچھلی سیٹ پر بندھے ہوئے دینا ناتھ کو اٹھالیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو گیٹ کی طرف ریورس گیئر میں ہی لیتا چلا گیا۔

شہر کی سنسان سڑکوں پر تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ ویشالی ڈسٹرکٹ میں سپر مارکیٹ کے قریب مایا متی کے فلیٹ تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

مایا متی مجھے اپنے سامنے دیکھ کر بدحواس سی ہوگئی۔

"کیا بات ہے۔ خیریت۔ بلا تو ٹھیک ہے نا۔" اس کے لہجے میں نیند کا خمار تھا۔ آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"بلا ٹھیک ہے۔ ایک اور ایمرجنسی ہے۔" میں نے کہا اور مختصر طور پر اسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بولا "تمہارے پاس کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں ضرور ہوں گی جس سے گولی نکالنے میں مدد مل سکے۔ اب جلدی سے میرے ساتھ چل پڑو۔"

مایا متی الماری کھول کر ضروری چیزیں بیگ میں رکھنے لگی۔ وہ فلیٹ میں اکیلی تھی۔ اس کے ساتھی کو تو کئی روز پہلے دیش کھ کے آدمیوں نے گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا تھا۔

ضروری چیزیں بیگ میں ڈالنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے بدلنے لگی اور اس کام میں اسے چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور اس کے دو تین منٹ بعد ہماری گاڑی تیز رفتاری سے سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

اس وقت پانچ بج چکے تھے۔ سڑکوں پر اب اکا دکا گاڑیاں بھی نظر آنے لگی تھیں لیکن مجھے شیرپا والی کوٹھی تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

مدھومالا کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ زخم سے خون اگرچہ زیادہ نہیں بہا تھا لیکن خوف زیادہ تھا جس نے اسے نڈھال کردیا تھا۔

مدھومالا بھی اس وقت شب خوابی کے لباس میں تھی۔ یہ میکسی قسم کا لباس تھا جس کا ایک حصہ خون آلود ہوگیا تھا۔ مایا متی نے فوراً ہی اپنا کام شروع کردیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس کے پاس گھر میں ایسی چیزیں موجود تھیں جو اس وقت کام آرہی تھیں۔ خاص طور پر لوکل انستھیسیا کا انجکشن تو بہت کام دے رہا تھا۔

بلا، مدھومالا کے پاس اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کی نظریں اپنے زخم کی طرف نہ اٹھ سکیں۔ جبکہ میں اس آپریشن میں مایا متی کی مدد کررہا تھا اور شیرپا زخمی بھیڑیے کی طرح غراتا ہوا آس پاس ہی ٹہل رہا تھا۔

مایا متی تیز دھار نشتر کی مدد سے زخم کو اندر سے کریدتی رہی۔ گولی گوشت میں آڑی ہو کر پھنس گئی تھی اور اسے

نکالنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مایا متی تجربہ کار نرس تھی۔ وہ کئی نازک آپریشنوں میں اسپتال کے سرجن کی مددگار رہی تھی۔ اس کا اسپتال کا تجربہ اس وقت کام آیا اور وہ یہ آپریشن کرنے میں بھی کامیاب رہی۔ گولی نکل آئی۔

ڈریسنگ کے بعد مدھومالا کو کمرے میں لے جاکر بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ مایا متی نے اسے ایک اور انجکشن لگا دیا جس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

"اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" مایا متی نے کہا "میں شام کو آکر دیکھ لوں گی۔ چند روز آرام کی ضرورت ہے۔ بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔"

مایا متی نے ناشتا ہمارے ساتھ ہی کیا اور جب وہ جانے لگی تو شیرپا تیار ہوگیا۔

"چلو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

شیرپا کو واپس آنے میں تقریباً پون گھنٹا لگا تھا۔ میں اس وقت لان میں درخت کے نیچے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا بنگلا تھا۔ ایک طرف مصنوعی پہاڑی بنی ہوئی تھی جس پر جا بجا پودے لگے ہوئے تھے اور پانی کا ایک جھرنا بہہ رہا تھا۔ شیرپا نے اندر جاکر مدھومالا کو دیکھا اور پھر میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر ہم مدھومالا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ شیرپا اس کے لیے بہت پریشان تھا اور میں اسے تسلی دے رہا تھا کہ اب اس کے لیے خطرے کی کوئی بات نہیں۔ وہ جلد اچھی ہوجائے گی۔

"وہ کون لوگ تھے؟" شیرپا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا "تمہاری ان سے کیا دشمنی تھی؟"

"ان کی دشمنی مجھ سے نہیں پانڈے سے تھی۔ وہ تینوں انڈیا سے آئے ہوئے پنڈت تھے۔ ان کے ساتھ دینا ناتھ بیمیں کا رہنے والا ہے۔ اس سے میں نے کچھ حساب کتاب کرنا ہے لیکن تم پانڈے کے بارے میں کیا جانتے ہو اور یہ بنگلا کس کا ہے؟"

"یہ بنگلا مدھومالا کے باپ کا ہے۔ وہ اپنے قبیلے کا سردار ہے۔ پہاڑوں میں اپنے قبیلے کے ساتھ رہتا ہے اور کبھی کبھار یہاں آتا ہے۔ چند مہینے پہلے پانڈے سے اس کی ملاقات ہوئی تھی جو مدھومالا کی وجہ سے دوستی میں بدل گئی اور مدھومالا اس کے ساتھ رہنے لگی۔ پانڈے کو میں بالکل نہیں جانتا۔ وہ کون ہے، کہاں سے آیا تھا؟ مجھے اس کے بارے میں سردار یا مدھومالا نے بھی کبھی نہیں بتایا تھا۔ میں نے کبھی پوچھا بھی نہیں۔ میں تو خدمت گار ہوں۔ سردار کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا لیکن تم شاید پانڈے کو اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ کون تھا اور پنڈتوں سے اس کی کیا دشمنی تھی۔"

"پانڈے انڈیا کا ایک پولیس آفیسر تھا اور کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے ایک مندر سے خزانہ چرا کر بھاگا تھا اور پورے ہندوستان کے پنڈت اسے تلاش کررہے تھے۔" میں نے جواب دیا اور پھر اسے پانڈے کے بارے میں بتانے لگا۔

"اوہ! اسی لیے سردار اس سے بہت خوش تھا۔ پانڈے نے اسے ایک نئی کار بھی لے کر دی تھی۔" شیرپا بولا۔

"کیا سردار بھی شیرپا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کا تعلق چین کی سرحد کے قریب آباد ایک کوداری قبیلے سے ہے۔ ان کی قدیم رسمیں بڑی عجیب و غریب ہیں۔ یوں تو یہ قبیلہ ان پہاڑوں میں چائے کی کاشت کرتا ہے لیکن ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ان کی عورتیں ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس قبیلے کی عورتیں بڑی حسین ہوتی ہیں۔" شیرپا نے جواب دیا "یہ عورتیں شادی کے بغیر بھی دوسروں کے ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتیں اور ان کے مرد اس کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ ایک عورت کئی دن، کئی مہینے یا کئی سال تک کسی مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ لڑکی کے گھر والوں کو اس کا کرایہ ملتا رہتا ہے۔ یہ کرائے دار پر منحصر ہے کہ وہ کسی عورت کو کتنا عرصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی سمجھ لو جیسے تم نے چھ مہینوں کے لیے کوئی مکان کرائے پر لیا۔ کرایہ پورا ہوگیا تو مکان چھوڑ دیا۔ یہ مرد کی پسند پر منحصر ہے کہ وہ کرائے کی مدت بڑھا بھی سکتا ہے۔"

"حیرت انگیز!" میں نے کہا۔

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔" شیرپا نے جواب دیا "میں نے تمہیں مستانگ قبیلے کے بارے میں بھی بتایا تھا جس کی عورتیں بیک وقت کئی کئی شادیاں کرتی ہیں۔ بہرحال، وہ آدمی کون ہے جسے تم باندھ کر یہاں لائے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ تمہارا بھی کچھ حساب ہے۔"

"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر اسے ان لوگوں کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "نیپال کے لوگ بہت سادہ لوح ہیں۔ یہ لوگ محنت و مشقت پر یقین رکھتے ہیں لیکن یہ لوگ ان کے خون میں ہیروئن کا زہر بھر کر ان کی زندگیوں کو نچوڑ لینا چاہتے ہیں۔ دینا ناتھ اسی گروہ کا آدمی ہے۔ جو اتفاق سے ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں اسی سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر چلو۔ دیر کیوں کررہے ہو۔" شیرپا ایک جھٹکے سے

اٹھ کر کھڑا ہوگیا "اس سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو اور پھر اس کا گلا گھونٹ کر لاش پہاڑیوں میں پھینک دیں گے۔ کتے اور بھیڑیے دعوت اڑائیں گے۔"

ہم اٹھ کر اندر آگئے۔ مدھومالا سو رہی تھی اور اس کے قریب ہی سیٹی پر بملا بھی پڑی سو رہی تھی۔ ہم اس کمرے میں آگئے جہاں دینا ناتھ بندھا ہوا پڑا تھا۔ اسے ابھی تک کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ شیرپا مجھے وہاں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے دینا ناتھ کے پیر کھول دیے اور زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

"ان پنڈتوں کو حویلی میں لانے والے تم تھے۔ تمہاری ہی وجہ سے ہماری بے بی کو گولی لگی ہے۔ یہ بات کوداری سردار تک ضرور پہنچے گی اور وہ ناگ پال کو زندہ نہیں چھوڑے گا لیکن اس سے پہلے میں تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بناؤں گا۔ اٹھو۔ نیچے تہ خانے میں چلو۔"

شیرپا اسے ٹھوکریں مارتا ہوا کمرے سے نکال لایا۔ تہ خانے کا راستہ سیڑھیوں کے نیچے تھا۔ اندر داخل ہوکر اس نے تہ خانے کا راستہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تہ خانے میں پہنچتے ہی شیرپا نے دینا ناتھ کے کولھے پر ایک اور زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"صاحب جی۔ اس سے جو پوچھنا ہے جلدی پوچھ لو۔ میں نے بھی اس سے حساب کتاب کرنا ہے۔" شیرپا نے کہا۔

میرے کہنے پر شیرپا نے پشت پر بندھے ہوئے دینا ناتھ کے ہاتھ بھی کھول دیے اور میں نے دینا ناتھ کے سامنے کھڑے ہوکر سوال جواب کا سلسلہ شروع کردیا۔ دینا ناتھ ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔

"چانگ لی کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا۔" دینا ناتھ نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں تم آسانی سے زبان نہیں کھولو گے لیکن تم جیسے بے ضمیر اور بے دین لوگوں کا علاج میرے پاس ہے۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے جبڑے پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔

دینا ناتھ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ وہ آستین سے خون پونچھنے لگا لیکن اسی وقت شیرپا نے اس کی کنپٹی پر گھونسا مار دیا۔ دینا ناتھ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔

"صاحب جی۔ آپ سوال پوچھو، دو سرا کام میں کرتا ہوں۔" شیرپا نے کہا اور دینا ناتھ کے منہ پر دو سرا گھونسا جڑ دیا۔

اور پھر میں سوال پوچھتا رہا اور شیرپا دینا ناتھ کی تواضع کرتا رہا۔ ایک موقع پر دینا ناتھ نے بھی شیرپا کے منہ پر گھونسا رسید کردیا۔ شیرپا کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا اور خون رسنے لگا۔

"مجھے ہاتھ مار کر بہت اچھا کیا تم نے۔" شیرپا غرایا "اب مجھے غصہ آئے گا اور میں تمہاری کچھ سیوا کرسکوں گا۔"

اور پھر شیرپا کو واقعی غصہ آگیا۔ وہ دینا ناتھ پر تابڑ توڑ حملے کرتا رہا۔ کبھی اسے اٹھا کر پٹخ دیتا اور کبھی اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کردیتا۔ دینا ناتھ واقعی بہت سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس کی چیخیں تہ خانے میں گونجتی رہیں اور بالآخر اسے زبان کھولنی ہی پڑی۔

اس نے جو کچھ بھی بتایا وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق ناگ پال کے دو آدمی ہنگاموں کے دوران جنوبی نیپال کی طرف چلے گئے تھے جہاں بیدادی کے قریب ہندوستان کی شمالی ریاست ہماچل پردیش کی سرحد ملتی ہے۔ وہ لوگ ہندوستان سے ہیروئن کی کھیپ لے کر کھٹمنڈو آنے والے ہیں۔ ہیروئن کی یہ کھیپ دھول گری کے پہاڑی سلسلے میں واقع شاہی شکارگاہ رائل دھرپتن ہنٹنگ ریزرو کے قریب بدی کے مقام پر پہنچائی جائے گی۔ جہاں سے اسے قسطوں میں کھٹمنڈو منتقل کیا جائے گا۔

دینا ناتھ کے کہنے کے مطابق ناگ پال کے کچھ آدمی، جن کے ساتھ جنرل کھوراٹ کے بھی دو آدمی موجود ہیں، کئی روز پہلے اس سرحدی علاقے میں پہنچ چکے ہیں۔ جہاں پوست بکثرت کاشت ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس علاقے میں ہیروئن کی فیکٹری لگانے کے امکانات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

"ناگ پال اور چانگ لی کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ناگ پال تو بیمیں ہے اور چانگ لی دو آدمیوں کے ساتھ بدی گیا ہوا ہے جہاں وہ ہماچل پردیش سے آنے والی ہیروئن کی کھیپ وصول کرے گا۔"

"کتنی ہیروئن لائی جارہی ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"کم سے کم پانچ سو کلو۔" دینا ناتھ نے جواب دیا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ پانچ سو کلو ہیروئن سے تو کھٹمنڈو کی پوری آبادی کو موت کی نیند سلایا جاسکتا تھا۔

"وہ لوگ ہیروئن لے کر کب بدی پہنچیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس مہینے کی چھ تاریخ کو۔" دینا ناتھ نے جواب دیا "اس کے دو دن بعد ڈیڑھ سو کلو ہیروئن کی پہلی قسط کھٹمنڈو پہنچادی جائے گی اور شہر میں ہیروئن کا جو سیلاب آئے گا اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"عقل مند لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو سیلاب آنے سے پہلے ہی بند باندھ لیں۔" میں نے کہا "ہمیں پتا چل گیا ہے اس لیے اب ہیروئن کا یہ سیلاب کھٹمنڈو کی طرف نہیں آئے گا اور تم۔"

"اس کے ساتھ اب میرا حساب باقی ہے۔" شیرپا نے میری بات کاٹ دی "کوواری سردار کو اگر پتا چل گیا کہ اس کی بیٹی کو ناگ پال کے کسی آدمی نے گولی مار کر زخمی کیا ہے تو وہ اپنے پورے قبیلے کے ساتھ ناگ پال پر چڑھ دوڑے گا۔ شہر میں ایک بار پھر خونی ہنگامے شروع ہوجائیں گے۔ کئی بے گناہ لوگ بھی مارے جائیں گے۔ اس لیے میں کوشش کروں گا کہ سردار کو اس واقعے کی اطلاع نہ ملنے پائے۔ بعد میں کسی وقت پتا چلے گا تو ہم اسے سنبھال لیں گے۔"

"تو پھر اس کا کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی ہڈیوں کا سرمہ بناؤں گا۔" شیرپا نے ہنستے ہوئے جواب دیا "تم اوپر چلے جاؤ صاحب جی۔ میں اس کو دیکھ لیتا ہوں۔"

میں چند لمحے شیرپا اور دینا ناتھ کی طرف دیکھتا رہا پھر اوپر آگیا۔ کمرے میں جھانک کر دیکھا تو بلا اور مدھو مالا اس وقت بھی سو رہی تھیں۔ میں نے بوڑھے نیپالی کو چائے کے لیے کہہ دیا اور باہر آکر درخت کے نیچے کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بلا بد حواسی کے عالم میں دوڑتی ہوئی باہر آئی۔

"یہ۔ یہ چیخوں کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔" وہ وحشت زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"گھبراؤ نہیں۔" میں نے جواب دیا "شیرپا تہ خانے میں دینا ناتھ کے ساتھ باکسنگ کی مشق کررہا ہے۔"

"اوہ!" بلا یہ کہتے ہوئے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد بوڑھا نیپالی دو کپ چائے لے آیا۔ اس نے غالباً بلا کو بھی آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

تہ خانے سے دینا ناتھ کی چیخوں کی آواز میں بھی سن رہا تھا۔ بیس پچیس منٹ بعد آوازیں بند ہوگئیں اور پھر شیرپا برآمدے والے دروازے سے باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے کندھے پر ایک بوری لاد رکھی تھی جس کا منہ رسی سے بندھا ہوا تھا۔ بوڑھا نیپالی بھی دوڑتا ہوا اس کے پیچھے ہی باہر آگیا تھا۔ اس نے کار کی ڈکی کھول دی۔

شیرپا نے بوری ڈکی میں ڈال دی اور بوڑھے سے کچھ کہتا ہوا ہمارے پاس آگیا۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا اس کے لیے بھی چائے لے آیا تھا۔ شیرپا کا چہرہ تاثرات سے بالکل عاری تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ڈکی میں رکھی جانے والی بوری میں کیا ہوسکتا ہے۔

"کہیں جارہے ہو شیرپا؟" بلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "اس بوری میں کیا ہے جو تم نے کار کی ڈکی میں رکھی ہے؟"

"دینا ناتھ کی لاش۔" شیرپا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

بلا ایک دم اچھلی۔ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ابکائی روکنے کی کوشش کی مگر اسے قے ہوگئی۔ میں اپنا کپ میز پر رکھ کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ شیرپا بھی پریشان ہوگیا۔ اس نے بوڑھے کو آواز دے کر ٹھنڈا پانی منگوایا اور بلا کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گیا۔

"معاف کرنا میم صاب!" وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا "مجھے آپ کے سامنے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پر کیا کروں۔ میں بہت سیدھا آدمی ہوں۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ آپ نے پوچھا بوری میں کیا ہے۔ میں نے بتادیا۔ آپ تو بہت بہادر عورت ہو۔ مجھے کیا پتا آپ کا طبیعت خراب ہوجائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہوجائے گی۔" میں نے شیرپا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کے آثار ابھر آئے تھے۔

بوڑھا نیپالی پانی لے آیا تھا۔ بلا نے کلی کی۔ منہ پر چھینٹے مارے اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ شیرپا چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بوڑھے کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کردیا تھا۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ حرکت میں آکر گیٹ سے باہر نکل گئی۔

میں تھوڑی دیر تک بلا کے ساتھ لان ہی میں بیٹھا رہا پھر اسے وہیں چھوڑ کر ہال میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر کے نمبر ملانے لگا۔ انسپکٹر اعظم خان کو معلوم تھا کہ میں پانڈے کی حویلی میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ حویلی میں آتش زدگی کی اطلاع تو صبح سویرے ہی شہر پہنچ گئی ہوگی اور ظاہر ہے پولیس بھی وہاں گئی ہوگی۔ اعظم خان کو جب پتا چلا ہوگا تو وہ بہت پریشان ہوا ہوگا۔

اعظم خان چند منٹ پہلے ہی دفتر پہنچا تھا۔ میری آواز

سنتے ہی وہ چیخ اٹھا۔

"ارے کہاں ہو تم! بلا کہاں ہے؟"

"ہم محفوظ ہیں۔" میں نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ بھاگ دوڑ کی وجہ سے تمہیں اطلاع نہیں دے سکا تھا۔"

"کیا ہوا۔ حویلی کو آگ کیسے لگی تھی۔" اعظم خان نے پوچھا۔

"اب صورت حال کیسی ہے۔ میرا مطلب ہے حویلی کی آگ۔"

"بہت خوفناک آگ تھی۔" اعظم خان نے بات کاٹ دی "پوری حویلی راکھ کا ڈھیر بن چکی ہے۔ ابھی تک ملبا نہیں ہٹایا جاسکا۔ شبہ ہے کہ اس ملبے میں کچھ لاشیں بھی دبی ہوئی ہیں۔"

"پانچ لاشیں۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے ان پنڈتوں کے بارے میں بتانے لگا جو پانڈے سے پرانا حساب کرنے آئے تھے "آگ محض اتفاق سے لگی تھی۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا "لیکن نیپالی ملازمہ اور پانڈے کو اس سے پہلے ہی گولیاں مار کر ہلاک کیا جاچکا تھا۔ ہم لوگ بروقت حویلی سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ہم اس وقت سومبانا تھ کے علاقے میں اسٹوپا کے آس پاس ایک بنگلے میں موجود ہیں۔ تمہارے لیے ایک اور دلچسپ اطلاع ہے لیکن ایک گھنٹے بعد میں خود تم سے ملوں گا۔"

"تم کانتی پاتھ کے قریب سدھارتھ ہوٹل آجاؤ۔ ایک گھنٹے بعد میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ تفصیل سے بات ہوگی۔" اعظم خان نے کہا۔

میں نے فون بند کردیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد شیرپا واپس آگیا۔ اس کی واپسی پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ دینا ناتھ کی لاش کو کہاں پھینک کر آیا تھا۔

مدھو مالا بھی جاگ گئی تھی۔ انستھیسیا کا اثر زائل ہوتے ہی ٹانگ میں تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ مایا متی ایسے ہی موقع کے لیے کچھ گولیاں دے گئی تھی۔ بلا نے اسے دو گولیاں کھلادیں۔ جن سے درد میں بتدریج کمی آتی چلی گئی۔

ایک گھنٹے بعد میں کانتی پاتھ سے ملحق ایک ذیلی سڑک پر واقع سدھارتھ ہوٹل میں انسپکٹر اعظم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ برندرا بھی تھا۔ میں ایک بار پھر انہیں حویلی میں پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"حویلی کی آتش زدگی کا پچھلے دنوں پیش آنے والے واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ میرے پاس ایک اور اطلاع ہے جو ناگ پال وغیرہ کے حوالے سے تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔"

"مثلاً؟" اعظم خان نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ناگ پال کے آدمی جنوب کے پہاڑی علاقے میں، جہاں پوست کی کاشت ہوتی ہے، ہیروئن کی فیکٹری لگانے کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل کے جنرل کھوراٹ کے بھی دو آدمی ہیں اور یہ بات میں نے تمہیں شروع میں بتائی تھی کہ جنرل کھوراٹ یہاں پوست کی کاشت والے علاقوں پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے اور ناگ پال جیسے بے ضمیر لوگ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے اس کی مدد کررہے ہیں۔ اب یہ سوچنا تم لوگوں کا کام ہے کہ ان کے اس منصوبے کو کس طرح ناکام بنایا جاسکتا ہے۔"

"تمہیں یہ اطلاع کہاں سے ملی کہ ناگ پال کے آدمی اس طرف جاچکے ہیں۔" یہ سوال برندرا نے کیا تھا۔

"کچھ مخلص قسم کے لوگ میرے لیے بھی کام کررہے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "سومبا کے بارے میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ وہ ناگ پال کا بدترین حریف ہے اور اس کی ناک میں رہتا ہے۔ یہ اطلاع مجھے اس سے ملی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" برندرا گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "جنوب میں دیپال اور سیل گڑھی میں ہمارے دو بڑے مضبوط پولیس اسٹیشن ہیں۔ پوست کی کاشت بھی زیادہ تر انہی علاقوں میں ہوتی ہے۔ اس سے پچاس ساٹھ کلومیٹر آگے بھارتی ریاست ہماچل پردیش کی سرحد ملتی ہے۔ میں آج رات ہی ان دونوں پولیس اسٹیشنوں کو اطلاع دے کر ان علاقوں کی نگرانی شروع کروادیتا ہوں۔ تاکہ مشتبہ افراد پر نگاہ رکھی جاسکے۔"

"اگر شروع ہی میں ان پر کاری ضرب لگادی جائے تو وہ لوگ اپنے قدم نہیں جماسکیں گے۔ ایک بات اور۔" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں چار تاریخ کو دھول گری ریچ میں واقع رائل دھرپتن ہنٹنگ ریزرو کی طرف جارہا ہوں۔ واپسی میں ایک دو دن لگ جائیں گے۔"

"وہاں تمہارا کیا کام ہے۔" اعظم خان نے مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھا "وہ ہنٹنگ ریزرو تو رائل فیملی کے لیے ہے۔ کسی عام آدمی کو وہاں جانے کی اجازت نہیں

ہے۔"

"میں جانوروں کا شکار کھیلنے نہیں جارہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "سنا ہے اس شکارگاہ کے آس پاس بھی کسی جگہ پر کھچڑی پک رہی ہے۔ میں یہی معلوم کرنے جارہا ہوں کہ کیا گڑبڑ ہے۔"

"کچھ چھپانے کی کوشش کررہے ہو؟" اس مرتبہ برندرا نے مجھے ٹھوکا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جھوٹ بولا "لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہیں اطلاع دینے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"میرا یہ کارڈ اپنے پاس رکھ لو۔" برندرا نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا "کوئی گڑبڑ ہو تو بلا تاخیر وہاں کے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کرلینا۔ وہ لوگ تمہاری ہر ممکن مدد کریں گے۔"

"لیکن میں دھرچپن میں نہیں رہوں گا۔ میری منزل تو اس سے بہت آگے ہے۔ بہرحال، میں کارڈ رکھ لیتا ہوں۔ شاید کہیں اور کام آجائے۔" میں نے جھجکتے ہوئے اس سے کارڈ لے کر جیب میں ڈال لیا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہماری یہ ملاقات ختم ہوگئی۔ میں وہاں سے اسپتال چلا گیا اور تھوڑی دیر شوبھا کے پاس بیٹھ کر واپس آگیا۔ جب میں کمرے سے نکل رہا تھا تو مایا متی نے کہا کہ وہ مدھومالا کو دیکھنے کے لیے شام کو آئے گی۔

اسپتال سے نکل کر میں کافی دیر تک بازاروں میں گھومتا رہا۔ کئی جگہوں پر کچھ دیر کے لیے رکا بھی۔ ہر شخص کی زبان پر بودھ ناتھ میں حویلی کی آتش زدگی کا ذکر تھا لیکن کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ حویلی میں آگ کیسے لگی تھی۔ ایک دو جگہوں پر یہ دلچسپ باتیں بھی سننے میں آئیں کہ یہ سب ان بدروحوں کی کارستانی تھی جنہیں اس دولت مند شخص نے کسی طرح وہاں سے نکال دیا تھا اور گزشتہ رات وہ بدروحیں واپس آگئی تھیں اور انہوں نے سب کچھ جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔

ہاں۔ وہ پنڈت بدروحوں سے بھی زیادہ خوفناک تھے جو عرصے سے سابق پولیس انسپکٹر پانڈے کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور بالآخر اسے جلا کر بھسم کر ڈالا تھا اور خود بھی اس آگ میں بھسم ہوگئے تھے۔

○☆○

چار دنوں میں مدھومالا کی حالت کافی بہتر ہوگئی تھی لیکن وہ ابھی چل پھر نہیں سکتی تھی اور پھر اس روز جب میں نے انہیں بتایا کہ ہم ماؤنٹ ایورسٹ کی طرف جارہے ہیں تو مدھومالا کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ شیرپا بھی افسردہ سا ہوگیا۔

"میں ایک بات بتاتا ہوں آپ کو صاحب جی۔" وہ جلدی سے بولا "تم اتنا مشکل سفر مت کرو۔ موسم بھی اچھا نہیں ہے۔ آپ کو واری چلے جاؤ۔ ہمارا بے بی کے قبیلے میں اپنا یہ گاؤں چانتا روڈ پر ہے۔ وہاں سے تم ساگر ماتا کا نظارہ کرسکے گا۔ بہت سے ٹورسٹ ساگر ماتا (ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی) کا نظارہ کرنے ادھر ہی جاتے ہیں۔ آپ بھی ادھر ہی جاؤ۔ سردار کو واری کو پتا چلے گا کہ تم اس کا بے بی کے پاس سے آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوگا۔ تمہارا بہت خاطر کرے گا۔"

"نہیں شیرپا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "پہلے ہم دیسولی بازار جائیں گے۔ ایک دن وہاں قیام کرنے کے بعد واپس کھٹمنڈو سے ہوتے ہوئے ایورسٹ کا رخ کریں گے۔"

اور پھر اسی شام میں اور بملا ان سے رخصت ہوگئے۔ اس وقت مایا متی بھی وہاں موجود تھی۔ میں نے اسے مدھومالا اور شوبھا کا خیال رکھنے کو بھی کہہ دیا تھا۔

اس وقت شام ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ شہر سے نکل کر میں نے گاڑی کا رخ جنوب میں پرتھوی ہائی وے کی طرف موڑ دیا۔ کیونکہ دیسولی کی طرف میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پرتھوی ہائی وے پہاڑوں میں بل کھاتی ہوئی گورکھا نامی شہر کی طرف چلی گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ آدھی رات سے پہلے ہم دو سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے پوکھارا پہنچ جائیں گے اور رات کا باقی حصہ وہاں گزار کر اپنی اصل منزل کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔

آدھے گھنٹے بعد سورج غروب ہوگیا۔ میں نے کار کے ہیڈ لیمپس روشن کردیے اور اس بل کھاتی ہوئی سڑک پر ٹریفک سے بچنے کی کوشش کرتا ہوا مناسب حد تک کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ہم رات گیارہ بجے کے قریب پوکھارا پہنچ سکے تھے۔ کھٹمنڈو کے بعد یہ نیپال کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ یہاں ہوائی اڈا بھی تھا۔ بندیا وسنی مندر کی وجہ سے بھی یہاں لوگوں کی آمدورفت زیادہ تھی۔ ہندوستان کی طرح یہاں بھی ہندو مندروں کی یاترا کے لیے پورے ملک میں گھومتے رہتے تھے۔

بازاروں میں اس وقت بھی خاصی رونق تھی۔ بعض علاقے تو ایسے تھے جہاں دن کا گماں ہوتا تھا۔ دولت مند لوگ نائٹ کلبوں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں رنگ رلیاں مناتے تھے اور محنت کش اور غریب لوگ دن بھر کام کاج کی تھکن اتارنے کے لیے ریستورانوں اور ایسے چھوٹے ہوٹلوں میں جمع رہتے تھے جہاں رقص اور موسیقی کا پروگرام بھی ہوتا تھا۔ ایک کپ چائے، کافی یا تاڑی کے ایک پیگ کے ساتھ یہ لوگ رقص و موسیقی سے بھی لطف اندوز ہولیتے تھے اور اسی کو زندگی کی بہت بڑی عیاشی سمجھتے تھے۔

ہمیں درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں کمرا مل گیا۔ ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے دوران میں ویٹر سے دھرچپن جانے والے راستے کے بارے میں بھی دریافت کرتا رہا۔ ویٹر نے ہمیں یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ کھانے کے بعد ہم تفریح سے لطف اندوز ہونا چاہیں تو تیسری منزل پر واقع نائٹ کلب میں جاسکتے ہیں۔ ہوٹل میں قیام پذیر مہمانوں سے کوئی ایکسٹرا چارجز نہیں لیے جاتے۔

ہمیں رہائش کے لیے جو کمرا ملا تھا وہ ساتویں منزل پر تھا اور ڈائننگ ہال دوسری منزل پر۔ کھانا ختم کرنے کے بعد ہم تیسری منزل پر آگئے۔ زندگی کے ہنگامے یہاں عروج پر تھے۔ ایک ہال میں جوا ہو رہا تھا۔ کوئی بھی میز خالی نہیں تھی۔ ہر میز کے گرد رش لگا ہوا تھا۔ نیم عریاں لباس میں لڑکیاں بھی معقول تعداد میں موجود تھیں۔ یہ وہ لڑکیاں تھیں جو شکار کی تلاش میں ایک میز سے دوسری میز کے گرد گھوم رہی تھیں۔

اس ہال میں شور بھی بہت تھا اور سگریٹوں کا دھواں بھی اس طرح بھرا ہوا تھا کہ سانس لینا دشوار ہورہا تھا۔ ہم دوسرے ہال میں آگئے۔ یہاں کی فضا قدرے مختلف تھی۔ میزوں پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ خوب صورت ویٹریس گاہکوں کو شراب اور دیگر مشروبات سرو کرتی پھر رہی تھیں۔ تیز موسیقی کی دھنوں میں ایک رقاصہ تھرک رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ ایک میز پر ہمیں بھی جگہ مل گئی۔ ویٹریس جیسے ہی ہماری طرف آئی بملا نے اسے کافی کے لیے کہہ دیا۔

پہلی رقاصہ اسٹیج کے پیچھے غائب ہوگئی۔ اس کی جگہ ایک اور رقاصہ نے لے لی۔ وہ کچھ دیر تک اسٹیج پر ڈانس کرتی رہی پھر فلور پر آگئی اور میزوں کے درمیان تھرکنے لگی۔ یہ رقاصہ خاصی شوخ و چنچل تھی اور گاہکوں کے دل لبھانے کے گُر جانتی تھی۔ وہ کسی کے گال پر چٹکی بھرتی، کسی کی ٹھوڑی کو چھوتی، کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکتی اور کسی کو آنکھ سے اشارہ کرتی ہوئی نکل جاتی۔

کافی ختم ہوتے ہی میں نے بملا کو اشارہ کیا اور ہم وہاں سے اٹھ کر لفٹ کے ذریعے ساتویں منزل پر اپنے کمرے میں آگئے۔ ہمارا کمرا راہداری کے آخر میں تھا جس کی کھڑکی سے شہر کے اس طرف کے حصے کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ بملا کچھ دیر میرے قریب کھڑی رہی پھر بیڈ پر لیٹ گئی اور میں بدستور کھڑکی کے سامنے کھڑا شہر کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتا رہا۔

میں آنے والی صورت حال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جنرل کھوراٹ نے یہاں بھی قدم جمانے شروع کردیے تھے۔ وہ اس پرسکون اور پرامن خطے کو بھی گولڈن ٹرائی اینگل بنا دینا چاہتا تھا۔ یہاں کی خوشگوار فضا میں بھی زہر گھول دینا چاہتا تھا۔ اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ اپنے آپ کو بے بس سمجھتا تھا۔ بڑی بڑی حکومتیں بھی اس کے سامنے بے بس ہوکر رہ گئی تھیں۔ بعض حکومتوں کے مفادات اس سے وابستہ تھے اور وہ اس کے خلاف کوئی کارروائی سے ہچکچاتی تھیں۔

موت کے ان ہرکاروں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے والوں کی تعداد تو بہت کم تھی البتہ ناگ پال جیسے بے ضمیر لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ ایسے لوگ ہر جگہ بڑی تعداد میں مل جاتے تھے جو چند ٹکوں کے لیے اپنی ماں جیسی دھرتی کا سودا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

میں عرصے سے موت کے ان سوداگروں سے برسرپیکار تھا۔ میری جنگ کی ابتدا میرے ماں باپ کے قتل سے ہوئی تھی۔ شاید بات وہیں ختم ہوجاتی لیکن دارا جس طرح میرا پیچھا کرتا رہا تھا اس سے میرے دل میں نفرت بڑھتی گئی۔ مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے اس نے کئی بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ پہلے میں اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا رہا پھر جب میں پلٹ کر حملہ آور ہوا تو دارا پناہ ڈھونڈنے لگا۔ اسے پناہ بھی ایسے لوگوں کے پاس ملی جو اس سے بھی زیادہ خوفناک تھے۔ انہوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔

دارا ختم ہوگیا لیکن برائی ختم نہیں ہوئی۔ اس کی جڑیں توزمین کے اندر ہی اندر پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس برائی کو ختم کرنا مجھ جیسے اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں تھی اور میں نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ جب تک دم میں دم ہے اس برائی کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ بدی کے ان ٹھیکے داروں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور میں درندوں کی طرح مار دھاڑ کرتا پھر رہا ہوں لیکن میں ایسے لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی برائی کے خلاف لڑنا بھی بہت بڑا جہاد ہے اور میں نے اس جنگ کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔

میں دیر تک کھڑکی کے سامنے کھڑا یہی سب کچھ سوچتا رہا

آتش فشاں 113 حصہ 6

پھر مڑ کر دیکھا تو بلا بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی سو چکی تھی۔ اس بیڈ کے علاوہ کمرے میں دو کرسیاں اور ایک چھوٹی ٹیبل تھی۔ میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے نہیں سو سکتا تھا۔ بیڈ ڈبل تھا۔ دو آدمی آرام سے سو سکتے تھے لیکن بلا اس طرح پھیل کر سو رہی تھی کہ دوسرے کے لیے جگہ نہیں رہی تھی۔ میں نے اسے دھکیل کر ایک طرف کر دیا اور بیڈ کے کنارے پر لیٹ گیا۔

صبح سات بجے میری آنکھ کھل گئی۔ بلا مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھی اور کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ میں بھی اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔ میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

نو بجے کے قریب ہم ہوٹل سے نکل گئے۔ آدھے گھنٹے تک شہر کی سڑکوں پر گھومنے کے بعد ہم کاشما کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئے۔ یہی سڑک بگلانگ اور بینی سے ہوتی ہوئی دھرپتن کی طرف چلی گئی تھی۔

دھرپتن وہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ سڑک اگرچہ پختہ تھی مگر زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ بعض مقامات پر تو سڑک اس قدر تنگ تھی کہ سامنے سے آنے والی کسی گاڑی کو راستہ دینے کے لیے سڑک کے انتہائی کنارے پر رکنا پڑتا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ اِکا دُکا پرائیویٹ کاروں اور کھٹارا سی بسوں کی آمد و رفت تھی۔

کاشما نامی قصبے کا ایک چھوٹا سا ہوائی اڈا بھی تھا۔ غربت کے باوجود لوگ دور دراز کے علاقوں تک آمد و رفت کے لیے ہوائی جہاز پر سفر کرنے پر مجبور تھے۔

کاشما میں تھوڑی دیر رکنے کے بعد ہم آگے روانہ ہو گئے اور بگلانگ میں رکے بغیر فاصلہ طے کرتے ہوئے بینی نامی قصبے تک پہنچ گئے۔ یہ قصبہ سڑکوں کے سنگم پر واقع تھا۔ یہاں سے ایک سڑک تقریباً پچیس ہزار فٹ بلند انا پورنا کی برف پوش چوٹیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ انا پورنا کے اس پار چین کی سرحد پر مستانگ نامی وہ قبیلہ آباد تھا جس کی عورتوں کے بارے میں شیرپا نے دلچسپ حکایات سنائی تھیں لیکن ہمیں اس طرف نہیں جانا تھا۔

بینی سے دوسری سڑک رائل ہنٹنگ ریزرو کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ شاہی شکار گاہ میلوں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس طرف گھنے جنگلات تھے جن میں ہاتھیوں کے علاوہ شیر، چیتے، سانبھر اور دوسرے درندے بھی بکثرت پائے جاتے تھے۔ اس شکار گاہ میں عام لوگوں کے داخلے پر پابندی تھی۔ نیپال کے دورے پر آنے والی اعلیٰ غیر ملکی شخصیات کو شکار کی تفریح کے لیے یہاں لایا جاتا تھا۔

شکار گاہ کے کنارے پر دھرپتن نامی وہ قصبہ تھا جس کے نام سے یہ شکار گاہ موسوم تھی۔ راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ یہ سب بدھ مذہب کے پیروکار تھے جو ان پہاڑوں میں بڑی کٹھن زندگی گزار رہے تھے۔

دھرپتن زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ اس کی آبادی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ یہاں ایک پولیس اسٹیشن بھی تھا۔ یہ پولیس اسٹیشن دراصل شاہی شکار گاہ کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا تاکہ غیر متعلق لوگ اس جنگل کا رخ نہ کر سکیں۔

اس وقت دو بجنے والے تھے۔ میں نے کار ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی۔ وہ ایک چھوٹا سا ہال تھا جس میں سالخوردہ سی میزیں اور جھولتی ہوئی بینچ رکھی ہوئی تھیں۔ گاہکوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ اس قصبے کی آبادی بھی زیادہ تر بدھ پیروکاروں پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں کے دامن میں چاول کاشت کرتے تھے۔ چاول کی کاشت ہی ان کا ذریعہ معاش تھی۔

اس ہوٹل میں ہمیں بھی دال چاول ہی کھانے کو ملے تھے۔ ابھی ہم کھانا کھا رہے تھے کہ ایک پرانی سی موٹر سائیکل ہوٹل کے سامنے آکر رکی۔ وہ ایک پولیس والا تھا جس کے جسم پر سلوٹ زدہ پرانی سی وردی تھی۔ لگتا تھا یہ وردی کئی روز سے اس کے جسم سے الگ نہ ہوئی تھی۔ وہ موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کر کے ہوٹل میں داخل ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر چلتا ہوا سیدھا ہماری میز کے قریب آگیا۔

پولیس والے کی جرح خاصی تکلیف دہ اور طویل تھی۔ ہمارے پاس کسی قسم کے کاغذات نہیں تھے اور پولیس ہمارے لیے پریشانیاں پیدا کر سکتی تھی۔ اس لیے میں نے برینڈرا کا کارڈ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کھانا ختم کر کے ہم اس پولیس والے کے ساتھ پولیس اسٹیشن آگئے۔ یہ سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس پولیس اسٹیشن کا عملہ صرف چھ اہلکاروں پر مشتمل تھا۔ اس تھانے کا انچارج ایک بھاری بھرکم آفیسر تھا جس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ضرور رہی ہوگی۔ اس کا چہرہ بڑا کرخت تھا اور لہجے میں بھی درشتی تھی۔ اس نے مجھ سے کاغذات طلب کیے تو میں نے انسپکٹر برینڈرا کا کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

کارڈ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس نے نیپالی زبان میں اپنے ایک ماتحت سے کچھ کہا۔ وہ فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ چند سیکنڈ کسی سے بات کرتا رہا پھر اس نے ریسیور آفیسر کی طرف بڑھا دیا۔

آفیسر تقریباً پانچ منٹ تک فون پر بات کرتا رہا۔ اس دوران اس نے دو تین مرتبہ برینڈرا کا نام بھی لیا تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔ اس کے لہجے میں ایک دم مٹھاس سی آگئی تھی۔

"لگتا ہے تم لوگ یہاں شکار کھیلنے آئے ہو۔ تمہارے پاس اسلحہ کون سا ہے؟" اس نے پوچھا اور پھر بلا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمارے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے اور ہمارا شکار کھیلنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "ہم ٹورسٹ ہیں اور رکم کوٹ سے ہوتے ہوئے نیشنل پارک کی طرف جانا چاہتے ہیں۔"

آفیسر نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں ہونے لگیں۔ اس نے ہماری خدمت خاطر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پانچ بجے کے قریب جب ہم روانگی کے لیے تیار ہوئے تو وہ پریشان سا ہو گیا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹے میں سورج غروب ہو جائے گا۔ راستے بڑے مخدوش ہیں۔ رات کے وقت سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ تم لوگ آج رات یہاں آرام کرو۔ صبح سویرے روانہ ہو جانا۔"

"رات ہم رکم کوٹ یا موسی کوٹ میں گزارنا چاہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہم سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ ان پولیس والوں نے ہمیں اس طرح رخصت کیا جیسے ہم ان کے بہت قریبی دوست ہوں۔

قصبے سے نکلتے ہی میں نے کار کی رفتار بڑھا دی اور رکم کوٹ کی طرف جانے والی سڑک پر تقریباً بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کا رخ دائیں طرف ایک کچی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ راستہ شکار گاہ کے جنوب کی طرف واقع پدمی قصبے کی طرف چلا گیا تھا۔ یہی وہ قصبہ تھا جہاں چانگ لی چھپا بیٹھا تھا اور اگلے روز اس کے آدمی ہماچل پردیش کی طرف سے پانچ سو کلو ہیروئن لے کر آنے والے تھے اور میں ان کا راستہ روکنا چاہتا تھا۔

میں جانتا تھا کہ موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہا ہوں لیکن میں خطرات سے نہیں ڈرتا تھا۔ میری تو زندگی ہی موت کے حصار میں گزری تھی۔ خطرے کا لفظ میرے لیے بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ بلا کو میں ساتھ نہیں لانا چاہتا تھا لیکن اس نے گویا قسم کھا رکھی تھی کہ مجھے اکیلے مرنے بھی نہیں دے گی۔

پدمی جنگل کے بالکل کنارے پر آباد تھا اور پختہ سڑک سے، جہاں سے ہم مڑے تھے، فاصلہ پینتیس چالیس کلومیٹر کے قریب تھا۔ اس طرف بھی درختوں کی بہتات تھی۔ راستہ پہاڑیوں میں بل کھاتا ہوا اور جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ کار کا کوئی ٹائر جواب نہ دے جائے۔ پیٹرول کی مجھے فکر نہیں تھی۔ میں نے دھرپتن کے پمپ سے ٹینکی فل کروالی تھی اور ڈکی میں بھرے ہوئے دو فاضل کین بھی موجود تھے۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام کا دھندلکا پھیلتا چلا گیا۔ قصبے سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بلند جگہ پر میں نے کار روک لی۔ بائیں طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر دریا تھا اور دائیں طرف گھنے درخت تھے۔ یہاں سے وہ پُل بھی نظر آرہا تھا جہاں سے دوسری طرف سے آنے والی سڑک قصبے کی طرف چلی گئی تھی۔ یہی وہ سڑک تھی جہاں سے چانگ لی کے آدمیوں کو گزرنا تھا۔

میں جانتا تھا کہ اگر وہ لوگ قصبے تک پہنچ گئے تو ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ اسی لیے میں نے انہیں قصبے سے باہر ہی روکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں کچھ دیر تک اونچی جگہ پر کھڑا صورت حال کا جائزہ لیتا رہا پھر دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔

دریا کا پل پار کر کے میں نے کار سڑک سے ہٹا کر گنجان درختوں میں روک لی۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے اس علاقے کے نقشے کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا تھا۔ قصبے کی طرف جانے والے یہی دو راستے تھے۔ اگر وہ کسی تیسری سمت سے نکل گئے تو پھر مجھے بھی اپنا پروگرام بدلنا پڑے گا۔

بلا بھی نیچے اتر آئی تھی۔ وہ کار کے آس پاس ٹہلتی رہی۔

اندھیرا جیسے جیسے گہرا ہو رہا تھا وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ بلا کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں بھی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار کی اندر کی بتی جلا دی۔

ہمارے چاروں طرف سناٹا تھا۔ حشرات الارض کی آوازیں واقعی دل پر وحشت سی طاری کر رہی تھیں۔ ہم دونوں وقت گزارنے کے لیے باتیں کرتے رہے لیکن وقت تو کسی طرح کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

اور پھر وہ آواز سن کر میں چونک گیا۔ بلا نے بھی وہ

آواز سن لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔ میں غور سے اس آواز کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ لگتا تھا جیسے کوئی دبے قدموں ہماری طرف آرہا ہو۔ پیروں کے نیچے خشک پتے دبنے سے چرچراہٹ کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میں نے کار کی اندر کی بتی بھی بجھا دی۔ پتلون کا پائنچہ اٹھا کر خنجر نکال لیا اور گہری نظروں سے کار کی پچھلی طرف دیکھنے لگا۔ گمبھیر تاریکی میں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہ آواز صاف طور پر سُنائی دے رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا بہت محتاط انداز میں دبے قدموں کار کی طرف آرہا تھا۔

میں نے بلا کو بے حرکت بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور کار کے ساتھ جھک کر پچھلے پہیے کے قریب آگیا اور گہری نظروں سے سامنے دیکھنے لگا۔

اچانک مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں کے سامنے روشنی پھیل گئی ہو۔ مجھے دور دور تک صاف نظر آرہا تھا۔ میں نے اٹھ کر کار کے اندر جھانکا۔ بلا بھی مجھے صاف نظر آرہی تھی۔ وہ اس وقت پانی کی بوتل منہ سے لگائے ہوئے تھی پھر اس نے بوتل منہ سے ہٹا کر ڈھکنا بند کردیا اور خوف زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی لیکن ٹھیک اسی وقت میں نے اپنا رخ بدل لیا تھا۔

پتوں کی چرچراہٹ کی آواز سن کر میں اس طرف متوجہ ہوگیا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ ایک بھیڑیا تھا جو دبے قدموں کار کی طرف آرہا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور قریب پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے دے مارا۔

پتھر بھیڑیے کے سر پر لگا۔ وہ ایک دم اوپر اچھلا اور پھر کتے کی طرح چیاؤں پیاؤں کرتا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔ اس کے ساتھ ہی پکار سے بلا کے چیخنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ بلا بھیڑیے کی آواز سے ڈر گئی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"ارے کیوں چیخ رہی ہو۔" میں نے اس کا کندھا تھپتھپایا "وہ کوئی کتا تھا یا بھیڑیا۔ ایک ہی چوٹ کھا کر بھاگ گیا۔"

میں نے اسے دونوں بانہوں سے پکڑ کر پیچھے ہٹادیا۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"اب کیا ہوا؟" میں نے کہا "میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں کیا؟"

"تت۔۔۔ تمہاری آنکھیں۔۔۔" وہ خوف زدہ انداز میں ہکلائی۔

"کیا ہوا میری آنکھوں کو؟" میں نے پوچھا۔

"تت۔۔۔ تمہاری آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی ہیں۔" اس کے لہجے میں خوف اب بھی برقرار تھا۔

"اوہ!" میں ایک دم چونک گیا۔ میں ایک بار پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہر طرف اگرچہ گہری تاریکی تھی مگر مجھے ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ میں بلی کے بارے میں جانتا تھا کہ اندھیرے میں اس کی آنکھیں بلور کی طرح چمکتی ہیں اور وہ گہری تاریکی میں بھی دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ گویا میرے اندر بھی یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تھی کہ میں اندھیرے میں بلی کی طرح دیکھ سکتا تھا۔

بلا اب بھی وحشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ میری آنکھوں میں اتنی چمک کیسے پیدا ہوگئی تھی۔ اچانک میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ مجھے وہ واقعہ یاد آگیا جب شاؤلن ٹیمپل میں مجھے انوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور ہکسیان کے فرار کے بعد میں اپنے ایک دوست کے گھر میں تھا اور چائے پینے کے دوران میز پر رکھا ہوا کپ میری نظروں کی قوت سے اپنی جگہ سے سرک گیا تھا۔ وہ میری چی کی قوت کا کمال تھا۔ اس کا ایک مظاہرہ اس وقت بھی ہوا تھا جب چیانگ رائے سے واپسی پر بنکاک ائرپورٹ سے بھی ہمیں ایک بندوبین میں انوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور میری نظر کی قوت سے وین کے دروازے کا تالا ٹوٹ گیا تھا۔

چی میں بڑی پراسرار قوتیں پوشیدہ تھیں لیکن میں نے کبھی ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہمیشہ اپنی قوت بازو پر بھروسا کیا تھا۔ تاہم کبھی کبھار یہ پراسرار قوت از خود میری مدد کو آجاتی تھی۔ جیسا کہ اس وقت ہوا تھا اور میری آنکھوں میں اس قدر قوت پیدا ہوگئی تھی کہ میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ چند روز پہلے نیلگری جیسی مہمان ٹھمتی میرے سامنے آگئی تھی۔ ایک حسین عورت کی صورت میں۔ وہ جس طرح پراسرار انداز میں میرے سامنے آئی تھی اسی طرح پراسرار انداز میں غائب

بھی ہوگئی تھی۔ البتہ وہ اپنی مالا کا تحفہ چھوڑ گئی تھی اور یہ سیاہ پتھروں کی مالا اس وقت بھی میرے گلے میں تھی جب پانڈے کی حویلی میں پنڈت موہن نے خنجر سے مجھ پر حملہ کیا تھا اور یہ مالا میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا نے روکا تھا۔ یہ پراسرار مالا اب بھی میرے گلے میں موجود تھی۔ میری انگلیاں غیر ارادی طور پر مالا کے پتھروں کو چھونے لگیں اور پھر بلا کی آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں لیکن کچھ دیر پہلے میری آنکھوں میں پیدا ہونے والی وہ پراسرار روشنی غائب ہوچکی تھی اور میرے چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

میں نے کار کی اندر کی بتی جلادی۔

"اب میری آنکھیں کیسی ہیں؟" میں نے بلا سے پوچھا۔

"حیرت انگیز۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی "اب تو مجھے ان آنکھوں میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔"

بلا کا خوف دور ہوگیا تھا۔ میں نے ہوا کی آمدورفت کے لیے کار کے دونوں طرف کے شیشے کرادیے تھے لیکن کسی نے ٹھیک کہا ہے۔ انتظار کی گھڑیاں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

دینا ناتھ نے بتایا تھا کہ چانگ لی کے وہ آدمی آدھی رات اور صبح کے درمیان کسی وقت پدی پہنچیں گے اور ابھی تو رات کے دس ہی بجے تھے۔ ویسے میرے خیال میں ان لوگوں کی پلاننگ بہت عمدہ تھی۔ سیکڑوں میل دور سے سنسان راستوں پر سفر کرتے ہوئے ہیروئن یہاں تک لے آنا بڑے کمال کی بات تھی۔ راستے میں نہ تو کسی کو شبہ ہوسکتا تھا اور نہ ہی چیکنگ کا اندیشہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں پولیس کی چوکیاں ضرور ہوں گی لیکن چھوٹی چوکیوں پر تعینات پولیس والوں کو رشوت دے کر راستے سے ہٹا دینا بڑی بات نہیں تھی۔

دھرمپتن کی ایک دکان سے میں نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے لی تھیں۔ بلا نے وہ تھیلا نکال لیا اور ایک چھوٹا کیک نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ دوسرا اس نے خود لے لیا۔

کھانے کے بعد ہم کچھ دیر تک کار کے آس پاس کھلی جگہ پر ٹہلتے رہے اور پھر کار میں بیٹھ گئے۔

بلا پچھلی سیٹ پر بیٹھی اونگھتی رہی اور میں کبھی نیچے اتر کر ٹہلنے لگتا اور کبھی پھر کار میں بیٹھ جاتا۔

ساڑھے تین بجے کے قریب ایک آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ گرگر گرگر کی وہ مدھم سی آواز اس ویرانے میں کسی گاڑی کی موجودگی کی نشان دہی کررہی تھی۔ سناٹے میں یہ آواز کبھی قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی اور کبھی بہت دور سے۔

میں نے بلا کو جگادیا۔ اس نے بھی وہ آواز سن لی۔ میں نے دروازہ کھول کر بلا کو نیچے اتار لیا اور اسے دونوں بانہوں سے پکڑ کر اس کی پشت کار سے لگا دی۔ وہ گھٹنوں تک اسکرٹ اور اوپر بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ میں نے اس کے بلاؤز کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا۔ بلاؤز کے سارے بٹن ٹوٹ گئے۔ بلا ایک دم چیخ اٹھی۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کیا پاگل پن ہے۔ کیا بدتمیزی۔۔۔!"

میں نے اس کے چیخنے کی پروا کیے بغیر اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کردیا اور بلاؤز کی ایک آستین بھی پھاڑ دی۔ اس کا کندھا بھی برہنہ ہوگیا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کے اسکرٹ کے ایک طرف کے چاک کو دونوں کناروں سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ چاک اوپر تک کھلتا چلا گیا۔ بلا مجھ پر گھونسے برسا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ چیخ رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔ تم پاگل ہوگئے ہو۔ وحشی ہو تم۔۔۔"

"اس طرح چیختے ہوئے اچھی لگتی ہو۔" میں نے اس کی دونوں بانہوں کو پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

میرے کان اب بھی گاڑی کے انجن کی اس آواز پر لگے ہوئے تھے جو اب بہت واضح ہوگئی تھی۔ میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ سڑک پر درختوں میں چھنتی ہوئی روشنی بھی نظر آرہی تھی۔

"اب تم اس طرف بھاگنا شروع کردو۔ چیختے ہوئے۔۔۔ تیزی سے۔۔۔" میں نے یہ کہتے ہوئے بلا کو سڑک کی طرف دھکیل دیا۔

بلا نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی لیکن وہ میری بات سمجھ گئی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح چیختی ہوئی سڑک کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

رات کے آخری پہر آبادی سے میلوں دور جنگل میں ایک جوان اور خوب صورت عورت کا اس طرح نظر آنا کہ اس کا لباس پھٹا ہوا ہو اور وہ خوف سے چیخ رہی ہو، کسی بھی شخص کو متاثر کرسکتا تھا اور وہ شخص فوری طور پر یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہ کوئی ناٹک بھی ہوسکتا تھا۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ بلا درختوں سے نکل کر سڑک کی طرف بھاگ رہی تھی اور پھر وہ کار بھی گنجان درختوں سے

نکل کر سامنے سڑک پر آگئی تھی۔

بلا سڑک پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ بلا اب اس گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھی۔ اسی لمحے فضا میں بریکوں کی چرچراہٹ کی تیز آواز گونجی۔ گاڑی بلا سے چند فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ بلا سڑک پر گری اور اٹھ کر ایک بار پھر چیختے ہوئے دوڑنے لگی۔

میں بھی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ اسی لمحے گاڑی کے دونوں طرف کے دروازے کھلے اور دو آدمی نیچے اتر آئے۔ ان میں سے ایک نے لپک کر بلا کو پکڑ لیا اور دوسرا پستول تان کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اے۔ رک جاؤ۔ گولی مار دوں گا۔" وہ چیخا اور ساتھ ہی اس نے مجھے ڈرانے کے لیے ہوائی فائر بھی کر دیا تھا۔

"تم کون ہو۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ وہ میری پتنی ہے۔" میں نے بھی چیخ کر کہا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے۔" بلا چیخی "یہ مجھے اغوا کر کے لایا ہے۔ ہم رات گزارنے کے لیے یہاں رک گئے تھے۔ میں نے تم لوگوں کی گاڑی کی روشنی دیکھی تو بھاگ کھڑی ہوئی۔ بچالو مجھے اس شیطان سے۔"

"کیوں مہاشے۔" پستول والا غرایا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"ٹھیک ہے میں اسے اغوا کر کے لایا ہوں۔ تم لوگ مداخلت کرنے والے کون ہوتے ہو۔ اس لڑکی کو میرے حوالے کرو۔" میں نے کہا۔

"یہ لونڈیا اب تمہارے حوالے نہیں ہوگی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ جس نے بلا کو سنبھال رکھا تھا "یہ لڑکی اب ہماری پناہ میں آگئی ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ یہیں تمہاری لاش گرا دیں گے۔"

"ہاتھ میں پستول ہے۔ اسی لیے بہت بہادر بنتے ہو۔" میں نے کہا "مرد کے بچے ہو تو خالی ہاتھ آؤ۔ تم دونوں کی لاشیں یہاں پڑی ہوں گی۔"

"سندر!" پستول والا طیش میں آگیا۔ اس نے اپنا پستول جیب میں ٹھونس لیا "تم اس لڑکی کا خیال رکھو۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ صرف دو ہی تھے۔ ان کے ساتھ تیسرا کوئی نہیں تھا۔ پستول والا دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس کے سینے پر لگی۔ وہ ڈکراتا ہوا نیچے گرا۔ میں نے سنبھل کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ کچھ دیر تک اسے سڑک پر رگیدتا رہا پھر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی لیکن وہ بھی جلد ہی سنبھل گیا۔

میں اس پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اس میں طاقت بھی تھی اور وہ لڑائی کے فن سے بھی واقف تھا اور وہ بھی بڑے اچھے داؤ پیچ استعمال کر رہا تھا۔ ایک موقع پر اس نے بھی اچھل کر مجھے فلائنگ کک مارنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اپنے آپ کو بچا گیا تھا۔

میرے حریف نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ میں نے بھی بڑی پھرتی سے اپنا خنجر نکال لیا۔ اس نے جیسے ہی پستول والا ہاتھ سیدھا کیا میں ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر گرا۔ میرا خنجر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی انگلی سے ٹریگر دب گیا تھا۔ گولی میرے سر کے قریب سے گزر گئی۔ میں نے اسے دوسرا فائر کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بازو پر خنجر کے دوسرے وار سے پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اس کا دوسرا ساتھی سندر، جس نے بلا کو سنبھال رکھا تھا اسے چھوڑ کر میری طرف لپکا لیکن اسی لمحے بلا کی غراتی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔

"رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گی۔"

بلا کے ہاتھ میں پستول تھا جو اس نے بڑی ہوشیاری سے سندر کی جیب سے نکال لیا تھا۔ سندر کے چہرے پر سنسنی سی پھیل گئی۔ اس نے بلا کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن بلا یکے بعد دیگرے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ تین گولیاں سندر کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

میرے نیچے دبے ہوئے حریف نے مجھے ایک طرف دھکیل کر اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن میں نے اسے زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ سڑک کے کنارے سے چند گز آگے جھاڑیوں میں اسے جالیا۔ اس کی گردن میری گرفت میں آگئی اور میں نے اسے اس وقت ہی چھوڑا تھا جب اس کی گردن ڈھلک گئی تھی۔

میں اسے چھوڑ کر بلا کی طرف آگیا۔

"میں اپنی گاڑی لے کر آتا ہوں۔ تم یہیں رکو۔" میں یہ کہتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف دوڑ گیا۔

گاڑی وہاں لانے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے اور پھر میں اور بلا دوسری گاڑی سے ہیروئن کے پیکٹ نکال

کر اپنی گاڑی میں رکھنے لگے۔

دس دس کلو کے پچاس پیکٹ تھے۔ ڈکی بھر جانے کے بعد ہم نے کچھ پیکٹ پچھلی سیٹ پر ڈال دیے۔ بلا نے اپنا بیگ اٹھا کر آگے والی سیٹ پر اپنی گود میں رکھ لیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو دریا کی مخالف سمت میں دوڑا دیا۔

"اگر تم اتنی اداکاری نہ کرتیں تو۔۔۔"

"میرا گال ابھی تک دکھ رہا ہے۔ بڑے زور کا تھپڑ مارا تھا تم نے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"اگر تھپڑ نہ مارتا تو اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ نہ آتا۔ بہرحال مجھے افسوس ہے۔" میں نے کہا۔

بلا نے گود میں رکھا ہوا بیگ کھول کر دوسرے کپڑے نکال لیے۔ بیگ پچھلی سیٹ پر پھینک دیا اور سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کپڑے بدلنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کار دوبارہ پختہ سڑک پر آگئی۔

جس جگہ یہ سارا ڈراما ہوا تھا وہاں سے پدی بستی تقریباً دو کلو میٹر کے فاصلے پر ہوگی۔ چانگ لی وغیرہ کو معلوم ہو گا کہ ان کے آدمی ہیروئن لے کر پہنچنے والے ہیں۔ وہ ان کے انتظار میں جاگ رہے ہوں گے۔ رات کے سناٹے میں تو فائر کی آواز دور تک گونجتی ہے۔ ہو سکتا ہے فائرنگ کی آواز انہوں نے بھی سنی ہو۔ اگر وہ صورت حال معلوم کرنے اس طرف آئے تو انہیں دریا کے پل کے قریب دو لاشیں اور ایک خالی گاڑی ملے گی۔ وہ یقیناً ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور میں ان سے پہلے ہی ان پہاڑوں میں گم ہو جانا چاہتا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا رخ کس طرف تھا۔ پکی سڑک پر کئی میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے کار کو دریا کے ساتھ ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ ایسے ہی راستے ہمارے لیے محفوظ تھے۔

ہم دریا کے ساتھ ساتھ کئی میل دور نکل آئے پھر اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور کار لرز اٹھی۔ بلا اونگھ رہی تھی۔ دھماکے کی آواز سے وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

کار کا اگلا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔ میں کار روک کر نیچے اتر آیا۔ کار کی ڈکی میں ایک فاضل ٹائر موجود تھا اور وہ فاضل ٹائر نکالنے کے لیے پہلے ڈکی میں بھرے ہوئے پیکٹ نکالنے پڑے۔

ٹائر تبدیل کرنے اور ہیروئن کے پیکٹ دوبارہ ڈکی میں رکھنے میں آدھا گھنٹا لگ گیا۔ میں نے پانچ گیلن والا پیٹرول کا ایک کین بھی ٹینکی میں انڈیل لیا تھا۔

دریا کے ساتھ ساتھ مزید ایک گھنٹے تک سفر جاری رہا۔ اب دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ وہ تنگ سا راستہ بتدریج بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے ایک طرف عمودی چٹان تھی اور دوسری طرف سیکڑوں فٹ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ راستہ اتنا تنگ تھا کہ سامنے سے کوئی اور چھوٹی کار بھی آجاتی تو کراس کرنا مشکل ہو جاتا۔

ایک موڑ کاٹتے ہوئے ایک بار پھر زوردار دھماکا ہوا۔ اس مرتبہ آگے کا دوسری طرف کا ٹائر برسٹ ہوا تھا۔ کار لہرا گئی اور دائیں طرف کی چٹان سے ٹکرا کر پیچھے آنے لگی۔ میں نے بریک پیڈل دبا دیا لیکن یہ جان کر میں کانپ اٹھا کہ بریک کام نہیں کر رہا تھا۔ کار پیچھے ڈھلان کی طرف جا رہی تھی۔

"بلا۔ کار سے اترو۔ چھلانگ لگا دو!" میں چیخا "جلدی کرو۔ کار کھڈ کی طرف جا رہی ہے۔ بریک کام نہیں کر رہے۔"

بلا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر چھلانگ لگا دی۔ میں کار کا رخ سیدھا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کا پچھلا ایک پہیہ کنارے سے اتر گیا اور پھر کار کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہا۔ کار کے پچھلے دونوں پہیے کنارے سے اتر چکے تھے۔ میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی لیکن میں بھی کھڈ کے عین کنارے پر گرا۔ میں نے ایک پتھر کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن پتھر اکھڑ گیا۔

کار قلابازیاں کھاتی ہوئی عمودی ڈھلان پر سیکڑوں فٹ نیچے بہتے ہوئے دریا کی طرف جا رہی تھی اور اس کے پیچھے میں ڈھلان پر لڑھکتا ہوا جا رہا تھا۔

میرا سر ایک پتھر سے ٹکرایا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں بلندی سے پستی کی طرف گرتا جا رہا تھا جہاں موت آغوش وا کیے کھڑی تھی۔

سسپنس ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ
طالوت
③ حصوں میں (مکمل)
قیمت فی حصہ 50 روپے
اکٹھے تینوں حصے 23 روپے
کتابات پبلی کیشنز
4600 فون 25

میرے اردگرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ کچھ دور کھڑے تھے اور کچھ قریب کھڑے رکوع کے بل جھکے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ سب چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔ دھند میں لپٹے ہوئے۔

ایک نسوانی چہرہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ بہت ہی صبیح و ملیح چہرہ تھا لیکن اس حسین چہرے پر یاس، افسردگی اور آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

میں بے حس و حرکت پڑا چند لمحے اس کی وحشت زدہ سی آنکھوں میں جھانکتا رہا اور جب اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تو سر کے پچھلے حصے سے اٹھنے والی درد کی شدید لہر بجلی کی لہروں کی طرح میری پوری کھوپڑی میں پھیلتی چلی گئی اور میں بے اختیار کراہ اٹھا۔ میرے کراہنے کی آواز اور چہرے پر نمودار ہونے والے کرب سے اس حسینہ کے چہرے پر غم کے سائے کچھ اور بھی گہرے ہوگئے اور تب مجھے احساس ہوا کہ میرا سر اس کی گود میں تھا۔ ایک ہاتھ اس نے میرے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے بار بار میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

درد کی شدت کو کم کرنے کے لیے میں نے دانت بھینچ لیے اور آنکھیں بند کرلیں۔ سر میں درد کی لہریں اب بھی لپک رہی تھیں اور دماغ میں ہلکے ہلکے سے دھماکے ہو رہے تھے۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر دیدے گھما کر اپنے اطراف میں کھڑے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ میری نظروں کے سامنے چھائی ہوئی دھند بتدریج چھٹنے لگی اور ان کے چہرے واضح ہونے لگے۔ ان میں بیشتر کی نظروں میں تجسس تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ دیکھ رہے ہوں۔

میں نے ایک بار پھر اس حسینہ کے چہرے کی طرف دیکھا جس کی گود میں میرا سر رکھا ہوا تھا، اور پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس نے ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر دبا دیا۔

"آرام سے لیٹے رہو ہمت سنگھ۔" اس لڑکی کے لہجے میں افسردگی تھی "تمہارے سر پر چوٹ لگی ہے۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔ بستی کا کھیا دید (حکیم) کو بلانے گیا ہے۔ اس کے آنے تک آرام سے لیٹے رہو۔"

ہمت سنگھ...! یہ نام میرے دماغ میں گونج سی پیدا کرنے لگا۔ اس لڑکی نے مجھے ہی مخاطب کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ میرا نام ہمت سنگھ تھا لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ واقعی میرا نام تھا۔

میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا اور ایک بار پھر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ وہ گنجان پتیوں والا بڑا قد آور اور پھیلا ہوا درخت تھا جس کے سائے میں وہ خوب صورت لڑکی مجھے گود میں سمیٹے بیٹھی تھی۔ میرے اردگرد جو لوگ کھڑے تھے ان کے حلیے بڑے عجیب تھے۔ مردوں کے جسموں پر چوغہ نما لمبے لباس تھے۔ ان کے بال لمبے اور گولڈن کلر کے تھے۔ کسی نے چٹیا بنا رکھی تھی اور کسی کے بال کندھوں پر اور کسی کے پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ کسی نے ناک میں ایک طرف اور کسی نے دونوں طرف بالیاں پہن رکھی تھیں۔ ان کے کانوں میں بھی بالیاں نظر آرہی تھیں۔

عورتوں کے حلیے مردوں سے بالکل مختلف تھے۔ ان کے جسموں پر لباس مختصر تھے۔ بدن کے نچلے حصوں پر گھٹنوں سے اوپر چادر لپٹی ہوئی تھی جس کی سائیڈ میں چاک تھا۔ جسم کے بالائی حصے پر مختصر سا کپڑا کندھے پر ہوتا ہوا اس طرح لپٹا ہوا تھا کہ سینے کا آدھا حصہ برہنہ ہو رہا تھا اور پشت تو بالکل ہی برہنہ تھی۔ ان کے سروں کے بال قریب سے کٹے ہوئے تھے۔ یہاں کسی حجام کی موجودگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان عورتوں نے ایک دوسرے کے بال شاید خود ہی قینچی وغیرہ سے کاٹے تھے۔ صرف ایک عورت ایسی تھی جس کے بال کندھوں تک بکھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بعض عورتوں نے ناک میں نتھنیاں پہن رکھی تھیں اور بعض کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ ایک دو عورتوں کی کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ چوڑیاں خاصی موٹی اور بے ڈھنگی سی تھیں۔

بچوں نے بھی ٹخنوں تک لمبے چوغے پہن رکھے تھے اور وہ سب کے سب گنجے تھے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان میں کون لڑکی ہے اور کون لڑکا۔

میں الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سب لوگ میرے لیے اجنبی تھے اور شاید میں خود بھی اپنے آپ سے اجنبی تھا۔ مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ کون سی جگہ تھی۔ میں یہاں کیسے آیا تھا اور وہ لڑکی کون تھی جس نے میرا سر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا۔ یہ لڑکی دوسروں سے بالکل ہی مختلف نظر آرہی تھی۔

میں صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ سامنے کھڑے ہوئے لوگ ادھر ادھر ہٹنے لگے اور پھر دو آدمی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میرے سامنے آگئے۔ ان میں ایک کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ دراز قامت اور گٹھا ہوا جسم۔ اس نے زرد رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا۔ ناک کے دونوں نتھنوں میں سونے کی بالیاں تھیں اور دونوں کانوں میں بھی چوڑیوں کی طرح بڑی بڑی بالیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ سر کے گولڈن بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اور پیشانی پر انہیں سمیٹنے کے لیے دو تین انچ چوڑی کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ دوسرا آدمی عجیب ہیئت کا تھا۔ اس کی عمر اس سے کچھ کم ضرور رہی ہوگی۔ اس نے سیاہ رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا۔ چہرے پر جھریاں اس کثرت سے تھیں جیسے کنگھی نے جالا بُن رکھا ہو۔ اس جھریوں بھرے چہرے پر کنجی جیسی آنکھیں عجیب پراسرار سا تاثر دے رہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں کنجے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کی اس کا کنجا سر انڈے کے چھلکے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر چند بال تھے۔ ہونٹوں کے کناروں پر باریک مونچھیں چوہوں کی دموں کی طرح لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے کندھے پر کپڑے کا ایک میلا سا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔

وہ اس بستی کا وید (حکیم) تھا اور اسے یہاں لے کر آنے والا کھیا تھا۔ وہ دونوں میرے سامنے بیٹھ گئے۔ وید نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا اور میری پشت پر پہنچ کر میرے سر کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے انگلیوں سے سر کو ٹٹولنا شروع کیا تو میرے دماغ میں تیسیں سی اٹھنے لگیں۔

اس نے تھیلے میں سے قینچی نکال کر میرے سر کے بال کاٹ دیے اور پھر ایک ڈبیا میں سے مٹیالے سے رنگ کا مرہم نکال کر زخم پر لگانے لگا اور پھر پٹی اس زور سے باندھی تھی جیسے میرا سر آہنی شکنجے میں کس دیا ہو۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے کھیا سے کچھ کہا اور اپنا تھیلا کندھے پر لٹکا کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔ کھیا میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ دیر نظریں جمائے میرے چہرے کو تکتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے ہموار لہجے میں کچھ کہنے لگا لیکن ان لوگوں کی طرح وہ زبان بھی میرے لیے اجنبی تھی۔ ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا۔ وہ اس لڑکی کی طرف مڑ گیا جو اب تک مجھے سہارا دیے ہوئے تھی۔ وہ لڑکی بھی شاید کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ اس نے بھی نفی میں سر ہلا دیا۔

کھیا نے کندھے اچکاتے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر مارے اور بے بسی سے اپنے اطراف میں کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ پیچھے کھڑا ہوا ایک آدمی دوسروں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا آگے آگیا۔ اس کے سر کے بال گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ دوسروں کی طرح اس کی ناک میں بالی نہیں تھی البتہ دائیں کان میں چوڑی کی طرح ایک بڑی بالی لٹکی ہوئی تھی۔ وہ بھی کھیا کے قریب بیٹھ گیا۔ چند لمحے اس سے باتیں کرتا رہا پھر میرے ساتھ بیٹھی ہوئی خوب صورت لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کھیا کہہ رہا ہے کہ اپنے ساتھی کو بستی میں لے چلو۔ وہاں تم لوگوں کے لیے ایک جھونپڑے کا بندوبست کردیا گیا ہے۔ جب تک تمہارا ساتھی ٹھیک نہیں ہوجاتا، تم لوگوں کو بستی ہی میں رہنا ہوگا۔ تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

اس شخص نے یہ الفاظ ٹوٹی پھوٹی انگریزی، نیپالی اور ہندی میں کہے تھے۔ مفہوم بہرحال سمجھ میں آگیا تھا۔ اس لڑکی نے میری طرف دیکھا اور میرا بازو پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہمارے اردگرد کھڑے ہوئے لوگ بھی ادھر ادھر ہٹنے لگے۔ میں نے اپنے اطراف میں دیکھا۔ ہم اس وقت درختوں سے ڈھکی ہوئی ایک پہاڑی پر تھے۔ یہ پہاڑی کافی دور تک ہموار تھی اور اس سے آگے عمودی چٹانیں تھیں جو بلندی کی طرف اٹھتی چلی گئی تھیں۔ پہاڑی کی دوسری طرف نشیب میں دریا بہہ رہا تھا اور ڈھائی تین سو گز نیچے دریا کے کنارے پر وہ بستی تھی جو تیس چالیس بے ترتیب جھونپڑوں پر مشتمل تھی۔ پہاڑی سے ایک تنگ سی پگڈنڈی اس بستی تک چلی گئی تھی۔ ہمارے اردگرد جمع لوگ اب اسی پگڈنڈی کی طرف جا رہے تھے۔

کھیا اور وہ آدمی بھی اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ اس آدمی نے خوب صورت لڑکی سے کچھ کہا اور وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس کا نام سمبا ہے ہمت سنگھ۔ یہ پوچھ رہا ہے کہ تم اپنے پیروں پر چل سکو گے یا تمہیں گود میں اٹھا لیا جائے۔"

"میں چل رہا ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مگر تم مجھے ہمت سنگھ کہہ کر کیوں مخاطب کر رہی ہو۔ کیا میرا نام ہمت سنگھ ہے۔ تم کون ہو۔ تم نے میرا سر اپنی گود میں کیوں رکھا ہوا تھا؟"

"اوہ!" اس لڑکی کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا جیسے کوئی شدید ذہنی دھچکا لگا ہو۔ آنکھوں کی وحشت کچھ اور بڑھ گئی "کک... کیا کہہ رہے ہو تم...؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ہکلائی "مم... میں بلا ہوں اور تم ہمت سنگھ۔ ہم دونوں..."

اسی لمحے سمبا نے مڑ کر کچھ کہا اور وہ لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ہم آہستہ آہستہ اس پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ میں اگرچہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا لیکن قدم زمین پر رکھنے سے سر میں دھمک سی پیدا ہو رہی تھی جس سے رہ رہ کر دماغ میں تیسیں اٹھ رہی تھیں۔

کچھ لوگ ہمارے آگے چل رہے تھے اور کچھ پیچھے البتہ

وہ لڑکی میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جس نے اپنا نام بلا بتایا تھا۔ اس نے اب بھی میرا ایک بازو تھام رکھا تھا۔ وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی کرب نمایاں تھا۔

بستی کے قریب کچھ اور لوگ بھی ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے لیکن ہمیں دیکھ کر ان میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی اور وہ سب عجیب سی نظروں سے مجھے اور میرے ساتھ آنے والی بلا کو دیکھ رہے تھے۔

جھونپڑوں کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن بستی دریا کے ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جھونپڑے ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔ ہمیں بھی دریا کے رخ پر واقع ایک کشادہ جھونپڑے میں پہنچادیا گیا۔ یہ جھونپڑا بھی دوسرے جھونپڑوں کی طرح اوندھائے ہوئے پیالے کی طرح گول تھا۔ اس کے دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کے رخ پر اور ایک مغرب کے رخ پر۔ دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے اور اندر خاصی روشنی ہورہی تھی۔

ایک طرف پاک کی کھال کا گدا بچھا ہوا تھا جس میں غالباً درختوں کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے۔ کھیا اور سمبا بھی ہمارے ساتھ ہی اندر آئے تھے۔ سمبا نے مجھے گدے پر لٹادیا۔ کھیا نے سمبا سے کچھ کہا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی تقریباً بیس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس دوران میں کھیا جھونپڑے ہی میں موجود رہا تھا۔

سمبا نے ایلومینیم کے دو گلاس اٹھا رکھے تھے۔ اس نے ایک گلاس بلا کے حوالے کردیا اور دوسرا میرے ہونٹوں سے لگادیا۔ اس نے ایک بازو سے مجھے سہارا دے کر اٹھا رکھا تھا۔

وہ گرم دودھ تھا جس میں غالباً ہلدی کی آمیزش تھی کیونکہ دودھ کی رنگت نہ صرف قدرے پیلی تھی بلکہ اس میں ہلدی کا ذائقہ واضح طور پر محسوس ہورہا تھا۔ میں نے چند گھونٹ بھرنے کے بعد گلاس ہونٹوں سے ہٹادیا لیکن سمبا نے اس وقت تک ہار نہیں مانی جب تک دودھ کا آخری قطرہ بھی میرے حلق میں نہیں ٹپکا دیا تھا۔

"اس سے تمہیں سکون ملے گا۔" سمبا نے انگریزی اور ہندی کے ملے جلے الفاظ میں کہا "اب تم آرام سے لیٹے رہو۔ تمہیں نیند آجائے گی اور جب تم بیدار ہوگے تو اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کروگے۔"

میرے سر میں زخم سے اٹھنے والی ٹیسوں کے علاوہ بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کسی نے بری طرح کوٹ رکھ دیا ہو لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجھے کیا ہوا تھا؟ میں زخمی کیسے ہوا تھا اور سامنے سب سے بڑا سوالیہ نشان یہ تھا کہ میں کون ہوں، کون سی جگہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں۔ میرے ساتھ ہوئی بلا نامی یہ خوب صورت لڑکی کون ہے؟

میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میرے میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ دھماکے سے ہونے لگے۔ میں آنکھیں بند کرلیں اور دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ کچھ ہی دیر میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ بلا اور سمبا میرے قریب ہی بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔ بہت دور سے آتی ہوئی مدھم سی آوازیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنا چاہا لیکن پپوٹے بہت بھاری ہورہے تھے۔ آنکھیں اچھی طرح نہیں کھل سکیں اور پھر میرے ذہن پر سناٹا سا طاری ہوگیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو جھونپڑے میں مشعل کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تقریباً تین فٹ لمبی وہ مشعل جھونپڑے کی ایک دیوار کے قریب زمین میں گڑی ہوئی تھی۔ اس میں کسی کی چربی جل رہی تھی جس کی ہلکی سی بو جھونپڑے کی فضا میں واضح طور پر محسوس ہورہی تھی لیکن نہایت حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مشعل کے جلنے سے کسی قسم کا دھواں نہیں پھیل رہا تھا۔

مدھم سی سرگوشیوں کی آواز سن کر میں نے آہستگی سے گردن گھما کر بائیں طرف دیکھا۔ اسی طرح کے ایک بستر پر بلا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسم کے نچلے حصے پر دھوتی کی طرح مختصر سا کپڑا لپٹا ہوا تھا جبکہ جسم کے بالائی حصے پر لپٹے ہوئے کپڑے سے اس کے سینے کا ایک طرف کا بالائی حصہ عریاں ہورہا تھا۔

اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ سرخ و سفید رنگت، صحت مند جسم اور موٹی موٹی آنکھیں۔ چہرے کے نقوش بھی بڑے دلکش تھے لیکن اس نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا تھا۔ ناک کے دونوں نتھنوں میں موٹی چھوٹی بالیاں تھیں اور بال اس طرح کٹے ہوئے تھے کہ کیاریاں اور کھیتیاں سی بن گئی تھیں۔ اس کے بال سر سے کٹے ہوتے اور ڈھنگ کا لباس پہن رکھا ہوتا تو وہ بہت زیادہ پرکشش ہوسکتی تھی۔

مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ خاموشی سے باہر چلی گئی اور بلا اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب بیٹھ گئی۔

"اب کیسے ہو ہمت سنگھ۔" وہ میرا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نرم لہجے میں بولی "کیا محسوس کررہے ہو۔ سر کا درد کیسا ہے؟"

"تم کون ہو۔ تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

اس کے چہرے پر ایک بار پھر کرب کے تاثرات ابھر آئے "مجھے پہچانو ہمت سنگھ۔ میں بلا ہوں۔ ہم دونوں دوست ہیں اور۔۔۔"

"تم نے اپنا نام پہلے بھی بتایا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "لیکن میں تمہیں نہیں جانتا۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ میں زخمی کیسے ہوا تھا؟" میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کرڈالے۔

"ہم گھنٹوں سے آئے تھے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر آگے کو جھکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی "یدمی نامی گاؤں کے قریب ہم نے چانگ لی کے دو آدمیوں کو قتل کرکے پانچ سو کلو ہیروئن پر قبضہ کیا تھا۔ یہ ایک رات پہلے کی بات ہے۔ ہم رات بھر پہاڑوں میں سفر کرتے رہے اور صبح ہماری گاڑی بہت بلندی سے دریا میں جاگری تھی۔"

"گاڑی دریا میں گرگئی تھی!" میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا اور میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔" بلا نے کہا "گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا تھا۔ تمہارے کہنے پر میں نے گاڑی سے چھلانگ لگا دی تھی۔ گاڑی کھڈ میں گر رہی تھی اور تم بھی کود گئے تھے لیکن شاید تم اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے تھے اور گاڑی کے پیچھے ہی اس خطرناک ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے تھے۔ گاڑی نشیب میں بہتے ہوئے دریا میں جاگری اور تم۔۔۔ ایک پتھر سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگئے تھے۔۔۔"

"خطرناک ڈھلان۔ گاڑی۔ دریا۔" میرے دماغ میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے "نہیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" میں سر جھٹکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔

"یاد کرو ہمت سنگھ۔" بلا چیخی "ذہن پر زور دو۔ ایسے!" وہ متوحش نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی "کہیں تمہارا دماغ تو نہیں کھو بیٹھے۔ او بھگوان۔ میں کیا کروں؟"

"تم کیوں پریشان ہورہی ہو۔ تمہارا مجھ سے کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کرو ہمت سنگھ۔" اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔ "ہم نے چانگ لی کے آدمیوں سے پانچ سو کلو ہیروئن چھین کر انہیں قتل کردیا تھا۔ چانگ لی اور ناگ پال دنیا کے خطرناک ترین آدمی ہیں۔ وہ یقیناً ہمیں تلاش کررہے ہوں گے اور ہم ان اونچے پہاڑوں میں اس اجنبی قبیلے میں۔۔۔ اور۔۔۔ اور تم۔۔۔ تمہیں کچھ یاد نہیں رہا۔ اگر وہ لوگ یہاں پہنچ گئے تو۔۔۔ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یاد کرو ہمت سنگھ، یاد کرو۔ کل رات۔۔۔ یدمی نامی گاؤں سے کچھ دور ہم نے جنگل میں ان کی گاڑی روکی تھی اور۔۔۔"

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ میں زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔ سر میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ مجھے کچھ یاد نہیں آیا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں آسکا کہ میں کون ہوں۔

"نہیں۔" میں نے ایک بار پھر سر کو جھٹکا دیا "مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اے بھگوان۔ میں کیا کروں۔" بلا سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر رونے لگی۔

اسی وقت سمبا اس عورت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ عورت کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جسے اس نے ہمارے سامنے رکھ دیا اور پھر وہ بلا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کچھ کہنے لگی۔ بلا یا میں اس کی بات تو نہیں سمجھ سکے لیکن اس کے ہمدردانہ لہجے سے مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بلا سے اظہارِ ہمدردی کررہی تھی۔

سمبا بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے میرے چہرے پر نظریں جمائے رہا پھر بلا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"پریشان مت ہو۔ معمولی زخم ہے۔ چند روز میں ٹھیک ہوجائے گا اور پھر تم لوگ یہاں سے جاسکو گے۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"تم اندازہ نہیں لگاسکتے سمبا، ہم کتنی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔" بلا نے کہا "میرا یہ ساتھی اپنی یادداشت کھوچکا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں رہا کہ وہ خود کون ہے اور یہ حادثہ کیسے پیش آیا تھا۔"

"اوہ!" سمبا عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا "اگر ایسا ہے تو یہ واقعی بڑی خوفناک بات ہوگی۔ میں ابھی جاکر وید سے بات کرتا ہوں۔ وہ بہت سیانا آدمی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ تم لوگ کھانا کھاؤ۔

میں وید کے پاس جاتا ہوں۔" اس نے پلیٹ اٹھا کر ہم دونوں کے بیچ رکھ دی۔

اس پلیٹ میں یاک کے بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اور دو پیالیوں میں قہوہ تھا۔ سمبا اس عورت کو کچھ ہدایات دیتا ہوا جھونپڑے سے چلا گیا۔

تھیوب نام کی وہ عورت ہمارے قریبی دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ کبھی میری طرف دیکھ کر کچھ کہتی اور کبھی بلا کی طرف پھر اس نے قہوے کی ایک پیالی اٹھا کر بلا کی طرف بڑھادی۔ بلا نے اس کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔ تھیوب نے دوسری پیالی میرے ہاتھ میں تھمادی۔

ہم قہوے کی چسکیوں کے ساتھ یاک کا بھنا ہوا گوشت بھی کھاتے رہے۔ گوشت میں ہلکی سی مہک تھی۔ میں تو بڑی رغبت سے کھا رہا تھا لیکن بلا کو شاید کھانے سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ زبردستی زہر مار کر رہی ہے۔

پلیٹ میں گوشت کے ایک دو چھوٹے ٹکڑے بچ گئے۔ خالی پیالیاں ہم نے پلیٹ میں رکھ دیں اور تھیوب پلیٹ اٹھا کر جھونپڑے سے باہر چلی گئی۔

"جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں پناہ دی ہے؟" بلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" میں نے بے بسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ تارانگ قبیلہ ہے جو پونگا رینج کے پہاڑوں میں سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر آباد ہے۔" بلا نے کہا "سمبا نے بتایا تھا کہ ان کا قبیلہ صدیوں سے یہاں آباد ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے اور مویشی پالتے ہیں۔ رائی، جو اور کچھ چاول کی فصل بھی ہوتی ہے۔ یاک کی افزائش نسل ان کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہ لوگ اس جانور کا دودھ بھی استعمال کرتے ہیں اور گوشت بھی کھاتے ہیں۔ سرد ترین موسم میں رہنے والا یہ جانور سواری اور باربرداری کے کام بھی آتا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ یہ لوگ اپنے مویشی اور رائی بیچنے کے لیے قریبی شہروں کی طرف نکل جاتے ہیں جہاں انہیں اپنے مال کی اچھی قیمت مل جاتی ہے۔

"یہ قبیلہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹا ہوا ہے اور صدیوں سے انہی پہاڑوں میں آباد ہے۔ یہ اگرچہ بدھ کے پیروکار ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی روایات میں بڑی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ بدھ کا تو اب صرف لیبل ہی رہ گیا ہے ورنہ ان کا کوئی دھرم نہیں ہے۔ ان کی اپنی کچھ روایات ہیں۔ یہ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ مہمان کے جان بھی دے دیتے ہیں۔ ان کے ہاں شادی کی رسم دلچسپ ہے۔ سال میں ایک مرتبہ کھلے میدان میں قابل ہر لڑکی کے لیے مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلے میں حصہ لے سکتا ہے۔ جیتنے والا لڑکی کا حق دار بنتا ہاں ایک اور دلچسپ رسم یہ ہے کہ یہ لوگ ایک عورتیں جیتنے کے لیے بھی آپس میں مقابلے کرتے ایسے انفرادی مقابلے کسی بھی وقت ہو سکتے ہیں اور فیصلہ بہرحال بستی کا کھیا ہی کرتا ہے۔ مرد کی حیثیت کا اندازہ اس کی عورتوں کی تعداد سے لگایا کسی مرد کے پاس تو کئی کئی عورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور واحد عورت بھی ہار جائے اسے کمزور اور بہت غریب جاتا ہے لیکن قبیلے کا کوئی شخص حسد و رقابت کے جذبات آشنا نہیں ہے۔

"ان کی ایک اور دلچسپ رسم یہ ہے کہ شادی شدہ آپس میں اپنی بیویوں کا تبادلہ بھی کر لیتے ہیں۔ مثلاً اور کو ایک دوسرے کی بیویاں پسند آجائیں تو وہ چند روز ان کا تبادلہ بھی کر لیتے ہیں۔"

"بڑی حیرت انگیز رسمیں ہیں۔" میں نے کہا "تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تم تو ان میں سے نہیں لگتے تمہارے چہرے کے نقش اور تمہارا حلیہ بھی ان سے ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟"

"بات کو سمجھنے کی کوشش کرو ہمت سنگھ۔" وہ آواز میں بولی "ہم بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والے اگر وہ لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف آگئے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"کون لوگ؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے طرف دیکھا "ہم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ ہماری کسی دشمنی ہے؟"

"چانگ لی کے آدمی۔" بلا نے کہا "ان کے دو ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور ہم نے ان کے قیمتی اربوں روپے کی ہیروئن چھین لی تھی۔ وہ ہیروئن تو دریا بہہ گئی لیکن ہم زندہ ہیں۔ ان کے انتقام کا نشانہ بنے لیے۔"

"کون دریا میں بہہ گئی۔" میں نے الجھی ہوئی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہیروئن۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں ہوئے کہا "اپنے ذہن پر زور دو ہمت سنگھ۔ یاد کرنے

رات ہم نے کس طرح ان لوگوں سے وہ ہیروئن چھینی تھی۔ ذہن پر زور دے کر سوچو تم کون ہو اور سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے تم اس طرف کیوں آئے تھے۔ تم نے چانگ لی کے آدمیوں سے وہ ہیروئن کیوں چھینی تھی اور پھر ہم رات بھر ان پہاڑوں میں سفر کرتے رہے لیکن صبح ہوتے ہی ہماری کار' گہرائی میں بہتے ہوئے دریا میں گر گئی تھی اور تم۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"جس جگہ کار گری تھی وہاں عمودی ڈھلان تھی اور دریا تقریباً چار سو فٹ کی گہرائی میں بہہ رہا تھا۔ تم بھی اس ڈھلان پر لڑھکتے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرا کر رک گئے تھے اور بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں تمہیں بچانے کے لیے ڈھلان پر اترنا چاہتی تھی لیکن وہ عمودی ڈھلان بہت خطرناک تھی۔ میں راستے کی تلاش میں تقریباً دو سو گز مزید اوپر چلی گئی اور پھر بستی نظر آگئی۔ میرے چیخنے کی آواز سن کر سمبا اور بستی کے کچھ لوگ اس طرف آگئے۔ انہوں نے تمہیں تو ڈھلان پر اتر کر بچا لیا لیکن وہ کار۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ مایوسی عود کر آئی تھی "جس جگہ کار گری تھی وہاں دریا بہت گہرا اور پانی کی رفتار بہت تیز تھی۔ کار پانچ سو کلو ہیروئن سمیت اس گہرے تیز رفتار پانی میں غائب ہو گئی۔ سمبا اور اس کے آدمی تمہیں اٹھا کر بستی میں لے آئے۔ تم تقریباً چھ گھنٹے بعد ہوش میں آئے تھے لیکن۔ لیکن۔ تمہیں کچھ یاد نہیں رہا۔ تم مجھے بھی بھول گئے ہو۔ اپنے آپ کو بھی بھول گئے ہو۔ یاد کرنے کی کوشش کرو ہمت سنگھ۔ ذہن پر زور دو۔ اگر تمہیں کچھ یاد نہ آسکا تو میں کیا کروں گی۔ ان اجنبی لوگوں کے بیچ کیسے زندہ رہ سکوں گی۔ یاد کرو ہمت سنگھ۔ ذہن پر زور دو۔ رات کو جب ہم نے جنگل میں اس گاڑی کو روکا تھا تو۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ میں سامنے جھونپڑی کی دیوار پر نظریں جمائے سوچنے لگا کہ میں کون ہوں۔ بلا نام کی اس خوب صورت عورت کے ساتھ پہاڑوں میں سفر کیوں کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی بات نہ آسکی۔ دماغ کی نسوں میں تناؤ سا پیدا ہونے لگا۔ اندھیرے کی چادر میری آنکھوں کے سامنے پھیلنے لگی۔ میں نے سوچنا چھوڑ دیا۔

ماحول میں ایک عجیب سی پراسراریت تھی۔ اجنبی لوگوں میں گھرا ہوا میں خود اپنے آپ سے اجنبی تھا۔ میں مڑھل کی کپکپاتی ہوئی لو کی طرف دیکھنے لگا۔ ذہن میں ایک بار پھر سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اچانک دماغ کو جھٹکا سا لگا جیسے کچھ یاد آرہا ہو لیکن پھر ایک دم تاریکی چھا گئی۔ کوئی بات ذہن کے تاریک گوشے سے ابھر کر سامنے آنا چاہتی تھی لیکن ہر مرتبہ دماغ پر سوئیوں کی چبھن سی ہونے لگتی۔ میں نے گدے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ میں کبھی بجلی کے کوندے سے لپکنے لگتے اور کبھی تاریکی چھا جاتی۔

قدموں کی آہٹ سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ بلا بدستور میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ آہٹ کی وہ آواز باہر سے آرہی تھی۔ کسی کے چلنے سے چھوٹے چھوٹے پتھر لڑھک رہے تھے۔ قدموں کی وہ آواز جھونپڑے کے قریب رک گئی پھر دروازہ کھلا اور سمبا اندر داخل ہوا۔ اس نے کندھے پر تہ کیے ہوئے چار کمبل اٹھا رکھے تھے۔ یہ کمبل خاصے موٹے اور وزنی تھے۔ اس نے دو کمبل میرے پیروں کی طرف اور دو دوسرے گدے پر ڈال دیے تھے۔

اس نے سرسری سے انداز میں باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پھر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب۔ کیا محسوس کر رہے ہو؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے ہمدردانہ لہجے پوچھا۔

"اس حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ کچھ یاد نہیں آرہا اسے۔" میرے بجائے بلا نے جواب دیا۔

"میں وید کو بلانے گیا تھا۔" سمبا نے کہا "وہ اپنے جھونپڑے میں نہیں ہے۔ پہاڑی کے اس پار دوسری بستی میں گیا ہوا ہے۔ صبح واپس آئے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اٹھتے ہوئے بولا "کھیا کو بھی تم لوگوں کے بارے میں تشویش ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے تم لوگ کون ہو اور ان پہاڑوں میں کیا کر رہے تھے۔ بہرحال' اب میں چلتا ہوں۔ صبح وید کو لے کر آؤں گا۔ باہر سردی بڑھ گئی ہے۔ کوشش کرنا کہ کسی اشد ضرورت کے بغیر رات کو جھونپڑے سے باہر نہ نکلنا پڑے۔ ہمارے قبیلے کے لوگ اگرچہ بہت اچھے ہیں لیکن تمہیں دیکھ کر شاید کسی کی نیت میں فتور آجائے۔" آخری الفاظ اس نے بلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

اسی وقت میری نظریں بھی بلا کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں وحشت سی پھیل گئی۔

"اس کے علاوہ!" سمبا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "رات کو اس علاقے میں جنگلی جانور بھی گھومتے رہتے ہیں۔ کوئی جانور خطرناک بھی ہو سکتا ہے اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

سمبا جیسے ہی باہر نکلا' بلا نے جلدی سے آگے بڑھ کر

دروازہ بند کردیا۔ کنڈے کے ساتھ چمڑے کا ایک لمبا سا فیتہ بھی لٹکا ہوا تھا۔ اس نے وہ فیتہ کنڈے میں ڈال کر دو تین بل دے کر گرہ لگا دی۔ دوسری طرف کا دروازہ بھی اسی طرح بند کیا اور میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ وہ اچانک ہی اسے طرح کپکپانے لگی تھی جیسے سردی چڑھ گئی ہو۔ میں نے اپنے پیروں کی طرف پڑے ہوئے دونوں کمبل کھول لیے اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بلا کمبل میں گھس گئی۔ اس کا بدن واضح طور پر کپکپا رہا تھا۔ میں نے باقی دو کمبل بھی اٹھا کر اس کے اوپر ڈال دیے۔ صرف ایک کمبل ایسا تھا جو میں نے بھی جزوی اوڑھ رکھا تھا۔

بلا کا سر میرے گھٹنے پر ٹکا ہوا تھا۔ وہ چاقو کی طرح دہری ہو کر کمبلوں میں دبکی ہوئی تھی اور پھر اچانک اس کی سسکیوں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ بلا رو رہی تھی لیکن میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

بلا روتے روتے سوگئی۔ میں نے اس پر کمبل درست کردیے اور خود بھی کمبل لپیٹ کر اس کے قریب ہی لیٹ گیا۔

تین فٹ کی بلندی تک جھونپڑے کی دیوار پتھروں سے بنائی گئی تھی اور اس سے اوپر لکڑیاں کھڑی کرکے درختوں کی خشک شاخوں اور جھاڑیوں سے دیواریں بنائی گئی تھیں۔ ان دیواروں پر اندر اور باہر کی طرف یاک کی کھال ڈال دی گئی تھی اور ان کھالوں کی وجہ سے یہ جھونپڑے بارش اور ہوا سے محفوظ ہوگئے تھے۔

سمبا نے ٹھیک کہا تھا کہ رات کو سردی بڑھ جائے گی۔ جھونپڑے کے دونوں دروازے اگرچہ بند تھے لیکن ان میں کچھ جھریاں سی رہ گئی تھیں جن سے ہوا کی آمدورفت جاری تھی اور اس ہوا سے جھونپڑے کی فضا خاصی ٹھنڈی ہورہی تھی۔ لگتا تھا جیسے سرد خانے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ بلا نے اگرچہ تین کمبل اوڑھے ہوئے تھے لیکن وہ اس طرح سمٹی ہوئی تھی کہ گھٹنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے اور کبھی کبھی تو وہ سوتے ہی میں کپکپانے لگتی تھی۔

میں جھونپڑے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رات بھر یہی سوچتا رہا کہ میں کون ہوں؟ بلا کون ہے اور میں اس کے ساتھ ان پہاڑوں میں سفر کیوں کررہا تھا۔ میرے دماغ میں کبھی سنسناہٹ اور کبھی دھماکے ہونے لگتے لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ دماغ میں شدید تیسیں اٹھنے لگتیں اور میں ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے زور زور سے سر جھٹکنے لگتا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ ہر طرف گہرا سکوت اور سناٹا تھا۔ کمبلوں میں دبکی ہوئی بلا کے بہت ہلکے خراٹوں کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن اچانک آواز سن کر میں چونک گیا۔ یوں لگا تھا جیسے چند چھوٹے پتھر کے پیروں سے ٹکرا کر لڑھکے ہوں۔ اس کے بعد یک جیسا سناٹا چھا گیا۔

میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ دو تین منٹ گزر گئے اور پھر سنائی دی آواز دوبارہ سنائی دی۔ بالکل یوں لگا جیسے زمین پر بکھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھروں پر کوئی شخص بہت احتیاط سے چلنے کی کوشش کررہا ہو۔

میں سانس روکے بیٹھا رہا۔ وہ آواز جھونپڑے کے مشرقی دروازے کے قریب رک گئی۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی اور اس مرتبہ مجھے چونک جانا پڑا۔ جھونپڑے کا دروازہ بہت آہستگی سے حرکت کررہا تھا۔ دروازے کے تختے تقریباً ایک انچ کا خلا تھا۔ میرا خیال تھا باہر کوئی جانور ہوگا۔ دروازے کے قریب آکر بیٹھ گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے انسانی انگلیاں دروازے کے اس خلا میں داخل ہوتے دیکھ میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ باہر جانور نہیں انسان تھا جو دو انگلیاں دروازے کے خلا میں داخل کرکے چمڑے کا فیتہ کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔

میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی سیدھی پنڈلی پر پہنچ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا اور سنسناہٹ ہونے لگی۔ جیسے تیز آندھیاں چل رہی ہوں۔ میرے لاشعور سے کوئی بات ابھر کر سامنے آنا چاہتی تھی دماغ میں سوئیوں کی چبھن سی محسوس ہونے لگی۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ میرے ہاتھ کی انگلیاں پنڈلی کو ٹٹول رہی تھیں اور پھر میں ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھ گیا اور آنکھیں کھول دیں۔ میری نظریں دروازے طرف اٹھ گئیں۔ وہ دونوں انسانی انگلیاں اب بھی دروازے پر چمڑے کا فیتہ کھولنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"اے۔ کون ہے۔ باہر کون ہے؟" میں ایک جھٹکے اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے ان دونوں انگلیوں کو پکڑنے کی کوشش کی وہ ہاتھ پیچھے ہٹ گیا اور پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی پتھروں پر دوڑتا ہوا دور چلا گیا ہو۔ چند لمحوں بعد پھر سناٹا طا ہوگیا۔

بلا میری آواز سے جاگ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہمت سنگھ! کون ہے؟" اس نے دہشت زدہ

آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔

"پتا نہیں کون تھا۔ ہاتھ اندر ڈال کر دروازہ کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

بلا کے چہرے پر خوف کے سائے رقص کرنے لگے۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ اس نے دروازے کے فیتے کو مزید گرہیں لگا دیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر چمڑے کے گدے پر آگئی۔ وہ سردی اور خوف سے کانپ رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی اور تمام کمبل اوپر ڈال لیے۔

"کوئی جانور ہوگا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "سمبا نے خبردار بھی کردیا تھا کہ رات کو جنگلی جانور اس طرف پھرتے رہتے ہیں۔"

"جانور نہیں، کوئی انسان تھا۔" میں نے جواب دیا "وہ ہاتھ اندر ڈال کر دروازے کا فیتہ کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔"

"اس قبیلے کے لوگ بظاہر بہت شریف لگتے ہیں لیکن کسی کا بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" بلا نے کہا "تم کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو ہمت سنگھ۔ میں نے ابھی تک انہیں تمہارے اور اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ یہ لوگ ہمیں ٹورسٹ سمجھ رہے ہیں جو بھٹک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔ اگر انہیں ہماری اصلیت کا پتا چل گیا تو نجانے ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ کسی مہذب آبادی سے سیکڑوں میل دور اجنبی لوگوں میں گھرے ہوئے ہم لوگ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ اپنی یادداشت کو واپس لانے کی کوشش کرو۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔" میں نے بے بسی سے سر جھٹک دیا۔

بلا مجھ سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ میں اسے اپنے سے الگ کرنے کے بجائے اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔

"کیا ہوگا ہمت سنگھ؟" اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

میں اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ میرے پاس کوئی جواب تھا ہی نہیں۔

رات کا آخری پہر بھی بیت رہا تھا۔ بلا کبھی اونگھنے لگتی اور کبھی میرے ساتھ لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگتی۔

باہر ہواؤں کی اور چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو بلا بھی اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ پہلے اس نے دروازے کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا پھر چمڑی فیتے کی گرہیں کھول کر دروازہ کھول دیا۔

ہوا کا ایک یخ بستہ جھونکا جھونپڑے میں داخل ہوا اور میں ایک لمحے کو کپکپا اٹھا۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ مشرقی پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں پر سرخی پھیل رہی تھی پھر سورج نکل آیا اور دھوپ کی روپہلی کرنیں جھونپڑے کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر تک پہنچنے لگیں۔

بلا ایک کمبل لپیٹ کر دروازے کے سامنے دھوپ میں بیٹھ گئی۔ میں بھی دروازے سے باہر دیکھنے لگا۔ بستی کے لوگ بیدار ہوچکے تھے۔ بستی میں ادھر ادھر لوگوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد تھیوب ہمارے جھونپڑے میں آگئی۔ اس نے وہی رات والا مختصر سا لباس پہن رکھا تھا۔ گھٹنوں سے اوپر دھوتی کی طرح لپٹی ہوئی چادر جس کے ایک طرف اوپر تک چاک تھا اور جسم کے بالائی حصے پر بھی اس کا لباس مختصر تھا۔ اس وقت میں نے پہلی مرتبہ توجہ سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی جان دار عورت تھی۔

تھیوب نے مسکرا کر پہلے بلا کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہا بھی تھا۔ الفاظ تو میری سمجھ میں نہیں آسکے لیکن مفہوم واضح ہوگیا۔ وہ یقیناً میری خیریت دریافت کررہی تھی۔ جواب میں، میں نے بھی محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

تھیوب نے بلا کو اشارہ کیا اور بلا اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ جھونپڑے کے کھلے ہوئے دروازے سے وہ کچھ دور تک مجھے نظر آتی رہیں پھر ایک طرف مڑ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد تین چار بچے دروازے کے سامنے آکر جھونپڑے میں جھانکنے لگے۔ میں ان کے لیے عجوبہ ہی تھا۔ گزشتہ شام سمبا نے بتایا تھا کہ ان کی یہ بستی کسی بھی مہذب آبادی سے سیکڑوں میل دور ہے۔ قبیلے کے لوگ ان اونچے پہاڑوں سے کبھی باہر نہیں نکلے۔ صرف چند لوگ سال میں ایک مرتبہ مویشی اور اناج وغیرہ لے کر کسی شہر میں جاتے ہیں۔ یہ قبیلہ عام گزرگاہ سے بھی میلوں دور ہے۔ اس طرف سیاحوں کی آمدورفت بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا سیاح اس طرف آنکلتا ہے تو یہ لوگ اسے عجوبہ ہی سمجھتے ہیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد تھیوب اور بلا واپس آگئیں۔ وہ دریا کی طرف سے آئی تھیں۔ بلا نے منہ دھویا تھا اور وہ ٹین کے ایک ڈبے میں میرے لیے پانی لے آئی تھی جسے اس نے جھونپڑے کے باہر رکھ دیا تھا۔

تھیوب' بلا کو جھونپڑے کے سامنے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ بلا کے اشارے پر میں اٹھ کر باہر آگیا اور ڈبے سے پانی لے کر منہ ہاتھ دھونے لگا بلکہ بلا میرا منہ دھلا رہی تھی۔

ہم وہیں جھونپڑے کے سامنے دھوپ میں بیٹھ گئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد تھیوب ہمارے لیے ناشتا لے آئی۔ جو کی روٹی' قہوہ اور یاک کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ یہی ان لوگوں کی خوراک تھی۔

ہم ابھی ناشتا کر رہے تھے کہ سمبا اور کھیا بھی وید کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ میں نے ناشتا چھوڑ دیا۔ وید نے میرے سر کی پٹی کھولی اور دوبارہ وہی مرہم لگا کر پٹی کس دی۔ سمبا نے شاید اسے میری یادداشت کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پٹی باندھ کر وید' سمبا کے توسط سے مجھ سے کچھ باتیں پوچھتا رہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی حادثے کے باعث یادداشت ختم ہو جاتی ہے لیکن ایسا وقتی طور پر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کسی اور معمولی حادثے سے یا کوئی غیر معمولی بات یاد دلانے سے تمہاری یادداشت لوٹ آئے۔"

وید اور کھیا چلے گئے البتہ سمبا وہاں بیٹھا رہا۔ وہ مجھے اپنے اس تارانگ قبیلے کے بارے میں بتا رہا تھا جو اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی چند بستیوں کی صورت میں قرب و جوار کی پہاڑیوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ قبیلہ صدیوں پہلے تبت سے ہجرت کر کے یہاں آیا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ بنیادی طور پر بدھ کے پیروکار تھے لیکن ان کے دھرم میں بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں بلکہ بنیادی طور پر کسی دھرم کا وجود ہی نہیں رہا تھا۔ ان کے ہاں کسی عبادت کا تصور نہیں تھا۔

سمبا تقریباً دو گھنٹوں تک وہاں بیٹھا رہا پھر مجھے لے کر بستی کی سیر کرانے لگا۔ زیادہ تر مرد بستی سے باہر پہاڑیوں کے دامن میں کھیتوں پر چلے گئے تھے۔ عورتیں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ تمام جھونپڑوں کے دو دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف۔ اس طرح جھونپڑوں کے اندر بھی ہوا اور روشنی کا معقول انتظام ہو گیا تھا۔ جھونپڑے بہت صاف ستھرے تھے۔ فرش کی لپائی پوتائی کا بہت خیال رکھا گیا تھا۔ کئی جھونپڑوں میں تو عورتیں اب بھی گارے سے فرش کی لپائی کر رہی تھیں۔

یوں تو تمام جھونپڑے بڑے بڑے اور کشادہ تھے تاہم کھیا کا جھونپڑا سب سے بڑا تھا۔ بعض جھونپڑے اندر سے دو یا تین حصوں میں تقسیم تھے۔ ہر جھونپڑے کے سامنے ہٹ کر پتھروں سے چولھے بنے ہوئے تھے اور ان کے قریب ہی ڈبوں یا مختلف برتنوں میں پانی بھی رکھا ہوا تھا۔

میں جس طرف سے بھی گزرتا' عورتیں مسکرا مسکرا میری طرف دیکھتیں اور بچے تو مستقل ہمارے پیچھے ہوئے تھے۔ سمبا ایک جھونپڑے کے سامنے رک گیا۔

"یہ تھاپا کا جھونپڑا ہے۔" اس نے بتایا "عورتوں والے سے اسے اس بستی کا سب سے امیر شخص سمجھا جاتا ہے۔ اس کے قبضے میں پانچ عورتیں ہیں اور وہ سب کی سب اس وقت تمہارے سامنے موجود ہیں۔"

میں حیرت سے ان پانچ عورتوں کو دیکھنے لگا جو جھونپڑے کے اندر اور اس کے آس پاس اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں لیکن ان کا مالک تھاپا نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے بارے میں سمبا نے بتایا کہ وہ کسی کام سے صبح ہی پہاڑی کی دوسری طرف والی بستی میں چلا گیا ہے۔

وہ پورا دن کسی غیر معمولی واقعے کے بغیر گزر گیا۔ زیادہ تر تھیوب اور دوسری عورتوں کے ساتھ رہی تھی۔ رات کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے بلا جھونپڑے میں آگئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سمبا بھی آگیا۔ وہ ہمیں ایک جھونپڑے میں لے گیا۔ بلا نے آج دن میں اسے بتا دیا تھا کہ گزشتہ رات کسی نے ہمارے جھونپڑے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی اور شاید اسی لیے سمبا نے ہمارا جھونپڑا تبدیل کر دیا ہے۔

ہمارا یہ نیا جھونپڑا قدرے بڑا تھا اور اس کے ارد گرد دوسرے جھونپڑے بھی تھے۔ سمبا کے خیال میں اس "گنجان" آبادی میں ہمیں کوئی پریشان کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

اس رات سمبا بھی ہمارے پاس دیر تک بیٹھا رہا۔ جانے سے پہلے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ آج رات ہمیں کوئی پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔

سمبا کا کہنا درست ثابت ہوا تھا۔ اس رات کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔

صبح ناشتے کے بعد میں اکیلا ہی ٹہلتا ہوا دریا کی طرف چلا گیا۔ بلا حسب معمول تھیوب اور بستی کی عورتوں کے ساتھ تھی۔ دریا بستی سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔ کنارے پر پہنچ کر جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کافی دور نکل گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب میں واپس آرہا تھا تو ایک جگہ قدِ آدم جھاڑیوں میں سرسراہٹ سن کر رک گیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا' کوئی جانور ہوگا لیکن ایک طرف دو عورتوں کو جھاڑیوں سے برآمد ہوتے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ دونوں زیریں لباس پہنے ہوئے تھیں۔ جسم کے بالائی حصے نیم برہنہ تھے۔ ان دونوں کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بڑی خطرناک تھی۔ وہ دونوں چند لمحے میرے چہرے کو تکتی رہیں پھر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ ان کے خطرناک ارادے بھانپنے میں مجھے دشواری پیش نہیں آئی۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ دونوں بانہیں پھیلا کر اور قدرے جھک کر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ ان کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے کسی مرغے کو گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔

میں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس وقت میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ سمبا نے مجھے اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ اس قبیلے کی عورتیں کسی وقت اس قدر خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے میرا پیر ایک پتھر سے ٹکرا گیا۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔ توازن بگڑ گیا تھا' میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور پشت کے بل زمین پر گرا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ گرتے ہوئے میرے دونوں ہاتھ زمین پر ٹک گئے تھے۔

وہ دونوں خوں خوار بلیوں کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑیں۔ وہ قہقہے لگا رہی تھیں اور میں چیخ رہا تھا اور پھر اچانک ایک گونج دار آواز سن کر ان دونوں نے مجھے چھوڑ دیا اور الٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک جانب سمبا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر برہمی کے تاثرات تھے۔ وہ بڑے غصیلے انداز میں ان دونوں عورتوں سے کچھ کہتا رہا۔ وہ خاموش کھڑی رہیں۔ ان کے چہروں سے مایوسی جھلکتی تھی۔ میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ میں ان کی "دہشت" نے میری قمیص تار تار کر دی تھی۔

سمبا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں تمہاری ہی تلاش میں اس طرف آیا تھا۔ میں اپنے قبیلے کی عورتوں کے اس پہلو کے بارے میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔" اس نے رک کر ان دونوں عورتوں سے کچھ کہا۔ وہ قہقہے لگاتے ہوئے جھاڑیوں میں غائب ہو گئیں۔ سمبا مسکرا کر میری جانب دیکھنے لگا۔ میں نے الجھے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"کیا بات ہے۔ تم میری تلاش میں کیوں آئے تھے؟"

میں نے اپنی پھٹی ہوئی شرٹ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بستی میں ایک اجنبی آیا ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" سمبا نے کہا۔

"اجنبی! مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

اور پھر ہم دونوں بستی میں آگئے۔ بستی میں داخل ہوتے ہی بلا دوڑتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔

"وہی ہوا جس کا ڈر تھا ہمت سنگھ۔" اس نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "وہ آدمی اگرچہ ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ چانگ لی یا ناگ پال کا آدمی ہے۔"

"ناگ پال!" میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ میں نے بہت کوشش کی مگر اس نام سے آگے مجھے کچھ یاد نہیں آسکا۔ میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

سمبا کے کہنے کے مطابق وہ اجنبی کھیا کے جھونپڑے میں میرا منتظر تھا لیکن سمبا پہلے مجھے ایک اور جھونپڑے میں لے گیا۔ یہاں دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ سمبا نے ایک عورت سے کچھ کہا جس نے جھونپڑے میں ایک طرف رسی پر ٹنگا ہوا براؤن رنگ کا ایک چوغہ اتار کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے پھٹی ہوئی قمیص اتار کر وہ چوغہ پہن لیا اور سمبا کے ساتھ جھونپڑے سے باہر آگیا۔

جب ہم کھیا کے جھونپڑے میں داخل ہوئے تو بلا بھی ہمارے ساتھ تھی۔ جھونپڑے میں ایک طرف تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچا ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جو لمبائی چوڑائی میں ایک پلنگ کے برابر تھا۔ اس چبوترے پر کھیا اور وید کے علاوہ وہ اجنبی بھی بیٹھا ہوا تھا جو مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ لمبے قد اور چھریرے جسم کا مالک تھا۔ نیپالی لباس اور سر پر گول ٹوپی بھی تھی۔ اس کے گال غیر معمولی طور پر پھولے ہوئے اور آنکھیں چھوٹی تھیں جن میں عیاری کی چمک نمایاں تھی۔ یہ شخص پہلی ہی نظر میں مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ بڑی کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کچھ کہنا چاہا مگر وید نے اشارے سے اسے روک دیا۔ اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور میرے سر کی پٹی کھولنے لگا۔

زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے تھیلے میں سے ڈبیا نکالی اور زخم پر مرہم لگا کر دوبارہ پٹی باندھ دی اور پھر اس اجنبی کو اشارہ کیا کہ وہ مجھ سے بات کرسکتا ہے۔

"میرا نام یوگندر ناتھ ہے۔" اس نے کوٹ کی جیب سے ایک میلا سا رومال نکالتے ہوئے اپنا تعارف کرایا "میں ٹورسٹ آفیسر ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔ ان پہاڑوں میں سفر کرنے والوں کی دیکھ بھال کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بتاؤ۔ اب تمہیں کچھ یاد آرہا ہے یا نہیں؟"

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ شخص مجھے ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا اور میری خواہش تھی کہ اوٹ پٹانگ سوالات سے میرا دماغ خراب کرنے کے بجائے وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جائے۔ چند رسمی سی باتوں کے بعد اس نے بتایا کہ وہاں سے بیس میل دور سڑک کے کنارے نیلے رنگ کی ایک کار کھڑی ہوئی ملی ہے جو ٹورازم کے علاقائی دفتر میں موجود ہے۔ وہ مجھ سے اس کار کی شناخت کرانا چاہتا تھا کہ وہ میری ہے یا نہیں؟ یہ جاننے کے بعد کہ میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں اس کا یہ سوال ہی احمقانہ تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ وید جی نے مجھے آرام کا مشورہ دیا ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے وید کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں وید جی سے مشورہ کرلیتا ہوں۔" اس نے کہا اور وید کی طرف دیکھتے ہوئے تبتی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ وہ دونوں اس زبان میں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر یوگندر ناتھ میری طرف متوجہ ہوگیا "وید جی نے کہا ہے کہ میں تمہیں کل اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں کل بھی تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔ تم اگر کوئی کار شناخت کرانا چاہتے ہو تو اسے یہاں کیوں نہیں لے آئے؟" میں نے جواب دیا۔ نجانے کیا بات تھی کہ میں اس کی موجودگی میں عجیب سی بے چینی محسوس کرتا رہا تھا۔

وید بھی جا چکا تھا اور کھیا بھی۔ جھونپڑے میں ہم صرف چار افراد رہ گئے تھے۔ میں، بلا، سمبا اور کھیا کی بیوی چبوترے پر میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ کون تھا ہمت سنگھ۔" بلا میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "یاد کرنے کی کوشش کرو، یہ کون تھا ہمارے گرد خطرات منڈلانا شروع ہوگئے ہیں۔ اپنے ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم خیریت سے یہاں سے نکل سکیں۔"

"میں نہیں جانتا یہ شخص کون تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔" میں نے جواب دیا اور اٹھ کر جھونپڑے سے باہر آگیا۔

بلا بھی میرے ساتھ ہی جھونپڑے سے باہر نکلی تھی لیکن اسے تھیوب پکڑ کر ایک طرف لے گئی اور میں کھیا کے جھونپڑے سے کچھ دور ایک درخت کے نیچے پڑے ہوئے پتھر پر بیٹھ گیا۔ میں یوگندر ناتھ نامی اس شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب سے گزر گیا۔ اس کے خون آلود ہاتھ دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو آدمی ایک اسٹریچر اٹھائے بستی میں داخل ہوئے۔ یہ کوئی باقاعدہ اسٹریچر نہیں تھا۔ لکڑی کی دو موٹی موٹی شاخوں کو ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھ کر پودوں کی پتلی اور لچک دار شاخوں سے باندھ کر اسٹریچر بنایا گیا تھا اور اس اسٹریچر پر ایک آدمی کی لاش پڑی تھی۔ لاش پر کئی جگہ زخم نظر آرہے تھے۔ اسے بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔

وہ لوگ لاش کو کہیں دور سے اٹھا کر لائے تھے۔ ان کے ساتھ چار پانچ آدمی اور بھی تھے۔ اسٹریچر کھیا کے جھونپڑے کے سامنے رکھ دیا گیا۔ بستی میں موجود لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ لاش کا چہرہ دیکھتے ہی میں بدحواس سا ہوگیا۔ وہ یوگندر ناتھ تھا جو محکمہ ٹورازم کے آفیسر کی حیثیت سے مجھ سے ملا تھا۔ ابھی میں لاش کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں پایا تھا کہ سمبا بھی وہاں پہنچ گیا۔

"تم اپنے جھونپڑے میں جاؤ۔ میں کچھ دیر بعد تم سے ملاقات کروں گا۔" سمبا نے میرا بازو پکڑ کر مجھے وہاں سے ایک طرف ہٹا دیا اور آدمیوں کو لاش اٹھانے کا اشارہ کیا۔

میں اپنے جھونپڑے میں آگیا اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر کا منظر دیکھنے لگا۔ جھونپڑوں کے درمیان مختصر سے میدان میں بہت سے لوگ جمع ہوچکے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی اور بچے بھی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بلا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ وہ خاصی بدحواس اور خوف زدہ نظر آرہی تھی۔

"تمہارے لیے ایک بری خبر ہے۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تھیوب کہہ رہی تھی کہ ہمیں اب اس بستی سے نکال دیا جائے گا۔"

"کیوں۔۔۔؟ انہوں نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کرلیا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ یہ خیال ہی وحشت انگیز تھا کہ ہمیں اس بستی سے نکالا جانے والا ہے۔ اجنبی جگہ۔۔۔ اجنبی لوگ۔۔۔ اپنے آپ سے اجنبی۔۔۔! میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔

"یوگندر ناتھ مرچکا ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ مرنے سے پہلے وہ جس آخری انسان سے ملا تھا وہ تم ہو۔" بلا نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"میری ملاقات کا اس کی موت سے کیا تعلق؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ بس وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم آخری شخص ہو جس سے یوگندر ملا تھا۔ میں تھیوب کے پاس جارہی ہوں۔ کچھ دیر بعد آؤں گی۔" بلا تیزی سے باہر نکل گئی۔

میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ مجھ سے ملاقات کے بعد اگر یوگندر ناتھ مرگیا تھا یا کسی نے اسے قتل کردیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا۔ میں اپنی انہی ذہنی الجھنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سمبا کا انتظار کرنے لگا اور سمبا تقریباً آدھے گھنٹے بعد آیا تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ مجھے اس بستی سے نکالا جارہا ہے؟" میں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"ہاں ہمت سنگھ۔" وہ بولا "ہمارے قبیلے کے لوگ بہت توہم پرست ہیں۔ یہاں برسوں سے اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ یہ بہت صلح جو اور امن پسند لوگ ہیں اور۔۔۔"

"اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یوگندر ناتھ اپنی موت سے کچھ دیر پہلے مجھ سے مل کر گیا تھا۔ اس لیے اس کی موت کا ذمے دار بھی میں ہی ہوں۔ گویا میں کسی شیطانی قوت کے زیر اثر ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "یوگندر کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟ اسے قتل کیا گیا تھا یا کوئی حادثہ؟"

"اس کی موت کی وجہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کی لاش بستی سے تقریباً ایک میل دور پہاڑیوں میں اس کی جیپ کے قریب پڑی ہوئی پائی گئی تھی جس پر زخموں کے لاتعداد نشان تھے اور زبان بھی کٹی ہوئی تھی۔ آس پاس اس کی جیپ کے پہیوں کے سوا اور کسی قسم کے نشان نہیں ملے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہو کہ اسے کسی نے قتل کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے اس کی موت کو پراسرار قرار دیا جارہا ہے اور۔۔۔"

"اور اس کا ذمے دار مجھے ٹھہرایا جارہا ہے کیونکہ وہ آخری مرتبہ مجھ سے مل کر گیا تھا۔" میں نے اس کا جملہ پورا کردیا۔

سمبا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک نظریں جھکائے کھڑا رہا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری دوست بلا، تھیوب کے ساتھ رہے گی اور تم اپنے جھونپڑے سے باہر نہیں نکلو گے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد تمہیں دوسری بستی میں منتقل کردیا جائے گا۔"

"دوسری بستی میں! کیا مطلب؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ بستی یہاں سے چند میل دور پہاڑیوں میں واقع ہے۔ وہاں تم محفوظ رہو گے۔" سمبا نے جواب دیا۔

"کیا یہاں مجھے کوئی خطرہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس قبیلے کے لوگ صلح جو اور امن پسند ہیں لیکن اس قسم کا غیر معمولی واقعہ ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا کرسکتا ہے اس لیے کھیا نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں دوسری بستی میں بھیج دیا جائے۔ تم وہاں محفوظ رہو گے۔"

سمبا چلا گیا اور میں ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ قبیلے کی توہم پرستی کے بارے میں سن کر میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ بستی کے لوگ مجھے کسی پراسرار شیطانی قوت کے زیر اثر سمجھ رہے تھے اور ظاہر ہے، وہ یہاں میری موجودگی کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن۔۔۔ میں یہ بستی اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک میری یادداشت نہ لوٹ آئے۔ یہاں سے کہیں اور جانے کے لیے میری یادداشت کا بحال ہونا بہت ضروری تھا۔ آخر میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ اور یہاں کس طرح پہنچا اور بلا سے میرا کیا تعلق ہے؟ ذہن پر بوجھ ڈالنے سے میرا سر درد کرنے لگا اور میں کسی خاطر خواہ نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

میں دن بھر اپنے جھونپڑے سے باہر نہیں نکلا۔ مجھے منع کردیا گیا تھا۔ بلا اگرچہ مستقل طور پر میرے جھونپڑے میں نہیں ٹھہری لیکن اس کی آمدورفت جاری رہی۔ وہ بہت بد حواس اور خوف زدہ تھی۔ وہ جب بھی جھونپڑے میں آتی' چند منٹ رکتی اور پھر واپس چلی جاتی۔ اس مرتبہ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تھیوب اور دوسری عورتوں کے توسط سے یہ کوشش کررہی ہے کہ کھیا کو اس بات پر آمادہ کرلیا جائے کہ ہمیں اس بستی سے کہیں اور نہ بھیجا جائے۔

سہ پہر کے قریب میں نے پیشاب کے لیے جھونپڑے سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے مجھے روک لیا۔ اس نے کچھ کہا تھا لیکن تبتی زبان کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑسکا جبکہ وہ خود تبتی کے سوا کوئی اور زبان نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بتایا تو اس نے جھونپڑے کے اندر آکر ایک نکڑ کی طرف اشارہ کردیا اور مجھے مجبوراً اس نکڑ میں جاکر فراغت حاصل کرنی پڑی۔

وہ چاند کی چودھویں شب تھی۔ غروب آفتاب کے فوراً ہی بعد چاند طلوع ہوگیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سمبا جھونپڑے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ بلا بھی تھی اور پھر صرف دو منٹ بعد میں اور بلا' سمبا کے ساتھ بستی سے نکل رہے تھے۔

چاندنی رات میں آس پاس بکھری ہوئی وادی کا منظر بڑا دل فریب تھا۔ اگر میں ذہنی طور پر اپ سیٹ نہ ہوتا اور نا گفتہ بہ صورت حال سے دوچار نہ ہوتا تو اس منظر سے لطف اندوز ہونے کی کوشش ضرور کرتا۔

سمبا مجھے اس بستی کے بارے میں بتا رہا تھا جہاں ہم جارہے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ بستی چٹانی غاروں میں آباد تھی۔ بعض غار قدرتی تھے جبکہ بیشتر چٹانیں کاٹ کر بنائے گئے تھے۔

میرا خیال تھا کہ وہ بستی زیادہ سے زیادہ دو چار میل کے فاصلے پر ہوگی لیکن ہم ان پہاڑوں میں پر پیچ راستوں پر تقریباً چار گھنٹوں تک چلتے رہے اور بالآخر اس پراسرار بستی میں پہنچ گئے۔

میں اسے پراسرار ہی کہوں گا کیونکہ کوئی جھونپڑا یا مکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ساری آبادی پہاڑی غاروں میں تھی۔ ان غاروں کے سامنے ایک جگہ چھوٹے سے میدان میں آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن تھا اور کئی لوگ اس الاؤ کے اردگرد جمع تھے۔ ان میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں اور گیارہ بارہ سال سے اوپر کی عمر کے بچے بھی۔

سمبا ایک لمحے کو ان لوگوں کے قریب رکا تھا اور پھر ہمیں اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ چاندنی رات میں چٹانی غاروں کی یہ بستی واقعی بہت پراسرار لگ رہی تھی۔

میرے خیال میں یہ غار چٹانوں میں صدیوں کی شکست ریخت کے بعد معرض وجود میں آئے تھے اور شاید یہ لوگ بھی بہت عرصے سے ان غاروں کو اپنا مسکن بنائے ہوئے تھے۔

ایک چٹان پر چڑھ کر ہم ایک غار میں داخل ہوگئے۔ غار جزوی طور پر انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا تھا۔ اندر داخل ہونے کا راستہ ایک مکان کے عام دروازے کی طرح تھا۔ دونوں طرف چٹانوں کو تراش کر ستون بنائے گئے تھے۔

اندر سے یہ غار دس بائی دس فٹ کے ایک کمرے کے برابر تھا۔ اس کی دیواریں کھردری تھیں۔ پیچھے کی طرف ایک تنگ سا رستہ تھا۔ ایک دیوار میں مشعل ٹنگی ہوئی تھی جبکہ دوسری دیوار کے قریب ایک گدا بچھا ہوا تھا۔ اس پر ایک کمبل بھی پڑے ہوئے تھے۔

"یہ تمہارا کمرا ہے۔" سمبا نے کہا "یہاں تم آرام سے رہ سکتے ہو۔ یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

بلا کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ اچانک میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ذہن پر گہری تاریکی کے بجائے دھند سی محسوس ہورہی تھی۔ اس دھند میں کچھ ہیولے سے ابھر رہے تھے۔ اچانک اپنے بازو پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کرکے میں اچھل پڑا۔ وہ بلا تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی جیسے کسی بات پر خوف زدہ ہو۔

"تم لوگ تھک گئے ہوگے۔ آرام کرو۔" سمبا نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا "آج پورن ماشی (پورے چاند کی رات ہے۔ چاند کی چودھویں شب۔ آدھی رات کو یہاں چن گومپا آنے والا ہے۔ بہت دلچسپ آدمی ہے۔ تم لوگ بھی اس سے مل کر خوش ہوگے لیکن اگر نہ بھی ملنا چاہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آرام سے یہاں پڑے رہنا۔ اب تم سے ملاقات ہوگی۔" وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا اور ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہاں کوئی تم لوگوں کے لیے کھانا لے کر نہیں آئے گا۔ تھوڑی دیر بعد سامنے والے میدان میں یاک کا گوشت بھونا جائے گا۔ تم لوگ بھی وہاں جاکر اپنا حصہ وصول کرلینا۔" یہ بات کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

سمبا کے جانے کے بعد میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

دروازے کی ایک طرف یاک کی کھال کا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ ضرورت کے وقت اس پردے کا بیک دوسری طرف کے ستون سے پھنسا کر "دروازہ" بند کیا جاسکتا تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ گدا بچھا ہوا تھا جس پر تین چار کمبل پڑے ہوئے تھے۔ دروازے کے قریب ہی لکڑی کے ایک ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک پتھر پر ایلومینیم کا ایک میلا سا گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ گدا' کمبل اور پانی کا یہ ٹب اس غار کی کل کائنات تھی۔ دروازے سے ذرا ہٹ کر دیوار میں مشعل ٹنگی ہوئی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر وہ مشعل اتاری اور غار کی پچھلی طرف تنگ سے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔ بلا بھی میرے ساتھ تھی۔ وہ اب بھی خوف زدہ تھی اور اس نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔

وہ تنگ سا راستہ دراصل ایک دراڑ تھی جو تقریباً پندرہ گز آگے جاکر بائیں طرف مڑگئی تھی اور اس طرف روشنی نظر آرہی تھی۔

اس طرف بھی ایک قدرے چھوٹا غار تھا۔ اس میں بھی وہی چیزیں تھیں جو ہمارے غار میں تھیں۔ یعنی ایک گدا' کمبل اور دروازے کے قریب پانی کا ایک چوبی برتن۔ تاہم دیوار کے ساتھ دائیں سے بائیں بندھی ہوئی ایک رسی پر کچھ کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور اس دیوار میں بھی ایک دراڑ نظر آرہی تھی۔ ہم اس دراڑ میں داخل ہوکر ایک تیسرے غار میں پہنچ گئے۔

اب مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ چٹانوں سے اندر ہی اندر یہ قدرتی غار ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے' چٹانوں کے اندر واقع یہ غار کسی زمانے میں پانی کی گزرگاہ رہے ہوں لیکن پھر پانی نے راستہ بدل لیا اور ان قبائلیوں نے ان غاروں کو اپنا مسکن بنالیا۔

ایک جگہ رک کر میں نے بلا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔ اس نے میرا بازو دبا کر واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے مزید آگے جانا مناسب نہیں سمجھا اور وہیں سے واپس لوٹ آیا۔

اپنے غار میں داخل ہوتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ بلا خوف زدہ سی ہوکر میرے ساتھ چپک گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا بازو اور بھی مضبوطی سے پکڑلیا تھا۔

سامنے گدے پر اس شخص کو بیٹھے دیکھ کر تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ ایک لمحے کو تو میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کوئی انسان ہے یا جانور۔ اس کے سر کے بال' داڑھی اور مونچھوں کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پیلے پیلے چوڑے دانت بے حد خوفناک تھے۔ ہمیں دیکھ کر اس کے ہونٹ پھیل گئے۔ وہ یقیناً مسکرایا ہوگا لیکن اس طرح اس کا چہرہ کچھ اور بھی خوفناک ہوگیا تھا۔ مشعل کی کپکپاتی ہوئی روشنی میں وہ شخص خاصا پراسرار لگ رہا تھا۔

اس وحشی نما انسان کے جسم پر بھی پیلے رنگ کا چوغہ تھا۔ وہ ہمیں دیکھ کر کچھ دیر اپنی جگہ پر بیٹھا دانت نکوستا رہا پھر اٹھ کر ہمارے سامنے آگیا۔ اس کی نظریں بلا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اور پھر اس نے اچانک ہی وہ حرکت کی جس کی کم از کم مجھے توقع نہیں تھی۔ اس نے اچانک ہی بلا کو دونوں بانہوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ بلا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ وحشی بلا کو اپنے ساتھ لپٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کے چہرے پر جمانے کی کوشش کررہا تھا اور بلا مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

"بچاؤ۔۔۔ ہمت سنگھ اس وحشی سے بچاؤ مجھے۔۔۔!" بلا چیخی۔

اس وحشی کے حلق سے "خرخراہٹ" کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ ایک لمحے کو تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے اور پھر صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی میں جیسے ہوش میں آگیا۔ میں ایک قدم آگے بڑھا تو وہ شخص بلا کو کھینچتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

میں بھی پھرتی سے آگے بڑھ گیا۔ مشعل میں نے ایک طرف پھینک دی۔ ایک ہاتھ سے بلا کو پکڑلیا اور دوسرا ہاتھ اس شخص کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلنے لگا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن بلا کی دونوں بانہیں اب بھی اس کی گرفت میں تھیں۔ میں نے ہاتھ پھیلا کر ہتھیلی سے اس کے چہرے پر ضرب لگائی۔

ضرب خاصی زوردار لگی تھی۔ وہ بکرے کی طرح ڈکراتا ہوا ایک قدم اور پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے بلا کا ایک بازو چھوڑ دیا۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر بالکل اسی انداز میں ایک اور ضرب لگادی۔ اس مرتبہ چوٹ اس کی ناک پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا اور اس نے بلا کو بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا۔ اپنے ہاتھ پر خون دیکھ کر

اس کے چہرے پر درندگی سی ابھر آئی اور پھر وہ کسی درندے ہی کی طرح غراتا ہوا میری طرف لپکا۔

میں نے بڑی پھرتی سے نیچے جھک کر اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا "بھد" کی آواز سے پشت کے بل گرا۔ اس کے منہ سے کراہ خارج ہوگئی تھی لیکن وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر میری طرف لپکا۔ میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے اپنی ایک ٹانگ پر گھوم گیا۔

میری زوردار اسپن کک اس کے پہلو میں لگی۔ وہ لڑکھڑا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر پھر میری طرف لپکا لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اسے قریب آنے کا موقع نہیں دیا۔ میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس مرتبہ میری راؤنڈ ہاؤس کک اس کی گردن پر لگی اور وہ بلبلاتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

لیکن وہ بھی اپنی قسم کا ایک ہی ڈھیٹ آدمی تھا۔ گرنے کے فوراً ہی بعد وہ اٹھ گیا۔ اس کا چہرہ کسی خوں خوار درندے کی طرح بہت بھیانک ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک میرے سامنے کھڑا ریچھ کی طرح سینہ کوبی کرتے ہوئے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر منہ سے عجیب سی آوازیں نکالتا ہوا میری طرف لپکا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے کو نکال رکھے تھے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی لیکن وہ لڑائی کے فن سے واقف نہیں تھا۔ وہ مجھے بانہوں کے نرغے میں لے کر میری ہڈیوں کا سرمہ بنا سکتا تھا۔ میرے بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیوں کو ماچس کی تیلیوں کی طرح توڑ سکتا تھا لیکن اسے اپنی طاقت کے استعمال کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ مجھے اپنی فولادی بانہوں کی گرفت میں لینے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اگر میں اس کے ہتھے چڑھ گیا تو زندہ نہیں بچ سکوں گا۔

میں ایک بار پھر اپنی جگہ سے اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس کے سینے پر پڑی اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا اور اس مرتبہ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ میں اس کے جسم پر پے در پے ٹھوکریں رسید کرتا رہا۔ وہ اپنے آپ کو ایک ٹھوکر سے بھی نہیں بچا سکا تھا اور پھر میں نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے گردن اور ایک ٹانگ سے پکڑ کر سر سے اوپر اٹھالیا اور غار سے باہر لے جا کر اسے پوری قوت سے اچھال دیا۔

غار کے سامنے ڈھلان تھی۔ پتھریلی زمین پر گرتے ہوئے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش ضرور کی ہوگی لیکن وہ ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔

مجھ پر بھی جنون سا طاری ہوگیا تھا اور یہ میرا جنون جس نے حیوان نما اس وحشی کو میرے ہاتھوں بری طرح پٹوا دیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کے پیچھے لپکنا چاہا لیکن اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ میں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ میرے بازو میں انگلیاں گاڑتے ہوئے اشارہ کر رہی تھی اور جب میں نے اپنے آپ پر اس کے سامنے دیکھا تو مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ بیس پچیس افراد چند گز کے فاصلے پر غار کے سامنے کھڑے تھے۔ میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔ یہ اس بستی کے لوگ تھے۔ میں ان کے لیے اجنبی تھا اور میں نے ان کے ایک ساتھی کو ادھ موا کر کے پھینک دیا تھا۔ یہ لوگ اگر حملہ کر دیتے تو چشم زدن میں میری بوٹی بوٹی کر ڈالتے۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھا۔ نجانے کب سے غار کے سامنے کھڑے اپنے اس ساتھی کو پٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے لیکن اس دوران میں کسی نے مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی اور اب وہ لوگ غار کے سامنے کھڑے اپنے اس جانور نما ساتھی کو دیکھ رہے تھے جو زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

اور پھر دو آدمی میری طرف بڑھنے لگے۔ ان دونوں کے سر گنجے تھے اور ان کے جسموں پر بدھ بھکشوؤں جیسے لباس تھے۔ یہ اس قبیلے کے پہلے دو آدمی تھے جنہیں میں نے گنجا دیکھا تھا۔

ان کے آگے بڑھنے کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ ان دونوں نے اپنے بازو سامنے کو پھیلا کر دیے۔ ہتھیلیوں کے رخ میری طرف تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے اونچی آواز میں کچھ کہا لیکن میں ایک لفظ نہیں سمجھ سکا۔ تاہم میں نے اپنا ہاتھ غیر ارادی طور پر اوپر اٹھا دیا۔

وہ دونوں میرے اس اشارے کا نجانے کیا مطلب سمجھے کہ ان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ پھر ان میں سے ایک میری طرف دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کچھ کہتا ہوا پھر ان دونوں نے ہاتھ گرا دیے اور مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے قریب چلے گئے۔ اس شخص نے مجھ سے مخاطب ہوا تھا، اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ پھر وہ آگے بڑھ گئے اور زمین پر پڑے ہوئے وحشی کو ہاتھوں پر اٹھا کر ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے ایک طرف لے گئے۔

غار کے سامنے جمع لوگ دوبارہ میدان میں الاؤ کے گرد جمع ہونے لگے۔ میں کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا رہا پھر بلا کو لے کر غار کے اندر آگیا۔ میں نے گدا کھینچ کر دروازے کے سامنے کیا اور بلا کو اشارہ کرتا ہوا خود بیٹھ گیا۔

بلا اور بلا بار بار اپنی پسلیاں سہلا رہی تھی۔ اس کم بخت نے اسے کچھ زیادہ ہی دبا دیا تھا۔ میں نے ایک کمبل اٹھا کر اس کے اوپر ڈال دیا۔

"اپنے آپ کو یاد کرنے کی کوشش کرو ہمت سنگھ۔" بلا نے میری طرف دیکھ کر روہانسی آواز میں بولی "وہ ایک آدمی تھا جسے تم نے مار مار کر ادھ موا کر دیا لیکن اگر چار پانچ آدمی مل کر تم پر حملہ کر دیتے تو تم کیا کر سکتے تھے۔ سمبا پتا نہیں ہمیں ان وحشیوں کے بیچ کیوں چھوڑ گیا ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکلنا ہوگا لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب تمہاری یادداشت لوٹ آئے۔ بھگوان کے لیے، کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔" میں نے کہا "لیکن تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو اور چلی جاؤ یہاں سے۔ میں تمہیں ان وحشیوں سے کب تک بچا سکوں گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو ہمت سنگھ۔" بلا نے وحشت زدہ سے لہجے میں کہا "میں بلا ہوں۔ تمہاری بلا۔ پہچانو مجھے۔ اپنے آپ کو پہچانو۔ میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔ کہاں جا سکتی ہوں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ویسے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر وہ پانچ چھ آدمی مل کر بلا پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتے تو میں اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک ہی شیطان تھا جسے میں نے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ جب میں اور بلا اندر ہی اندر غاروں میں گھوم رہے تھے تو یہ منحوس میدان میں الاؤ کے پاس سے اٹھ کر ہمارے غار میں آگیا تھا۔ شاید اپنے ساتھیوں پر اپنی بہادری کا رعب جمانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ مجھے مار پیٹ کر بلا کو مجھ سے چھین کر لے جائے گا لیکن وہ خود ہی میرے ہاتھوں بری طرح پٹ گیا تھا اور اس کے ساتھی اسے اٹھا کر بستی سے باہر لے آئے تھے۔ گویا بزدلوں کی یہاں کوئی قدر نہیں تھی۔

مجھے بلا پر ترس بھی آرہا تھا۔ اگر اس وقت میں نہ ہوتا تو یہ وحشی اس کا تیا پانچا کر دیتا۔ بلا بار بار مجھے کچھ یاد کرنے کی کوشش کروں۔ میں کوشش تو ضرور کرتا تھا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہی بھکشو ہمارے لیے یاک کا بھنا ہوا تازہ گوشت لے آیا۔ سمبا نے کہا تھا کہ الاؤ پر جب گوشت بھونا جائے گا تو میں اپنا حصہ لے آؤں لیکن مجھے وہاں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

گوشت کسی قدر نمکین اور بہت لذیذ تھا۔ بھوک مٹانے کے بعد میں نے گدا پیچھے کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگا دیا اور دروازے پر پردہ کھینچ دیا۔ اب مجھے ان لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ان کے ایک ساتھی کی پٹائی کر کے میں اپنی برتری ثابت کر چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اپنے ساتھی کا حشر دیکھنے کے بعد اور کوئی بھی میرے سامنے آنے کی کوشش نہیں کرے گا اور ویسے بھی وہ لوگ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکے تھے اور مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

بلا میرے قریب دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ کبھی بڑبڑانے لگتی اور کبھی پلک جھپکے بغیر میری طرف دیکھنے لگتی۔

آدھی رات کے قریب غار کے سامنے قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتا تھا کہ دروازے کا پردہ ہٹا اور وہی بھکشو اندر داخل ہوا لیکن وہ زیادہ آگے نہیں آیا تھا۔ وہ کبھی بلا اور کبھی میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا لیکن مجھے صرف ایک لفظ سمجھ میں آسکا تھا۔۔۔ چن گومپا!

مجھے سمبا کی بات یاد آگئی۔ اس نے جانے سے پہلے چن گومپا نام کے کسی آدمی کا ذکر کیا تھا جو آدھی رات کے وقت یہاں آنے والا تھا اور اس وقت یہ بھکشو بھی اس کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔

میں نے اٹھ کر دروازے سے باہر جھانکا۔ میدان میں جلتے ہوئے الاؤ کے پاس اب دو چار آدمی ہی رہ گئے تھے۔ بھکشو نے سامنے والی پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور غار کے سامنے ڈھلان اترتا چلا گیا۔

میں غار میں آگیا۔ بلا سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے چن گومپا کے بارے میں بتایا۔ اس کے چہرے پر وحشت سی ابھر آئی۔

"پتا نہیں وہ کون ہے۔ کیسا آدمی ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "کہیں ہمارے لیے کچھ اور مسائل نہ پیدا کر دے!"

"دیکھنا تو چاہیے۔" میں نے کہا "ممکن ہے وہ تمہاری کچھ مدد کر سکے۔"

میری اس بات پر وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف

دیکھنے لگی لیکن بہرحال' وہ میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

ہم غار سے نکل کر ڈھلان اترنے لگے۔ وہ بھکشو غائب ہوچکا تھا البتہ میدان میں الاؤ کے قریب اب بھی دو تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ایک آدمی نے سامنے والی پہاڑی کی طرف اشارہ کردیا۔

ہم سامنے والی پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ ہمارے غار سے اس پہاڑی کا فاصلہ ایک فرلانگ کے لگ بھگ تھا۔

وہ غار زمین سے تقریباً ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ دہانہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن غار اندر سے کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف دیوار میں لگی ہوئی ایک مشعل جل رہی تھی اور غار کے آخر میں ایک اور کشادہ راستہ نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں اس طرف بڑھتے رہے۔ بلا نے میرا ہاتھ پکڑلیا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی اور وہ خاصی سہمی ہوئی تھی۔ ہمارے غار میں اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ اسے خوف زدہ کردینے کے لیے کافی تھا۔

وہ سرنگ تقریباً بیس گز طویل تھی۔ اس کے اختتام پر بھی روشنی نظر آرہی تھی اور جب ہم سرنگ کی دوسری طرف پہنچے تو وہ منظر دیکھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ بہت کشادہ غار تھا بلکہ اسے غار کہنا مناسب نہیں تھا۔ چاروں طرف عمودی چٹانیں تھیں اور اوپر چھت نہیں تھی۔ آسمان پر چمکتا ہوا چاند نظر آرہا تھا اور شاید اس قبیلے کی پوری آبادی اس غار میں جمع تھی۔ صرف عورتیں اور مرد تھے۔

ایک دیوار کے ساتھ تقریباً تین فٹ اونچا چبوترہ تھا جس پر دس بارہ افراد بیٹھ سکتے تھے اور قصبے کے سارے لوگ اس چبوترے کے سامنے جمع تھے۔

چبوترے کی پچھلی طرف ایک اور تنگ سی سرنگ تھی۔ چند منٹ بعد ہی اس سرنگ سے دو آدمی برآمد ہوئے۔ ان کے پیچھے چند عورتیں تھیں اور پھر ان کے بعد جو آدمی نمودار ہوا تھا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

مجھے بنکاک کا پنڈت رگھوناتھ یاد آگیا جس نے بنکاک شہر سے باہر آشرم بنا رکھا تھا جو دراصل عیاشی کا اڈا تھا اور دارا نے اس آشرم میں پناہ لی تھی۔ وہ آشرم جرائم کا اڈا بھی تھا جو ہمارے ہاتھوں جل کر راکھ ہوگیا تھا اور بعد میں پنڈت رگھوناتھ بھی تھائی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اس شخص کا حلیہ بنکاک کے پنڈت رگھوناتھ سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ لمبا قد' بھاری بھرکم جسم' گنجا سر' جس کے پچھلے حصے پر تقریباً ایک بالشت لمبی چٹیا تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ داڑھی اور مونچھ بال اس طرح آپس میں الجھے ہوئے تھے کہ منہ کا [illegible] کر رہ گیا تھا۔ اس کے جسم کا بالائی حصہ برہنہ تھا۔ سینہ کی طرح بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ کندھوں اور بانہوں گھنے بال نظر آرہے تھے۔ اس نے اسکرٹ کی طرح نیکر پہن رکھی تھی جو گھٹنوں سے کافی اونچی تھی۔ رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ نہایت غلیظ اور گندا آدمی تھا۔ منہ سے [illegible] سے داڑھی کے بال گیلے ہورہے تھے۔ اسے دیکھ کر آتی تھی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ نیم برہنہ عورتیں دائیں بائیں سے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے کر اسے دے رکھا تھا۔ وہ اپنا بوجھ کبھی ایک عورت پر ڈالتا دوسری عورت پر۔

وہ چبوترے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ دونوں عورتیں [illegible] بازوؤں سے لپٹ کر بیٹھ گئی تھیں۔ چبوترے کے سامنے ہوئے لوگ بڑی عقیدت بھری نظروں سے اس کی طرف رہے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں وہ اس قبیلے کا کوئی روحانی پیشوا تھا لیکن سمبانے تو ایک بات نہیں کہی تھی۔

چن گومپا کچھ دیر انگاروں جیسی سرخ آنکھوں سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے دو عورتوں اشارہ کیا۔ وہ دونوں عورتیں اٹھ کر چبوترے پر پہنچ چن گومپا نے اپنا ایک پیر آگے کو پھیلا دیا۔ وہ دونوں عو اس کا پیر چاٹنے لگیں۔ اس کا اشارہ پاکر ایک اور چبوترے پر آگئی اور اس کا دوسرا پیر چاٹنے لگی اور پھر اور عورت۔ وہ اس کی داڑھی کے بال اور بالوں میں ہوئے ہونٹ چاٹنے لگی۔

یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہورہی تھی گومپا نہایت غلیظ آدمی تھا لیکن یہ عورتیں بڑی عقیدت بڑے جوش و خروش سے اس کے پیر اور جسم کو چاٹ تھیں۔ اس نے شاید ان کے اذہان کو اس قدر مسخر کر کہ وہ اس کے اشاروں پر اس کے سامنے جھک رہے تھے

چبوترے کے عقب سے ایک اور آدمی برآمد ہوا نے بھنے ہوئے گوشت سے لبریز ایک بڑا سا طشت اٹھ تھا۔ چن گومپا پیر سمیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس شخص نے اس کے سامنے رکھ دیا۔

چن گومپا نے بھنے ہوئے گوشت کا ایک بڑا سا اٹھالیا اور دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھانے لگا۔ اس کا

کھانے کا انداز بھی بڑا گھناؤنا تھا۔ اس کے منہ سے "چپڑ چپڑ" کی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کتا ہڈی چبا رہا ہو۔

گومپا کے اردگرد بیٹھی ہوئی عورتیں بڑی للچائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ گومپا نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے چوس کر ایک طرف اگل دیا۔

آس پاس بیٹھی ہوئی عورتیں اگلے ہوئے گوشت کے اس ٹکڑے پر اس طرح جھپٹ پڑیں جس طرح کتا ہڈی پر جھپٹتا ہے۔

گومپا کے منہ سے اگلا جانے والا گوشت کا وہ ٹکڑا کسی کے ہاتھ آیا یا نہیں لیکن وہاں ایک اور دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ وہ چاروں پانچوں عورتیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئیں۔ چند منٹ بعد ہی ان کے لباس تار تار ہوچکے تھے۔

اچانک ہی گومپا کے منہ سے ایک گونج دار آواز نکلی۔ اس نے نجانے کیا کہا تھا کہ وہ عورتیں ایک دم ایک دوسرے سے الگ ہٹ گئیں۔ گومپا تیز لہجے میں ان سے کچھ کہتا رہا پھر طشت میں پڑے ہوئے گوشت کے پارچے اٹھا اٹھا کر چبوترے کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اچھالنے لگا۔ لوگ کتوں کی طرح ان پر جھپٹ پڑے۔

یہ ہنگامہ تقریباً آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ میں نے بلا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

اب گومپا شاید کوئی بھاشن (خطبہ) دے رہا تھا۔ ہر شخص بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ابھی اس کا بھاشن جاری ہی تھا کہ چبوترے کے پیچھے سے برآمد ہونے والے ایک اور آدمی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے ہمارے غار میں بلا پر دست درازی کی کوشش کی تھی اور میرے ہاتھوں پٹا تھا اور لوگوں نے اسے اٹھا کر بستی سے باہر پھینک دیا تھا۔

اس شخص اور گومپا کے حلیے میں تھوڑا ہی فرق تھا۔ وہ جھک کر گومپا کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظریں ہماری طرف اٹھ گئی تھیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ یہاں ہماری موجودگی سے آگاہ تھا اور گومپا سے ہمارے ہی بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔

گومپا نے بھی ہماری طرف دیکھا۔ اس کی نظریں بلا کے چہرے سے پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ اس سے نگاہیں ملتے ہی میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں۔ میں زیادہ دیر تک اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکا اور رخ بدل لیا۔ اسی لمحے گومپا کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

دو آدمی اٹھ کر ہماری طرف لپکے اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا' وہ بلا کو اٹھا کر چبوترے کی طرف لے گئے۔ بلا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بری طرح چیخ رہی تھی۔

چبوترے پر وہ جانور نما انسان بلا سے لپٹ گیا اور اسے بری طرح بھنبھوڑنے لگا۔

"ہمت سنگھ!"

بلا کی چیخ سن کر میں جیسے ہوش میں آگیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں دوڑتا ہوا چبوترے پر پہنچ گیا اور اس وحشی کو بالوں سے پکڑ کر ایک طرف کھینچنے لگا۔ اس نے بلا کو چھوڑ کر اچانک ہی میرے سینے پر گھونسا رسید کردیا۔ مجھے یوں لگا جیسے سینے پر وزنی ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا' اس نے میرے سر پر گھونسا مارا۔

میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور گھونسوں اور لاتوں سے میری تواضع کرتا رہا۔

بلا ایک طرف کھڑی چیخ رہی تھی۔ چبوترے کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ بھی چیخ چیخ کر میرے حریف کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے پہلے اس شخص کو میرے ہاتھوں پٹنے کے بعد اٹھا کر بستی سے باہر پھینک دیا تھا اور اب میرے خلاف اسے شہ دے رہے تھے۔

اور پھر مجھے سنبھلنے کا موقع مل گیا۔ میرا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا جس سے خون بہنے لگا تھا۔ خون کا ذائقہ مجھے اپنی زبان پر محسوس ہورہا تھا اور پھر مجھ پر جیسے جنون طاری ہوگیا۔ میں نے اس وحشی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پہلے اسے اٹھا کر چبوترے پر پٹخ دیا اور پھر اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کردی۔

چبوترے پر موجود ننگ دھڑنگ عورتیں چیختی ہوئی ادھر ادھر بھاگ گئیں اور میں اس وحشی کو پورے چبوترے پر لوٹاتا رہا۔ لوگ اب بھی چیخ چیخ کر میرے حریف کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ چن گومپا بھی چیخ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر ریچھ کی طرح ناچ رہا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے موقع مل گیا اور میں نے گومپا کو اٹھا کر چبوترے سے نیچے پھینک دیا۔ اس کی بھیانک چیخ غار میں گونج اٹھی تھی۔

اور پھر ایک دم ایسا سناٹا چھا گیا جیسے وہاں زندگی کا وجود

ہی مٹ گیا ہو مگر یہ سناٹا زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ دو تین آدمی چیختے ہوئے میری طرف لپکے لیکن گومپا کی دہاڑ سن کر رک گئے۔

میں اس وحشی کو بھی چبوترے سے نیچے پھینک چکا تھا۔ وہ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ گومپا نے چیخ کر لوگوں سے کچھ کہا اور میری طرف مڑ گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور میں زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔

گومپا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے ایک بار پھر میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ اس مرتبہ یوں لگا جیسے میرے دماغ میں سوئیاں سی چبھ رہی ہوں۔ میں نے ایک بار پھر سر کو جھٹکے دیے۔

گومپا پر بری طرح جھنجلاہٹ سی طاری ہو رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر چیختے ہوئے کچھ کہنے لگا مگر اس کا ایک لفظ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔

ایک تنگ دھڑنگ عورت اپنی جگہ سے اٹھ کر "گومپا... گومپا۔" چیختی ہوئی اس کی طرف لپکی۔ وہ اس کی ٹانگ سے لپٹ گئی۔ گومپا نے ٹانگ کو زوردار جھٹکا دیا۔ وہ عورت چیختی ہوئی دور جا گری۔

گومپا چیختا دہاڑتا ہوا چبوترے کی پچھلی طرف تنگ سے راستے میں داخل ہو گیا۔ میرے ہاتھوں دوسری مرتبہ پٹنے والا وحشی بھی اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔

گومپا کے جاتے ہی صورتِ حال بدل گئی۔ چند آدمی میری طرف گھونسے تان کر چیختے چلاتے لگے لیکن کوئی آگے نہیں بڑھا۔ تاہم دو تنگ دھڑنگ عورتیں بلا کی طرف لپکی تھیں لیکن ان دونوں بھکشوؤں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر ان عورتوں کو ایک طرف دھکیل دیا اور مجھے اور بلا کو بانہوں سے پکڑ کر اس طرف دوڑ پڑے جس طرف سے ہم اس غار میں داخل ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ ہمارا پیچھا کریں گے لیکن کوئی آگے نہیں آیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔

ہم اس غار سے باہر آگئے۔ میدان میں اب بھی الاؤ روشن تھا اور تین چار آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنے غار میں آگئے۔ وہ دونوں بھکشو بھی ہمارے ساتھ تھے۔ میں ان سے گومپا کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ دونوں میری زبان نہیں سمجھتے تھے۔

وہ دونوں ہمیں غار میں چھوڑ کر چلے گئے۔

بلا نے کمبل اوڑھ لیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھا گومپا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے حلیے سے میں نے یہ تو اندازہ لگا لیا تھا کہ گومپا کا تعلق اس قبیلے سے نہیں تھا۔ وہ بعض پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ ہو سکتا ہے کہ عرصہ پہلے وہ بھی بھٹک کر اس طرف آنکلا ہو اور اپنی ان پراسرار قوتوں کے بل بوتے پر ان لوگوں کو اپنے قابو میں کر لیا ہو لیکن میرا ایک اندازہ یہ بھی تھا کہ قبیلے کے سب لوگ اس کے زیرِ اثر نہیں تھے۔ ان دو بھکشوؤں کو اس کے مخالفین میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سمبا بھی تھا جس نے بتایا تھا کہ چن گومپا ایک دلچسپ آدمی ہے جس کا مطلب تھا کہ وہ گومپا کا پیروکار نہیں تھا۔

گومپا نے جس طرح ان لوگوں کے اذہان کو مسخر کر رکھا تھا یہ واقعی حیرت انگیز بات تھی۔ اسے تو دیکھ کر کراہت محسوس ہوتی تھی لیکن عورتیں جس طرح اس کے پیر چاٹ رہی تھیں وہ کم از کم میرے لیے انتہائی تحیر خیز تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ گومپا بعض پراسرار قوتوں کا مالک تھا اور اس نے یہ پراسرار قوتیں مجھ پر بھی آزمانے کی کوشش کی تھی۔ مثلاً اس کا سامنا کرتے ہوئے میرے دماغ کو بار بار جھٹکے لگنا، سوئیوں کی چبھن محسوس ہونا اور دماغ اور پورے جسم میں سنسنی پھیل جانا۔ وہ اپنی کسی پراسرار قوت سے بار بار مجھ پر حملے کرتا رہا تھا لیکن شاید میرے اندر بھی کوئی ایسی قوت موجود تھی جو اس کے ان حملوں کو ناکام بنا رہی تھی۔

میرے اندر وہ کون سی قوت ہو سکتی تھی؟ میرے دماغ میں اچانک ہی جھماکا سا ہوا۔ میں اچھل پڑا۔ مجھے لگا جیسے ذہن کے کسی تاریک گوشے سے کوئی بات ابھر کر سامنے آنا چاہتی ہو لیکن ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

بلا میرے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئی تھی۔ میں رات بھر جاگتا رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گومپا یا اس کے حواری کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کریں لیکن وہ رات کسی غیر معمولی واقعے کے بغیر گزر گئی۔

صبح ایک بھکشو ہمیں ایک اور غار میں لے گیا۔ وہاں دوسرا بھکشو بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ غار کافی کشادہ تھا اور چیزوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں پوری گھر گرہستی کا سامان موجود ہے۔

میں اور بلا ایک گدے پر بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد ہی ایک عورت غار کے اندرونی حصے سے برآمد ہوئی۔ اس نے ایک پیکٹ ہمارے سامنے رکھ دیا جس میں یاک کا بھنا ہوا

تازہ گوشت اور قہوہ تھا۔ وہ خود بھی دو زانو ہو کر ہمارے سامنے بیٹھ گئی۔ ان دونوں میں سے ایک بھکشو ہمارے قریب بیٹھ گیا اور دوسرا باہر چلا گیا۔

اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے۔ ہم ابھی ناشتا کر ہی رہے تھے کہ سمبا کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر میں چونک گیا۔

"ایک آدمی تم سے ملنا چاہتا ہے۔" سمبا نے کہا "وہ صبح سویرے ہماری بستی میں آیا تھا۔ میں اسے یہاں لے آیا ہوں۔ اپنے آپ کو تمہارا شناسا بتاتا ہے۔"

"میرا شناسا!" میں نے حیرت سے کہا اور پھر بلا کو وہیں چھوڑ کر غار سے باہر آگیا۔

غار کے دہانے سے چند گز دور ایک دراز قامت آدمی ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کا جسم قدرے بھاری بھرکم تھا۔ اس نے جینز اور ڈینم کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ چہرے اور لباس سے وہ نیپالی نہیں لگتا تھا۔

"میرا نام تری دیو ہے۔" اس نے تعارف کراتے ہوئے کہا "میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن چند ضروری باتیں پوچھنا تھیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات کریں۔"

سمبا ہمیں اسی غار میں چھوڑ کر چلا گیا جہاں ہم نے رات گزاری تھی۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کچھ بتا سکوں گا۔" میں نے اس کے سامنے گدے پر بیٹھتے ہوئے کہا "تمہیں سمبا اور بستی والوں نے بتا دیا ہوگا کہ ایک حادثے کے بعد میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔"

"میں کسی حادثے کے بارے میں نہیں' یوگندر ناتھ نامی اس شخص کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جو کل صبح دوسری بستی میں تم سے ملا تھا اور تم سے ملاقات کے کچھ ہی دیر بعد اسے پہاڑیوں میں بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔" تری دیو نے کہا۔

"کل... لیکن میں اسے بالکل نہیں جانتا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا اور کسی کار کی شناخت کے سلسلے میں کہیں لے جانا چاہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ کسی انجانے خوف کی لہر میرے پورے جسم میں سرایت کر گئی تھی۔

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یوگندر ناتھ کا ٹورازم کے محکمے سے کوئی متعلق نہیں تھا۔" تری دیو نے جواب دیا "میں اس وقت تمہیں زبان کھولنے پر مجبور نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ یوگندر ناتھ سے تمہاری کیا بات چیت ہوئی تھی؟"

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں کچھ دیر تک اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر اسے بتانے لگا کہ یوگندر ناتھ سے میری کیا گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ یوگندر نے دوبارہ آنے کے لیے کہا تھا۔

تری دیو بڑی گہری نظروں سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے شاید یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں غلط بیانی سے تو کام نہیں لے رہا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو' یہ سب کیا ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ضرور۔" تری دیو نے جواب دیا "اس کا اصل نام موتی لال تھا۔ وہ ہندو تھا اور اس کا کسی محکمے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ دراصل منشیات کا اسمگلر تھا اور اس کی مجرمانہ سرگرمیاں خاصی وسیع تھیں۔ وہ قتل کی کئی وارداتوں کے سلسلے میں بھی کھٹمنڈو پولیس کو مطلوب تھا لیکن اچانک ہی غائب ہو گیا۔ اس کا کھٹمنڈو سے یہاں آنا اور تم سے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہستی اس کے لیے بہت اہم تھی۔ وہ اب مر چکا ہے اور تمہیں کچھ یاد نہیں لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس کے لیے اتنے اہم کیوں تھے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔" میرے لہجے میں بے بسی تھی۔

"کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری لاش بھی یوگندر ناتھ کی طرح پہاڑوں میں کہیں پڑی ہوئی ملے۔"

میں کانپ کر رہ گیا۔ مجھے واقعی اپنی بے بسی پر غصہ آرہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' سمبا غار میں داخل ہوا۔

"تمہارے اس مہمان کا کہنا ہے کہ اسے کچھ یاد نہیں ہے۔" تری دیو نے سمبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ درست ہے۔" سمبا نے جواب دیا "اس کی یادداشت کھو چکی ہے اور ہمارے قبیلے کا وید اس کا علاج کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ بلا نام کی ایک لڑکی ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے یا اس کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں بتائے گی جب تک اس کے ساتھی کی یادداشت نہیں لوٹ آتی۔"

"بہرحال' میں پھر آؤں گا۔" تری دیو یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا "اور مسٹر ہمت سنگھ۔ بہتر ہوگا کہ تم جلد سے جلد اپنی یادداشت واپس لانے کی کوشش کرو۔" تری دیو نے یہ کہتے ہوئے اس انداز میں میری طرف دیکھا جیسے اسے شبہ ہو کہ میں اپنی یادداشت کھو جانے کا ڈھونگ رچا رہا ہوں۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

سمبا بھی "ابھی آیا۔" کہتے ہوئے غار سے نکل گیا۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تری دیو کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اس نے بتایا تھا کہ یوگندر ناتھ منشیات کا اسمگلر تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ منشیات کے ایک اسمگلر کا مجھ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ یوگندر ناتھ میرے پاس کیوں آیا تھا؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ سب کچھ سوچتے ہوئے میرا سر دکھنے لگا اور میں بھی اٹھ کر غار سے باہر آگیا۔

میں بھکشوؤں والے غار میں آگیا۔ بلا وہاں نہیں تھی۔ بھکشو نے بتایا کہ وہ تقریباً ایک گھنٹا پہلے اس غار سے چلی گئی تھی۔ میں اپنے غار کی طرف واپس آرہا تھا کہ سمبا اور وید آتے ہوئے دکھائی دیے۔

غار میں آکر وید نے میرے سر کی پٹی تبدیل کی اور مطمئن انداز میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ میں سمبا کو یہاں پیش آنے والے رات کے واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔

سمبا نے چن گومپا کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے میرے خیالات کی تصدیق ہو گئی۔ وہ واقعی بعض پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ کئی سال پہلے کسی طرف سے بھٹکتا ہوا یہاں آگیا تھا۔ اس نے ایک دو آدمیوں کو اپنی اس پراسرار قوت سے تسخیر کر لیا اور پھر اس کا حلقہ پھیلنے لگا لیکن قبیلے کے زیادہ لوگ اس کے خلاف تھے۔ وہ اسے یہاں سے نکالنا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس نے بھی اپنے کچھ حمایتی پیدا کر لیے تھے اس لیے کسی تصادم سے بچنے کے لیے اس معاملے کو جوں کا توں چھوڑ دیا تھا۔ بہرحال' سمبا نے مجھے اور خاص طور پر بلا کو اس سے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

سمبا چلا گیا۔ میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ گدے پر لیٹا تو نیند نے دبوچ لیا۔

سمبا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ شام ہو چکی تھی۔ غار میں مشعل جل رہی تھی۔ میرے ذہن پر نیند کا خمار تھا لیکن سمبا نے جو خبر سنائی وہ بڑی دھماکا خیز تھی۔

بلا لاپتا تھی!

"بلا لاپتا ہے' کیا مطلب؟" میں بری طرح چونک گیا۔

سمبا کا انجد مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"میدان کی دوسری طرف درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے سادھو سے دوپہر کے وقت اسے کسی آدمی کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لباس سے وہ آدمی کوئی ہندو ہی لگتا تھا لیکن وہ سادھو اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کے بعد سے بلا کو نہیں دیکھا گیا۔" سمبا نے جواب دیا۔

"تم نے مجھے اس وقت کیوں نہیں جگا دیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں دن بھر کھیا کے کاموں میں مصروف رہا تھا۔ مجھے بھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی معلوم ہوا ہے۔" سمبا نے جواب دیا۔

میری آنکھوں کے سامنے یوگندر ناتھ کی موت کا منظر گھوم گیا۔ کہیں بلا بھی...! نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلا کے بارے میں ایسا نہیں سوچا جا سکتا۔ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی آلہ کار نہیں ہو سکتی۔ اسے یقیناً اس آدمی نے اغوا کیا ہوگا جو مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ بلا کے ذریعے دباؤ ڈال کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہوگا۔

"کیا اسے پہاڑیوں کی طرف تلاش کیا گیا ہے۔ میرا مطلب ہے..." کسی انجانے خوف سے میں اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" سمبا نے جواب دیا "یہاں چند روز سے کچھ پراسرار قسم کے واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔"

"کیا ان پراسرار واقعات سے میرا کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟" میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"صورتِ حال خاصی پیچیدہ ہے۔" سمبا نے جواب دیا "یہاں کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پراسرار واقعات کے ذمے وار تم ہو۔"

میں ایک بار پھر خیالوں میں کھو گیا۔ مجھے یہاں آئے ہوئے صرف دو دن ہوئے تھے اور اس عرصے میں ایک آدمی پراسرار طریقے سے ہلاک ہو چکا تھا اور میری اپنی ساتھی لاپتا تھی اور بدقسمتی سے وہ دونوں آخری مرتبہ مجھ سے ہی ملے تھے۔ لوگوں کے خیال میں' میں کسی پراسرار شیطانی قوت کے زیر اثر تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ ان پراسرار واقعات سے میرا کوئی تعلق ہے۔ وہ مجھے قصوروار سمجھ رہے تھے۔

میں سمبا کے ساتھ غار سے باہر آگیا۔ سامنے ہی وہ دونوں بھکشو چند آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ دو عورتیں بھی تھیں۔ ان سب کے چہروں پر تفکر نمایاں تھا۔ وہ سب ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ بلا کی پراسرار گمشدگی پر سب ہی پریشان تھے اور پھر بلا کی تلاش شروع ہو گئی۔ لوگ دو دو تین تین کی ٹولیوں کی صورت میں پہاڑیوں میں پھیل گئے۔ سمبا اور ایک بھکشو میرے ساتھ

تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہم ہاتھوں میں مشعلیں لیے غاروں میں گھومتے رہے۔ یہ غار چٹانوں کے اندر ہی اندر دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بعض غار سرنگوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور بعض بالکل الگ تھلگ تھے۔ ان غاروں میں رہنے والے کئی اور لوگ بھی بملا کی تلاش میں ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔

آدھی رات تک تلاش جاری رہی لیکن بملا کو ملنا تھا نہ ملی۔ میں اور سمبا واپس اسی غار میں آگئے۔ سمبا کو شام کو اپنی بستی واپس جانا تھا لیکن بملا کی گمشدگی کی وجہ سے وہ بھی میرے پاس ہی رک گیا تھا۔ ہم رات کے آخری پہر تک بیٹھے بملا ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

صبح ہم ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ تری دیو بھی پہنچ گیا۔ وہ مجھ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ سمبا اٹھ کر غار سے باہر چلا گیا۔ تری دیو میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"مجھے بملا کی گمشدگی کا افسوس ہے۔" تری دیو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "صدیوں پرانے یہ غار بڑے پراسرار ہیں۔ یہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ایک رات پہلے تم چن گومپا سے مل چکے ہو۔ اس جیسا پراسرار شخص کچھ بھی کرسکتا ہے۔ تم اگر چاہو تو میں اب بھی تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اگر تمہاری یادداشت برقرار ہوتی تو تم مجھے فوراً پہچان لیتے۔ ہماری پہلی ملاقات تقریباً ایک مہینہ پہلے کھٹمنڈو میں ہوئی تھی۔ میں اسے باقاعدہ ملاقات تو نہیں کہوں گا۔ میں اس وقت دیش کھ کی طرف تھا اور ہم ایک دوسرے کے حریف تھے لیکن اب ہم میں دوستی ہوسکتی ہے۔"

"کھٹمنڈو۔ حریف۔ دیش کھ۔" میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"نہیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں اپنا ماضی بھول چکا ہوں۔" میں بے بسی سے سر جھٹکنے لگا "مجھے بالکل یاد نہیں۔ ماضی کی کوئی بات میرے ذہن میں نہیں رہی۔"

"میرے خیال میں تمہیں اتنا تو یاد ہوگا کہ چند روز پہلے تمہارے ایک دوست کی حویلی کو آگ لگا دی گئی تھی اور تمہارا دوست' سابق پولیس انسپکٹر پانڈے بھی اس آگ میں جل کر راکھ ہوگیا تھا اور صرف تین چار دن پہلے تم پدمی کے قریب ناگ پال اور چانگ لی کے دو آدمیوں کو قتل کرکے پانچ سو کلو ہیروئن لے اڑے تھے۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ گویا اسے شبہ تھا کہ میں اپنی یادداشت کھوجانے کا ڈھونگ رچا رہا ہوں۔

"ناگ پال۔ چانگ لی۔ پانچ سو کلو ہیروئن۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔" مجھے اس کی باتوں سے الجھن سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"اب مجھے کھل کر بات کرنی پڑے گی۔" تری دیو نے یہ کہتے ہوئے محتاط نگاہوں سے غار کے دروازے کی طرف دیکھا "تم اپنی ایک دوست کو چھڑانے کے لیے دیش کھ کا پیچھا کرتے ہوئے ہندوستان سے کھٹمنڈو آئے تھے۔ تم بھی اگرچہ غیر قانونی طور پر نیپال میں داخل ہوئے تھے لیکن وہ پولیس آفیسر تمہاری مدد کررہے تھے۔ دیش کھ نے ناگ پال کے پاس پناہ لے لی تھی لیکن چند ہی روز بعد ناگ پال اسے اپنے لیے بوجھ سمجھنے لگا۔ اس نے دیش کھ کو مروا دیا۔ اس طرح اس کے دو مقاصد پورے ہوگئے۔ اسے دیش کھ سے بھی نجات مل گئی اور کھٹمنڈو میں ہنگامے شروع کروا کے اسے اپنے بدیشی آقاؤں کی راہ ہموار کرنے میں بھی مدد ملی۔

"تم اپنی دوست کو دیش کھ کی قید سے نجات دلا چکے تھے۔ اصولی طور پر تمہیں ہندوستان واپس چلے جانا چاہیے تھا لیکن تم اس چینی کا قصہ بھی پاک کرنا چاہتے تھے جو ناگ پال کی مدد سے اس دیش میں ہیروئن اور دیگر منشیات کی تجارت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

"تمہیں کسی طرح اطلاع مل گئی کہ ناگ پال کے دو آدمی جنوبی علاقے سے پانچ سو کلو ہیروئن لے کر آرہے ہیں اور ہیروئن کی یہ پہلی بڑی کھیپ وصول کرنے کے لیے چانگ لی اپنے آدمیوں کے ساتھ کھٹمنڈو سے ڈھائی تین سو میل دور پدمی نامی بستی میں موجود تھا لیکن تم نے پدمی سے آگے نکل کر ان دونوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر پانچ سو کلو ہیروئن پر قبضہ کرلیا۔

"وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح پورے ملک میں تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ شاید تم ہندوستان کی طرف فرار ہونے کی کوشش کرو گے اس لیے ان کی تمام تر توجہ سرحد کی طرف ہے۔ یہ بات ابھی تک ان کے ذہن میں نہیں آئی کہ تم پہاڑوں میں کسی دور دراز کی بستی میں پناہ لیے ہوئے ہو۔

"اگر تم یادداشت کھوجانے کا ڈھونگ ختم کردو اور اس ہیروئن میں سے آدھا حصہ دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں بحفاظت سرحد پار کرواکر ہندوستان پہنچا سکتا ہوں۔"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے ایک بار پھر بے بسی سے سر جھٹک دیا۔

"ویسے تمہاری یہ کیفیت کب تک درست ہوجائے گی؟" تری دیو نے مشتبہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویدجی کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے دو چار روز میں میری یادداشت لوٹ آئے اور اس میں غیر معینہ عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" تری دیو نے کہا "میں پھر کسی وقت تم سے ملاقات کروں گا۔ اپنے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرو۔ ہوسکتا ہے تمہیں کچھ یاد آجائے۔"

تری دیو کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد سمبا غار میں آگیا۔ میں اس وقت شدید ذہنی الجھن میں مبتلا تھا۔ دماغ پر چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں سمبا چہرے کے تاثرات سے میری اندرونی کیفیت کو بھانپ گیا۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میری زبان جیسے گنگ ہوکر رہ گئی تھی۔ بالآخر کئی منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے اسے تری دیو سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا جسے سن کر سمبا بری طرح چونک گیا۔

"ہیروئن!" اس نے نظریں میرے چہرے پر جما دیں "صورتِ حال خاصی پیچیدہ ہوگئی ہے۔ میرے خیال میں ہمیں فوراً پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے۔ وہ لوگ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

"پولیس!" میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔

"یہاں سے تقریباً تیس میل دور کالی کوٹ نامی گاؤں میں پولیس کی ایک چوکی ہے۔" سمبا نے بتایا "وہ لوگ قبائلی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے اور اس طرف کبھی کوئی پولیس والا آیا بھی نہیں لیکن یہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ ہمیں پولیس کو اطلاع ضرور دینی چاہیے۔ میں بھکشو کو یاک (YAK) لے بالوں والا تبتی بیل) پر روانہ کردیتا ہوں۔ تیس میل کا فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں لیکن ان پہاڑوں میں راستے بہت دشوار اور خطرناک ہیں۔ وہ شام تک وہاں پہنچ جائے گا اور میرا خیال ہے کل صبح تک کسی نہ کسی کو ساتھ لے کر یہاں واپس آجائے گا۔ میں بھکشو کو دیکھتا ہوں۔ اسے ابھی روانہ کردینا چاہیے۔" سمبا تیزی سے باہر نکل گیا۔

میں بستر پر لیٹ گیا۔ میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ صورتِ حال نہ صرف پیچیدہ بلکہ نہایت سنگین بھی تھی۔ اگر پولیس کو پتا چل گیا کہ میں ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہوں تو میرا ٹھکانا جیل کے سوا اور کہیں نہیں ہوگا۔ اس تصور ہی سے میں لرز اٹھا۔ بملا لاپتا تھی یا شاید وہ بھی صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے غائب ہوگئی تھی۔ میرے لیے بھی بچاؤ کا ایک ہی راستہ تھا۔ فرار!

میں وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی دن بھر بملا کی تلاش بھی جاری رہی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ میں اپنے غار میں آکر لیٹ گیا۔ سمبا آج پھر وہیں رہ گیا تھا لیکن رات کو وہ میرے پاس نہیں رہا تھا۔

میں بار بار اٹھ کر غار سے باہر جھانک رہا تھا اور بالآخر جب سناٹا چھا گیا تو میں غار سے باہر آگیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا میدان کی طرف چلنے لگا۔

اچانک اسی طرف سے کوئی پتھر لڑھکنے کی آواز سن کر میں جلدی سے ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے دبک گیا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا لیکن نہ تو کوئی آہٹ سنائی دی اور نہ ہی کوئی نظر آیا۔ میں پتھر کی آڑ سے نکل کر ایک قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچ اٹھیں۔ سر پر لگنے والی ضرب اتنی شدید تھی کہ میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا اور لہراتا ہوا نیچے گرگیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○☆○

جہاں میری آنکھ کھلی وہ تقریباً بارہ فٹ طویل اور سات فٹ چوڑا ایک پہاڑی غار ہی تھا۔ چھت اس قدر نیچی تھی کہ قدرے لمبے قد کے آدمی کا سر چھت کو چھو سکتا تھا۔ ایک طرف دیوار کے قریب ایک چبوترہ تھا جس پر ٹین کا بنا ہوا ایک چراغ جل رہا تھا۔ اس چراغ میں بھی کسی قسم کی چربی جل رہی تھی۔ گاڑھے دھوئیں کے ساتھ غار میں ناگوار سی بو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے قریب ہی پانی سے بھرا ہوا ایک برتن بھی پڑا ہوا تھا۔ میری ایک کلائی آہنی کڑے میں جکڑی ہوئی تھی جس سے منسلک زنجیر کا دوسرا سرا دیوار میں لگے ہوئے ایک ہک میں پھنسا ہوا تھا۔

چند لمحوں تک تو کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی پھر رفتہ رفتہ صورتِ حال واضح ہونے لگی۔ رات کو غار کے سامنے والے میدان میں میرے سر کی پشت پر ضرب لگا کر مجھے بے ہوش کیا گیا تھا اور اب میں ایک قیدی تھا لیکن میں ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ مجھے قید کرنے والا کون تھا۔

میں کچھ دیر تک اسی حالت میں پڑا رہا پھر اٹھ کر اس قید

خانے کا جائزہ لینے لگا۔ زنجیر خاصی لمبی تھی۔ میں اس حد تک آگے بڑھتا رہا جس حد تک زنجیر اجازت دے رہی تھی۔

یہ غار شاید پہلے بھی قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا تھا۔ ایک طرف کپڑوں کے چند چیتھڑے اور غلاظت کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔ جس سے شدید تعفن اٹھ رہا تھا۔

میں دوسری طرف گھومنا ہی چاہتا تھا کہ کونے میں کوئی چیز چمکتی ہوئی دیکھ کر رک گیا۔ میں نے چبوترے پر پڑا ہوا چراغ اٹھالیا اور آگے بڑھنے لگا اور پھر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

روشنی میں چمکنے والی چیز دھوپ کا وہ چشمہ تھا جو گزشتہ روز میں نے تری دیو کی آنکھوں پر دیکھا تھا۔ اس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور فریم درمیان سے مڑا ہوا تھا۔ میرے لیے خوف زدہ ہونے کی بات یہ تھی کہ ٹوٹا ہوا وہ چشمہ ایک انسانی ہاتھ کی گرفت میں تھا جس کا باقی حصہ دیوار کے پیچھے تھا۔ میں کچھ اور آگے بڑھا تو مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بلا تھی۔

دہشت سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ چند لمحوں بعد آنکھیں کھولیں تو حقیقت جوں کی توں میرے سامنے موجود تھی۔ بلا کا مردہ جسم آڑی ترچھی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس تار تار اور جسم پر چھوٹے بڑے زخموں کے لاتعداد نشان نظر آرہے تھے جو اس بات کا ثبوت تھے کہ مرنے سے پہلے اس پر بہت تشدد کیا گیا تھا۔ میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ بلا کی اذیت ناک موت کا ذمے دار صرف اور صرف میں تھا۔

میں ذرا اور آگے بڑھا تو میرے دماغ کو ایک بار پھر شدید جھٹکا لگا۔ اس تنگ سی دراڑ میں بلا کی لاش سے تین چار گز آگے تری دیو کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کا نرخرا کٹا ہوا تھا اور آس پاس خون بکھرا ہوا تھا جو جم کر سیاہ ہوچکا تھا۔

میں اس دراڑ سے باہر آگیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ بلا کو بستی سے غائب کرنے والا تری دیو تھا لیکن یہاں کوئی اور بھی تھا جس نے تری دیو کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

میرے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہورہی تھی۔ سر پر جہاں ضرب لگائی گئی تھی وہاں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے سر میں دھماکے ہورہے ہوں پھر اچانک ہی میرے دماغ میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے ماضی کی طرف لوٹنے لگا۔

میری کھوئی ہوئی یادداشت لوٹ رہی تھی۔ بیتے ہوئے واقعات تاریکی سے ابھر کر سامنے آنے لگے۔ خیالات اور یادوں کے اس ہجوم میں میرا دماغ دکھنے لگا۔ میں بار بار سر کو جھٹکنے لگا کہ ذہن کا بوجھ کسی طرح کم ہوسکے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ماضی کی ایک ایک تصویر ذہن پر واضح ہوتی چلی گئی۔

آخری بات جو بالکل واضح ہو کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ میں اور بلا' چانگ لی کے دو آدمیوں کو ختم کرکے' پانچ سو کلو ہیروئن پر قبضہ کرکے اپنی گاؤں پر پدمی نامی اس گاڑی سے دور نکل جانا چاہتے تھے جہاں چانگ لی اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ رات بھر پہاڑوں میں سفر کرتے ہوئے ہم نجانے کہاں نکل آئے تھے اور پھر کار کا وہ حادثہ بھی واضح طور پر ذہن میں ابھر آیا۔ آخری بات جو مجھے یاد تھی وہ یہ تھی کہ میری کار ڈھلان پر لڑھکتی ہوئی گہرائی میں بہتے ہوئے دریا کی طرف جارہی تھی اور میں بھی کار کے پیچھے ڈھلان پر لڑھک رہا تھا اور پھر میرا سر کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔

تارانگ قبیلے کی اس بستی میں سب سے پہلے یوگندرناتھ نے اپنے آپ کو ٹورازم کا آفیسر ظاہر کرکے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ وہ کسی کار کی شناخت کے بہانے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد یوگندرناتھ کو بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا پھر تری دیو سامنے آیا۔ وہ اپنے آپ کو میرا شناسا ظاہر کرکے مجھ سے ہیروئن کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا اور اب بلا اور تری دیو کی لاشیں میرے سامنے تھیں۔ بلا کو میری ساتھی سمجھ کر تری دیو نے اغوا کیا تھا۔ وہ اس پر تشدد کرکے ہیروئن کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن بلا تشدد کی تاب نہ لاسکی اور ختم ہوگئی اور پھر کسی اور نے تری دیو کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ بات تو سمجھ میں آرہی تھی کہ یوگندرناتھ اور بلا کو تری دیو نے قتل کیا تھا لیکن یہ سوال بہت اہم تھا کہ تری دیو کو ہلاک کرنے والا کون تھا؟

یوگندرناتھ اور تری دیو کے بارے میں مجھے یقین ہوچکا تھا کہ انہیں کسی طرح یہ پتا چل گیا تھا کہ میں چانگ لی کے آدمیوں سے ہیروئن چھین کر لے بھاگا ہوں اور وہ لوگ مجھ سے ہیروئن ہتھیانا چاہتے تھے۔

بہت دیر سوچنے کے بعد بھی میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو میں نے سر جھٹک کر دیوار سے ٹیک لگالی۔ لیمپ میں تیل ختم ہورہا تھا کیونکہ روشنی کم ہوگئی تھی۔ میری کلائی پر بندھی ہوئی ہتھکڑی خاصی تکلیف دہ ثابت ہورہی تھی۔ میں اس ہاتھ کو کم سے کم حرکت دینے کی کوشش کررہا تھا تاکہ تکلیف زیادہ نہ ہو۔

سناٹا میرے اعصاب کو بری طرح متاثر کررہا تھا لیکن پھر اچانک باہر کسی جگہ دھمک سنائی دی۔ وہ بھاری قدموں کی آواز تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھی۔ بالآخر غار کے دہانے کے سامنے پہنچ کر وہ آواز رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی تیز روشنی میرے چہرے پر پڑی۔ میری آنکھیں چندھیا گئیں اور میں نے جلدی سے رخ پھیر لیا۔

"بہت بہادر بننے کی کوشش کررہے تھے۔ بستی کے راج کو بھول جاؤ اور ذرا میرے اس مہمان خانے میں بھی رہ کر دیکھ لو۔"

یہ آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ دروازے میں تین آدمی کھڑے تھے۔ ایک چن گومپا' دوسرا وہی جانور نما آدمی جو دو مرتبہ مجھ سے پٹ چکا تھا۔ اس نے تیسرے آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔ وحشی نے اس آدمی کو زوردار دھکا دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا غار کے وسط میں آن گرا۔

وہ سمبا تھا جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ سمبا کی حالت دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ اس کی پیشانی سے بہنے والا خون اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس کے ساتھ مارپیٹ بھی کی گئی تھی۔ میں چند لمحے متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر چن گومپا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"تو مجھے اغوا کرنے والے تم تھے لیکن سمبا کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"یہ تمہارا سب سے بڑا ہمدرد ہے۔ اسے یہاں لانا میرے لیے یوں بھی سود مند ثابت ہوسکتا ہے کہ بستی میں اب تمہیں تلاش کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ تمہارے غائب ہونے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ہوگا۔" گومپا نے جواب دیا۔ اس کے بھدے ہونٹوں پر بڑی کریہہ سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"لیکن بلا نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اسے اس بے رحمی سے کیوں ہلاک کیا گیا ہے؟" میں نے کہا۔

"اس پر بومبا کا دل آگیا تھا۔" اس نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا "وہ دو مرتبہ تمہاری وجہ سے پٹ گئی تھی لیکن بالآخر اس کے قابو آہی گئی۔ ویسے دیکھنے میں تو بڑی نازک سی لگتی تھی لیکن بڑی جان دار نکلی۔ آخر وقت تک مزاحمت کرتی رہی۔ آخر میں تو تری دیو نے بھی اسے بچانے کی کوشش کی تھی۔ بومبا نے اس کا بھی قصہ تمام کردیا کیونکہ تری دیو کا زندہ رہنا بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا اور بلا تو ویسے بھی تمہاری ساتھی تھی۔ تمہارے ہر راز سے بھی واقف ہوگی۔ ہم اس سے وہ راز اگلوانا چاہتے تھے لیکن میں پھر کہوں گا کہ وہ بڑی سخت جان تھی۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس نے منہ سے ایک لفظ تک نہیں اگلا۔"

"نہیں۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"تم تو سب کچھ جانتے ہو نا!" چن گومپا نے طنزیہ لہجے میں کہا "ہم تمہارا راز تم ہی سے معلوم کرلیں گے۔"

"مم۔ میں کیسے جانتا ہوں۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ تم جانتے ہو میں اپنی یادداشت سے محروم ہوچکا ہوں۔" میں نے چہرہ جھکاتے ہوئے کہا۔ میں گومپا پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میری یادداشت لوٹ آئی ہے۔

"ہوں۔" گومپا نے مجھے گھورا "میں تم سے علیحدگی میں بات کروں گا۔" اس نے بومبا کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سمبا کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا اور پھر آگے بڑھ کر میری ہتھکڑی بھی کھول دی۔ میں دوسرے ہاتھ سے اپنی کلائی سہلانے لگا۔

"تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی گومپا۔" سمبا نے اسے دھمکی دی "بستی کے لوگوں کو ہمت سنگھ اور بلا کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ بلا کو تم نے ختم کردیا ہے۔ ہمت سنگھ کی گمشدگی پر لوگ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ تم کسی طرح بچ نہیں سکو گے۔ ویسے بھی تمہاری مجرمانہ اور غیر اخلاقی سرگرمیاں جس طرح بڑھ رہی ہیں وہ بھی اب بستی کے لوگوں کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہیں۔"

"میری مجرمانہ اور غیر اخلاقی سرگرمیاں۔" گومپا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "ابھی تو ابتدا ہوئی ہے سمبا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ اس بستی کی عورتیں کس طرح میرے اشارے پر بے لباس ہو کر میرے سامنے رقص کرنے لگتی ہیں اور مرد میرے پیر چاٹنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ابھی تو چند لوگ میرے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب بستی کے لوگ مجھے سجدے کریں گے۔ میرے اندر کی شکتی انہیں مجبور کردے گی۔"

اندر کی شکتی کے نام پر میں چونک گیا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ مجھے یاد آگیا کہ ایک رات پہلے اس نے مجھ پر بھی اپنی وہ شکتی آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس وقت تو مجھے یاد بھی نہیں تھا کہ میرے اندر بھی کوئی شکتی موجود ہے۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ

گومپا کو اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہو سکی تھی اور اب میں اپنے حواس میں آچکا تھا۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے گومپا۔" سما کے بجائے میں نے جواب دیا "میں نہیں جانتا تم کون ہو لیکن تم نے ان لوگوں کی زندگیوں کو جس طرح جہنم بنا رکھا ہے اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ اب تمہاری کوئی شکتی کام نہیں آئے گی۔"

"اوہو۔" گومپا کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری ہوگئی۔ اس نے نظریں میرے چہرے پر جمادیں۔

میں بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا اور پلک جھپکے بغیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔

گومپا کھڑے کھڑے لڑکھڑا گیا لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔

"بومبا۔" وہ دہاڑا "اسے باہر لے کر چلو۔ میں اسے بتاؤں گا کہ میرے اندر کتنی شکتی ہے اور میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے گومپا۔ تم زندگی بھر ہمیں اپنا قیدی بنا کر نہیں رکھ سکتے۔" میں نے کہا۔

"میں یہ روگ نہیں پالوں گا لیکن تم لوگوں کو اس طرح غائب کر دیا جائے گا کہ دنیا میں تمہارا نام تک نہیں رہے گا۔" گومپا نے جواب دیا اور بومبا کو اشارہ کیا۔

بومبا نے میرے بازو پر گرفت جما دی۔ ہم مختلف سرنگوں سے ہوتے ہوئے غار سے باہر ایک کھلی جگہ پر آگئے۔ باہر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چاروں طرف سے عمودی چٹانوں میں گھرے ہوئے ایک چھوٹے سے میدان میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ تین چار جگہوں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ ایک طرف دہکتے ہوئے کوئلوں کا ڈھیر تھا۔ اس کے دائیں بائیں لکڑیوں کے اسٹینڈ تھے جن پر لوہے کا ایک موٹا سریا رکھا ہوا تھا اور لوہے کے اس سریے پر پہاڑی بکرا یا ایسا ہی کوئی جانور ٹنگا ہوا تھا جو نیچے دہکتے ہوئے کوئلوں پر روسٹ ہو رہا تھا۔

ایک ننگ دھڑنگ عورت تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس سریے کو گھما دیتی تھی تاکہ بکرے کا گوشت چاروں طرف سے روسٹ ہو سکے۔ ایک دوسری عورت کسی اور کام میں مصروف تھی۔ ان دونوں کا تعلق تارانگ قبیلے ہی سے تھا اور ان کے حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے غار میں گومپا نے ایک بار پھر مجھ پر اپنی شکتی آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ ہپناٹزم کا ماہر تھا۔ اس نے ہپناٹزم ہی سے ان لوگوں کے اذہان مسخر کر رکھے تھے اور قبیلے کے سیدھے سادے لوگ اس کو اس کی پراسرار شکتی سمجھ بیٹھے تھے اور گومپا کی اسی پراسرار قوت کے بل بوتے پر وہ کتوں کی طرح اس کے پیر چاٹنے پر مجبور تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" گومپا نے ایک اسٹول کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی دوسرے اسٹول پر بیٹھ گیا "میں ایک بات تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھ سے تعاون کرو گے تو فائدے میں رہو گے اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ یہاں نہ تو کوئی تمہاری مدد کو آئے گا اور نہ ہی تم یہاں سے فرار ہو سکتے ہو۔ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو میں سچ اگلوانا بھی جانتا ہوں۔"

"لیکن مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تمہیں سب کچھ یاد آجائے گا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر گومپا نے باتوں ہی باتوں میں اپنے بارے میں جو انکشاف کیا وہ بہت ہی سنسنی خیز تھا۔ وہ کھٹمنڈو کا رہنے والا تھا۔ بدمعاشی اور غنڈا گردی کے حوالے سے شہر کے بعض علاقوں میں اس کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہپناٹزم کا بھی ماہر تھا۔ وہ جرائم اور دادا گیری میں اپنے اس علم سے بھی فائدہ اٹھا رہا تھا۔

پانچ سال پہلے اس کا ایک مخالف گروہ سے تصادم ہوگیا۔ اس تصادم میں گومپا کے ہاتھوں تین آدمی مارے گئے۔ پولیس نے اسے گرفتار کر لیا تھا لیکن وہ بھاگ نکلا۔ کچھ عرصہ وہ شہر کے نواح میں واقع بدھوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں روپوش رہا اور جب اسے یقین ہوگیا کہ اب شہر کا رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں تو وہ دھول گری کی طرف فرار ہوگیا اور پہاڑوں میں واقع چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھٹکتا ہوا اس طرف آنکلا۔

تارانگ قبیلے کی یہ بستی اس کے لیے ہر لحاظ سے محفوظ تھی۔ شہر کی تہذیب سے قطعی ناآشنا یہ سیدھے سادے لوگ بڑی پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے گومپا کو مہمان (عظیم) سمجھ کر پناہ دی۔ گومپا کچھ عرصے تک قبیلے کی مختلف بستیوں میں گھومتا رہا پھر غاروں والی اس بستی کو مستقل ٹھکانے کے طور پر منتخب کر لیا اور اپنی ہپناٹزم کی قوت سے ان پر اثر انداز ہونے لگا۔ سب سے پہلے اس نے بومبا کو اپنے

قابو میں کیا۔ دیو قامت بومبا بستی کا سب سے طاقت ور آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پاس تین عورتیں تھیں اور اس نے تینوں کو گومپا کی خدمت میں پیش کر دیا۔

گومپا آہستہ آہستہ ہاتھ پیر پھیلاتا گیا۔ اس نے ہپناٹزم کے ذریعے کئی لوگوں کو اپنا مطیع بنا لیا لیکن بستی کے بہت سے لوگ ذہنی طور پر مضبوط تھے۔ وہ اس کے داؤ میں نہیں آئے۔

کچھ لوگ گومپا کو بستی سے نکالنا چاہتے تھے لیکن بہت سے لوگ اس کے حلقے میں بھی شامل ہو چکے تھے۔ ایسے زبردستی بستی سے نکالنے کی کوشش کی جاتی تو ہنگامہ ہوتا، قتل و غارت ہوتی تاہم گومپا پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ پہلے کی طرح آزادی سے قبیلے کی بستیوں میں نہیں گھومے گا۔ غاروں والی بستی میں وہ ہر پونم (پورے چاند) کی رات اس غار میں آتا تھا جہاں دوسرے لوگ بھی جمع ہو جاتے اور رات بھر اخلاق سے گری ہوئی حرکات کا مظاہرہ کیا جاتا۔ گومپا نے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ یہی اصل زندگی ہے۔ یہ لوگ کسی دھرم یا اخلاقیات کے پابند نہیں تھے اس لیے گومپا انہیں بھٹکانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"میں یہاں بڑے سکون کی زندگی گزار رہا تھا۔" گومپا میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "تم دیکھ چکے ہو کہ یہ لوگ کس طرح کتوں کی طرح میرے پیر چاٹتے ہیں لیکن تری دیو نے یہاں آکر میرے من میں ہلچل مچا دی۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے گومپا کی طرف دیکھا۔

"تری دیو بھی کھٹمنڈو کا رہنے والا ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے کئی سال پہلے کھٹمنڈو میں منشیات کو متعارف کرایا تھا۔ اس سے پہلے اس ملک کے لوگ ایسی چیزوں کو جانتے بھی نہیں تھے۔" گومپا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "میں یہاں تری دیو کو دیکھ کر بہت حیران ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ بھی پولیس سے بچنے کے لیے بھاگا ہے اور پناہ کی تلاش میں بھٹکتا ہوا اس طرف آنکلا ہے لیکن اس نے تمہارے بارے میں جو کہانی سنائی وہ بڑی دلچسپ تھی۔ پانچ سو کلو ہیروئن!" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

عین اسی لمحے ایک جھونپڑے کی دوسری طرف کوئی پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ گومپا کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ وہ ٹارچ اٹھا کر اس کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت مجھے بھی پہلی مرتبہ اس جگہ کو غور سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں شاید کسی قدیم عمارت کے کھنڈرات تھے۔ کچھ اونچی شکستہ دیواریں تھیں۔ کہیں کہیں کوئی ٹوٹا ہوا ستون بھی نظر آرہا تھا۔

"شاید کوئی جانور تھا۔" گومپا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "بہرحال، تری دیو نے مجھے تمہارے بارے میں بھی بتایا تھا۔ تم واقعی بہت بہادر آدمی ہو۔ کسی شیر کے منہ سے نوالہ چھین لینا آسان نہیں ہوتا لیکن تم نے واقعی بڑی ہمت کا ثبوت دیا۔ پانچ سو کلو ہیروئن کے لیے تو میں اپنی یہ راجدھانی چھوڑنے پر بھی تیار ہو گیا۔ تری دیو نے مجھے ففٹی ففٹی کا لالچ دیا تھا لیکن مجھے اس کی یہ شرط پسند نہیں آئی۔ تری دیو سے ایک دن پہلے یوگندر ناتھ نام کا ایک اور آدمی بھی تمہاری تلاش میں یہاں آچکا تھا۔ اسے تری دیو نے ختم کر دیا۔

"بقول تمہارے، تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔ تری دیو تم سے کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرے کہنے پر تمہاری ساتھی بملا کو اٹھا لیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زبان کھول دے گی اور بومبا بھی اس سے اپنے من کی آشا (دلی خواہش) پوری کر لے گا لیکن وہ بڑی سخت جان ثابت ہوئی۔ بومبا نے تو اپنی آشا پوری کر لی لیکن ہیروئن کے حوالے سے اس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ ہیروئن کہاں ہے؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ میں ابھی تک اندھیرے میں اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی تھی اور پھر میں نے ایک لمحے کے لیے دو چٹانوں کے درمیان ایک ہیولے کو معلق دیکھا لیکن دوسرے ہی لمحے گومپا کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"تو پھر مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔" وہ رال سے بھری ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا "بومبا دو مرتبہ تمہارے ہاتھوں پٹ چکا ہے لیکن وہ اتنا کمزور اور بزدل نہیں کہ تیسری مرتبہ بھی پٹ جائے۔ یہ جان لو کہ بومبا تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دے گا۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں!" میں تقریباً چیخ اٹھا "جب میں کچھ جانتا ہی نہیں تو تشدد کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں خاموش ہو کر گومپا کے چہرے کو تکنے لگا جہاں درندگی اور بربریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بملا کی مسخ شدہ لاش میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئی جو گومپا اور بومبا کی بربریت کا واضح ثبوت تھی لیکن میں نے بھی طے کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی

ہو' زبان نہیں کھولوں گا۔

"تم نے اس دنیا میں بہت عیش کرلیے۔" گومپا نے کہا "اب تمہاری زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ میں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کردوں گا لیکن تمہیں اس وقت تک مرنے نہیں دوں گا جب تک تم زبان نہیں کھولو گے۔"

"اگر۔۔۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں کچھ جانتا ہوں تو؟" میں نے کہا۔

"تم مجھے ہر وہ بات بتاؤ گے جو میں جاننا چاہتا ہوں۔" گومپا کی آنکھیں چمک اٹھیں "اور میں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں بومبا کو بھی مایوس نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے خاموش ہو کر بومبا کو اشارہ کیا۔

سردی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرگئی۔ میں سمجھ گیا کہ گومپا مجھے کسی بھی حالت میں معاف نہیں کرے گا۔ وہ سچ اگلوانے کے لیے واقعی میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کردے گا۔ بومبا دو مرتبہ مجھ سے پٹ چکا تھا۔ وہ میرا لحاظ نہیں کرسکتا تھا۔

دیو قامت وحشی بومبا نے چمڑے کے ایک فیتے سے میری دونوں کلائیاں اس قدر مضبوطی سے باندھ دیں کہ چمڑے کا فیتہ مجھے گوشت میں پیوست ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا پھر اس نے میرا سر پکڑ کر گردن کو ایک طرف موڑا۔ مجھے گردن کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ بومبا نے ایک زوردار جھٹکا دے کر گردن چھوڑ دی۔ میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔

مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی۔ میں کوئی مزاحمت کیے بغیر کس قدر آسانی سے ان کا شکار بن گیا تھا۔ وہ تعداد میں صرف دو تھے اور میں بڑی آسانی سے ان دونوں کی گردنیں مروڑ سکتا تھا لیکن میں کچھ بھی نہیں کرسکا تھا۔ بومبا نے بڑے اطمینان سے میرے ہاتھ باندھ دیے تھے اور میری گردن کو جھٹکے دے رہا تھا۔ میرے دماغ میں شدید سنسناہٹ ہو رہی تھی اور شاید سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

"میں تمہیں ایک موقع اور دے رہا ہوں۔" گومپا کی آواز سنائی دی "ہیروئن کہاں ہے؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

گومپا نے بومبا کو اشارہ کیا۔۔۔ اور ٹھیک اسی لمحے کسی طرف سے "دھپ" کی آواز سنائی دی۔ گومپا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نجانے کہاں سے اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نکال لیا اور ٹارچ اٹھا کر آواز کی سمت دوڑ پڑا۔

میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ آواز کیسی تھی۔ میں تو بومبا کو دیکھ رہا تھا جو میرے اوپر جھکا جا رہا تھا۔ اس نے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں پکڑلیں اور دوسرے ہاتھ سے زمین پر پڑا ہوا پلاس اٹھالیا۔ میں خوف سے کانپ اٹھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ میری انگلیوں کے ناخن کھینچنا چاہتا ہے لیکن عین اسی وقت "دھپ" کی ایک اور آواز سنائی دی اور کسی نے جلتی ہوئی ایک مشعل اٹھا کر ایک جھنپڑے پر پھینک دی۔

بومبا مجھے چھوڑ کر اس طرف بھاگا۔ میرا دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اچانک پشت کی طرف سے ایک سرگوشی سنائی دی۔

"ہمت سنگھ۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

آواز بلاشبہ سمبا کی تھی۔ میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور میں اٹھ کر آواز کی سمت دوڑ پڑا۔ اگرچہ جھونپڑے میں آگ لگ چکی تھی لیکن جس طرف سے آواز آئی تھی اس طرف تاریکی تھی۔ میں جیسے ہی ایک ٹوٹے ہوئے ستون کے قریب پہنچا' کسی نے میرا بازو پکڑلیا اور مجھے کھینچتا ہوا ایک اور غار میں داخل ہوگیا۔

وہ سمبا تھا۔ ہم دونوں اندھوں کی طرح غار میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے بالآخر ایک کھلی جگہ پر نکل آئے۔ یہ بھی کھنڈر کا ایک حصہ ہی تھا۔ ہمارے سامنے پتھروں کی کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کی مدھم روشنی میں نیچے ایک جیپ کھڑی نظر آرہی تھی۔ میں ایک پتھر پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں نکلے۔ نیچے شاید تری دیو کی جیپ کھڑی ہے۔ اگر گومپا یا بومبا ہم سے پہلے جیپ تک پہنچ گئے تو ہمارے فرار کی راہیں مسدود ہوجائیں گی۔"

سمبا میرا بازو پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ ایک جگہ ہم ایک دیوار کی آڑ میں رک گئے۔ سمبا شیشے کے ایک ٹکڑے سے میری کلائیوں پر بندھا ہوا چمڑے کا فیتہ کاٹنے لگا۔ یہ تری دیو کی ٹوٹی ہوئی عینک کا شیشہ تھا۔ وہ ٹوٹی ہوئی عینک میں نے بلا کی لاش کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ غار کے اندر سمبا نے اپنے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کس طرح کاٹی ہوگی۔

چند سیکنڈ بعد ہم دیوار کی آڑ سے نکل کر پھر نیچے اترنے لگے۔ آخری سیڑھی سے زمین کا فاصلہ تقریباً آٹھ فٹ تھا اور وہاں سے پچیس تیس فٹ آگے جیپ کھڑی تھی۔ سمبا سیڑھی سے نیچے کود گیا۔ میں چھلانگ لگانے کے بجائے پتھریلی سیڑھی کا کنارہ پکڑ کر لٹک گیا۔ اس سے پہلے کہ میں ہاتھ چھوڑتا' فضا دھماکے کی آواز سے گونج اٹھی۔ دائیں طرف بلندی سے آنے والی گولی میرے بالکل قریب پتھر پر لگی۔ پتھر کا ایک ٹکڑا اڑ کر میری گردن پر لگا اور اسی وقت میں نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ سمبا مجھے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دیوار کے ساتھ چپک گیا۔

دائیں طرف چٹان پر کھڑا ہوا گومپا صاف نظر آرہا تھا۔ وہ ریوالور سے جیپ پر فائرنگ کررہا تھا۔ پہلے جیپ کی ونڈ شیلڈ ٹوٹی اور پھر ایک زوردار دھماکا ہوا۔ جیپ کا ایک ٹائر گولی کی زد میں آکر پھٹ گیا تھا۔ اس دھماکے کے فوراً ہی بعد گومپا بھی چٹان پر سے غائب ہوگیا۔

"سمبا۔ تم اس طرف سے جاؤ۔ میں اس طرف سے جاتا ہوں۔ انہیں گھیرنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ دونوں یہاں سے نکل گئے تو بستی والوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

سمبا نے فوراً ہی ایک طرف دوڑ لگا دی اور میں بھی دوڑتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس طرف نکل آیا۔

گھاس پھونس کا وہ جھونپڑا جل کر راکھ ہوچکا تھا۔ تاہم کہیں کہیں سے اب بھی شعلے اٹھ رہے تھے۔ دوسرے جھونپڑے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے آگ کی زد میں آنے سے محفوظ رہے تھے۔ وہ دونوں ننگ دھڑنگ عورتیں ایک جھونپڑے کی دوسری طرف چٹان کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ شعلوں کی مدھم سی روشنی میں ان کے چہروں پر خوف اور وحشت کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے۔

میں ایک پتھر کی آڑ میں کھڑا کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ ان عورتوں کے قریب ہی چٹان کی ایک دراڑ سے گومپا برآمد ہوا۔ وہ انسان نہیں ریچھ ہی لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور شعلوں کی روشنی میں اس کا چہرہ بہت ہی بھیانک لگ رہا تھا۔ اس نے چیخ کر ان عورتوں سے کچھ کہا اور وہ دونوں اس دراڑ میں گھس گئیں۔

گومپا کو دیکھ کر میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔ بلا کی مسخ شدہ لاش میری نظروں کے سامنے گھوم گئی اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے سینے میں لاوا سا کھولنے لگا ہو۔ میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

میرے حواس بحال ہو رہے تھے۔ بے بسی اور بے چارگی کی وہ کیفیت ختم ہوگئی تھی جو کچھ دیر پہلے تک میرے اوپر طاری تھی اور جس نے مجھے بکری کے بچے کی طرح بزدل بنا رکھا تھا۔

میں پتھر کی آڑ سے نکل کر چٹان کے کنارے پر آگیا۔ دنیا کا وہ غلیظ ترین آدمی گومپا ریچھ ہی کی طرح چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں وہ جیپ کھڑی تھی۔ اس نے فائرنگ سے جیپ کو اگرچہ ناکارہ بنا دیا تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ شاید ہم پھر بھی جیپ کی طرف جانے کی کوشش کریں گے اور وہ ہمارا راستہ روکنے کے لیے اس طرف جا رہا تھا۔

میں تقریباً دس فٹ کی بلندی پر تھا۔ گومپا ریچھ کی طرح دوڑتا ہوا جیسے ہی میری زد میں آیا' میں نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے دہاڑتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔

گومپا میری دھاڑ سن کر ہی گڑبڑا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' میں اس کے اوپر پہنچ چکا تھا۔ میرے دونوں پیر اس کے کندھوں پر پڑے۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل آگے کو گرا۔

گرا تو میں بھی تھا لیکن چونکہ میں نے از خود چھلانگ لگائی تھی اس لیے مجھے سنبھلنے میں ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگا۔ گومپا کی صورتِ حال مختلف تھی۔ وہ منہ کے بل گرا تھا۔ اسے چند معمولی چوٹیں بھی آئی تھیں۔ ویسے بھی وہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ وہ فوری طور پر نہیں اٹھ سکا اور اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اس کی کھوپڑی پر دو تین ٹھوکریں رسید کردیں۔

اور بالآخر وہ اٹھ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ وہ تو اس کے گرتے ہی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

گومپا کو اٹھ کر سنبھلنے میں ایک سیکنڈ لگا۔ میں پوری قوت سے اپنی جگہ سے اچھلا۔ میں اسے فلائنگ کک لگانا چاہتا تھا لیکن اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے بے دردی سے پکڑ کر اچھال دیا۔

میں پہلو کے بل پتھروں پر گرا۔ گومپا نے مزید حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ میں بڑی تیزی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اگر ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو میں گوشت کے اس پہاڑ کے نیچے دب جاتا اور پھر شاید میرا زندہ بچنا مشکل ہوجاتا۔

گومپا اپنی ہی جھونک میں منہ کے بل گرا۔ اس نے

سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ہاتھ کو اس طرح حرکت دی کہ وہ وزنی ہتھوڑے کی طرح میری گردن پر پڑا اور میں بے اختیار کراہ اٹھا۔

گومپا مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اس کے سر کے پچھلے حصے پر بالشت بھر لمبی بالوں کی چٹیا میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں چٹیا کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ گومپا بری طرح چیخ رہا تھا۔

میں اس کے اوپر سے اٹھ گیا اور چٹیا کو پیچھے کھینچتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی پیچھے کو جھک رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ اس نے کہنی سے میری پسلیوں پر ضرب لگائی اور پھر بڑی پھرتی سے وہ آگے کو جھکتا چلا گیا۔ میں اس کے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتے ہوئے سامنے گرا۔

پتھروں پر گرنے سے میری کمر پر چوٹ لگی تھی لیکن میں بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ گومپا حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا لیکن میں نے موقع نہیں دیا اور اس پر پے درپے ٹھوکریں برسانے لگا۔

لیکن ایک موقع پر گومپا کا داؤ چل گیا۔ اس نے مجھے بانہوں کے حصار میں لے کر سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔ اس کم بخت میں بلا کی طاقت بھری ہوئی تھی۔ میں اس کی بانہوں کا حصار توڑنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ لگتا تھا جیسے فولادی شکنجے میں جکڑا گیا ہوں۔

وہ ریچھ کی طرح مجھے اپنے سینے کے ساتھ دباتا رہا۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی لیکن اس کی بانہوں کا حصار نہیں توڑ سکا۔ میرے دونوں بازو پہلوؤں میں جھول گئے۔ میں اپنے آپ کو بالکل بے بس اور بے دم سا محسوس کررہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر یہ صورتِ حال کچھ دیر اور برقرار رہی تو میری زندگی کا خاتمہ یقینی تھا۔

گومپا نے مجھے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ایک موقع بھی مل گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیوں سے اس کی دونوں کنپٹیوں پر زوردار ضرب لگائی۔

یہ ضرب اگرچہ گومپا کی برداشت کے مقابلے میں زیادہ زوردار نہیں تھی لیکن نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ میں نے بلا توقف ایک اور وار کیا۔ اس مرتبہ گومپا کراہ اٹھا اور پھر تیسری ضرب پر میری پشت پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا' دو تین قدم پیچھے ہٹ کر ایک دم ہوا میں اچھلا اور اس کی کھوپڑی پر زوردار کک جما دی۔ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی سینے پر ہاتھ رکھے جھکتا چلا گیا۔

مجھے سینے پر اب بھی شدید دباؤ محسوس ہورہا تھا اور سانس گھٹ رہا تھا۔ گومپا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اسے حرکت کرتے دیکھ کر میں سنبھل گیا۔ میرا خیال تھا' وہ مجھ پر حملہ کرے گا لیکن اس نے ایک طرف دوڑ لگا دی تو میں اُچھل پڑا۔

گومپا اگرچہ خاصا بھاری بھرکم تھا لیکن وہ تیزی سے دوڑتا ہوا اس دراڑ میں گھس گیا جہاں وہ دونوں عورتیں غائب ہوچکی تھیں۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ اگر ایک مرتبہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو رات کے وقت ان چٹانوں اور غاروں میں اسے تلاش کرنا مشکل ہوجائے گا۔

وہ دراڑ خاصی طویل تھی اور اس کی دوسری طرف وہ چھوٹا سا میدان تھا جہاں جیپ کھڑی تھی۔ اس طرف سمبا اور بومبا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہورہے تھے۔ وہ دونوں عورتیں بھی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چیختی ہوئی ایک طرف دوڑی جارہی تھیں۔

گومپا اب اپنے آپ کو بچا کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دے سکتا تھا۔ وہ بلا کا قاتل تھا۔ معصوم اور بے گناہ بلا کو جس طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا وہ ایسی بات نہیں تھی کہ اسے آسانی سے فراموش کردیا جاتا اور اس کے قاتلوں کو معاف کردیا جاتا۔

گومپا مجھ سے چند قدم آگے تھا۔ میں دوڑتے ہوئے ہوا میں اچھلا اور اس کے اوپر جارہا۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا۔ میں اس کی پشت پر سوار ہوگیا اور اس کی چٹیا پکڑ کر زور زور سے جھٹکے دیتے ہوئے اس کا چہرہ پتھروں سے ٹکرانے لگا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

اس نے مجھے ایک طرف گرا دیا اور اٹھ کر ایک بار پھر ایک طرف کو بھاگ نکلا لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اسے چند قدم سے زیادہ دور نہیں جانے دیا اور میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

خون میں تر اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ بھیانک ہوگیا تھا۔ وہ ہر ٹھوکر پر بلبلا اٹھتا لیکن مجھے اس پر ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ ایسے بے رحم اور سفاک لوگ کسی رحم اور ہمدردی کے مستحق نہیں ہوتے۔ بلا کی لاش رہ رہ کر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی اور میرا جنون بھی بڑھتا جارہا تھا۔ میں پے درپے اس پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔

اچانک کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ میں تیزی سے گھوم گیا۔ میرا ہاتھ بھی اٹھ گیا تھا لیکن سمبا کی صورت دیکھ کر میرا ہاتھ مشینی انداز میں رک گیا تھا۔ سمبا مجھے کھینچتا ہوا چند گز دور لے گیا۔

"اگر یہ ختم ہوگیا تو ہم بستی والوں پر کس طرح ثابت کریں گے کہ بلا کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے۔" سمبا نے کہا "انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ انہیں بستی والے سزا دیں گے۔"

میں بڑی مشکل سے اپنے جنون پر قابو پاسکا تھا۔ میں نے گومپا کی طرف دیکھا۔ وہ ادھ موا سا پڑا کراہ رہا تھا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر بومبا بھی پتھروں پر پڑا کراہ رہا تھا۔

سمبا ان عورتوں کو بھی تلاش کرکے لے آیا اور پھر ہم بومبا اور گومپا کو بھی ٹھوکریں مارتے ہوئے جھونپڑوں کی طرف لے آئے۔ ایک جھونپڑا تو جل کر راکھ ہوچکا تھا۔ کہیں کوئلے دہک رہے تھے اور کہیں کہیں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

سمبا نے مقامی زبان میں ان دونوں عورتوں سے کچھ کہا اور وہ ایک جھونپڑے میں گھس گئیں۔ سمبا نے مجھے وہیں رکنے کو کہا اور خود چٹانوں میں ایک تنگ سے راستے پر غائب ہوگیا۔

سمبا کی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے کندھے پر بلا کی لاش اٹھا رکھی تھی جسے اس نے ایک جھونپڑے کے سامنے پتھروں پر لٹا دیا۔ میں قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور بلا کی لاش کو دیکھنے لگا۔ میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ لاش کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس پر کس قدر تشدد کیا گیا تھا۔

سمبا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور مجھے وہاں سے اٹھا کر کچھ دور لے گیا۔

"ان دونوں آدمیوں کی لاشیں ہم اس غار میں چھوڑے جارہے ہیں۔" اس نے کہا "بلا کی لاش کو دیکھ کر بستی کے لوگ ان کے خلاف خاموش نہیں رہیں گے اور میرا خیال ہے' اب ہمیں چلنا چاہیے۔ صبح تک ہم بستی میں پہنچ جائیں گے۔"

"یہ جگہ بستی سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا "ہم تو کل سارا دن اور پرسوں رات بھر بلا کو تلاش کرتے رہے تھے۔ اس طرف تو ہم نہیں آئے تھے۔"

"ان پہاڑوں میں ایسی بے شمار جگہیں ہیں جہاں پورا قبیلہ چھپ سکتا ہے۔ ویسے یہ جگہ بستی سے تقریباً دس میل دور ہے۔ اس نے پتا نہیں کہاں کہاں عیاشی کے اڈے بنا رکھے ہیں۔" سمبا نے جواب دیا۔

اس نے ان دونوں عورتوں کو بھی جھونپڑے سے باہر بلا لیا۔ وہ دونوں جھونپڑے میں رکھے ہوئے لباس پہن چکی تھیں لیکن لباس کے باوجود وہ برہنہ تھیں۔

مجھے گومپا کا ریوالور بھی مل گیا تھا جو میں نے سمبا کے حوالے کردیا۔ بلا کی لاش کو اٹھاتے ہوئے میری نظریں گومپا کی طرف اٹھ گئیں۔ میرے دماغ کو زبردست جھٹکا لگا۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ میں ایک دم سیدھا ہوگیا اور گومپا کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر مار دی۔ وہ چیختا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔

"تمہاری شکتی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اگر تم نے دوبارہ ایسی کوئی کوشش کی تو بھیجا نکال دوں گا تمہاری کھوپڑی سے۔" میں اسے پسلیوں پر ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

سمبا نے بھی اسے دو چار ٹھوکریں رسید کردی تھیں اور پھر ان دونوں کو ریوالور کی زد پر لے کر ایک طرف کھڑے ہوجانے کا حکم دیا۔

چند منٹ بعد ہی ہمارا یہ مختصر سا قافلہ پہاڑوں میں تنگ سے راستوں پر چلنے لگا۔ سب سے آگے گومپا اور بومبا تھے۔ ان کے پیچھے دونوں عورتیں اور آخر میں' میں اور سمبا چل رہے تھے۔ بلا کی لاش کبھی سمبا اٹھا لیتا اور کبھی میں۔

پہاڑوں میں دس میل کا فاصلہ خاصا طویل ثابت ہوا تھا۔ جب ہم بستی میں پہنچے تو صبح کی روشنی پھیل چکی تھی۔ بلا کی لاش میدان میں ایک درخت کے نیچے رکھ دی گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بستی کے لوگ غاروں سے نکل نکل کر ہمارے گرد جمع ہونے لگے۔ سمبا چیخ چیخ کر بستی والوں کو گومپا اور بومبا کے کرتوتوں کے بارے میں بتانے لگا۔

بلا کی لاش دیکھ کر لوگ بپھر گئے اور ان دونوں پر ٹوٹ پڑے۔ گومپا اور بومبا پر حملہ کرنے والوں میں گومپا کے وہ چیلے بھی شامل تھے جو اس کے پیر چاٹا کرتے تھے لیکن بلا کی لاش دیکھ کر وہ اس کے سحر سے آزاد ہوگئے تھے۔ میں اور سمبا کوشش کے باوجود گومپا اور بومبا کو بستی والوں کے عتاب سے نہیں بچا سکے۔ کچھ ہی دیر بعد ان دونوں کی نچی ہوئی لاشیں میدان میں پڑی تھیں اور پھر کچھ لوگ وہ لاشیں بھی اٹھا کر لے گئے۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم کھیا کی اس بستی کی طرف روانہ ہوگئے جہاں حادثے کے بعد ہمیں لایا گیا تھا۔ غار والی بستی کے بہت سے لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ بلا کی لاش کو ایک خود ساختہ اسٹریچر پر ڈال دیا گیا تھا۔

ہم دوپہر کے بعد ہی اس بستی میں پہنچے تھے۔ بستی کے سارے لوگ جمع ہوگئے۔ تھیوب اور دوسری عورتیں بلا کی لاش کے قریب بیٹھ کر بین کرنے لگیں اور پھر شام سے ذرا پہلے دریا کے کنارے بلا کی چتا کو نذر آتش کردیا گیا۔

اس کے بعد بھی میں تین دن اس بستی میں رہا۔ ایک روز دوپہر کے وقت اچانک ہی مجھے نیلگری والی مالا کا خیال آگیا۔ وہ مالا نہ میرے گلے میں تھی اور نہ ہی ان گزرے ہوئے دنوں کے دوران میں بلا نے اس کا کوئی ذکر کیا تھا۔ اچانک ہی مجھے ایک اور خیال آیا۔ میں نے سمبا سے پوچھا۔

"دریا کے کنارے ڈھلان پر جہاں میں بے ہوش ہوا تھا' وہاں سے مجھے کون اٹھا کر لایا تھا؟"

"میں تھا اور تین چار آدمی اور تھے لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" سمبا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میرے گلے میں ایک مالا تھی۔ سیاہ پتھروں کی۔" میں نے کہا۔ میرا ہاتھ بے اختیار گلے پر پہنچ گیا تھا۔

"میں نے سیاہ پتھروں کی کوئی مالا قبیلے کے کسی آدمی کے پاس نہیں دیکھی۔" سمبا نے جواب دیا "اگر کسی نے تمہارے گلے سے وہ مالا اتاری ہوتی تو کسی نہ کسی کے پاس ضرور نظر آجاتی لیکن کیا وہ مالا بہت قیمتی تھی۔ تم اس کے لیے خاصے پریشان نظر آرہے ہو۔"

"ہاں۔ وہ مالا میرے لیے واقعی بہت قیمتی ہے۔ اتنی قیمتی کہ اگر وہ میرے پاس موجود ہوتی تو شاید بلا کی جان نہ جاتی۔ اسے تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔" میں نے جواب دیا۔

سمبا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا جیسے یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو "وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں سے مجھے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لایا گیا تھا؟"

"اس طرف۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ ہے۔" سمبا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"چلو۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

میں اور سمبا بستی سے نکل کر دریا کی طرف آگئے اور پھر کنارے کے ساتھ ساتھ پتھروں پر چلنے لگے۔

ایک میل کا وہ فاصلہ طے کرنے میں تقریباً ایک گھنٹا لگ گیا۔ بالآخر ہم ایک جگہ پر رک گئے۔ وہاں ایک طرف نشیب میں دریا تھا۔ اس جگہ دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا لیکن گہرائی بہت زیادہ تھی۔ پانی کا بہاؤ بھی بہت تیز تھا۔ دوسری طرف عمودی ڈھلان تھی جو تقریباً چار سو فٹ اوپر تک چلی گئی تھی۔

"بلا نے بتایا تھا کہ تمہاری کار وہاں سے ڈھلان پر لڑھکتی ہوئی اس جگہ دریا میں گری تھی۔" سمبا نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "ہم نے تمہاری کار تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں گہرائی کتنی زیادہ اور پانی کی رفتار کتنی تیز ہے۔ تیز رفتار پانی کار کو بہا کر کہیں سے کہیں لے گیا ہوگا۔"

میں دریا کی طرف دیکھنے لگا۔ پانی طوفانی رفتار سے نشیب کی طرف بہہ رہا تھا۔ اتنے تیز بہاؤ میں تو کوئی چٹان بھی نہیں رک سکتی تھی۔ کار تو نجانے کہاں غائب ہوگئی ہوگی۔

"اور وہ جگہ کون سی ہے جہاں میں بے ہوش پڑا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرف۔۔۔ وہاں۔" سمبا نے بلندی کی طرف اشارہ کیا۔

ہم بڑے بڑے پتھروں پر پھلانگتے ہوئے اوپر چڑھنے لگے اور پھر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ ایک جگہ پتھروں میں کار کا ایک پہیا پڑا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اوپر سے پتھروں پر لڑھکتے ہوئے یہ پہیا الگ ہوگیا ہوگا۔ میں نے وہ پہیا اٹھا کر دریا کی طرف اچھال دیا اور سمبا کے ساتھ پھر اوپر چڑھنے لگا۔

"تم یہاں بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور دیکھو' وہ شاید تمہارا جوتا ہے۔" سمبا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ میرا ہی سیدھے پیر کا جوتا تھا۔ بستی میں جب مجھے ہوش آیا تو اس وقت مجھے احساس نہیں ہوا تھا کہ میرے پیر میں کوئی جوتا تھا یا نہیں لیکن اب میری یادداشت بحال ہوچکی تھی اور میں نے اپنا یہ جوتا پہچان لیا تھا جسے میں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ سمبا نے بتایا کہ میرے دوسرے پیر کا جوتا بھی بستی کے کسی جھونپڑے میں موجود ہے۔

میں متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہاں پتھروں میں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں۔ اگر وہ مالا کھل کر میرے گلے سے یہاں گر ہی گئی تھی تو اسے تلاش کرنا ایسا ہی تھا جیسے بھس میں سوئی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے لیکن مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی تلاش و جستجو کے بعد میں دائیں طرف مڑا ہی تھا کہ میری آنکھوں پر چمک سی پڑی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا اور اس طرف دیکھنے لگا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ سیاہ پتھروں کی وہ مالا جھاڑیوں میں پڑی تھی اور دھوپ میں اس کا مرکزی پتھر چمک رہا تھا۔ اسی چمک نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

میں نے وہ مالا اٹھائی تو ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے میرے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ گئی ہوں اور پھر مجھے اپنے آپ میں ایک نئی توانائی محسوس ہونے لگی۔

سمبا بھی میرے قریب آگیا تھا۔ میں اس وقت مالا کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آگئی تھی کہ مالا میرے گلے سے کیوں نکلی تھی۔ اس کا ہک کھل گیا تھا۔ میں نے مالا کو گلے میں ڈال کر ہک بند کرلیا اور مسکرا کر سمبا کی طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا ہوا تمہاری گمشدہ چیز مل گئی۔ اگر نہ ملتی تو تم سے زیادہ شاید مجھے اس کا افسوس رہتا۔" سمبا نے کہا "کیا یہ مالا واقعی بہت قیمتی ہے؟"

"ہاں۔ اتنی قیمتی کہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں پتھروں پر نشیب کی طرف اترنے لگے۔ ایک جگہ میں نے مڑ کر اوپر دیکھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنی بلندی سے لڑھکنے کے بعد میں زندہ کیسے بچ گیا تھا۔ دریا کے پاس پہنچ کر میں ایک بار پھر رک گیا اور دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کافی دور تک چلتا رہا۔ پانی بہت تیز رفتار اور بہت گہرا تھا۔ میری کار کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تیز رفتار پانی نہ جانے اسے کہاں سے کہاں لے گیا ہوگا۔ کار میں رکھی ہوئی پانچ سو کلو ہیروئن پلاسٹک کے تھیلوں میں تھی۔ وہ تھیلے واٹر پروف نہیں تھے۔ ہیروئن ضائع ہوگئی ہوگی۔

سمبا کے ساتھ واپس آتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ گمنڈو میں ناگ پال یا چانگ لی کے ساتھ میرا یہ پہلا باقاعدہ اسلام تھا جس میں انہیں بڑی زبردست چپت لگی تھی۔ پانچ سو کلو ہیروئن۔ یہاں اس کی مالیت پانچ سو کروڑ روپے سے بھی زیادہ تھی اور انٹرنیشنل مارکیٹ میں تو اس کی قیمت کہیں زیادہ رہی ہوگی لیکن اس کے لیے مجھے بھی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔ بلا بہت معصوم اور بہت بھولی بھالی لڑکی تھی۔ میرے عشق میں اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی تھی اور بالآخر اپنی جان لٹا دی تھی۔

میں تین دن مزید تارانگ قبیلے کی اس بستی میں رہا۔ بستی کے لوگوں نے میری خدمت اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہ واقعی بہت سیدھے سادے لوگ تھے۔ ان کی بدقسمتی تھی کہ گومپا جیسا بدمعاش ان کے بیچ میں پہنچ گیا تھا اور وہ اپنے شعبدوں سے قبیلے کے چند لوگوں کو ٹھکانے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن اب انہیں گومپا جیسے شیطان سے بھی نجات مل چکی تھی۔ وہ اپنی ہوس کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ تری دیو سے ملاقات کے بعد اس کی باتیں سن کر گومپا کے دل میں لالچ پیدا نہ ہوتا تو شاید اس کا یہ سلسلہ چلتا رہتا لیکن بہرحال' باطل کو ایک دن تو ختم ہونا ہی تھا اور وہ ختم ہوگیا تھا۔

مالا مل جانے کے بعد میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ اس روز شام کو ویدجی نے میرے سر کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے بالکل تندرست قرار دے دیا تھا حالانکہ صبح جب میں سمبا کے ساتھ دریا کی طرف جارہا تھا تو میرے زخم میں شدید تکلیف تھی۔ چلتے ہوئے اپنے ہی پیروں کی ہلکی سی دھمک سے یوں لگتا تھا جیسے دماغ میں دھماکے ہورہے ہوں۔

سر پر چوٹ لگنے کے بعد سے میں آرام سے تو نہیں بیٹھ سکا تھا۔ ویدجی بار بار تشویش کا اظہار کرتا رہا تھا اور مجھے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیتا رہا تھا لیکن میں تو ایک دن بھی آرام سے نہیں بیٹھ سکا تھا۔ آج صبح بھی میرا خیال تھا کہ اس زخم کی وجہ سے شاید مجھے کئی روز تک اس بستی میں رہنا پڑے گا۔ دریا کی طرف جاتے ہوئے بھی میں سر میں تکلیف محسوس کررہا تھا لیکن نیلگری کی وہ مالا مل جانے کے بعد میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ لگتا تھا جیسے میرے اندر ایک نئی توانائی پیدا ہوگئی ہو۔ مالا کا لمس مجھے زندگی کی حرارت دلا رہا تھا۔

اسی روز شام کو ویدجی نے میرے سر کی پٹی کھول کر زخم کا معائنہ کیا تو وہ حیرت زدہ سا رہ گیا تھا۔ اس نے زخم کی جگہ کو ٹٹول کر اور دبا کر بھی دیکھا تھا لیکن مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی اور پھر ویدجی نے اعلان کردیا تھا کہ مجھے اب کوئی تکلیف نہیں رہی۔ میرا زخم بالکل ٹھیک ہوچکا ہے۔

میں اس سے اگلے ہی دن بستی سے رخصت ہوجانا چاہتا تھا لیکن کھیا نے مجھے روک لیا۔ کھیا کے کہنے کے مطابق میں نے ان کے قبیلے کو ایک شیطان سے نجات دلائی تھی اور وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک جشن کا اہتمام کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے قبیلے کی تمام بستیوں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔

تارانگ قبیلے کی کل آبادی دو ڈھائی ہزار نفوس سے زیادہ نہیں تھی جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں ان پہاڑوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ہر بستی دوسری سے پانچ دس میل کے فاصلے پر تھی۔ راستے نہایت خطرناک اور دشوار تھے لیکن اس کے باوجود تمام بستیوں کے لوگ ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے تھے۔

تیسرے دن صبح ہی لوگ اس بستی میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ دریا کی سمت میدان میں لوگ جمع ہو رہے تھے۔ شام تک وہاں میلے کا سماں پیدا ہو چکا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد میدان میں لاتعداد مشعلیں روشن ہوگئیں اور پھر چاند بھی طلوع ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی کھیا نے جشن شروع ہونے کا اعلان کردیا۔

یہ جنگ جو قبیلہ نہیں تھا لیکن وہ اپنا دفاع کرنا جانتے تھے۔ آپس کی زور آزمائی گویا ان کی گھٹی میں شامل تھی۔ عورتوں کے حصول کے لیے ان میں دلچسپ مقابلے ہوتے رہتے تھے اور اس وقت بھی ان میں زور آزمائی کے مقابلے ہو رہے تھے۔

تھاپا (پانچ بیویوں کا شوہر) قبیلے کا امیر ترین آدمی) نے دوسری بستی کی ایک خوب صورت لڑکی کے حصول کے لیے اس کے مرد کو چیلنج کردیا۔ تھاپا کے قبضے میں پہلے ہی پانچ عورتیں تھیں لیکن شاید وہ اپنے گھر میں خوب صورت عورتوں کی فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔

اس لڑکی کا مرد درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ جبکہ تھاپا اس کے مقابلے میں بہت لحیم شحیم تھا۔ بظاہر مقابلے کے لیے ان کی جوڑی نہیں بنتی تھی لیکن ماٹا نامی اس شخص نے تھاپا کا چیلنج قبول کرلیا اور خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔

سب لوگوں کا خیال تھا کہ تھاپا جیت جائے گا لیکن پانچ منٹ میں ماٹا نے تھاپا کو چت کردیا۔ اس طرح تھاپا کو اپنی ایک عورت سے محروم ہونا پڑا اور پھر ایک گھٹنے کے اندر اندر تھاپا اپنی تمام عورتوں سے محروم ہو چکا تھا۔ اس کی پانچوں عورتیں ماٹا کے قبضے میں جا چکی تھیں۔

بہت سے لوگ تھاپا کے گرد جمع تھے۔ وہ اس سے ہمدردی جتلا رہے تھے اور تھاپا منہ لٹکائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی دنیا لٹ چکی تھی اور وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اور پھر ایک عورت میدان میں آکر چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگی۔ اس نے دو مرتبہ میری طرف بھی اشارہ کیا تھا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ یہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی جنہوں نے اس روز مجھے دریا کے کنارے پر گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ادھر ادھر گھومتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں کچھ کہہ رہی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟" میں نے قریب بیٹھے ہوئے سمبا سے دریافت کیا۔

"یہ تمہارے لیے دوسری عورتوں کو چیلنج کر رہی ہے۔" سمبا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے لیے۔" میرے دماغ میں زوردار دھماکا ہوا۔ "لیکن میں تو کسی کی ملکیت نہیں ہوں۔"

"مقابلے میں جو عورت جیت گئی تم اس کی ملکیت ہو جاؤ گے اور پھر یہ اس عورت کی مرضی ہے کہ وہ تمہیں آزاد کردے یا اپنے قبضے میں رکھے۔" سمبا نے جواب دیا۔

"عجیب احمقانہ بات ہے۔" میں نے کہا۔ میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات ابھر آئے جب ہمارا طیارہ راجستھان کے ریگستان میں گرا تھا اور وکرم سنگھ مالی وغیرہ اس کے ساتھیوں نے ہمیں پکڑ کر نیلام کردیا تھا۔ گویا وہاں بھی کچھ ایسا ہی سلسلہ تھا لیکن طریقہ کار مختلف تھا۔

اس عورت کا چیلنج قبول کرتے ہوئے ایک اور مرد میدان میں اتر آئی اور پھر ان میں مقابلہ شروع ہوگیا۔ خوں خوار بلیوں کی طرح غراتی ہوئی ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

مقابلہ خاصا دلچسپ تھا۔ وہ دونوں میدان میں ایک دوسرے کو رگید رہی تھیں۔ ان کے حلق سے عجیب وحشیانہ غراہٹیں خارج ہو رہی تھیں۔

یہ مقابلہ خاصا دلچسپ تھا اور تقریباً آدھے گھنٹے جاری رہا۔ جیت اسی کی ہوئی تھی جس نے میدان میں آکر دوسروں کو چیلنج کیا تھا اور پھر چند منٹ بعد وہ ایک بار پھر دوسری عورتوں کو چیلنج کر رہی تھی اور اس مرتبہ جو عورت میدان میں اتری تھی اسے دیکھ کر قبیلے کے سب ہی لوگ حیرت زدہ سے رہ گئے تھے۔ کھیا اور سمبا سمیت بعض لوگ اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے اور بڑی حیرت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ حیرت مجھے ہوئی تھی۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

وہ نیلگری تھی۔ قبیلے کی عام عورتوں کے بھی برعکس اس کے جسم پر بھی ویسا ہی لباس تھا۔ سر کے بال آزاد بے ترتیبی اور بد سلیقگی سے کٹے ہوئے تھے۔ اس کی صورت آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میرا ہاتھ بے اختیار اپنے گلے میں پڑی ہوئی مالا پر پہنچ گیا۔

میں نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ یہ نیلگری ہی تھی۔ اس روز مایا متی والے مکان سے غائب ہونے کے بعد آج وہ قبائلی عورت کے روپ میں میرے سامنے آئی تھی اور میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔

"یہ۔ یہ کون ہے؟" میں نے سمبا سے پوچھا۔ یہ سوال برادری طور پر میری زبان سے نکل گیا تھا۔

"پتا نہیں۔" سمبا نے جواب دیا "اس کا حلیہ اور لباس ہمارے قبیلے کی عورتوں جیسا ہے لیکن یہ ہمارے قبیلے کی نہیں ہے۔ میں اپنے قبیلے کی تمام بستیوں میں گھومتا رہتا ہوں لیکن اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

اب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ نیلگری ہی تھی جو میری مدد کے لیے یہاں پہنچ گئی تھی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کار والے حادثے میں اگر وہ مالا میرے گلے میں نہ گری ہوتی تو اس کے بعد ناخوشگوار واقعات بھی پیش نہ آتے۔ نیلگری یقیناً میری مدد کو پہنچ جاتی اور بلا کو بھی اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے۔

اپنی اس نئی حریف کو دیکھ کر پہلے مقابلے کی فاتح عورت گندالی کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہوگیا تھا۔

بہرحال، مقابلہ شروع ہوا۔ پہلے گندالی نے ہی حملہ کیا لیکن نیلگری نے اٹھا کر اسے پٹخ دیا۔ وہ کئی فٹ دور جا کر گری۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ وہ اٹھ کر دوبارہ نیلگری کی طرف لپکی۔

اور پھر لوگوں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا کہ گندالی اپنی حریف کو ایک مرتبہ بھی نہیں چھو سکی تھی۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچتی، لگتا کسی غیبی قوت نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا ہو۔ اس کی چیخیں فضا میں گونجتی رہیں۔ بعض لوگ چیخ چیخ کر اور تالیاں بجا بجا کر نیلگری کو داد دیتے رہے اور بعض وحشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

یہ مقابلہ چند منٹ سے زیادہ جاری نہیں رہ سکا تھا۔ گندالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی شکست کا اعلان کردیا۔ نیلگری نے فاتحانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا پھر وہ نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی میرے قریب آگئی۔ چند لمحے میرے سامنے کھڑی رہی پھر ہمارے قریب سے گزرتی ہوئی پچھلی طرف چلی گئی۔ سمبا اور کھیا وغیرہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو نیلگری اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی۔

○☆○

دوسرے دن میں تارانگ قبیلے سے روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ میرے ساتھ سمبا، تھاپا اور ایک بھکشو سارانوک کے علاوہ تھیوب بھی جانے کو تیار تھی۔ کوئی بھی مہذب آبادی اس بستی سے کم سے کم ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر تھی۔ راستے نہایت پرپیچ، کٹھن اور خطرناک تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اکیلا کبھی بھی کسی بستی تک نہیں پہنچ سکوں گا اسی لیے یہ لوگ میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگئے تھے۔ اس طرح ہماری تعداد پانچ ہوگئی تھی۔

میں ان پہاڑوں سے بالکل واقف نہیں تھا۔ البتہ سمبا سال میں ایک آدھ مرتبہ مہذب بستیوں کی طرف جاتا رہتا تھا۔ اس کے خیال میں واپسی کے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ ہم ان پہاڑوں میں تقریباً چالیس میل کا سفر کرکے دلی کوٹ پہنچیں۔ یہ بستی پونگا رینج میں برندرا نگر اور نیشنل پارک کے درمیان واقع تھی۔ دلی کوٹ سے ہم برندرا نگر کا رخ کرتے اور وہاں سے تقریباً چالیس میل مزید آگے جاکر ہمیں وہی ہائی وے مل جاتی جو گھنٹنڈو سے انڈیا کی سرحد پار کی طرف چلی گئی تھی۔ اعظم خان اور بلا کے ساتھ میں اسی طرف سے نیپال میں داخل ہوا تھا۔

سمبا کے خیال میں یہ راستہ میرے لیے محفوظ نہیں تھا۔ یوگندر ناتھ اور تری دیوا اسی طرف سے اس بستی تک آئے تھے جبکہ میری تلاش اب بھی جاری تھی اور چانگ لی یا اس کے آدمیوں سے کہیں بھی آمنا سامنا ہو سکتا تھا اس لیے سمبا کا خیال تھا کہ ہمیں پہاڑوں میں سفر کرتے ہوئے نیشنل پارک کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں سے نیشنل پارک کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے ہم دھول گری کی طرف نکل سکتے تھے۔ اس طرف دھول گری اور اناپورنا کے پہاڑی سلسلے بیس سے چھبیس ہزار فٹ تک بلند تھے۔ راستے نہایت خطرناک تھے لیکن یہ اس لحاظ سے محفوظ تھے کہ میرے دشمنوں کا سامنا نہیں ہو سکتا تھا۔

ہمارے پاس سواری کے لیے پانچ یاک تھے اور چھٹے یاک پر چھولداریاں اور کھانے پینے کا سامان لاد لیا گیا تھا۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ہم کسی بہت طویل سفر پر جا رہے ہوں اور بعد میں ثابت بھی ہوگیا کہ یہ سفر واقعی بہت طویل، تھکا دینے والا اور مشکل تھا۔

ہم صبح سویرے بستی سے رخصت ہوئے تھے۔ دوپہر تک رکے بغیر سفر کرتے رہے اور بالآخر ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ کھانے کے بعد ایک گھنٹا آرام کیا اور شام کا اندھیرا پھیلنے تک ہمارا سفر جاری رہا۔

پانچویں روز ہم دھول گری کے تقریباً بائیس ہزار فٹ

بلند سلسلہ کوہ کی دوسری طرف دریا کے کنارے پر آباد کاکھوٹ نامی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے۔ یہ بھی بدھوں کی بستی تھی۔ ان لوگوں نے ہماری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

کاکھوٹ گاؤں نامی یہ بستی مستانگ کی طرف جانے والی شاہراہ سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر تھی اور ستر میل کا یہ فاصلہ طے کرنے میں ہمیں دو دن لگے تھے اور بالآخر ہم جوم سون نامی بستی میں پہنچ گئے۔ یہ بستی اس شاہراہ پر واقع تھی جو ایک طرف سرحد کے قریب واقع مستانگ قصبے سے ہوتی ہوئی سرحد پار کر کے تبت میں داخل ہو جاتی تھی اور دوسری طرف پوکھارا تک چلی گئی تھی جہاں سے کھٹمنڈو یا نیپال کے بعض دوسرے شہروں کا رخ کیا جا سکتا تھا۔

جوم سون نام کی یہ بستی سطح سمندر سے تقریباً چوبیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس سے آگے پوکھارا کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک طویل درے سے گزرنا پڑتا ہے۔ شاہراہ اور دریائے گنڈاکی اس درے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ درہ نیالا کشادہ وادی کی طرح میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک طرف دھول گری اور دوسری طرف انا پورنا کے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ یہ برف پوش پہاڑی چوٹیاں چھبیس ہزار فٹ کی بلندی تک چلی گئی ہیں۔ بعض مقامات پر یہ درہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ اس پر کسی سرنگ کا گمان ہونے لگتا ہے۔

جوم سون سے روانہ ہونے کے تیسرے دن ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ ایک سڑک پٹنی کی طرف اور دوسری پوکھارا کی طرف چلی گئی تھی۔ ہم نے پوکھارا کی طرف جانے والے راستے کا انتخاب کیا تھا۔

اب ہمیں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ ہم اونچے پہاڑوں سے نکل کر اس علاقے میں آ گئے تھے جہاں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد لوگ جدید تہذیب سے کسی حد تک آشنا تھے۔

گیارھویں دن ہم پوکھارا پہنچ گئے۔ ہم نے شہر سے دور دریا کے کنارے پر ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ وہ رات ہم نے وہیں بسر کی تھی۔ سمبا تو اگلے روز واپس جانا چاہتا تھا جبکہ میں انہیں کھٹمنڈو تک لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ لوگ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب وہ واپس جانا چاہتے تھے۔ گیارہ دن کے سفر نے ہم سب کو بری طرح تھکا دیا تھا۔

میرے لیے اب پریشانی یہ تھی کہ میں کھٹمنڈو تک کیسے پہنچوں گا۔ میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ سمبا وغیرہ کو کچھ تحائف بھی دینا چاہتا تھا اور اسی لیے میں اپنے ساتھ کھٹمنڈو تک لے جانا چاہتا تھا لیکن ان لوگوں نے یہیں سے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں لوگوں کو وہیں چھوڑ کر شہر چلا گیا۔

پچھلے بیس بائیس دنوں میں میرا حلیہ بڑی حد تک بگڑ چکا تھا۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھ گئے تھے۔ داڑھی جنگلیوں کی طرح بڑھی ہوئی تھی۔

میں شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتا اور راستے پوچھتا پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ میرا حلیہ دیکھ کر پہلے تو میں گھسنے ہی نہیں دیا گیا لیکن جب میں نے کھٹمنڈو کے برینڈرا کا نام لیا تو کانسٹیبل نے نہ صرف مجھے اندر جانے اجازت دے دی بلکہ ایک سب انسپکٹر سے بھی ملا دیا اور سب انسپکٹر نے مجھے چیف انسپکٹر کے پاس پہنچا دیا۔

میں نے اسے اپنے بارے میں تفصیل سے نہیں صرف یہ بتایا کہ میں انسپکٹر برینڈرا کا دوست ہوں تو وہ نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ بڑی مشکل سے وہ کھٹمنڈو انسپکٹر برینڈرا سے فون پر رابطہ کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔

انسپکٹر برینڈرا سے تقریباً آدھے گھنٹے بعد رابطہ ہوا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ اچھل پڑا۔

"تم کہاں ہو۔ ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا "پچھلے دنوں پدمی کے قریب جنگل میں دو قتل ہو گئے تھے اور....."

"ایک منٹ!" میں نے اسے ٹوک دیا "میرے ساتھ کچھ بھی ہوا اس کی تفصیل میں ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتا۔ الحال مجھے ایک اور مسئلہ درپیش ہے اور مجھے تمہاری مدد ضرورت ہے۔"

"کہو۔ کیا مسئلہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرے ساتھ تارانگ قبیلے کے کچھ لوگ ہیں اور....."

"رانگ۔" اس نے میری بات کاٹ دی "قبیلہ تو پوکھارا سے سیکڑوں میل دور اونچے پہاڑوں میں ہے۔ تم وہاں کیسے....."

"میں نے کہا نا کہ تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔" اس میں نے اس کی بات کاٹ دی "مجھے اس وقت جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے۔ اچھی رقم۔"

"ٹیلی فون چیف کو دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

برینڈرا نے کہا۔

میں نے فون کا ریسیور چیف انسپکٹر کو دے دیا۔ وہ تقریباً دس منٹ تک برینڈرا سے بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ اس مرتبہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی پھر اس نے ایک انسپکٹر کو طلب کیا۔ اس سے کچھ کہا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ انسپکٹر کے ساتھ جا کر اپنے دوستوں کو شہر لے آئیے۔ یہاں ان کی رہائش کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ وہ ایک دو روز یہاں آرام کریں۔ اس کے بعد انہیں عزت و احترام سے رخصت کر دیا جائے گا۔"

میں انسپکٹر کے ساتھ ایک بڑی اسٹیشن ویگن میں دریا کے کنارے پڑاؤ پر پہنچا تو سمبا وغیرہ کچھ حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ ہم انہیں شہر کے ایک ہوٹل میں لے آئے۔ ان کا سامان اور یاک دو کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیے گئے تھے۔ جس ہوٹل میں ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا وہ کاروان سرائے قسم کا تھا اس لیے ان کے یاک وغیرہ کا بھی بندوبست ہو گیا۔

انسپکٹر نے ہوٹل کے مالک کو بھی ہدایت کر دی کہ ان مہمانوں کے آرام اور طعام کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ میں بھی انہی لوگوں کے ساتھ رہ گیا تھا۔ انسپکٹر ہمیں چھوڑ کر چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس نے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی میرے ہاتھ میں تھما دی اور ساتھ ہی کہا کہ اگر مزید رقم کی ضرورت ہو تو ہیڈ کوارٹر میں چیف انسپکٹر کو فون کر دوں۔

میں نے سمبا وغیرہ کو دو دن مزید وہاں روکا۔ چیف انسپکٹر کی دی ہوئی رقم سے میں نے ان سب کے لیے بہت سے تحائف خریدے۔ بستی کے کھایا وید اور بعض دوسرے لوگوں کے لیے بھی تحائف خریدے گئے تھے اور بالآخر چوتھے روز وہ لوگ صبح سویرے دھرچن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب انہیں دھول گری کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ دھرچن کی طرف سے وہ پانچ دن میں اپنی بستی پہنچ سکتے تھے۔

ان لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد میں نے ہیڈ کوارٹر میں چیف انسپکٹر سے ملاقات کر کے اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک بس پر بیٹھ کر کھٹمنڈو کے لیے روانہ ہو گیا۔ چیف انسپکٹر نے حالانکہ مجھے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ میں اگر پسند کروں تو سرکاری جیپ پر مجھے کھٹمنڈو بھیج سکتا ہے لیکن میں نے بس پر سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔

تقریباً دو سو کلومیٹر کا سفر چھ گھنٹوں میں طے ہوا۔ بس تھان کوٹ پہنچی تو شام ہو چکی تھی۔ یہ قصبہ کھٹمنڈو سے تقریباً تیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔

شہر سے چھ کلومیٹر دور کیرتی پور میں بس ایک بار پھر رک گئی۔ ایک آدمی بس کے اگلے دروازے سے سوار ہوا اور آگے آنے کے بجائے وہیں کھڑا متجسس نگاہوں سے بس میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو گھورنے لگا اور میں اس شخص کو دیکھ کر اچھل پڑا تھا۔

وہ یوگی گوتم بھوش تھا۔

وہی یوگی گوتم بھوش جس سے میں نے رشی کیش میں یوگا سیکھنا شروع کیا تھا۔ میں اسے یہاں دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی نظریں بس میں بیٹھے ہوئے مسافروں کے چہروں سے پھسلتے ہوئے میرے چہرے پر جم گئیں۔ اس سے نگاہوں کا تصادم ہوتے ہی میرے دماغ کو ایک شدید جھٹکا لگا اور میرا پورا جسم جھنجھنا اٹھا۔

گوتم بھوش کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور میری طرف بانہیں پھیلا کر چیخ اٹھا۔

"مہاراج ہمت سنگھ! میں تمہارے ہی انتظار میں یہاں کھڑا تھا۔ تمہاری منزل آ گئی ہے۔ آؤ۔ نیچے اتر آؤ۔"

مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ اس حلیے میں تو شاید میرے اقربا بھی مجھے نہ پہچان سکتے لیکن گوتم بھوش نے پہلی ہی نظر میں مجھے شناخت کر لیا تھا اور مجھے یہ جان کر حیرت بھی ہوئی تھی کہ وہ میرے ہی انتظار میں یہاں کھڑا تھا اور مجھے بس سے اترنے کا حکم دے رہا تھا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو میرے دماغ کو ایک بار پھر جھٹکا سا لگا اور پھر ذہن پر سناٹا سا چھا گیا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ میں یہاں نہیں اتر سکتا۔ بعد میں کسی وقت اس سے ملوں گا لیکن میری زبان جیسے گنگ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں خاموشی سے اپنی سیٹ سے اٹھا اور گوتم بھوش کے پیچھے بس سے اتر گیا۔ بس فوراً ہی آگے روانہ ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہاری دوست بلا کے بچھڑنے کا افسوس ہے۔ اس کے ساتھ واقعی بہت ظلم ہوا تھا۔"

گوتم بھوش کی زبان سے بلا کی وردناک موت کا سن کر میں اچھل پڑا۔ بلا کی موت یہاں سے سیکڑوں میل دور اونچے پہاڑوں میں اس جگہ واقع ہوئی تھی جہاں جدید تہذیب کی روشنی ابھی تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ لوگ غاروں اور جھونپڑوں میں پتھروں کے دور کی زندگی گزار رہے تھے۔

وہاں رونما ہونے والا کوئی معمولی یا غیر معمولی واقعہ دنیا والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہتا تھا۔ میرے بابا کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس کے بارے میں صرف تارانگ قبیلے کے لوگ ہی جانتے تھے اور ہمارے وہاں رہتے ہوئے قبیلے کا کوئی فرد بستی سے باہر نہیں گیا تھا۔ میں سمبا وغیرہ کے ساتھ گیارہ دن میں اس بستی سے پوکھارا پہنچا تھا۔ راستے میں کئی بستیاں پڑی تھیں مگر کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ تارانگ قبیلے میں کیا ہوا تھا لیکن سیکڑوں میل دور گوتم بھوش سب کچھ جانتا تھا۔

"حیران مت ہو۔" گوتم بھوش نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم تھکے ہوئے ہو۔ طویل سفر نے تمہارے ذہن کو بھی متاثر کیا ہے۔ آؤ۔ کہیں بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں گے۔"

میں جواب دینے کے بجائے سحرزدہ سے انداز میں گوتم بھوش کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا جیسے میرے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کے استخوانی ہاتھ کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس کی انگلیاں میری کلائی میں گڑی جارہی تھیں۔

میرے حواس جیسے مختل ہو کر رہ گئے تھے۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ گوتم بھوش مجھے کہاں لے کر جارہا ہے۔ چونکا تو میں اس وقت جب میرے دماغ میں اچانک ہی سنسناہٹ ہونے لگی۔ یہ سنسناہٹ بڑھتی جارہی تھی اور پھر کان کے قریب مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دینے لگی۔

"مالا کی حفاظت کرنا۔ یہ شخص تمہیں بہکا رہا ہے۔ اگر تم اس کے فریب میں آگئے تو برباد ہوجاؤ گے۔"

اس سرگوشی نے میرے دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ وہی شہد میں ڈوبی ہوئی آواز تھی اور یہ آواز نیلگری کے سوا کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ مجھے خبردار کررہی تھی۔ میں نے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور لبوں کو حرکت دیے بغیر ذہنی طور پر نیلگری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے حواس بالکل کام نہیں کررہے۔ میری مدد کرو نیلگری۔"

"اس کے قبضے میں کئی قوتیں ہیں۔" نیلگری کی سرگوشی سنائی دی "میں ابھی تمہاری نہیں ہوسکی ہوں۔ میرے اور تمہارے بیچ ابھی کچھ فاصلہ باقی ہے۔ میں فی الوقت کھل کر اس کے مقابلے پر نہیں آسکتی اور نہ ہی عملی طور پر تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔ اس نے تو میرا ذہن مفلوج کردیا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارے پاس اور بھی شکتی ہے۔ بہت بڑی شکتی۔" نیلگری نے پھر سرگوشی کی "اپنی اسی شکتی سے کام لو جس کے لیے تم نے بہت عرصے تک ریاضت کی ہے اور پھر تمہارے پاس سچائی کی شکتی ہے۔ ہمت سے کام لو۔ اگر یہ تمہیں اپنے استھان پر لے گیا تو میں بھی تم سے رابطہ نہیں کرسکوں گی۔"

میں چلتے چلتے رک گیا۔ گوتم بھوش نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت کچھ اور مضبوط ہوگئی تھی۔ میں اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا تو اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ میری آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ مجھے اپنے دماغ میں سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میری مزاحمت دم توڑنے لگی۔

"اوہ... سمجھ گیا۔" اس کے حلق سے خرخراتی ہوئی سی آواز نکلی "سمجھ گیا' کیا چیز تجھے روک رہی ہے۔ لا' یہ مالا مجھے دے دے۔ جو تو نے اپنے گلے میں پہن رکھی ہے۔"

میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے گلے کی طرف اٹھ گیا۔ میری انگلیاں مالا کے موتیوں کو چھونے لگیں۔ میرے ہاتھ کو اس طرح جھٹکا لگا جیسے میں نے بجلی کے ننگے تار کو چھولیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی میرا دماغ بھی جھنجھنا اٹھا تھا۔

گوتم بھوش بھی اچھل پڑا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ اس مرتبہ میں اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

ہم دونوں کی نگاہوں کا تصادم کئی لمحوں تک جاری رہا۔ گوتم بھوش ایک لمحے کو اس طرح جھرجھری لے کر رہ گیا جیسے شدید سردی کی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو اور پھر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ نیلگری میری پشت پر کھڑی تھی لیکن میرے اندر "چی" کی قوت بھی کام کررہی تھی۔ میں نے ہمیشہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسا کیا تھا اور برے سے برے وقت میں بھی چی کی قوت سے کام نہیں لیا تھا لیکن اب یہاں صورتِ حال کچھ اور تھی۔ یہاں معاملہ انسانی اختیار سے باہر ہورہا تھا اور گوتم بھوش کسی پراسرار قوت کے ذریعے مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ مجھ سے وہ مالا حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے بارے میں نیلگری نے پہلے ہی روز خبردار کردیا تھا کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ اس نے پہلے ہی مجھے وارننگ دی تھی کہ یہ مالا مجھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے گی اور چھیننے کی کوشش کرنے والا میرے لیے اجنبی نہیں ہوگا۔

اور یوگی گوتم بھوش مجھ سے مالا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پراسرار علم کے ذریعے یہ معلوم کرلیا تھا کہ میں کہاں ہوں اور کہاں سے آرہا ہوں۔ وہ راستے میں کھڑا میرا انتظار کررہا تھا اور مجھے بس سے اتروا کر نجانے کہاں لے جارہا تھا کہ نیلگری نے مجھے خبردار کردیا اور میں نے بروقت

اپنے حواس پر قابو پالیا تھا۔

"یہ مالا مجھے دے دو۔" گوتم بھوش نے ایک بار پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اس کے لیے میں نے بہت کشٹ اٹھائے ہیں۔ بہت لمبا سفر کیا ہے۔ لاؤ' یہ مالا مجھے دے دو۔"

"تم میرے استاد ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت بے وقوف بھی ہو۔" میں نے کہا "اس مالا کو حاصل کرنے کے لیے بڑی تپسیا کرنی پڑتی ہے اور تم اس کی اہمیت سے بھی واقف ہو۔ اس کے باوجود یہ سمجھتے ہو کہ میں یہ مالا آسانی سے تمہارے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔ اگر تم میں اتنی شکتی ہے تو میرے گلے سے اتار لو یہ مالا۔ میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے میرے گلے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ میری نظریں اس وقت اس کے پیروں کے قریب زمین پر جم گئی تھیں۔ اس کا ہاتھ میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا سے صرف دو انچ دور رہ گیا تھا کہ وہ اچانک ہی چیختا ہوا اچھل پڑا اور پیروں کو زور زور سے جھٹکنے لگا۔ وہ کسی ایک جگہ کھڑا نہیں رہ سکا۔ اسی طرح اچھلتا رہا جیسے پیروں کے نیچے دہکتے ہوئے انگارے بچھ گئے ہوں۔

وہ مجھ سے کئی گز دور ہٹ گیا تھا۔ اب وہ پیر نہیں جھٹک رہا تھا۔

"میں جارہا ہوں گوتم بھوش اور میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کرنا۔" میں نے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میں اس وقت کیرتی پور کی آبادی سے کم از کم دو میل دور ویران پہاڑیوں پر تھا۔ نیچے نشیب میں آبادی کی ٹمٹماتی ہوئی سی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر گوتم بھوش کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں پتھروں کو پھلانگتا ہوا نشیب میں اترنے لگا۔ ابھی میں نے تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک طرف سے غراہٹ کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ شاید کوئی بھیڑیا تھا جو مجھے اپنا شکار سمجھ کر غرا رہا تھا اور پھر اس کے قریب ہی ایک اور بھیڑیا کہیں سے نمودار ہوا۔

میں کانپ اٹھا۔ ویرانے میں بھیڑیے اپنے شکار کو گھیر کر جس طرح اس کے نیچے ادھیڑتے ہیں' میں اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دوڑ لگادی۔

وہ بھیڑیے بھی غراتے ہوئے میرے پیچھے لپکے۔ میں ان کی پہنچ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا لیکن ان بھیڑیوں نے بھی شاید میرا پیچھا نہ چھوڑنے کا فیصلہ کررکھا تھا۔

ایک مرتبہ مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے کا موقع مل گیا۔ میرا تعاقب دو بھیڑیوں نے شروع کیا تھا لیکن اب ان کی تعداد پانچ یا چھ ہوگئی تھی۔ ان میں ایک بھیڑیا سب سے آگے تھا اور باقی چند گز پیچھے۔ سب سے آگے والا بھیڑیا بھی مجھ سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھا اور وہ یہ فاصلہ کم کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

ایک جگہ مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ سینے پر گرا۔ میں نے دوبارہ اس پتھر کو پکڑا۔ ایسا کرتے ہوئے میری انگلیاں بھی مالا سے چھو گئیں۔ وہ بھیڑیا قریب آگیا تھا۔ صرف چند گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر وہ پتھر پوری قوت سے بھیڑیے کی طرف دے مارا۔

پتھر بھیڑیے کے سر پر لگا۔ ایک خوفناک انسانی چیخ ویرانے میں گونجی اور بھیڑیا زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

انسانی چیخ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ ایک لمحے کو تو میں بدحواس سا ہوگیا تھا کہ شاید میرا مارا ہوا پتھر اس طرف آنے والے کسی آدمی کو لگ گیا ہو۔ ابھی شام کا ابتدائی حصہ ہی تھا اور یہ جگہ بستی سے زیادہ دور بھی نہیں تھی لیکن پتھر تو بھیڑیے ہی کو لگا تھا اور وہ پتھروں پر تڑپ رہا تھا۔

میں نے بھیڑیے کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی سنسنی کی لہر میرے پورے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔ میں کانپ کر رہ گیا۔ زمین پر تڑپتے ہوئے بھیڑیے کی ہیئت بدل رہی تھی۔ پہلے اس کا چہرہ بگڑنا شروع ہوا۔ چہرے کے نقش اور ہیئت بتدریج بگڑتی چلی گئی اور پھر وہاں ایک نیا چہرہ ابھرنے لگا۔

وہ انسانی چہرہ تھا۔ مجھے اس کے نقوش کچھ شناسا سے لگے لیکن اس وقت ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا کہ اس چہرے کو شناخت کرسکتا۔ بھیڑیے کے جسم کے دوسرے حصے بھی بتدریج تبدیل ہورہے تھے۔

اس سارے عمل میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے۔

پتھروں پر اب بھیڑیے کے بجائے ایک انسان پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ رکھا تھا جہاں سے خون کی دھار بہہ رہی تھی اور پھر اس کے ہاتھ جیسے ہی چہرے سے ہٹے' میں لرز اٹھا۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ پنڈت دھیراج تھا۔ گوتم بھوش کا چیلا جو رشی کیش میں شوبھا دیچی کو یوگ کی مشق کروایا کرتا تھا۔

یوگی دھیراج زمین پر پڑا بڑی خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے پتھر لگنے

کے بعد دوسرے بھیڑیے بھاگ گئے تھے۔ ان کا دور دور تک کہیں نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

دھیراج نے اپنی جگہ سے اس طرح حرکت کی جیسے مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہو لیکن وہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے حلق سے عجیب و غریب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ میرا پتھر اس کی پیشانی پر لگا تھا اور پیشانی سے بہنے والے خون نے اس کے چہرے کو بہت بھیانک بنا دیا تھا۔

بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں گو تم بھوش سے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگا تھا اور بھیڑیوں سے بچنے کے لیے میں نے ایک بھیڑیے کو پتھر مار دیا تھا۔ وہ بھیڑیا زخمی ہو کر گرا تھا اور انسانی روپ اختیار کر گیا تھا۔ میں چند لمحے زخمی دھیراج کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک طرف سے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سن کر چونک گیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرف دیکھنے لگا لیکن تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ میں نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور بستی کی طرف دوڑ لگا دی۔

بستی تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ میں ایک بارونق بازار میں پہنچ گیا۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہر طرف خوب چہل پہل تھی۔ میرا حلیہ بہت ہی ابتر ہو رہا تھا۔ لمبا سا چوغہ' بے تحاشا بڑھے ہوئے بال اور داڑھی۔ میں جس طرف سے بھی گزرتا' لوگ مڑ مڑ کر مجھے دیکھنے لگتے لیکن میں ان کی نظروں کی پروا کیے بغیر ایک طرف چلتا رہا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔ میرے چلنے میں میرے ارادے کو بھی کوئی دخل نہیں تھا۔ میں بازار سے نکل کر گلیوں میں گھومتا ہوا ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوگیا۔

اس گلی میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ تاریکی اس قدر گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

اچانک اندھیرے میں مجھے کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور میں لڑکھڑا کر گرا۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں ٹٹول کر دیکھنے لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے اچھل پڑا۔ وہ کوئی مردہ کتا تھا یا کوئی اور جانور۔ میں اٹھ کر پھر آگے چلنے لگا۔

یہ تاریک گلی شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتی چلی گئی۔ کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آرہی تھی۔ تاریکی بہت گمبھیر تھی۔ کسی طرف روشنی کی معمولی سی کرن بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب میں اس گلی میں داخل ہوا تھا تو دونوں طرف مکان تھے لیکن اب مکانوں کے بجائے دونوں طرف سپاٹ اور سیدھی دیواریں تھیں جو اوپر تک اٹھتی چلی گئی تھیں۔

میں اس سرنگ نما گلی میں دوڑتا رہا لیکن یہ سرنگ نما گلی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ اچانک میرا کسی چیز سے ٹکرا کر لڑکھڑا گیا۔ مجھے لگا تھا جیسے اندھیرے نے کسی دیوار نے میرا راستہ روک لیا ہو۔ میں نے دونوں ہاتھ سامنے کو پھیلا دیے اور اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا لیکن میرے سامنے نہ کوئی دیوار تھی نہ کوئی اور رکاوٹ۔ میں آگے بڑھتا رہا اور پھر رک گیا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ سناٹا جو میرے وجود میں پھیلتا جا رہا تھا۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں ایک بارونق بازار سے اس گلی میں داخل ہوا تھا لیکن لگتا تھا جیسے زمین کی گہرائیوں میں پہنچ گیا ہوں۔ نہ کہیں روشنی تھی اور نہ ہی کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں عجیب سے طاغوتی چکر میں پھنس گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شیطانی قوتیں تھیں جو چاروں طرف سے مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میں رک گیا۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے میرا دماغ کسی شکنجے سے آزاد ہوگیا ہو۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرے اندر مراقبے اور ارتکاز کی قوت لوٹ آئی۔ میری آنکھیں بند تھیں لیکن میرے اردگرد کا ماحول روشن ہو گیا تھا۔ میرے چاروں طرف ویرانہ تھا۔ آبادی وہاں سے بہت دور تھی۔ میں شاید بدحواسی میں دوڑتا ہوا آبادی کی دوسری طرف بہت دور ویرانے میں نکل آیا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ماحول جوں کا توں برقرار تھا۔ میں مڑ کر آبادی کی طرف دوڑنے لگا۔

اسی بارونق بازار کے قریب ایک گلی تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ سامنے بازار میں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ میں بے تحاشا اس طرف دوڑ رہا تھا اور پھر اچانک کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر میں گر پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ ایک عورت کی لاش تھی جس سے ٹکرا کر میں اس کے اوپر گرا تھا اور اتفاق سے میرے ہاتھ اس کے گلے پر پڑے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا' شور کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ شور مچاتے ہوئے لوگ میرے اردگرد جمع ہو رہے تھے۔

صورتِ حال بڑی سنگین تھی۔ میں ایک عورت کی لاش پر پڑا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر تھے اور لوگوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

میرے دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔

صورتِ حال کی سنگینی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

سڑک پر پڑی ہوئی نیم برہنہ ایک عورت کی لاش اور میں اس کے اوپر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر تھے اور میرے اردگرد کئی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ یہ صورتِ حال مجھے اس عورت کا قاتل ثابت کرنے کے لیے کافی تھی۔

میرے اردگرد کھڑے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔ ان کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں حواس باختہ سا ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ انجانے خوف اور دہشت نے جیسے مجھے بے جان سا کر کے رکھ دیا تھا اور میں عجیب سی نظروں سے اپنے اردگرد کھڑے شور مچاتے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میرے دائیں طرف کھڑے ہوئے درمیانے قد کے ایک آدمی نے چیخ کر کچھ کہا اور پھر آگے بڑھ کر میری کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ میں اچھل کر لاش پر سے ایک طرف گر گیا۔ سر پر ٹھوکر لگتے ہی میں جیسے ہوش میں آگیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے صورتِ حال کی نزاکت کا بھی احساس ہوگیا تھا۔ مجھے بڑی آسانی سے قاتل ثابت کیا جا سکتا تھا۔ اس بات کے درجنوں گواہ موجود تھے کہ میں اس عورت کے سینے پر سوار' اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

میرے دماغ میں اچانک ہی دھماکا سا ہوا۔ میرے بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں یہاں سے فرار ہو جاؤں لیکن شاید میں احمقوں کی جنت میں رہتا تھا جو اس قسم کی باتیں سوچ رہا تھا۔ میرے اردگرد درجنوں لوگ جمع تھے اور بعض تو غصے میں بپھرے ہوئے تھے۔ یہاں سے بھاگنا تو درکنار' وہ مجھے ہلنے کا موقع بھی نہ دیتے۔

میرا موخر الذکر خیال درست ثابت ہوا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر میری پسلیوں پر ٹھوکر مار دی۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا۔ اس شخص کی دوسری ٹھوکر پڑنے سے پہلے میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اس عورت کو قتل نہیں کیا لیکن میری بات کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ سب نچلے طبقے کے نیپالی تھے۔ لباس اور حلیوں سے مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والے لگتے تھے۔ ان میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں لگتا تھا جو میری بات سمجھ سکتا کیونکہ میں اپنے دفاع میں جو بکواس بھی کر رہا تھا وہ انگریزی زبان میں تھی۔

ایک سنسنی خیز سرگزشت

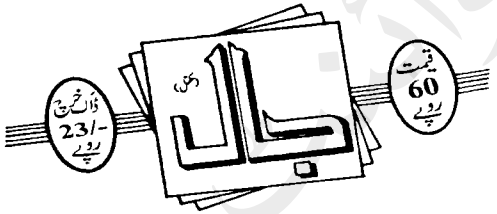

ایک ایسے انسان کی کہانی جسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے

کتاب کی قیمت بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

23 رحمان مینشن لوئر مال سوسائٹی آف آرٹس چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551 Email: kitabiat1970@yahoo.com

اور پھر ہجوم میں ایک آدمی کو دیکھ کر میری آواز اس طرح ساکت ہوگئی جیسے حلق میں روئی کا گولا ٹھونس دیا گیا ہو۔ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ یوگی دھیراج تھا جس کے سر سے اب بھی خون رس رہا تھا اور اس کا چہرہ بھی خون آلود تھا۔ اس کے بدن پر پیلے رنگ کے لنگوٹ کے سوا لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

یوگی دھیراج لوگوں کو دھکیلتا ہوا آگے گیا اور چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگا۔ ستر سال سے زیادہ عمر ہونے کے باوجود وہ تیر کی طرح سیدھا کھڑا تھا اور اس کی آواز بھی بڑی پاٹ دار تھی۔

چیختے ہوئے وہ کبھی اپنے پھٹے ہوئے سر کی طرف اشارہ کرتا، کبھی لاش کی طرف اور کبھی ہاتھ لہرا لہرا کر مختلف سمتوں میں اشارے کررہا تھا۔ وہ نیپالی اور ہندی زبان میں بات کررہا تھا۔ تبتی زبان کے ایک آدھ لفظ بھی اس کی زبان سے نکل رہے تھے لیکن وہ زیادہ تر ہندی زبان کے الفاظ ہی استعمال کررہا تھا اور اس کا مفہوم سمجھ کر میں کانپ کر رہ گیا۔

دھیراج چیخ چیخ کر لوگوں کو بتا رہا تھا کہ میں اس عورت کو دھوکے سے سنسان جگہ پر لے گیا۔ عورت کو جب صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے اسے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور اس کے گلے سے سیاہ پتھروں کی قیمتی مالا اتار لی۔ وہ عورت موقع پاکر کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور اس گلی میں آکر اسے پکڑ لیا۔ گلی اس وقت سنسان تھی۔ عورت نے چیخنے کی کوشش کی تو میں نے اسے زمین پر گرا کر اس کا گلا گھونٹ دیا۔

"اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔" وہ لوگوں کو اشتعال دلاتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ منظر تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ اس کے سینے پر سوار اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ یہ عورت مرچکی ہے۔ یہ قاتل ہے۔ ہتیارا ہے۔"

"یہ جھوٹ بولتا ہے!" میں نے ہندی زبان میں چیخ کر کہا۔

"جھوٹا میں نہیں یہ ہے۔" یوگی دھیراج بھی چیخا "جب یہ اس عورت کو بہلا پھسلا کر ویرانے کی طرف لے جارہا تھا تو میرے نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی جس پر اس نے مجھے پتھر مار کر زخمی کردیا۔ دیکھو۔ دیکھو۔ یہ رہا وہ پتھر جس سے اس نے میرا سر پھاڑا تھا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک خون آلود پتھر بھی لوگوں کو دکھایا "اگر میں جھوٹا ہوں تو اس کی تلاشی لو۔ سیاہ پتھروں کی وہ قیمتی مالا اس کے گلے میں موجود ہے جو اس نے اس غریب عورت سے چھینی تھی۔"

میں لرز کر رہ گیا۔ دھیراج نے بڑی گہری چال چلی تھی۔ ظاہر ہے، وہ مالا میرے گلے میں موجود تھی۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ میں واقعی طاغوتی چکر میں پھنس گیا تھا۔ یوگی گوتم بھوش اور دھیراج مجھ سے نیلکری کی وہ مالا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس مالا کو نیلکری تک پہنچنے کا ذریعہ بھی کہا جاسکتا تھا اور وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے مجھ پر کچھ قوتیں بھی آزمائی تھیں لیکن کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ میں ان کی قوتوں کے حصار سے بھاگ نکلا تھا لیکن انہوں نے ایک بار پھر مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی اور اس مرتبہ انہوں نے دوسرا طریقہ استعمال کیا تھا۔ جو ان کی پراسرار قوتوں سے زیادہ خطرناک تھا۔ درجنوں لوگوں نے مجھے اس عورت کے قتل میں سوار دیکھا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر تھے۔ ظاہر ہے لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ اس عورت کو میں نے قتل کیا تھا۔ میرے گلے میں مالا کی موجودگی دھیراج کی کہانی کی تصدیق کردیتی اور لوگ کسی طرح بھی میری بات کا یقین نہ کرتے۔

دو آدمی میری طرف بڑھے۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا لیکن پیچھے بھی لوگ موجود تھے۔ میرے بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے دھیراج کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی کریہہ مسکراہٹ تھی۔

آگے بڑھنے والے دونوں آدمیوں نے اچانک ہی میری طرف چھلانگ لگا دی۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن ایک آدمی پیچھے سے بھی مجھ پر جھپٹ پڑے تھے۔ میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ وحشیوں کی طرح مجھ سے لپٹ گئے تھے۔ میرا چوغہ تار تار ہوگیا۔ ایک آدمی نے زور دار جھٹکا دیا۔ پھٹا ہوا چوغہ میرے جسم سے الگ ہوگیا۔ میرے گلے میں نیلکری کی سیاہ پتھروں کی وہ مالا اب صاف نظر آرہی تھی۔

"دیکھو۔ دیکھو۔!" دھیراج چیخا "یہی ہے وہ مالا جو اس راکشش نے اس غریب عورت سے چھینی تھی۔ اتار لو یہ مالا اس کے گلے سے۔"

ایک آدمی نے مالا کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ اس طرح اچھل کر پیچھے ہٹا جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا ہو۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ میں نے دھیراج کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور آنکھوں میں وحشت سی ابھر

آئی۔

ایک اور آدمی آگے بڑھا لیکن اسی وقت پولیس کی ایک گاڑی گلی میں مڑ کر ہجوم کے قریب رک گئی۔ گاڑی سے اچانک ہی سائرن بھی بجا تھا۔ لوگ بدحواس ہوکر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کئی پولیس والے گاڑی سے اتر کر ہماری طرف لپکے۔

تین چار آدمی میرے قریب کھڑے رہے تھے۔ دو نے مجھے بانہوں سے پکڑ لیا تھا تاکہ میں بھاگنے کی کوشش نہ کروں۔ پولیس والے قریب آئے تو مجھے ان کے حوالے کردیا گیا اور ایک آدمی تیز تیز لہجے میں انہیں صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

لوگ ایک بار پھر جمع ہونا شروع ہوگئے تھے لیکن اس مرتبہ وہ سب دور دور ہی کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ ان کے اس انداز سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ ابھی بھی خاصے مشتعل تھے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ دھیراج کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پولیس پارٹی کا انچارج ایک انسپکٹر تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا کہ یہ مشتعل لوگ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس نے سرسری سے انداز میں سڑک پر پڑی ہوئی عورت کی لاش کی طرف دیکھا۔ دو کانسٹیبلوں کو اپنے پاس روک لیا اور باقی پولیس والوں کو مجھے پولیس اسٹیشن لے جانے کا حکم دے دیا۔

پولیس کی گاڑی میں چار مسلح کانسٹیبل تھے۔ میرے دونوں ہاتھ پشت پر لے جاکر ہتھکڑی لگا دی گئی تھی۔ پولیس والوں نے مجھے اپنے درمیان بٹھالیا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔

میں قسمت کی ستم ظریفی پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ آج صبح تک میں پوکھارا میں پولیس چیف کا مہمان تھا۔ میری خوب خاطر مدارات کی جاتی رہی تھی۔ ایک دو روز پہلے تھمی ناکہ میں اپنے قبائلی مہمانوں کی خاطر تواضع کرسکوں اور ان کے لیے تحائف خرید سکوں اور اب میں پولیس کی حراست میں تھا اور میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔

اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ لوگ مجھے کوئی قبائلی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور وہ عورت کون تھی جسے میں نے قتل کیا تھا لیکن میں نے ان کی کسی بات کا جواب دینے کے بجائے زبان بند رکھی تھی۔ میرا خیال تھا کہ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد ہی پولیس کو بتاؤں گا کہ میں کون ہوں اور مجھے کس طرح قتل کے کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جارہی تھی۔

مجھے یہ بھی یقین تھا کہ انسپکٹر برندرا اور اعظم خان کو اطلاع ملے گی تو وہ لوگ اس پولیس اسٹیشن پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ میں نے پولیس والوں کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا البتہ اس عورت کے بارے میں ضرور سوچتا رہا جس کی لاش سے ٹھوکر کھا کر میں اس کے اوپر گرا تھا۔

وہ کون تھی، اسے کس نے قتل کیا تھا؟ کیا اس لاش سے میرا ٹکرانا محض اتفاق تھا یا پنڈت دھیراج کی کوئی سازش تھی؟ وہاں اس کی موجودگی اور اس کی باتوں سے تو اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ میرے خلاف ایک جال پھیلایا گیا تھا۔ دھیراج کا خیال تھا کہ شاید اس طرح وہ لوگ مجھ سے نیلکری کی مالا حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہاں بھی انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ گوتم بھوش اور دھیراج یہ مالا حاصل کرنے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں گے اور کسی اور موقع پر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ پولیس کی گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے رک گئی۔ زوردار جھٹکا لگنے سے میں اپنے ساتھ والے کانسٹیبل کے اوپر گرا۔ وہ بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور دوسری طرف الٹ گیا۔ سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹیبل بھی ایک طرف الٹ گئے تھے جبکہ میرے بائیں طرف بیٹھا ہوا چوتھا کانسٹیبل میرے اوپر الٹ گیا تھا۔

میں جس کانسٹیبل پر گرا تھا اس نے مجھے دھکا دے کر اٹھا دیا۔ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

پولیس وین کا راستہ بغیر چھت والی ایک جیپ نے روکا تھا اور نصف درجن نقاب پوشوں نے جیپ سے اتر کر پولیس وین کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ان سب کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔

"خبردار!" ایک نقاب پوش دہاڑا "کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔ اپنی رائفلیں پھینک دو۔ کسی نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تو چھلنی کردیا جائے گا۔"

گاڑی کو زوردار جھٹکا لگنے سے کانسٹیبلوں کے ہاتھوں

سے تو پہلے ہی رائفلیں چھوٹ گئی تھیں۔ باقی دو نے بھی رائفلیں گاڑی کے فرش پر پھینک دیں اور ہاتھ اٹھا دیے۔

"اسے نیچے اتارو۔" اس نقاب پوش نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا۔ ایک نقاب پوش رائفل تانے جیپ کے قریب آگیا اور مجھے نیچے اترنے کا حکم دیا۔

میرے ہاتھ پشت پر ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ کسی سہارے کے بغیر اٹھنے میں مجھے خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے تو میں گرتے گرتے بچا تھا۔

وہ نقاب پوش مجھے دھکے دیتا ہوا اپنی جیپ کی طرف لے گیا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ کیرتی پور اگرچہ کھٹمنڈو شہر کا نواحی علاقہ تھا۔ شہر کے مرکز سے اس کا فاصلہ چند کلومیٹر سے زیادہ نہیں تھا لیکن اس علاقے کا پولیس اسٹیشن آبادی سے ذرا ہٹ کر تھا اور جہاں پولیس کی گاڑی روکی گئی تھی اس سڑک پر تو ٹریفک کی آمدورفت بھی نہیں تھی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس کی گاڑی مجھے اغوا کرنے کے لیے روکی گئی تھی لیکن یہ نقاب پوش کون تھے اور مجھے پولیس کی حراست سے کیوں چھڑانا چاہتے تھے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا تھا کہ کیا یہ بھی گوتم بھوش یا پنڈت دھیراج کی کوئی چال تھی؟ لیکن یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ دونوں بعض پراسرار قوتوں کے مالک تھے۔ مجھے پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اختیار کرسکتے تھے لیکن اچانک ہی ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ اس طرح طاقت کے زور پر مجھے پولیس کی حراست سے چھڑا کر شاید وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہوں کہ میرا تعلق کسی جرائم پیشہ گروہ سے ہے اور میرے گروہ کے آدمیوں نے مجھے پولیس سے چھڑایا تھا۔

میرے ہاتھ پشت پر ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے تھے اور کسی سہارے کے بغیر جیپ پر چڑھنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نقاب پوش نے مجھے اٹھا کر جیپ کے فرش پر پٹخ دیا۔ میں پہلو کے بل گرا اور میرے بائیں کندھے پر اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔

میں اٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ تڑتڑاہٹ کی اس آواز میں انسانی چیخیں بھی شامل تھیں۔ میں نے پولیس کی گاڑی کی طرف دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔

تمام نقاب پوشوں کی رائفلیں گاڑی میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں پر شعلے اگل رہی تھیں۔ چند سیکنڈ کے اندر چاروں کانسٹیبل اور ڈرائیور چھلنی ہوگئے۔

ایک نقاب پوش نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ وہ لوگ جیپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈرائیور پہلے ہی سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور جیپ کا انجن اسٹارٹ ہی تھا۔ حکم دینے والا نقاب پوش ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور باقی دوڑتے ہوئے جیپ کے پچھلے حصے پر سوار ہوگئے اور جیپ ایک زوردار جھٹکے سے حرکت میں آگئی۔

اس جیپ کی سیٹیں بھی آمنے سامنے تھیں اور میں ان سیٹوں کے بیچ میں فرش پر پڑا تھا۔ دو نقاب پوشوں کے پیر میرے جسم پر تھے۔ میں نے ذرا سی اوٹ لگا کر اٹھنے کی کوشش کی تو ایک نقاب پوش نے رائفل کا بٹ میری کھوپڑی پر رسید کردیا۔

میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○☆○

میرے دماغ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی میں کافی دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی تھی۔ مجھے لگا تھا یا تو میری بینائی ختم ہوچکی تھی یا میں کسی قبر میں پڑا تھا لیکن میں مردہ نہیں تھا۔ سر میں اٹھنے والی درد کی ٹیسیں زندگی کا پتا دے رہی تھیں۔

دماغ میں درد کی شدت ذرا کم ہوئی تو میں نے بڑی آہستگی سے اپنے جسم کو حرکت دی اور ہاتھوں پر زور دے کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ دو باتوں کا انکشاف میرے لیے خاصا اطمینان بخش ثابت ہوا تھا۔ ایک تو یہ کہ میں زندہ تھا اور میری یادداشت بھی بحال تھی اور دوسری بات یہ کہ میری بینائی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ میں جس جگہ پڑا ہوا تھا وہاں اندھیرا بہت دبیز تھا۔ لیٹے رہنے کی پوزیشن میں میں اپنے اطراف کا جائزہ نہیں لے سکتا تھا لیکن اٹھ کر بیٹھا تو بائیں طرف بہت دور آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستارے دکھائی دے رہے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ میرے ہاتھ بھی آزاد تھے۔

مجھے جسمانی یا ذہنی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کیرتی پور میں اس عورت کی لاش ملنے کے ہنگامے کے بعد پولیس والے مجھے تھانے لے جارہے تھے۔ راستے میں نقاب پوشوں نے پولیس کی گاڑی پر حملہ کرکے مجھے پولیس سے چھڑوالیا تھا اور میرے سر پر ضرب لگا کر مجھے بے ہوش کردیا گیا تھا۔

وہ نقاب پوش کون تھے۔ انہیں مجھ سے کیا ہمدردی تھی اور انہوں نے مجھے پولیس کی حراست سے کیوں چھڑایا تھا؟ کئی سوالات میرے دماغ میں چکرا رہے تھے لیکن فی الوقت کسی سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا لیکن ایک بات بہرحال طے تھی کہ یہ لوگ میرے ہمدرد نہیں تھے۔ اگر ہمدرد ہوتے تو اس طرح کسی اندھیری قید میں نہ ڈال دیا گیا ہوتا۔

میں کچھ دیر تک کھوپڑی سہلاتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے فرش کو ٹٹولتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا جہاں سے ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

فرش پر ٹٹولتے ہوئے مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی کشادہ کمرا تھا جس کا فرش پتھریلا اور کھردرا تھا۔ میں کسی چوپائے کی طرح ہاتھوں پیروں کے بل آگے بڑھتا رہا اور پھر میرا سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ خارج ہوئی۔ میں کچھ دیر تک پیشانی سہلاتا رہا اور پھر اندھوں کی طرح ہاتھ آگے کو پھیلا دیے۔

میرے ہاتھ دیوار سے ٹکرائے اور میں دیوار کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے اس جگہ کے بارے میں اندازہ لگانے میں مزید آسانی ہوگئی۔ یہ کوئی کمرا تھا اور میں ایک کشادہ کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا جس میں ہر چھ انچ کے فاصلے پر دو انچ موٹی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ دیوار کو ٹٹولنے سے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ یہ دیوار یا یہ عمارت بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی۔

میں آہنی سلاخوں کو پکڑ کر ہلانے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ سلاخیں بڑی مضبوط تھیں۔ میں نے کوشش ترک کردی اور باہر دیکھنے لگا۔ تاریکی میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی مدھم سی روشنی میں پہاڑیوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری بھی پیش نہیں آئی کہ یہ عمارت آبادی سے بہت دور ویرانے میں واقع تھی۔

میں کچھ دیر کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا اور پھر دیوار سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔ گہری تاریکی میں اس قید خانے کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرنا بیکار تھا۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے، آگے کی طرف ٹانگیں پھیلائے بیٹھا گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ اچانک ہی مجھے نیلکری کی مالا کا خیال آگیا اور میرا ہاتھ بے اختیار اپنے گلے پر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل جیسے حلق میں آگیا۔

مالا میرے گلے میں نہیں تھی۔

میں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ پہلی مرتبہ مالا مجھ سے جدا ہوئی تھی تو مجھے بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ مالا مجھ سے چھن گئی تھی اور دوسری بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اب پھر مالا غائب تھی۔

میرے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال آیا کہ کیا مالا گوتم بھوش یا پنڈت دھیراج کے قبضے میں چلی گئی تھی؟ وہ اس کے لیے کوشش کرچکے تھے اور پنڈت دھیراج نے مجھے قتل کے چکر میں پھنسانے کی کوشش بھی کی تھی اور پھر نقاب پوشوں نے مجھے پولیس کی حراست سے چھڑایا تھا۔

لیکن نہیں۔ میں نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ اگر مالا ان کے قبضے میں پہنچ چکی ہوتی تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتے کیونکہ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ میں وہ مالا واپس لینے کی بھرپور کوشش کروں گا۔

تو پھر مالا کہاں گئی؟

یہ سوال میرے ذہن میں بار بار گونج رہا تھا۔ ممکن ہے نقاب پوشوں کی جیپ میں کہیں گرگئی ہو یا کسی نقاب پوش نے میرے گلے سے اتار لی ہو۔ اس کا پتا تو اسی وقت چل سکتا تھا جب نقاب پوش مجھ سے دوبارہ رابطہ کرتے۔

میرے دماغ میں ایک بار پھر ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا اور پھر پتا نہیں کس وقت میں اونگھ گیا۔

میری پسلیوں پر لگنے والی وہ ٹھوکر بڑی زوردار تھی۔ اس سے نہ صرف میری آنکھ کھل گئی بلکہ میں بری طرح بلبلا اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا، ایک اور ٹھوکر پڑی اور میں فرش پر لڑھک گیا۔

مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں چند سیکنڈ لگ گئے۔ تیسری ٹھوکر لگنے سے پہلے میں پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے راستے دھوپ اندر آرہی تھی۔ میرے سامنے دو آدمی تھے۔ ایک تو وہ تھا جس نے مجھے ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفل بھی سنبھال رکھی تھی۔ دوسرا دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بھی رائفل تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں اس نے پیتل کی ایک گول تھالی اٹھا رکھی تھی جس میں پانی کا گلاس، ایک کپ چائے اور ڈبل روٹی کے تین چار پیس رکھے ہوئے تھے۔

"کب تک سوتے رہو گے نواب صاحب؟" میرے سامنے کھڑے ہوئے شخص نے مجھے ایک اور ٹھوکر مارنے کی

کوشش کرتے ہوئے غرا کر کہا۔ میں اچھل کر اس کی ٹھوکر سے بچ گیا۔

وہ دونوں نیپالی تھے۔ جو شخص میرے سامنے کھڑا تھا اس نے چوڑی دار قسم کا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اوپر ہاف کوٹ قسم کی کوئی چیز تھی جس کے بٹن شیروانی کی طرح اوپر تک بند تھے۔ سر پر سیاہ رنگ کی گول نیپالی ٹوپی بھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے۔ اس کے چہرے پر بڑی کرختگی تھی۔

دوسرا آدمی بھی نیپالی ہی تھا۔ اس نے جینز ڈینم کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر تھالی ایک طرف رکھ دی۔

"ہم تیسری مرتبہ یہاں آئے ہیں۔" میرے سامنے کھڑا ہوا شخص غرایا "باس کا حکم تھا کہ تمہیں ناشتا کرا دیا جائے۔ اگر باس کا حکم نہ ہوتا تو تمہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا جاتا۔ ناشتا کرلو۔ ہم آدھے گھنٹے بعد پھر آئیں گے۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے اور دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔ باہر سے کوئی مضبوط کھٹکا لگائے جانے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ یہ خاصا بڑا کمرا تھا اور چھت بھی تقریباً بیس فٹ اونچی تھی۔ میرا یہ اندازہ بھی درست نکلا تھا کہ یہ عمارت بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی۔ چھت پر البتہ ٹائلوں کی طرح کے چھوٹے پتھر تھے۔ ہر چھ انچ کے فاصلے پر لکڑی کی بلیاں تھیں جن پر چھت کی ٹائلیں چنی گئی تھیں۔

لکڑی کا دروازہ بہت بھاری اور مضبوط تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک تنگ سا راستہ تھا۔ میں نے اس طرف جاکر اندر جھانکنا چاہا تو ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس طرف سے شدید تعفن اٹھ رہا تھا۔ یہ تھوڑی سی جگہ غالباً باتھ روم کے طور پر چھوڑی گئی تھی۔

کمرے کا فرش بھی پتھروں کا تھا اور یہ پتھر جگہ جگہ سے ٹوٹ اور اکھڑ چکے تھے۔ ہوا کی آمدورفت کے لیے وہی ایک کشادہ کھڑکی تھی جس میں ہر چھ انچ کے فاصلے پر دو انچ موٹی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

یہ عمارت پہاڑیوں میں کسی ویران جگہ پر واقع تھی۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی قدیم حویلی ہو اور یہ کمرا پہلے بھی شاید قید خانے کے طور پر ہی استعمال ہوتا رہا تھا۔

کھڑکی کے راستے تیز دھوپ اندر آرہی تھی۔ میرے پاس اگرچہ گھڑی نہیں تھی لیکن اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ گیارہ بجے کا وقت ضرور ہوگا۔

وہ دونوں آدمی میرے لیے ناشتا رکھ کر چلے گئے تھے میں ان سے کچھ پوچھ نہیں سکا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں اور پولیس کی حراست سے کیوں چھڑایا گیا تھا۔ گزشتہ پولیس کے خلاف کارروائی کے دوران میں ان میں اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے لیکن اس وقت آدمی میرے کمرے میں آئے تھے انہوں نے مجھ سے چہرے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

گزشتہ رات ان نقاب پوشوں نے مجھے چھڑانے کے پولیس کے خلاف جو کارروائی کی تھی اس نے مجھے لرزا دیا تھا۔ مجھے پولیس کے قبضے سے چھڑانے تک کی کارروائی بڑے پرسکون انداز میں ہوگئی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو پولیس والوں کی رائفلیں چھین لیتے اور گاڑی کے ٹائر برسٹ کر تاکہ تعاقب کا اندیشہ نہ رہتا لیکن انہوں نے تمام پولیس والوں کو جس بے رحمی سے گولیوں سے بھون کر رکھ اس سے تو میں بھی کانپ کر رہ گیا تھا۔

مجھے بھی انہوں نے بے ہوش کردیا تھا اس لیے اندازہ نہیں تھا کہ پولیس والوں کی ہلاکت کے بعد ہم کتنی دیر تک سفر کرتے رہے تھے لیکن یہ بات بہرحال کہ یہ عمارت شہر سے میلوں دور پہاڑیوں میں کسی ایسی واقع تھی جہاں پولیس آسانی سے نہ پہنچ سکتی ہو۔

میں کافی دیر تک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا یہ سوچتا رہا پھر دروازے کے قریب پڑا ہوئی تھالی اٹھا کر کے قریب لے آیا اور گرد آلود فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

چائے بغیر دودھ کی تھی۔ ڈبل روٹی کے چار سلائس تھے۔ میں نے گلاس اٹھا کر پہلے کلی کی پھر پانی کے ایک گھونٹ پیے اور ڈبل روٹی کھانے لگا۔

ناشتا کرکے میں نے تھال دوبارہ دروازے کے قریب رکھ دی اور کھڑکی کے سامنے کھڑا دیر تک باہر کا نظارہ کرتا رہا۔ یہ کمرا عمارت کے عقبی حصے میں واقع تھا۔ پچھلی طرف تیس چالیس گز کے فاصلے پر پتھروں ہی سے بنی ہوئی قریباً اونچی دیوار نظر آرہی تھی اور اس کے پیچھے دور تک پہاڑیاں ڈھکی ہوئی پہاڑیاں تھیں۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ سے کئی میل دور بود و باش کے علاقے میں انسپکٹر ہاشم حویلی بھی کسی ایسی ہی جگہ پر واقع تھی۔ کیا یہ عمارت ناتھ ہی کے علاقے میں واقع ہے؟ میں نے اپنا چہرہ سلاخوں کے ساتھ ٹکا دیا اور دائیں بائیں دیکھنے کی کو

لگا لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ آس پاس کی پہاڑیوں پر کوئی اور عمارت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یہ عمارت غالباً بہت بڑی تھی اور وہ نقاب پوش غالباً اس عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں تھے کیونکہ ان کی طرف سے بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ میرے محافظوں میں سے کوئی نہ کوئی اس طرف ضرور آئے گا لیکن دوپہر ڈھل گئی اور کسی نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ ان کے باس نے شاید انہیں صرف صبح کے ناشتے کا حکم دیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی کیونکہ ناشتا دینے کے بعد سے اب تک کسی نے اس طرف جھانک کر دیکھا تک نہیں تھا۔

مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر تھالی میں رکھا ہوا گلاس اٹھالیا۔ اس میں پانی کے ایک دو گھونٹ بچے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ہی سانس میں وہ پانی حلق میں انڈیل لیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ گیا۔

آدمی کسی کام میں مصروف ہو تو بوریت یا تھکن کا احساس نہیں ہوتا لیکن بیکاری بذاتِ خود بہت بڑی مشقت بن جاتی ہے۔ میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھا۔ تھکن میرے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ میں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا۔

اور پھر اچانک ہی میری آنکھیں کھل گئیں۔ وہ چیخوں کی آواز تھی جو اس عمارت میں کسی طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ پہلے تو میں نے اسے اپنا واہمہ سمجھا تھا لیکن دوسری مرتبہ چیخوں کی آواز سنائی دی تو میں اچھل پڑا۔ وہ آواز کبھی قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی اور کبھی دور سے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس عمارت کے کسی حصے میں کسی شخص کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔

میں اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہوگیا اور ان چیخوں کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

باہر شام کا دھندلکا سا پھیلنے لگا تھا جبکہ کمرے میں اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی مچھروں نے بھی یلغار

کیا

آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کی اہمیت کو تسلیم کریں؟
آپ لوگوں سے اپنے احکامات کی تعمیل کروانا چاہتے ہیں؟

ہر انسان میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ بڑے سے بڑا کام کرسکتا ہے۔ اس قوت سے کام لینے کے لیے ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کی طرح مشقیں نہیں کرنا پڑتیں؛

جدید اور سائنٹیفک اصولوں پر مبنی حیرت انگیز کتاب

مقناطیسیت

آپ کی شخصیت میں انوکھا نکھار پیدا کردیگی، آپ خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کریں گے

اس کتاب کا مطالعہ کیجیے
اور اپنے وجود کو ایک بہتر ذات بنا لیجیے!

قیمت 40 روپے * ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت، بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کردی تھی۔ میرے بدن کا بالائی حصہ برہنہ تھا اس لیے مچھر نہایت آزادی سے میرا خون چوس رہے تھے۔

چیخنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ پتا نہیں وہ کون تھا جسے تشدد کا نشانہ بنایا جارہا تھا اور یہ لوگ کون تھے جنہوں نے مجھے پولیس کی حراست سے چھڑایا تھا اور پانچ پولیس والوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ناشتا دینے کے بعد وہ لوگ شاید مجھے بھول چکے تھے۔ اب شام ہورہی تھی اور کسی نے اس طرف جھانک کر دیکھا تک نہیں تھا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہورہا تھا کہ یہ لوگ کون تھے اور مجھے پولیس کی حراست سے کیوں چھڑایا گیا تھا۔

مجھے مزید انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد باہر قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور پھر دروازے پر لگا ہوا کھٹکا ہٹا دیا گیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ دروازہ کھلا اور امی نیپالی کی صورت دکھائی دی جس نے صبح مجھ پر ٹھوکریں برسائی تھیں۔ اس کے پیچھے دو اور آدمی رائفلیں سنبھالے کھڑے تھے۔ وہ چہروں ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔

"اے اٹھو۔" اس نیپالی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا "چلو۔ تمہارا ایک دوست تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"میرا دوست؟" مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور میں غیر ارادی طور پر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس نیپالی نے مجھے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ باہر کھڑے ہوئے دونوں غنڈوں کی رائفلیں بھی میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

باہر ملگجا سا اندھیارا تھا لیکن دور تک کی چیزیں ابھی صاف نظر آرہی تھیں۔ اس کمرے کے سامنے جھاڑیوں سے اٹا ہوا وسیع و عریض میدان تھا۔ کئی ایکڑ رقبہ اونچی فصیل میں گھرا ہوا تھا اور میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ یہ کوئی قدیم حویلی تھی۔ حویلی کی عمارت دائیں طرف کافی فاصلے پر تھی۔ بیشتر حصے اگرچہ ٹوٹ پھوٹ چکے تھے لیکن اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کسی زمانے میں یہ بہت شان دار عمارت رہی ہوگی۔

یہ حصہ حویلی کی اصل عمارت سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ پانچ چھ کمرے تھے جن کے سامنے کشادہ برآمدہ بھی تھا جس کا فرش ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔

عمارت کا یہ حصہ غالباً قید خانے کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ میں جس کمرے میں قید تھا وہ اس بلاک کے آخری تھا۔ اس کے ساتھ کے دو کمروں کے دروازے غائب آخری کمرے کے سامنے ایک گن مین کھڑا تھا۔ دھکیلتے ہوئے اسی طرف لے جایا جارہا تھا۔

اس کمرے کے سامنے پہنچ کر نیپالی گن مین نے پر زور دار لات رسید کردی اور میں لڑکھڑاتا ہوا کمرے اندر گرا۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ سنبھلنے سے پہلے ہی دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔

میں منہ کے بل گرا تھا اور میری پیشانی پتھریلے فرش سے ٹکرائی تھی جس سے کھال پھٹ گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ میں ہاتھ کی پشت سے پیشانی پونچھتے ہوئے جیسے ہی سیدھا ہوا مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

کمرے میں ایک مشعل روشن تھی اور بائیں طرف دیوار کے قریب ایک آدمی اوندھا پڑا ہوا تھا۔ دیوار اور فرش آلود فرش پر خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔ اس آدمی کے بدن پر جینز تھی جبکہ بالائی حصہ برہنہ تھا اور اس پر بھی خون کے دھبے دکھائی دے رہے تھے۔

اس آدمی کا رخ دوسری طرف تھا۔ میں اپنی چوٹ بھول کر چوپائے کی طرح چلتا ہوا تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس نیپالی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ مجھے میرے کسی دوست سے ملانا چاہتے ہیں۔ پشت پر بکھرے ہوئے اس شخص کے گولڈن بال دیکھ کر میں الجھن میں مبتلا ہوگیا کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔

قریب پہنچ کر میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس آدمی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنی طرف پلٹ دیا اور اس کے ساتھ ہی میں لرز اٹھا۔

وہ سمبا تھا۔

اس کے پیروں اور ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ساتھ اکھڑے ہوئے تھے۔ انگوٹھے سوج رہے تھے اور ان پر خون جما ہوا تھا۔ سینے پر بھی کئی زخم تھے جیسے گوشت کو کسی تیز دھار آلے سے کاٹا گیا ہو۔ سمبا کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات جیسے منجمد ہوکر رہ گئے تھے۔

"سمبا۔ سمبا۔" میں اسے کندھوں سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے بولا۔ "آنکھیں کھولو سمبا۔ میں ہمت سنگھ ہوں۔ سمبا۔ آنکھیں کھولو۔"

سمبا بڑی مشکل سے آنکھیں کھول پایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ویرانی تھی۔ مجھے پہچاننے میں بھی خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

"تت۔۔۔ تم۔ ٹھیک۔۔۔ ہمت۔۔۔ سنگھ۔" اس کے منہ سے یہ الفاظ بھی بمشکل نکل سکے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "تم ان کے ہتھے کیسے چڑھ گئے۔ یہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تت۔۔۔ تم۔ تم۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ہمت سنگھ۔" وہ بولا "یہ۔ یہ لوگ تمہیں زندہ۔۔۔ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میری فکر مت کرو۔" میں نے کہا "تم ان کے ہاتھ کیسے لگے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ تم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہی جو۔ تم سے چاہتے۔۔۔ ہیں۔" سمبا نے رک رک کر جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

سمبا گہرے سانس لیتے ہوئے چند لمحوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر وہ آہستہ آہستہ رک رک کر بتانے لگا کہ وہ ان لوگوں کے ہتھے کیسے چڑھا اور یہ کون لوگ تھے۔ اسے بولنے میں تکلیف ہورہی تھی اسی لیے وہ بہت رک رک کر بات کررہا تھا۔

سمبا نے جو کچھ بھی بتایا اسے سن کر میں کانپ اٹھا۔ اس کے کہنے کے مطابق دو دن پہلے جب وہ پوکھارا میں مجھ سے رخصت ہوئے تھے تو دوپہر کے وقت دریا کے کنارے پر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ ایک گھنٹا آرام کرنے کے بعد وہ لوگ روانگی کی تیاری کررہے تھے کہ ایک جیپ پر سوار چار پانچ آدمی وہاں پہنچ گئے۔ وہ نیپالی تھے اور ان کے ساتھ تارانگ قبیلے کے بھورین نامی ایک آدمی کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔ بھورین گومپا کے چیلوں میں سے ایک تھا جو گومپا اور بومبا کے انجام کے بعد قبیلے سے غائب ہوگیا تھا۔

سمبا کے کہنے کے مطابق یہ خطرناک لوگ میری اور بلا کی تلاش میں دھول گری کی بکھری ہوئی بستیوں میں گھوم رہے تھے کہ ان کی ملاقات بھورین سے ہوگئی۔ بھورین انہیں تارانگ قبیلے تک لے گیا جہاں کھیا نے انہیں بتایا کہ بلا تو ہلاک ہوچکی ہے۔ تاہم میں قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں سے جاچکا ہوں۔ وہ لوگ میری تلاش میں دھول گری کی بستیوں میں ہمارے بارے میں پوچھتے ہوئے دریائے موڑی کھولا کے کنارے پر آباد ہنکو نامی بستی میں پہنچ گئے۔ وہاں سے انہیں پتا چلا کہ چند روز پہلے بستی والوں نے ہمیں ایک قافلے کی صورت میں پوکھارا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اتفاق سے جس رات یہ لوگ پوکھارا پہنچے اس سے اگلے روز صبح سویرے سمبا اور اس کے ساتھی پوکھارا سے رخصت ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کو بھی صبح ہی پتا چل سکا تھا۔ یہ لوگ فوراً ہی ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے اور دوپہر کے ذرا بعد انہیں دریائے موڑی کھولا کے قریب جالیا۔

ان لوگوں کو میری تلاش تھی۔ مجھے ان کے ساتھ نہ پاکر وہ لوگ سمبا اور اس کے ساتھیوں سے میرے بارے میں پوچھتے رہے۔

سمبا اور اس کے ساتھی سمجھ گئے تھے کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور پھر بھورین ان کے ساتھ تھا جو ان کے شک کی تصدیق کے لیے کافی تھا۔ سمبا اور اس کے ساتھیوں نے انہیں میرے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کردیا۔ ان لوگوں نے انہیں لالچ بھی دیا۔ یہ یقین دلانے کی کوشش بھی کی کہ وہ میرے دوست ہیں لیکن سمبا کو کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تھا کیونکہ بستی میں بھی یوگندر ناتھ اور تری دیو نامی دو آدمی میری تلاش میں آچکے تھے۔ ان دونوں نے بھی اپنے آپ کو میرا ہمدرد ظاہر کیا تھا۔ یوگندر ناتھ تو بستی سے واپس جاتے ہوئے پراسرار طور پر ہلاک ہوگیا تھا اور تری دیو کو بعد میں گومپا نے ہلاک کردیا تھا۔ ان دو واقعات کے پیش نظر سمبا کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ لوگ بھی میرے دوست یا ہمدرد نہیں ہوسکتے۔

سمبا کو پانچ سو کلو ہیروئن کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا اس لیے وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ بھی مجھ سے ہیروئن کے بارے میں ہی پوچھنا چاہتے ہوں گے اس لیے سمبا اور اس کے ساتھیوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ان لوگوں کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔

وہ پہلے تو سمبا وغیرہ سے نرمی اور پیار محبت سے میرے بارے میں پوچھتے رہے لیکن جب اس طرح مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تو تشدد کا راستہ اپنایا گیا۔ سب سے پہلے انہوں نے تھیوب کو پکڑلیا۔ دو آدمیوں نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو سمبا کے قافلے میں شامل بدھ بھکشو اسے بچانے کے لیے لپکا تو اسے گولیوں سے بھون دیا گیا۔

تارانگ قبیلے کے مرد ایک دوسرے کی عورتوں کو جیتنے کے لیے آپس میں مقابلے تو کرتے ہیں اور عورتیں بھی جیتنے والے مردوں کے ساتھ جانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ ہارنے والے مرد اپنی عورت کو فاتح کے حوالے کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے لیکن قبیلے کی کسی عورت کو اس طرح رسوا کیا جائے یہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

سمبا اور تھاپا بھی تھیوب کو بچانے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تھاپا بھی گولیوں سے چھلنی ہوگیا اور سمبا ان کے قابو میں

آگیا۔ اسے مار مار کر ادھ موا کردیا گیا۔ اس کی موجودگی میں تھیوب کے ساتھ زیادتی کی گئی اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور بالآخر اس نے اپنی جان دے دی لیکن میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

بھگشو سارا نوک' تھیوب اور تھاپا کی لاشیں دریا میں پھینک دی گئیں اور سمبا کو وہ لوگ پوکھارا لے آئے۔ پچھلی رات وہ لوگ پوکھارا ہی میں تھے اور آج دوپہر یہاں پہنچے تھے۔ سمبا کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔

یہاں آتے ہی سمبا کو پتا چل گیا کہ گزشتہ رات میں بھی ان کے قابو میں آچکا تھا اور یہاں آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ان کا ایک آدمی سمبا کے قابو میں آگیا اور سمبا نے اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی۔ وہ لوگ سمبا پر ٹوٹ پڑے اور اسے مار مار کر ادھ موا کردیا اور پھر انہوں نے سمبا سے ہیروئن کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کردی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جب میں ان کی بستی میں پہنچا تھا تو پانچ سو کلو ہیروئن میرے پاس موجود تھی جسے میں نے کہیں چھپا دیا تھا اور سمبا کو وہ جگہ معلوم تھی جہاں ہیروئن چھپائی گئی تھی۔

سمبا نے بتایا کہ وہ ہیروئن دریا میں بہہ گئی تھی۔ اس مرتبہ وہ اگرچہ سچ بول رہا تھا لیکن انہوں نے سمبا کی بات کا یقین نہیں کیا اور اسے تشدد کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔ پہلے چاقو سے اس کے سینے اور جسم کے دوسرے حصوں پر چرکے لگائے گئے اور پھر زنبور سے اس کے ہاتھوں اور پیروں کے انگوٹھوں کے ناخن اکھاڑے گئے۔

سمبا اگرچہ یہی کہتا رہا کہ ہیروئن دریا میں بہہ گئی تھی اور وہ سچ کہہ رہا تھا لیکن کسی نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا اور اسے تشدد کا نشانہ بناتے رہے اور پھر مجھے اس کمرے سے نکال کر یہاں لے آیا گیا تھا تاکہ سمبا کا حشر دیکھ کر میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔

اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ پہلے یوگندر ناتھ اور تری دیو تارانگ قبیلے کی بستی میں پہنچے تھے۔ وہ دونوں کھٹمنڈو کے غنڈے اور منشیات فروش تھے۔ انہیں کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ میں چانگ لی کے آدمیوں کو قتل کرکے پانچ سو کلو ہیروئن لے اڑا تھا اور وہ لوگ مجھے تلاش کرکے اس ہیروئن پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن وہ دونوں کسی نہ کسی طرح اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے اور اب یہ لوگ۔۔۔! میرا خیال تھا کہ یہ بھی کوئی تیسری پارٹی تھی جسے اس ہیروئن کے بارے میں پتا چل گیا تھا اور یہ لوگ بھی ہیروئن حاصل کرنے کے چکر میں تھے۔

پانچ سو کلو ہیروئن۔۔۔ جس کی مالیت کروڑوں ڈالر تھی اور اتنی بڑی رقم کے لیے تو درجنوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا تھا۔ ہیروئن کے اسمگلروں کو تو میں دیے بھی موت کا سوداگر سمجھتا تھا۔ یہ لوگ موت ہی تو بیچتے تھے۔ انسانی زندگی کی ان کے قریب کوئی قیمت نہیں تھی۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت تو ان کرنسی نوٹوں کو حاصل تھی جو ہیروئن کے بدلے ملتے تھے۔ دولت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا اور دولت ہی ان کا دھرم۔۔۔ یہ دنیا کے سفاک ترین لوگ تھے۔ ان کی سفاکی کے مظاہرے میں تھائی لینڈ میں بھی دیکھ چکا تھا' سنگاپور اور ہندوستان میں بھی کئی ایسی مثالیں دیکھنے میں آئی تھیں اور اب سمبا میرے سامنے تھا۔ اس کے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور اسے جس طرح ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا تھا وہ ان کی بے رحمی اور سفاکی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

میرا دماغ گھوم رہا تھا۔ سمبا کو اس حالت میں دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ دل تو چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے ٹکڑے کردوں جنہوں نے سمبا کو اس حالت میں پہنچایا تھا لیکن میں خود بھی ان کا قیدی تھا۔

مجھے سمبا کی حالت پر افسوس ہورہا تھا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا۔ میری ہمدردی میں سچائی کے راستے پر چلنے والے نہ جانے کتنے بے گناہ لوگ ان درندوں کا شکار ہوچکے تھے۔

سمبا کی آنکھیں بند ہورہی تھیں۔ میں نے اسے کندھوں سے ہلایا۔ اس نے پھر آنکھیں کھول دیں۔

"تت۔۔۔ تم بھاگ جاؤ ہمت سنگھ۔" اس نے رک رک کر کہا "یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ انہوں نے سب کو مار ڈالا۔ تمہیں بھی مار ڈالیں گے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

"نہیں سمبا۔" میں نے کہا "میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ میں تم پر ہونے والے ایک ایک ظلم کا حساب لوں گا ان سے۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم زندہ رہو گے اور اپنی آنکھوں سے ان کا حشر دیکھو گے۔"

"تت۔۔۔ تم بھاگ جاؤ۔ ہمت۔۔۔"

سمبا کے لب خاموش ہوگئے اور آنکھیں بھی بند ہوگئیں۔ اس کے سینے کا ہلکا سا زیر و بم بتا رہا تھا کہ وہ زندہ تھا۔ تکلیف کی شدت سے وہ بے ہوش ہوگیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اسے فوری طور پر طبی امداد ملنی ضروری تھی لیکن میں خود قید میں تھا اور اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اسے آہستگی سے گرد آلود فرش پر لٹا دیا۔

ٹھیک اسی وقت باہر قدموں کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ میں نے لپک کر دیوار میں پھنسی ہوئی مشعل اٹھالی۔ اس مشعل میں کسی جانور کی چربی جل رہی تھی جس سے ناگوار سی بو اٹھ رہی تھی۔

میں مشعل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا۔ قدموں کی آواز دروازے کے قریب آکر رک گئی اور پھر باہر سے بھاری کھٹکا ہٹایا جانے لگا۔

چند سیکنڈ بعد دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے۔ میں ایک پٹ کی آڑ میں تھا۔ پہلے ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں رائفل سنبھال رکھی تھی۔ وہ جیسے ہی آگے بڑھا' میں نے مشعل سے اس کے سر پر حملہ کردیا۔

ضرب تو اس کے سر پر نہیں لگ سکی تھی لیکن مشعل کے پیالے میں جلنے والی چربی کے کچھ چھینٹے انگاروں کی طرح اڑ کر اس شخص کے چہرے پر گرے۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پہنچ گئے تھے۔

اس کا دوسرا ساتھی کمرے میں داخل ہورہا تھا۔ اپنے ساتھی کی چیخ سن کر وہ اچھل پڑا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا' میں نے اس پر بھی جلتی ہوئی مشعل سے حملہ کردیا۔ وار اس کے کندھے پر پڑا۔ میں اسے زیادہ نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے زیادہ پھرتیلا نکلا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر رائفل کا ٹریگر دبادیا۔

گولیوں کی بوچھار سامنے والی دیوار پر پڑی۔ میں نے مشعل پھینک دی اور تیزی سے رائفل کو نال سے پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھادیا۔ رائفل کی نال سے نکلنے والی گولیاں چھت سے ٹکرانے لگیں۔

میں نے رائفل پر اس وقت تک گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک اس کا میگزین خالی نہیں ہوگیا۔ رائفل سے گرفت ہٹالینا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے گرفت اسی طرح مضبوط رکھی اور نیچے بیٹھتا چلا گیا اور پھر میں نے پوری قوت سے اپنے آپ کو پیچھے کی طرف گرادیا۔

میرا حریف میرے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل کمرے کے وسط میں گرا۔ میں بھی بڑی پھرتی سے لوٹ کر اٹھ گیا اور اس سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے آدمی کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کردی جو اپنی رائفل اٹھانے کے لیے جھک رہا تھا۔

وہ شخص ٹھوکر کھا کر بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ میری دوسری ٹھوکر پہلے حریف کو لگی تھی جو رائفل اٹھانے کے لیے لپکا تھا۔ وہ دوبارہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

میں رائفل کی طرف لپکا لیکن دوسرے حریف نے میری ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی۔ میں منہ کے بل گرا لیکن میں نے جلدی سے دونوں ہاتھ فرش پر ٹکا دیے تھے اور پھر اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میرے دونوں حریف بھی کھڑے ہوچکے تھے۔ وہ حملہ آور ہونے والے انداز میں آگے بڑھے اور یہی ان کی غلطی تھی کہ وہ بیک وقت آگے آرہے تھے۔ میں کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے اچھلا۔ میں نے ڈبل فلائنگ کک لگائی تھی اور دونوں کو نشانہ بنایا تھا اور مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ میرا ایک پیر ایک حریف کے سینے پر اور دوسرا پیر دوسرے کے چہرے پر لگا تھا۔ وہ دونوں لڑکھڑا کر پیچھے گرے تھے لیکن جس کے چہرے پر کک لگی تھی وہ تو ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا تھا۔

میں بھی نیچے گرا تھا لیکن میں نے اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا تھا۔ جس شخص کے سینے پر کک لگی تھی وہ بھی سنبھل چکا تھا۔ وہ ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا میری طرف لپکا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مجھے سر سے ٹکر مارنا چاہتا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹ کر اس کی گردن اپنے بازو کی لپیٹ میں لے لی اور اسے زور سے جھٹکے دینے لگا۔

وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہا تھا لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ میرے اس نہایت خطرناک داؤ میں آگیا تھا جس سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا تھا۔

میں خود بھی نیچے بیٹھ گیا اور اپنے پیروں کی ایڑیاں ٹوٹے ہوئے فرش میں پھنسالیں۔ وہ شخص اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بری طرح مچل رہا تھا لیکن میری گرفت ایسی نہیں تھی کہ اس سے نجات حاصل کی جاسکتی۔

میرا دوسرا حریف جس کے چہرے پر فلائنگ کک لگی تھی' اٹھ کر میری طرف لپکا اور اس نے میرے جسم پر ٹھوکروں کی بارش کردی لیکن ان ٹھوکروں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوسکا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر دوسرا آدمی

دروازے کی طرف لپکا۔ وہ غالباً تین چار آدمی تھے جو فائرنگ کی آواز سن کر حویلی کے دوسرے حصے سے دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔

میرے دوسرے حریف نے چیخ چیخ کر ان سے کچھ کہا اور وہ سب کمرے میں گھس آئے۔ ان سب کے پاس اگرچہ رائفلیں تھیں مگر ان میں سے کسی نے بھی رائفل استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میرے جسم پر لاتیں اور گھونسے برسانے لگے۔ دو آدمی میرے بازو کی گرفت چھڑانے کی کوشش کررہے تھے۔

لیکن مجھ پر بھی جنون طاری تھا۔ جیسے جیسے تشدد بڑھ رہا تھا' میرے جنون میں بھی شدت آرہی تھی۔ میرے جسم کی ساری طاقت جیسے بازوؤں میں سمٹ کر آرہی تھی۔ اس کی گردن پر میری گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی گردن کو زور زور سے جھٹکے بھی دینے شروع کردیے تھے۔

ایک بات میں خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لوگ مجھے جان سے نہیں ماریں گے۔ یہ لوگ جو کوئی بھی تھے انہوں نے بڑی مشکل سے مجھے تلاش کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے یہ لوگ اب تک آٹھ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ پانچ وہ پولیس والے جن کی حراست سے مجھے چھڑایا گیا تھا اور تین سمبا کے ساتھی۔ سمبا بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ان لوگوں کے جرائم کی فہرست اس سے بھی کہیں زیادہ طویل ہوسکتی تھی۔ یہ لوگ دولت کے پجاری تھے۔ پانچ سو کلو ہیروئن کے پیچھے بہت بڑی دولت تھی۔ یہ لوگ مجھے اس وقت تک زندہ رکھنے کی کوشش کرتے جب تک انہیں امید کی کوئی معمولی سی کرن بھی دکھائی دیتی رہتی۔

میرے شکار کی مزاحمت بالکل ختم ہوچکی تھی۔ میں نے اس کی گردن کو ایک دو مزید جھٹکے دیے اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ وہ دھب سے نیچے گرا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ قیامت سے پہلے نہیں اٹھ سکے گا۔ اسے دوسرے ہی اٹھائیں گے۔

دو جلاد اب بھی میرے جسم پر لاتیں اور گھونسے برسا رہے تھے۔ دو آدمی اس شخص کو گھسیٹتے ہوئے دور لے گئے تھے جس کی میں نے گردن مروڑ دی تھی۔ میں نے اپنے اوپر حملہ کرنے والے ایک آدمی کو بازو سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ وہ چیختا ہوا اپنے ساتھی سے ٹکرایا اور دوسری طرف گرگیا۔ اسی لمحے دروازے کی طرف سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یہ کیا ہورہا ہے پرمل۔ چھوڑ دو اسے۔ اگر یہ ختم ہوگیا تو باس تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اس نے ہری کیش کو مار دیا ہے۔ گردن توڑ دی ہے اس کی۔" پرمل نامی اس شخص نے بھی چیختے ہوئے جواب دیا۔

"چھوڑ دو اسے۔ میں کہتا ہوں' چھوڑ دو۔" دروازے میں کھڑا ہوا شخص ایک بار پھر دہاڑا۔

اس مرتبہ اس کی دہاڑ کارآمد ثابت ہوئی اور مجھ پر لاتیں اور گھونسے برسنا بند ہوگئے۔ وہ چاروں الگ ہٹ گئے اور مجھ پر رائفلیں تان لیں۔ ان میں سے دو تو بری طرح ہانپ رہے تھے۔

میں فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ ظالموں نے بری طرح دھنائی کر ڈالی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اٹھ کر سیدھا ہوسکا تھا۔

دروازے میں وہی چوڑی دار پاجامے اور ہاف کوٹ والا نیپالی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی آٹومیٹک رائفل تھی۔ اس نے طائرانہ نگاہوں سے کمرے کی صورت حال کا جائزہ لیا اور دو آدمیوں کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم دونوں ہری کیش کی باڈی اٹھا کر باہر لے جاؤ۔ اگر یہ واقعی مرچکا ہے تو اس کی لاش حویلی کے پھاٹک سے باہر لے جاکر جھاڑیوں میں ڈال دو اور اگر زندہ ہے تو۔"

"یہ مرچکا ہے۔" ان دونوں میں سے ایک نے جواب دیا "اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اس کی آنکھیں اور زبان بھی باہر نکلی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لے جاؤ اسے اور وہ۔۔۔؟" نیپالی نے بے حس و حرکت پڑے ہوئے سمبا کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ابھی زندہ ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"اوکے!" نیپالی بولا "ہری کیش کی باڈی اٹھا کر حویلی سے باہر لے جاؤ اور تم۔" اس نے مجھے اشارہ کیا "ہمارے ساتھ چلو۔ باس تم سے ملنا چاہتا ہے۔ تم دونوں کی وجہ سے آج ہمارے دو آدمی کم ہوگئے ہیں لیکن ہمارے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ ویسے باس تم سے مل کر بہت خوش ہوگا۔ وہ تم جیسے بہادروں کی قدر کرتا ہے۔ اگر تم نے تعاون کیا اور اس کی باتیں مان لیں تو ممکن ہے تمہیں اس سینڈیکیٹ میں کوئی بڑا عہدہ مل جائے اور اگر تم نے بات نہ مانی اور باس کے سامنے بھی یہی رویہ اختیار کیا تو یقین کرو' باس تمہارا وہ حشر کرے گا کہ دنیا کانپ اٹھے گی۔"

"کیا کرے گا تمہارا باس۔ مجھے مار ڈالے گا نا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"موت نہیں۔" وہ بولا "باس کے خیال میں کسی انسان کے لیے موت کوئی سزا نہیں ہے۔ موت سے تو مکتی (نجات) ہوجاتی ہے۔ کسی کو سزا دینے کے لیے باس کے پاس بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً اس نے کچھ خوں خوار بھیڑیے بھی پال رکھے ہیں جنہیں عام طور پر بھوکا رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی زندہ انسان کو بکری کی طرح کھونٹے سے باندھ کر وہ بھوکے اور خوں خوار بھیڑیے اس پر چھوڑ دیے جائیں تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس شخص کا انجام کیا ہوگا۔ مرنا تو اسے بہرحال ہوگا لیکن موت سے پہلے اس پر جو بیتے گی کیا تم اس کا اندازہ لگا سکتے ہو؟"

میں کانپ کر رہ گیا۔ سمبا کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس سے ثابت ہوگیا تھا کہ یہ دنیا کے سفاک ترین انسان تھے۔ ایک شخص کو اذیت پہنچانے کے لیے اس کے جسم پر تیز دھار آلے سے چرکے لگائے گئے۔ اس کے ناخن ادھیڑے گئے اور اب یہ مجھے بھوکے' خوں خوار بھیڑیوں کے سامنے ڈالنے کی دھمکی دے رہا تھا۔

پرمل اور دوسرا آدمی اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر لے گئے تھے۔ انسان کی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ وہ ان کا ساتھی تھا۔ ان کے لیے لڑتا رہا تھا اور انہی کے لیے میرے ہاتھوں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور اس کی لاش اس طرح باہر پھنکوائی جارہی تھی جیسے وہ انسان نہیں کتا ہو۔

"چلو۔" اس نیپالی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ اب اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

میں نے فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے سمبا کی طرف دیکھا۔ ایک آدمی نے زمین پر پڑی ہوئی مشعل اٹھا کر دوبارہ دیوار میں لگے ہوئے ہک میں پھنسا دی تھی۔ مشعل کی لرزتی ہوئی روشنی میں سمبا کا خون آلود چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔

ہم کمرے سے باہر آگئے۔ ایک آدمی نے دروازہ بند کرکے اس میں کھٹکا لگا دیا تھا۔ دروازہ پرانی طرز کا بہت مضبوط تھا۔ باہر کی طرف اس کے دونوں پٹوں میں دو لکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور تقریباً چار انچ موٹی ایک اور لکڑی ان میں اس طرح پھنسا دی گئی تھی کہ اسے ہٹائے بغیر اندر سے دروازہ نہیں کھولا جاسکتا تھا۔

حویلی کی اصل عمارت وہاں سے تقریباً سو گز دور تھی۔ اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔ دو تین جگہوں پر مجھے پتھروں سے ٹھوکر لگی تھی اور ایک مرتبہ تو میں گرتے گرتے بچا تھا۔

حویلی کی عمارت کے بیشتر حصے اگرچہ ٹوٹ پھوٹ چکے تھے لیکن اس کے ڈھانچے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں یہ بہت شان دار عمارت رہی ہوگی۔ سامنے کے رخ پر ایک کشادہ برآمدہ تھا جس کے سامنے ایک کھلی چھت والی جیپ اور دو دیگر شان دار گاڑیاں کھڑی تھیں۔

عمارت کے اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ ہم کئی راہداریوں میں سے ہوتے ہوئے بالآخر ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوگئے۔ اس کمرے کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

یہ کمرا کم سے کم تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا تھا۔ چاروں دیواروں پر دو دو مشعلیں روشن تھیں اور کچھ ایسی چیزیں نظر آرہی تھیں جو اذیت رسانی میں استعمال ہوتی تھیں۔ چھت پر کنڈے لگے ہوئے تھے جن کے ساتھ لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں لٹکی ہوئی تھیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جب یہ حویلی آباد تھی تو یہ کمرا عقوبت خانے کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا اور اب بھی اسے اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا تھا۔

ایک طرف چند کرسیاں اور ایک بڑی سی میز پڑی تھی۔ میز پر بھی اذیت رسانی کے کچھ آلات پڑے ہوئے تھے۔

مجھے ایک اسٹول پر بٹھا دیا گیا۔ دو آدمی مجھ پر رائفلیں تانے کھڑے رہے جبکہ نیپالی ایک اندرونی دروازے میں داخل ہوگیا تھا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے اور ان میں سے ایک کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ ناگ پال تھا۔

دوسرا چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ وہ دونوں میرے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ میں نے ناگ پال کو اب تک صرف اخبار میں شائع ہونے والی تصویروں میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ دور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا یا پھر انڈیا میں' میں نے بال ٹھاکرے کو بھی کئی مرتبہ ٹی وی پر دیکھا تھا۔ ناگ پال اور بال ٹھاکرے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ نہ کرداروں میں نہ جسامت میں اور نہ لباس میں۔ ایک لمحے کو تو میرے ذہن میں یہ شبہ بھی ابھرا تھا کہ یہ کہیں بال ٹھاکرے تو نہیں۔

ناگ پال کو اپنے سامنے دیکھ کر ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔ یہ کوئی تھرڈ پارٹی نہیں تھی جس نے مجھے پولیس کی حراست سے چھڑایا تھا۔

"تمہارے بارے میں سنا تو بہت کچھ تھا لیکن مجھے یقین

نہیں آتا تھا۔" ناگ پال میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں سانپ جیسی چمک تھی "لیکن تم نے جو کچھ بھی کیا وہ میرے لیے واقعی حیرت انگیز ہے۔ لوگ تو ناگ پال کے راستے میں آتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ اس کا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور تم۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اور تم نے نہ صرف ناگ پال کے دو آدمیوں کو قتل کردیا بلکہ پانچ سو کلو ہیروئن بھی لے گئے۔ اسے کہتے ہیں شیر کے منہ سے نوالہ چھیننا۔ کوئی ذی ہوش انسان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن تم نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔ بہت بہادری کا ثبوت دیا ہے تم نے۔ تم بہت بڑے سورما ہو اور ناگ پال کو ہمیشہ ایسے سوراؤں کی تلاش رہی ہے جو موت سے پنجہ آزمائی کرنا جانتے ہوں اور ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے میرے ایک آدمی کی گردن بھی مروڑ دی ہے۔ اس قید خانے میں آکر تو بڑے بڑے سوراؤں کا پیشاب خطا ہوجاتا ہے لیکن تم نے نہ صرف اپنے حواس برقرار رکھے بلکہ تم میں اب بھی اتنا ہی دم خم ہے۔"

"مطلب کی بات کرو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

"چانگ لی نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن میں اس کی باتوں کا یقین کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔" ناگ پال نے کہا "بنکاک میں ٹائیگر اور پیڈرو کے گینگ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا' تھائی لینڈ سے جنرل کھوراٹ کے قدم اکھاڑ دینا اور گولڈن ٹرائی اینگل میں گھس کر تباہی پھیلانا اور زندہ بچ نکلنا۔ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا لیکن اب یہاں جو کچھ ہوا ہے اسے دیکھتے ہوئے مجھے چانگ لی کی باتوں پر یقین کرنا ہی پڑے گا۔ ناگ پال کے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر پانچ سو کلو ہیروئن چھین لے جانا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ کوئی بہت بڑا گینگ بھی یہ کام نہیں کرسکتا لیکن میرے لیے حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ کارنامہ تم نے اکیلے ہی انجام دیا ہے۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ میرے آدمیوں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا اس پر مجھے افسوس ہے۔ میں ایک پیشکش تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول کرلو تو تمہیں سینڈیکیٹ میں ایک بڑا عہدہ مل سکتا ہے۔"

میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس عقوبت خانے میں لاکر سینڈیکیٹ میں کسی بڑے عہدے کی پیشکش کا مطلب میں سمجھتا تھا۔ انکار کی صورت میں اذیت رسانی کے یہ تمام آلات شاید مجھ پر آزمائے جاتے۔

"میں نے تمہاری تمام باتیں سن لی ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں جواب دیا "چانگ لی نے میرے بارے میں تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہ غلط نہیں ہے لیکن یہاں تم لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ یہاں میرا کسی ایسے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔"

"کیا یہ غلط ہے کہ تم دیش مکھ کا پیچھا کرتے ہوئے انڈیا سے یہاں آئے تھے؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں اس کی تردید نہیں کروں گا۔" میں نے جواب دیا "وہ میری ایک دوست کو اغوا کرکے لایا تھا۔ یہاں میں نے اپنی دوست کو اس کے شکنجے سے چھڑالیا اور وہ بعد میں تمہارے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ میرا اور دیش مکھ کا معاملہ ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ انڈیا کے ایک مفرور پولیس انسپکٹر پانڈے سے تمہارے گہرے رابطے تھے اور تم چند روز اس کی حویلی میں رہے بھی ہو؟" ناگ پال نے کہا۔

"پانڈے سے میری ملاقات اتفاقیہ طور پر ہوگئی تھی۔" میں نے کہا "وہ ایک شریف اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا۔ اس سے ایک غلطی ہوگئی تھی اور وہ ہندوستان سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا۔ یہاں اس سے میری ملاقات محض اتفاقیہ تھی۔ اس کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"سومبا سے بھی تمہارے گہرے تعلقات ہیں۔" ناگ پال نے کہا۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے "سومبا ایک سڑک چھاپ غنڈا تھا۔ اسے میں جب چاہتا مچھر کی طرح چٹکی میں مسل سکتا تھا لیکن تم نے اسے بہت بڑا دادا سمجھ لیا اور۔"

"سومبا ایک شریف آدمی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اگر تمہارا اس سے کوئی جھگڑا ہے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تو اسے غنڈوں سے بچانے کے لیے اس کی مدد کی تھی۔"

"نہیں۔ بات صرف یہیں تک نہیں ہے۔" ناگ پال بولا "تم نے اس کے ساتھ اور بھی بہت سے منصوبے بنائے تھے اور تمہیں یہ اطلاع بھی سومبا ہی نے دی تھی کہ ہمارے آدمی پانچ سو کلو ہیروئن لے کر آرہے ہیں۔"

ناگ پال کی اس بات پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا لیکن چہرے سے کسی قسم کے تاثرات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"جب مجھے اپنے آدمیوں کے قتل اور ہیروئن کے چھینے جانے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلے میں نے سومبا ہی کو پکڑا تھا۔ مرنے سے پہلے اسے یہ اگلنا ہی پڑا تھا کہ اس نے تمہیں ہیروئن کے بارے میں بتایا تھا۔ تمہاری تلاش شروع ہوئی تو پتا چلا کہ اس واقعے سے ایک روز پہلے تمہیں پوکھارا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ مزید تحقیق پر دھرپتن میں بھی تمہیں دیکھے جانے کی اطلاع ملی۔ اس سے ہمیں یقین ہوگیا کہ وہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا جس نے ہمارے آدمیوں کو قتل کرکے پانچ سو کلو ہیروئن غائب کردی تھی۔"

وہ خاموش ہوکر میری طرف دیکھتا رہا۔ میں پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا اس کی ہر بات میرے لیے چونکا دینے والی تھی۔ مجھے یہ جان کر بھی بہت دکھ ہوا کہ سومبا اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ ان خوں خوار بھیڑیوں نے اسے بھی ختم کردیا تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"دھرپتن میں تمہاری موجودگی کا ثبوت ملنے کے بعد ہمیں یقین ہوگیا کہ وہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہمارا خیال تھا کہ تم جاڈا کوٹ سے ہوتے ہوئے دریائے بھیری کے ساتھ ساتھ رائل نیشنل پارک یا اس کے قریب نیپالی گاؤں سے ہوتے ہوئے کسی جگہ سے انڈیا کی سرحد پار کرنے کی کوشش کرو گے۔ ہم نے زیادہ توجہ اس طرف دی اور تمام سرحدی راستوں پر پہرے بٹھا دیے لیکن کئی روز گزرنے کے بعد بھی تمہارا سراغ نہیں ملا۔

"پھر ہمیں یہ دلچسپ اطلاع ملی کہ یوگندر ناتھ اور تری دیو کو بھی پونگا رینج کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ وہ دونوں مہا حرامی آدمی تھے۔ وہ ہمیشہ دو سروں کے مال پر ہی جھپٹتے رہے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے کے بعد ہم نے پونگا رینج کی طرف توجہ دی اور ان بلند پہاڑوں میں آباد بستیوں میں پوچھتے ہوئے تارانگ قبیلے تک پہنچ گئے اور وہاں سے پتا چلا کہ تم وہاں سے نکل چکے ہو۔

"ہمیں تمہاری دوست بلا اور یوگندر ناتھ اور تری دیو کی موت کی بھی خبر مل گئی اور اس قبیلے سے نکلنے کے دوسرے ہی دن تارانگ قبیلے کا ایک آدمی مل گیا جسے تمہاری تلاش کے سلسلے میں میرے آدمی ساتھ لے گئے اور پھر میرے آدمی دھول گری کے بلند اور دشوار ترین پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوئے پوکھارا تک آگئے۔

"پوکھارا پہنچنے کے اگلے روز میرے آدمیوں کو پتا چلا کہ تمہارا قافلہ صبح سویرے ہی وہاں سے جنوب کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔ میرے آدمیوں نے سہ پہر کے قریب دریائے موڈی کھولا کے کنارے اس قافلے کو جالیا مگر تم اس قافلے میں نہیں تھے۔

"تارانگ قبیلے سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ بڑے سخت جان ثابت ہوئے۔ تین افراد نے اپنی جانیں دے دیں مگر تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میرے آدمی اس قافلے کے چوتھے آدمی کو لے کر پوکھارا آگئے جہاں انہوں نے یہ معلوم کرلیا کہ اس قافلے کو جنوب کی طرف روانہ کرنے کے بعد تم بھی ایک بس پر سوار ہوکر کھٹمنڈو کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ ہم نے فوراً ہی کیرتی پور میں راستے کی ناکا بندی کردی لیکن ہمیں پتا چلا کہ ایک بدھ یوگی تمہیں بس سے اتار کرلے گیا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ یوگی کون تھا اور تم سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ ہم نے تمہاری تلاش جاری رکھی اور پھر یہ پتا چلا کہ تم بازار میں ایک عورت کو قتل کرنے کے الزام میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہو اور جب پولیس والے تمہیں تھانے لے جارہے تھے تو ہمارے آدمیوں نے تمہیں پولیس کی حراست سے چھڑالیا اور اب۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں "میں نے ابھی تک تم سے اس ہیروئن کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تاہم تمہیں ایک پرکشش پیشکش کررہا ہوں۔ اگر تم وہ ہیروئن ہمارے حوالے کردو تو ہم اس کا چوتھائی حصہ تمہیں دینے کو تیار ہیں۔ تم چاہو تو اپنے حصے کی ہیروئن رکھ کر باقی ہمارے حوالے کردو اور جہاں چاہو جاسکتے ہو۔ ہم تمہارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کریں گے اور چاہو تو اپنے حصے کی قیمت لے سکتے ہو۔ نقد۔ اسی وقت۔ میرے آدمی تمہیں بحفاظت تمہاری منزل تک پہنچا دیں گے۔"

ساری باتیں کھل کر سامنے آگئی تھیں۔ وہ میرے بارے میں سب کچھ جان چکا تھا۔ جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور میں جانتا تھا کہ سچ بول کر بھی میری جان چھوٹنے والی نہیں تھی کیونکہ اس ہیروئن کا تو اب کوئی وجود ہی نہیں رہا تھا۔

"میں تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں کروں گا۔" میں نے کہا "یہ بالکل درست ہے کہ تمہارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ میں نے ہی اتارا تھا اور ہیروئن بھی میں ہی لے گیا تھا لیکن اس ہیروئن کا اب کوئی وجود نہیں رہا۔ میری کار دریا میں گر گئی تھی اور ساری ہیروئن پانی میں بہہ گئی۔"

"اگر اس ہیروئن کا وجود نہیں رہا تو تمہارا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔" ناگ پال نے کہا "پرانے زمانے کے لوگ تشدد کے بہت سے طریقے جانتے تھے۔ آج کے دور میں کسی کی زبان کھلوانے کے لیے اگرچہ نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں لیکن میرے خیال میں پرانے طریقے اب بھی ان سے زیادہ موثر ہیں۔ یہ چیزیں دیکھ رہے ہو؟" اس نے کمرے میں مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کیا "یہ کھوکھتا کی حویلی ہے۔ کھوکھتا اس علاقے کا راجا تھا۔ اسے دنیا کا سفاک ترین انسان سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو ایذا رسانی کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کیے تھے کہ اس کی عقل اور ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس کا یہ عقوبت خانہ ہی دراصل اس کے راج کی کامیابی کی ضمانت بنا ہوا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا' بڑے دبدبے سے راج کرتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد بیٹے نے سنگھاسن سنبھالا۔ وہ ایک نرم دل اور شریف آدمی تھا۔ اس کے باپ کے دشمنوں نے اسے ایک مہینے سے زیادہ راج نہیں کرنے دیا اور اس کی لاش کے ٹکڑے پوری وادی میں پھیلا دیے۔ اس دنیا میں شریف لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں صرف طاقت کے زور پر زندہ رہا جا سکتا ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا "میں اپنے موضوع سے ہٹ گیا ہوں۔ میں تمہیں صرف تین منٹ دے رہا ہوں۔ اگر تمہیں میری پیشکش قبول ہو تو ٹھیک ہے۔ دوسری صورت میں۔۔۔"

"میں نے کہا نا' وہ ہیروئن ضائع ہو چکی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس لیے اس موضوع پر بحث بیکار ہے۔ تم اپنی جو کارروائی کرنا چاہتے ہو کر لو۔"

"ٹیکو۔" ناگ پال نے چوڑی دار پاجامے اور ہاف کوٹ والے شخص کی طرف دیکھا "وقت ضائع کرنا بیکار ہے۔ اس سے معلوم کرو ہیروئن کہاں ہے۔ ایک بات ذہن میں رکھنا۔ اسے اس وقت تک نہیں مرنا چاہیے جب تک یہ کچھ بتا نہ دے۔"

ناگ پال دوسرے آدمی کے ساتھ اسی اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا۔ ٹیکو چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کچھ کہا اور سر سے ٹوپی اتار کر میز پر رکھ دی اور کوٹ کے بٹن کھولنے لگا۔ اس وقت اس کا رخ میز کی طرف تھا۔ کوٹ اتار کر اس نے میز کے قریب ایک کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ کوٹ کے نیچے اس نے کوئی قمیص وغیرہ نہیں پہن رکھی تھی۔ وہ جب میری طرف گھوما تو اس کے گلے میں نیلگری کی مالا دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ مالا اس کے پاس کیسے پہنچی تھی!

گزرے ہوئے واقعات میری نظروں کے سامنے گردش کرنے لگے۔ نقاب پوشوں نے پولیس کی حراست سے چھڑانے کے بعد مجھے اپنی جیپ میں پھینک دیا تھا اور ایک نقاب پوش نے میرے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا تھا۔

میں کسی نقاب پوش کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اب مجھے یقین کر لینا پڑا کہ ٹیکو بھی ان میں شامل تھا۔ ممکن ہے جیپ کے سفر کے دوران میں ہی اس کی نظر میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا پر پڑ گئی ہو یا جب مجھے حویلی کے قید خانے میں ڈالا گیا تھا تو یہ مالا اس وقت ٹیکو کی نظروں میں آئی ہو اور اس نے مالا میرے گلے سے اتار کر اپنے گلے میں پہن لی اور وہ یقیناً اس مالا کی اہمیت سے واقف نہیں تھا۔

"اب ساری کہانی تمہارے سامنے آ چکی ہے ہمت سنگھ۔" ٹیکو میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "تم یہ بھی جان چکے ہو کہ انسانی زندگی کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم صرف اور صرف دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر تم شرافت سے وہ پانچ سو کلو ہیروئن ہمارے حوالے کر دو تو فائدے میں رہو گے۔ بصورتِ دیگر میں تمہارے شریر (بدن) کی ہیروئن بنا دوں گا۔" بات کرتے ہوئے وہ غالباً غیر ارادی طور پر گلے میں پڑی ہوئی مالا کو بھی چھو رہا تھا اور پھر اس نے وہ مالا بھی گلے سے اتار کر میز پر ٹوپی کے قریب رکھ دی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میری کسی بات کا یقین نہیں کرو گے۔" میں نے جواب دیا "اس لیے جو بھی کارروائی کرنا چاہتے ہو' شروع کر دو۔"

ٹیکو چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس نے میرے چہرے پر گھونسا مارنے کے لیے اپنے ہاتھ کو حرکت دی۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ ٹیکو کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ وہ کلائی چھڑانے کے لیے زور آزمائی کرنے لگا۔ اس کا دوسرا ہاتھ بھی حرکت میں آیا لیکن وہ ہاتھ بھی میری گرفت میں آ گیا۔

میں اس وقت تک اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا لیکن اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹیکو اپنے بازو چھڑانے کے لیے زور آزمائی کر رہا تھا۔ میں نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے ٹکرایا اور اسی لمحے اس کے دونوں ساتھیوں نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

میں ان کی طرف سے غافل نہیں تھا لیکن ان کا یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ میں اپنے آپ کو بچا نہیں سکا۔ ان دونوں نے مجھے بانہوں سے گرفت میں لے لیا۔ ٹیکو سنبھل کر تیزی سے میری طرف لپکا۔ پہلے اس نے سر سے میرے سینے پر ٹکر ماری اور پھر میرے پیٹ پر گھونسے برسانے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے پیٹ پر ہتھوڑے برس رہے ہوں۔ میں تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ میرے دماغ کو اچانک ہی ایک جھٹکا سا لگا اور میں اپنے اندر واضح طور پر ایک تبدیلی محسوس کرنے لگا۔ میرا پیٹ پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا اور ٹیکو کے گھونسے اب مجھ پر کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔

ٹیکو ایک طرف ہٹ گیا۔ اس نے چیخ کر کچھ کہا اور وہ دونوں آدمی مجھے بانہوں سے پکڑ کر پوری قوت سے کھینچتے ہوئے آگے لے چلے۔ وہ میرا سر دیوار سے ٹکرانا چاہتے تھے۔

جیسے ہی وہ دیوار کے قریب پہنچے' میں نے اپنا سارا بوجھ ان پر ڈال دیا اور دونوں پیر آگے نکال کر دیوار پر ٹکا دیے اور پوری قوت سے دیوار کو دھکیلتے ہوئے الٹی قلابازی کھا گیا۔

میں ان کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ دونوں بدحواس سے ہو گئے۔ ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے ان دونوں کے بال پکڑ کر سر ایک دوسرے سے ٹکرا دیے۔ ایک تو چیختا ہوا نیچے گرا۔ دوسرے نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اسے زوردار سائیڈ کک رسید کر دی۔ وہ بھی بلبلاتا ہوا اپنے ساتھی کے اوپر گرا۔ کک لگانے کے بعد میرا پیر اس جگہ پڑا جہاں فرش ٹوٹا ہوا تھا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا اور میرے سنبھلنے سے پہلے ہی ٹیکو نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

ٹیکو مجھے بری طرح رگید رہا تھا لیکن مجھے موقع مل گیا اور میں نے اسے پیروں پر اچھال دیا۔ اس وقت اس کے دونوں ساتھی میری طرف لپکے تھے۔ ٹیکو ان کے اوپر گرا اور وہ تینوں ڈھیر ہو گئے۔

میں نے اٹھ کر میز کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ٹیکو کے ایک ساتھی نے میری ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی۔ میں منہ کے بل گرا لیکن میں اٹھ کر ایک بار پھر میز کی طرف لپکا۔ اس مرتبہ ٹیکو میرے آڑے آ رہا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ٹیکو کا ایک ساتھی اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا تاکہ مجھے اس کمرے سے باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکے۔ ٹیکو بھی میرے سامنے بانہیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن میں دروازے کا رخ کرنے کے بجائے اچھل کر میز کے قریب پہنچ گیا اور ٹوپی کے قریب پڑی ہوئی نیلگری کی مالا اٹھا کر اپنے گلے میں پہن لی۔

مالا میرے گلے میں آتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اندر ایک نئی توانائی بھر گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی نیلگری کی سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی۔

"تمہیں کتنی بار سمجھانا پڑے گا کہ تمہارے اندر بھی ایک مہان شکتی موجود ہے۔ تم اس سے کام لینا کیوں بھول جاتے ہو۔ اس وقت اگر میں تمہارے اندر اس شکتی کو نہ ابھارتی تو یہ لوگ تمہارا بھرتا بنا دیتے لیکن اب یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان کی تھوڑی بہت مرمت کر دو اور اپنے دوست کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ مالا کی حفاظت کرنا۔ گوتم بھوش اور سادھو دھیراج فی الحال رشی کیش واپس چلے گئے ہیں لیکن وہ اس مالا کو حاصل کرنے کے لیے تم پر دوبارہ حملہ آور ہوں گے۔ اس وقت تمہیں محتاط رہنا ہو گا۔"

میرے کان میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ بدستور سنائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے سہما والے کمرے میں میری دھنائی ہوئی تھی۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا لیکن اب اچانک ہی میرے اندر ایک نئی توانائی پیدا ہو گئی تھی اور میں نے ان تینوں کو اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔ مالا میرے گلے میں آ جانے کے بعد گویا مجھے ایک نئی شکتی مل گئی تھی۔

نیلگری نے ٹھیک کہا تھا کہ میں اپنے اندر کی شکتی سے کام لینا بھول جاتا ہوں۔ ویسے میں اپنے اندر "چی" کی قوت سے بے خبر نہیں تھا۔ اس شکتی سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے تھے لیکن میں نے پہلے ہی روز فیصلہ کیا تھا کہ اس شکتی سے اس وقت کام لوں گا جب اس کی ضرورت ناگزیر ہو گی۔ اپنی حفاظت کے لیے میں نے ہمیشہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسا کیا تھا۔

ٹیکو اور اس کے دونوں ساتھی حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے خیال میں مجھے موقع ملتے ہی یہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا لیکن میں نے میز پر پڑی ہوئی مالا اٹھا کر گلے میں پہن لی تھی اور بڑے اطمینان سے وہاں کھڑا تھا۔

ٹیکو نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ دونوں میری طرف لپکے۔ میں نے بڑی پھرتی سے میز اٹھا کر ان پر دے ماری۔ میز خاصی وزنی تھی۔ ایک کا سر پھٹ گیا۔ وہ چیختا ہوا ایک طرف گر گیا۔ دوسرا میز کے نیچے دب گیا تھا۔

ٹیکو کی آنکھیں وحشت سی پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے لپک کر زمین پر پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی۔ میں چند گز کے فاصلے پر اس کے سامنے تھا۔ ہمارے درمیان کوئی آڑ نہیں

تھی۔ ٹیکو نے ٹریگر دبا دیا۔ ٹھیک اسی لمحے اس کے ہاتھ کو جھٹکا لگا۔ رائفل کی نال اوپر کی طرف اٹھ گئی اور لاتعداد گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ ٹیکو کی انگلی اس وقت تک ٹریگر سے نہیں ہٹی تھی جب تک میگزین خالی نہیں ہوگیا تھا۔ وہ متوحش نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے جھپٹ کر ٹیکو سے رائفل چھین لی اور اسے نال کی طرف سے پکڑ کر لٹھ کی طرح گھما دیا۔ رائفل کے بٹ کی ضرب ٹیکو کے گھٹنے پر لگی اور وہ بلبلاتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ اس کا ایک ساتھی قریب آیا تو وہ بھی رائفل کی زد میں آگیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی۔ تیسرا آدمی اٹھ کر چیختا ہوا اندرونی دروازے کی طرف دوڑا۔

میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اس دروازے کی دوسری طرف ایک کشادہ اور طویل راہداری تھی جس سے اور بھی راہداریاں دائیں بائیں کو نکلتی تھیں۔ وہ شخص مدد کے لیے چیختا ہوا ایک اور راہداری میں مڑ کر غائب ہوگیا۔

میں اس کی چیخوں اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں کے سہارے اس کا پیچھا کرتا رہا لیکن وہ راہداریوں کی ان بھول بھلیوں میں غائب ہو چکا تھا۔

میں جیسے ہی ایک راہداری میں مڑا، ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے ہی ناگ پال اور اس کے ساتھ وہ آدمی کھڑا تھا جو اس کے ساتھ عقوبت گاہ میں آیا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ اسی دوران میں وہ آدمی بھی ایک دروازے سے برآمد ہوا جو چیختا ہوا عقوبت خانے سے بھاگا تھا۔ وہ اس وقت بھی چیخ چیخ کر ناگ پال سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"رائفل پھینک دو ہمت سنگھ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔ تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکو گے۔" ناگ پال نے چیخ کر کہا۔

تب مجھے احساس ہوا کہ رائفل اب بھی میرے ہاتھ میں تھی جسے میں نے نال کی طرف سے پکڑ رکھا تھا۔

"یہ تمہاری بھول ہے ناگ پال۔" میں نے جواب دیا "اپنے آدمیوں کا حشر تم نے دیکھ لیا۔ تم لوگ میرا راستہ نہیں روک سکتے۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنے آپ کو سرنڈر کردو۔"

"میں سرنڈر کردوں؟" ناگ پال غرایا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔

میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا بکھر گئی لیکن موتی زمین پر گرنے کے بجائے میرے جسم کے مختلف حصوں پر چپک گئے۔ ناگ پال اور اس کا ساتھی مسلسل فائرنگ کررہے تھے اور گولیاں میرے جسم پر انہی جگہوں پر لگ رہی تھیں جہاں مالا کے پتھر چپکے ہوئے تھے۔

ناگ پال کا ساتھی تو خوف زدہ انداز میں چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا اور ناگ پال اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا وحشت زدہ انداز میں میری طرف دیکھتا رہ گیا۔

میں نے رائفل کو لٹھ کی طرح گھما کر اس کے پہلو میں ایک زوردار ضرب رسید کردی۔ ناگ پال بلبلاتا ہوا گرا اور میں نے بھی ایک طرف دوڑ لگا دی۔

کئی راہداریوں میں چکرانے کے بعد میں اس عمارت کی پچھلی طرف آیا۔ اس طرف جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور گہری تاریکی تھی۔ میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا اور بالآخر قید خانے والے بلاک کی طرف آگیا۔ اس بلاک کے اوپر سے گھوم کر سامنے کی طرف آتے ہوئے میں نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔

سمبا والی کوٹھری کا دروازہ کھولنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اندر مشعل جل رہی تھی۔ میں دوڑ کر سمبا کے قریب پہنچ گیا۔ وہ ہوش میں آچکا تھا اور گرد آلود فرش پر پشت کے بل پڑا ویران سی نظروں سے چھت کو گھور رہا تھا۔

"کیسے ہو سمبا۔ کیا تم اٹھ سکتے ہو؟" میں نے اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔

سمبا کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ آگئی۔

"مم۔ مجھے۔ چھوڑ دو ہمت۔۔۔ سنگھ۔ تت۔۔۔ تم بھاگ جاؤ۔" وہ رک رک کر بولا۔

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔" میں نے کہا اور مزید جھک کر اسے بانہوں پر اٹھا لیا اور دروازے کی طرف لپکا۔

حویلی کی عمارت کی پچھلی طرف شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ناگ پال اور اس کے آدمی مجھے اس طرف تلاش کررہے تھے۔ میں نے حویلی کے برآمدے کی طرف دوڑ لگا دی جہاں ایک جیپ اور دو کاریں کھڑی تھیں۔

اصولی طور پر مجھے اس علاقے سے دور ہی رہنا چاہیے تھا لیکن میں برآمدے کی طرف جا کر بہت بڑا رسک لے رہا تھا اور یہ رسک لیے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ اس پراسرار حویلی اور اس علاقے سے نکلنے کے لیے مجھے سواری کی ضرورت تھی اور برآمدے کے سامنے تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

میں دوڑتا ہوا سب سے قریب والی سیاہ لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ یہ لینڈ کروزر دیگن کی طرح کشادہ تھی اور اس کے دروازے بھی لاک نہیں تھے۔ میں نے بڑی آہستگی سے اگلا دروازہ کھول کر سمبا کو سیٹ پر لٹا دیا اور تیزی سے گھوم کر آگے والے دروازے سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ٹٹولنے لگا۔ اگنیشن میں چابی لگی ہوئی تھی۔

میں چابی گھمانا ہی چاہتا تھا کہ برآمدے کی طرف سے ناگ پال کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اسے بندی خانے کی طرف دیکھو۔ بچ کر جانے نہ پائے۔"

میرا ہاتھ رک گیا اور میں برآمدے کی طرف دیکھنے لگا۔ دو انسانی ہیولے برآمدے میں کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک برآمدے سے اتر کر قید خانے کی طرف دوڑ گیا جبکہ دوسرا برآمدے ہی میں کھڑا رہ گیا۔ وہ یقیناً ناگ پال تھا۔

دو منٹ بعد قید خانے کی طرف سے اپنے آدمی کے چیخنے کی آواز سن کر ناگ پال بھی برآمدے سے نکل کر اس طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ جیسے ہی نگاہوں سے اوجھل ہوا، میں نے اگنیشن کی گھمادی اور ریورس گیئر میں ڈال کر گاڑی کو پیچھے لے جانے لگا۔

"وہ بھاگ رہا ہے۔ گولی مار دو۔ روکو اسے۔"

یہ ناگ پال کے چیخنے کی آواز تھی اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ شروع ہوگئی۔

میرے کانوں میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور نیلگری کی مالا مجھے اپنے گلے میں جھولتی ہوئی محسوس ہوئی۔

نیلگری اب تک میری حفاظت کے لیے موجود تھی لیکن اب وہ جا چکی تھی۔ اس کی وجہ سے میں ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل تو آیا تھا لیکن ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوا تھا۔ میں لینڈ کروزر کو تیز رفتاری سے پیچھے لیتا چلا گیا۔

اسی وقت دو اور انسانی ہیولے برآمدے میں نمودار ہوئے اور ان کی رائفلیں شعلے اگلنے لگیں۔ ایک گولی ونڈ اسکرین کے عین وسط میں لگی اور شیشہ توڑتی ہوئی پچھلی اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔

میں نے لینڈ کروزر کو روکا اور گیئر بدل کر ایکسلی ریٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی اسٹیئرنگ کو بائیں طرف گھماتا چلا گیا۔ گاڑی کا رخ اب حویلی کے پھاٹک کی طرف تھا جو کھلا ہوا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹس بھی آن کردیں اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ عقب سے گولیاں برس رہی تھیں۔ پیچھے ونڈ اسکرین بھی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی لیکن یہ غنیمت تھا کہ کوئی گولی کسی ٹائر پر نہیں لگی تھی اور گاڑی کا فیول ٹینک بھی محفوظ ہی رہا تھا۔

پھاٹک سے نکلتے ہی تنگ سا پتھریلا راستہ تھا جو ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔ گاڑی طوفانی رفتار سے اس ڈھلان پر دوڑ رہی تھی اور میرے ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔

نشیب میں یہ سڑک کافی دور تک سیدھی چلی گئی تھی۔ میں نے ابھی زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ سامنے لگے ہوئے آئینے میں روشنی کی چمک دیکھ کر چونک گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک گاڑی ہمارے پیچھے آرہی تھی اور آئینے میں نظر آنے والی چمک اسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی تھی۔

میں نے رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ نشیب ختم ہوگیا تھا اور اب سامنے چڑھائی تھی جو تقریباً دو سو گز کی بلندی تک چلی گئی تھی۔ چڑھائی کی وجہ سے گاڑی کی رفتار بھی کم ہوگئی تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑی سے فائرنگ شروع کردی گئی۔

چڑھائی کے اختتام پر ایک مسطح میدان سا تھا اور کچھ آگے جا کر وہ پتھریلا راستہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ ایک راستہ سیدھا چلا گیا تھا اور دوسرا دائیں طرف کچھ آگے جا کر چٹانوں میں داخل ہوجاتا تھا۔ میں نے گاڑی اس طرف موڑ دی۔

کسی زمانے میں یہ راستے آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتے ہوں گے لیکن ظاہر ہے اس زمانے میں کاریں نہیں ہوں گی کہ ان راستوں کو پختہ سڑکوں کی طرح ہموار بنانے کی ضرورت پیش آتی۔ پتھریلے راستے پر گاڑی کو بری طرح جھٹکے لگ رہے تھے اور مجھے سمبا کی پریشانی تھی۔

"سمبا۔ تم ٹھیک ہو نا؟" میں نے پیچھے گردن گھما کر چیختے ہوئے پوچھا۔ جواب میں سمبا کی صرف کراہیں سنائی دی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ زندہ تھا۔

وہ راستہ آگے جا کر چٹانوں میں داخل ہوگیا تھا اور ان چٹانوں میں کئی سمتوں میں راستے نکلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اصل راستہ کون سا ہے۔ جو راستہ ذرا کشادہ نظر آتا، میں گاڑی کو اس طرف گھما دیتا۔ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ جس راستے پر میں جارہا ہوں وہ آگے جا کر بند نہ ہوجائے یا اچانک ہی کوئی ایسا کھڈ نہ آجائے جس میں گر کر گاڑی کے ساتھ ہمارے بھی پرخچے اڑ جائیں۔

میں تقریباً دو گھنٹوں تک پہاڑوں میں اونچے نیچے اور غیر ہموار راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ کئی مقامات پر میں حادثے کا شکار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں

کس طرف جارہا ہوں اور یہ اجنبی راستے مجھے کس طرف لے جائیں گے۔ میں کسی آبادی تک پہنچ پاؤں گا یا انہی پہاڑوں میں بھٹکتا رہوں گا۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ گاڑی کا انجن ہچکولے لینے لگا۔ میری نظریں بے اختیار فیول بتانے والے ڈائل کی طرف اٹھ گئیں اور میں کانپ کر رہ گیا۔ سوئی زیرو پر ساکت ہو چکی تھی۔ ٹینک میں پیٹرول ختم ہو چکا تھا۔ گاڑی اس وقت ڈھلان پر جارہی تھی۔ میں نے انجن بند کردیا۔ یہ ڈھلان کافی دور تک چلی گئی تھی۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی خود بخود رک گئی۔ اتفاق سے جس جگہ گاڑی رکی تھی وہاں سامنے ہی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں، کچھ بلندی سے گرتا ہوا پانی کا جھرنا دکھائی دے رہا تھا۔

میں چند لمحے سیٹ پر بیٹھا رہا اور پھر نیچے اتر کر متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ جگہ آبادی سے نجانے کتنی دور تھی۔ میں اکیلا ہوتا تو کسی نہ کسی طرف جاسکتا تھا لیکن میرے ساتھ سمبا تھا جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کے لیے چلنا تو کیا، اپنے پیروں پر کھڑے ہونا بھی مشکل تھا۔

میں کچھ دیر تک کھڑا ویرانے میں چاروں طرف دیکھتا رہا پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر سمبا پر جھک گیا۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ میں نے گاڑی کی چھت کی بتی جلادی۔

سمبا کے چہرے پر زردی کھنڈ رہی تھی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں سی جمی ہوئی تھیں۔

"کیسے ہو سمبا؟" میں نے پوچھا۔

سمبا نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے پپڑیوں زدہ ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"میرے لیے تم نے بلاوجہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے۔ مجھے چھوڑ دو اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔" اس نے رک رک کر جواب دیا۔

"میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہوں سمبا۔" میں نے کہا "ہم ان درندوں کی پہنچ سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن گاڑی میں پیٹرول ختم ہوگیا ہے۔ اب ہمیں دن طلوع ہونے تک یہیں رہنا پڑے گا تاکہ پتا چل سکے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ مجھے صرف تمہاری پریشانی ہے۔ تمہیں جلد سے جلد طبی امداد ملنا بہت ضروری ہے۔"

"اسی لیے تو کہتا ہوں کہ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ ان پہاڑوں میں طبی امداد کہاں۔ میرے بچنے کی کوئی امید نہیں۔" سمبا نے کہا۔

"میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا سمبا۔" میں نے کہا "مجھے اپنے خدا پر پورا بھروسا ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور مل جائے گا۔ ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے پانی لے کر آتا ہوں۔ مجھے بھی پیاس لگ رہی ہے۔"

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور آخری سیٹ کی پچھلی طرف جہاں ڈکی کے طور پر استعمال ہونے والی تھوڑی سی جگہ تھی، کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس میں پانی لایا جاسکے اور پھر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس جگہ کچھ اور چیزوں کے علاوہ پیٹرول کے دو کین بھی پڑے ہوئے تھے اور دونوں مہر بند تھے۔ وہ قدیم حویلی بھی کسی آبادی سے یقیناً بہت دور تھی۔ انہوں نے اس طرف آمدورفت کے لیے فاضل پیٹرول کا بندوبست بھی کر رکھا تھا۔ اے۔ فاضل ٹائر، ایک رسا اور چند اور چیزوں کے علاوہ شراب کی ایک بوتل بھی پڑی تھی۔

میں بوتل اٹھا کر جھرنے پر آگیا۔ پہلے خود پانی پیا اور پھر بوتل دھو کر اس میں پانی بھر لیا اور گاڑی میں آگیا۔

سمبا دو تین گھونٹ سے زیادہ نہیں پی سکا تھا۔ میں نے بوتل اس کے قریب ہی رکھ دی اور نیچے اتر کر ٹینک میں پیٹرول ڈالنے لگا۔

اور اس کے چند منٹ بعد ہماری گاڑی ایک بار پھر پہاڑوں میں گھوم رہی تھی۔ میرا تعاقب کرنے والے نجانے کہاں رہ گئے تھے لیکن اس بات کا اندیشہ بہرحال موجود تھا کہ ان پہاڑی راستوں کی بھول بھلیوں میں ان سے سامنا نہ ہوجائے۔ گاڑی میں دس گیلن مزید پیٹرول ڈالا گیا تھا اور یہ پیٹرول ختم ہونے سے پہلے پہلے کسی ایسی جگہ پہنچنا ضروری تھا جہاں ہمیں پناہ مل سکے اور سمبا کی مرہم پٹی ہوسکے۔

دو گھنٹے اور گزر گئے۔ پہاڑوں میں کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دیے تھے۔ کم از کم تین مقامات پر مجھے راستہ بند ملا تھا اور گاڑی کو واپس موڑنا پڑا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ پیٹرول ختم ہوگیا۔ گاڑی رک گئی۔ میں انجن بند کرکے پچھلی سیٹ پر آگیا۔ بوتل اٹھا کر پہلے سمبا کو پانی پلایا اور ایک دو گھونٹ خود بھی بھرے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ صبح ہونے کا انتظار کیا جاتا۔ آنے والی صبح کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ہمارے لیے اس کے دامن میں کیا تھا۔ میں سمبا سے پچھلی سیٹ پر نیم دراز ہوگیا۔ میرا جسم بھی بری طرح دکھ رہا تھا۔ حویلی کے قید خانے میں ان کم بختوں نے دل کھول کر

میری دھنائی کی تھی اور اب ان چوٹوں میں تکلیف شروع ہوگئی تھی۔

میں سیٹ پر نیم دراز سمبا سے باتیں کرتا رہا اور پھر میرے دماغ پر بھی غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں اور میں کوشش کے باوجود آنکھیں کھلی رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

تیز روشنی سے میری آنکھ کھل گئی۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں براہِ راست میرے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے میں نے دوسری سیٹ پر جھک کر سمبا کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سینے کا ہلکا سا زیر و بم اس میں زندگی کا پتا دے رہا تھا۔ وہ سو رہا تھا یا بے ہوش تھا، میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ بوتل اٹھا کر پانی کے ایک دو گھونٹ پیے اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

ہماری گاڑی چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان ایک کشادہ جگہ پر کھڑی تھی اور اس سے آگے گاڑی لے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر پیٹرول نہ بھی ختم ہوتا تو مجھے یہاں سے گاڑی واپس لے جانا پڑتی۔

میں چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سے راستے میں داخل ہوگیا۔ دوسری طرف کھلی جگہ پر نکلتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ نشیب میں دریا بہہ رہا تھا جس کی دوسری طرف بہت دور تک ایک سرسبز و شاداب وادی پھیلی ہوئی تھی اور میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ دریا کے کنارے ٹیلا نما ایک اونچی جگہ پر پگوڈا قسم کی ایک عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ اس عمارت کے پیچھے ایک چٹان تھی جو کافی بلندی تک چلی گئی تھی۔

میں غور سے اس طرف دیکھتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ یہ بھی کوئی ویران عمارت تھی لیکن چند لمحوں بعد ہی ایک انسانی ہیولا اس عمارت سے نکل کر دوسری طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ ہیولا میں اسی لیے کہوں گا کہ مجھے اس کا چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ صرف زرد لباس کی جھلک دکھائی دی تھی۔ چند سیکنڈ بعد وہ ہیولا بھی دوسری طرف ڈھلان پر غائب ہوگیا۔

زرد لباس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کوئی بدھ بھکشو تھا۔ میں کافی دیر تک وہاں کھڑا دیکھتا رہا لیکن اور کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا۔ وہاں اگرچہ ہمارے لیے خطرہ بھی ہوسکتا تھا لیکن میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں چٹان کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر گھوم کر نیچے اترنے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ بالآخر تقریباً پچاس گز آگے مجھے ایک تنگ سا راستہ نظر آگیا۔ یہ دراصل ایک کٹاؤ سا تھا جو پانی کے بہاؤ سے بن گیا تھا لیکن اس راستے پر آسانی سے اترا جاسکتا تھا۔

میں گاڑی کے پاس واپس آگیا۔ سمبا بھی جاگ چکا تھا۔ میں نے اسے اس پگوڈا کے بارے میں بتایا اور پانی کی بوتل اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگادی۔ ایک دو گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے بوتل ہٹادی۔

میں نے سمبا کو سہارا دے کر سیٹ سے اٹھایا اور کندھے پر لاد کر چٹانوں کے درمیان اس تنگ سے راستے کی طرف چلنے لگا۔

چٹان سے اتر کر دریا کے کنارے پر چلتے ہوئے اونچی جگہ پر واقع اس پگوڈا تک پہنچنے میں آدھا گھنٹا لگ گیا۔ وہ کوئی بہت قدیم بدھ عبادت گاہ تھی۔ عمارت کے بعض حصے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے تھے مگر اس کی حالت ایسی زیادہ خستہ بھی نہیں تھی۔

میں عبادت گاہ کے سامنے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ میری زیادہ توجہ اس طرف تھی جہاں زرد لباس والے اس آدمی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس طرف درختوں کی بھی بہتات تھی۔ ڈھلان کے اختتام پر ایک چھوٹا سا گھاٹ بنا ہوا تھا جہاں ایک چھوٹی کشتی بھی موجود تھی لیکن وہ آدمی کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ آدمی کہاں غائب ہوگیا تھا۔ کشتی کے آس پاس دریا میں بھی کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کوئی ہے۔ یہاں کوئی ہے؟" میں نے عبادت گاہ کی طرف رخ کرکے پکارا لیکن نہ تو کوئی جواب ملا اور نہ ہی کوئی سامنے آیا۔

میں نے سمبا کو کندھے سے اتار کر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ اس کی ٹانگیں آگے کو پھیلا دیں۔ اس کے دونوں پیر پھول کر کپا بنے ہوئے تھے اور ہاتھوں کی بھی یہی صورت حال تھی۔ اس کے سینے پر بھی چھوٹے چھوٹے کئی زخم تھے اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اب تک زندہ کیسے تھا۔

"میں نے ایک آدمی کو ادھر دریا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" میں نے کہا "تم یہاں بیٹھے رہو۔ میں اسے تلاش کرکے لاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ ہماری کچھ مدد کرسکے۔"

سمبا نے سر ہلا دیا اور میں ڈھلان پر دریا کی طرف اترنے لگا۔ یہ بھی دراصل ایک سنگلاخ چٹان ہی تھی جو دور سے دیکھنے پر ریت کا ٹیلا لگتی تھی۔ اس میں لاتعداد چھوٹی چھوٹی

دراڑیں تھیں جہاں جھاڑیاں اور گھاس اگی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں درخت بھی تھے۔ البتہ دریا والی ڈھلان کی طرف درخت زیادہ تھے۔

وہ چھوٹا سا گھاٹ بھی چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ جہاں پانچ چھ چھوٹی کشتیاں کھڑی کی جاسکتی تھیں تاہم دریا کے کنارے کے ساتھ دور تک وہ چٹان اس طرح کٹی ہوئی تھی کہ ایک طویل پلیٹ فارم سا بن گیا تھا۔

میں گھاٹ پر کشتی کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن وہ آدمی مجھے کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ مجھے حیرت تھی، وہ کہاں غائب ہوگیا۔ ایک لمحے کو تو مجھے یہ بھی خیال آیا تھا کہ کہیں وہ میرا واہمہ تو نہیں تھا!

میں واپس لوٹ رہا تھا کہ اوپر سے ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر چونک گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کوئی عورت تھی جو چیخ چیخ کر کسی کو پکار رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اوپر آگیا اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔

سمبا کے قریب ایک نوجوان لڑکی کھڑی عبادت گاہ کی طرف رخ کیے چیخ چیخ کر کسی کو پکار رہی تھی۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک چادر لپیٹ رکھی تھی۔ اس کی پشت برہنہ تھی اور لمبے سیاہ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

میں تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی لمحے عبادت گاہ کے برآمدے میں ایک اور عورت برآمد ہوئی۔ اس نے بھی نیلے رنگ کی چادر ساڑی کی طرح لپیٹ رکھی تھی لیکن جسم کا بیشتر حصہ برہنہ تھا۔ وہ اگرچہ ادھیڑ عمر تھی لیکن خاصی حسین لگ رہی تھی۔ اس نے چیخ کر سمبا کے قریب کھڑی ہوئی لڑکی سے کچھ کہا اور ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ بھی کیا تھا۔

وہ لڑکی تیزی سے گھوم گئی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے۔ میرے اور اس لڑکی کے بیچ آٹھ دس فٹ کا فاصلہ تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے بھی ذہنی طور پر ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اس کی عمر اٹھارہ انیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چہرے کے نقوش اگرچہ تبتی عورتوں جیسے تھے لیکن آنکھیں ہرنی کی طرح موٹی اور سیاہ تھیں۔ نیلی چادر اس نے بھی اگرچہ ساڑی کی طرح لپیٹ رکھی تھی لیکن سینہ پوری طرح نہیں ڈھک پایا تھا۔

وہ چند لمحے وحشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر وحشت زدہ ہرنی ہی کی طرح عبادت گاہ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی اور برآمدے میں کھڑی ہوئی عورت سے لپٹ کر چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگی۔ وہ سمبا کی طرف ہاتھ سے بار بار اشارے بھی کر رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف چلنے لگا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کو بڑھا رکھے تھے تاکہ وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوسکیں۔

وہ دونوں اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ قریب پہنچ کر میں نے باری باری ان کا جائزہ لیا۔ ان دونوں کے چہروں میں بڑی مشابہت تھی اور میں دعوے سے کہہ سکتا تھا ان میں ماں بیٹی کا رشتہ تھا۔ میں ہندی زبان میں ادھیڑ عمر کی عورت کو بتانے لگا کہ میرا ساتھی زخمی ہے اور ہمیں ان لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔

ان کی زبان اگرچہ تبتی تھی لیکن وہ عورت تھوڑی بہت ہندی بھی سمجھتی تھی۔ وہ دونوں میرے ساتھ سمبا کے قریب آگئیں۔ سمبا کی حالت دیکھ کر وہ ادھیڑ عمر عورت بھی کانپ اٹھی تھی۔ اس نے لڑکی سے کچھ کہا اور لڑکی دریا کی طرف ڈھلان پر دوڑتی چلی گئی جس طرف سے میں اوپر آیا تھا۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے اندر لے چلو۔" ادھیڑ عمر عورت نے تبتی اور ہندی کے ملے جلے الفاظ میں کہا۔

میں نے جھک کر سمبا کو کندھے پر لاد لیا اور اس عورت کے پیچھے چلتا ہوا عبادت گاہ میں داخل ہوگیا۔

دور سے یہ عمارت چھوٹی لگتی تھی لیکن اچھی خاصی بڑی تھی۔ ہال بہت وسیع تھا۔ وسط میں ایک چبوترے پر مہاتما بدھ کا سرخ پتھر سے تراشا ہوا تقریباً تین فٹ اونچا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ فاسٹنگ بدھا (فاقہ زدہ بدھا) کا یہ مجسمہ بڑی مہارت سے تراشا گیا تھا۔ پیٹ اندر کو دھنسا ہوا تھا اور پسلیاں بڑی آسانی سے گنی جاسکتی تھیں۔

وہ عورت ہال کی دائیں طرف ایک کشادہ راہداری میں مڑ گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ایک اور راہداری میں گھوم کر وہ ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس کمرے کا دروازہ محرابی تھا لیکن اس میں کوئی پٹ وغیرہ نہیں تھا۔ فرش پر ایک طرف یاک کی کھال کا بستر بچھا ہوا تھا اور کچھ اور چیزیں بھی نظر آرہی تھیں۔ پچھلی طرف ایک کھڑکی بھی تھی جس سے روشنی اندر آرہی تھی۔

اس عورت نے اشارہ کیا تو میں نے سمبا کو بڑی احتیاط سے یاک کی کھال کے بستر پر لٹا دیا اور پھر وہ عورت مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ انسان کو کسی بھی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سمبا کے خون آلود بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "خدا نے ہماری فریاد سن لی۔ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

جواب میں سمبا نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کمرا خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دو دیواروں کے ساتھ ایک رسی بندھی ہوئی تھی جس پر چند کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہوگیا۔ اس کھڑکی میں بھی کوئی چوکھٹ یا پٹ وغیرہ نہیں تھا۔ بس دیوار میں کھڑکی کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔

کھڑکی سے باہر دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ یہ کمرا عبادت گاہ کی عمارت کے پہلو میں آخر میں واقع تھا۔ عمارت کے ساتھ بالکل عمودی ڈھلان تھی جس کے اختتام پر ایک مختصر سی وادی پھیلی ہوئی تھی جس میں کچھ مویشی چرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اور دو افراد تیز تیز چلتے ہوئے دائیں طرف جارہے تھے۔ ان میں ایک تو نیلی چادر والی وہی لڑکی تھی جو ہمیں دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی تھی اور دوسرا زرد چادر والا وہ آدمی تھا جسے میں نے سب سے پہلے چٹان پر سے دیکھا تھا اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔

وہ دونوں کچھ دیر تک جھاڑیوں میں نظر آتے رہے پھر ایک چٹان کے پیچھے نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ میں کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر دیکھتا رہا اور پھر آہٹ سن کر پیچھے مڑ گیا۔ وہ عورت ایلومینیم کے دو گلاس اٹھائے کمرے میں داخل ہورہی تھی۔ میں کھڑکی سے ہٹ کر اس کے قریب آگیا۔

عورت سمبا کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں گلاس فرش پر رکھ دیے۔ ان میں دودھ تھا۔ میں بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے کل صبح ناشتے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ گلاسوں میں دودھ دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ سمبا نے بھی نجانے کب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

میں نے سمبا کو سہارا دے کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے ایک گلاس اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ آدھا دودھ پی کر اس نے گلاس ہٹا دیا لیکن میں نے زبردستی اسے پورا دودھ پلا دیا۔ اسے بستر پر لٹا کر میں نے دوسرا گلاس اٹھالیا۔

میں نے گلاس خالی کرکے فرش پر رکھا ہی تھا کہ وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی کی آنکھوں میں اس وقت بھی وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

وہ شخص درمیانے قد اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ سر گنجا اور چہرہ کلین شیو تھا۔ گلے میں سرخ پتھر کے موتیوں والی ایک مالا بھی تھی۔ وہ بھکشو تھا اور یقیناً نیلے لباس والی لڑکی کا باپ اور اس ادھیڑ عمر عورت کا شوہر تھا۔ وہ ہمارے قریب فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے سمبا کے چہرے کے نقوش سے غالباً اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بھی اسی کے قبیل کا ہے۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔

سمبا تبتی زبان میں اسے کچھ بتاتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سمبا نے بھکشو کو کیا کہانی سنائی تھی۔ وہ جب خاموش ہوا تو بھکشو نے قریب کھڑی ہوئی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ فوراً ہی کمرے سے نکل گئی۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بوتل تھی جس میں میلے سے رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا اور ایک چوڑے منہ والی بوتل تھی جس میں ہرے رنگ کی کریم تھی۔ بھکشو نے لڑکی سے مزید کچھ کہا اور لڑکی نے ٹانگوں کے قریب اپنی چادر اوپر اٹھا کر بالشت بھر چوڑا ایک ٹکڑا پھاڑ کر بھکشو کی طرف بڑھا دیا۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اگر چاہتی تو کسی اور کپڑے سے بھی اتنا سا ٹکڑا پھاڑ سکتی تھی لیکن یہ شاید اس کا ہمدردی کا جذبہ تھا کہ اس نے اپنے جسم کا لباس پھاڑ دیا تھا۔

بھکشو نے بالشت بھر کپڑے سے کئی ٹکڑے پھاڑ لیے اور سیال والی بوتل کھول کر ایک ٹکڑا اس میں تر کرکے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے سمبا کا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔ بھکشو سیال میں بھیگے ہوئے ٹکڑے سے اس کے انگوٹھے کا زخم صاف کرنے لگا۔ سمبا بری طرح چیخ اٹھا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن میں نے اسے مضبوطی سے گرفت میں لے رکھا تھا۔

وہ کوئی بہت ہی تیز قسم کا کنجکر نما سیال تھا جس سے سمبا کے زخم صاف کیے جارہے تھے اور سمبا بری طرح تڑپ اٹھا تھا۔ تاہم زخم صاف کرنے کے بعد ہرے رنگ کا مرہم لگایا گیا تو وہ بتدریج پرسکون ہوتا چلا گیا۔

دونوں ماں بیٹیاں چیزیں سمیٹ کر وہاں سے جاچکی تھیں۔ بھکشو ہمارے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

وہ تھونچی تھا اور کئی سال سے اپنی بیوی بھیرجانی اور بیٹی دھنو کے ساتھ اس پگوڈا میں رہائش پذیر تھا۔ وہ بھکشو نہیں تھا لیکن طویل عرصے سے اس عبادت گاہ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔

یہ عبادت گاہ کئی سو سال پرانی تھی۔ پہلے اس طرف تجارتی قافلوں کی باقاعدہ گزرگاہ ہوا کرتی تھی اور یہ عبادت گاہ بھی آباد تھی لیکن پھر اچانک ہی بلندی پر بہنے والے دریا نے اپنا رخ بدل لیا اور پہاڑی کے دامن میں آباد چھوٹی سی بستی کو بھی بہا لے گیا۔ اس کے بعد یہ عبادت گاہ ویران

ہوگئی۔

تھونچی کے کہنے کے مطابق ہر سال جولائی کے وسط میں یہاں ایک میلا لگتا تھا۔ لوگ دور دور سے مہاتما بدھ کے اس مجسمے کے درشن کے لیے آتے تھے جو اس عبادت گاہ کے پیچھے والی چٹان کے اندر چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ میلے کے دنوں میں یہاں چند روز کے لیے رونق ہوجاتی تھی اور کچھ آمدنی بھی ہوجاتی تھی۔

تھونچی کے کہنے کے مطابق وہ تقریباً پندرہ سال پہلے بھیرا گندہ نامی شہر سے بھاگ کر کھٹمنڈو آیا تھا۔ وہ ایک کسان تھا اور بھیرہ گندا میں ایک جاگیردار کے پاس ملازم تھا۔ ایک روز جاگیردار نے اس کی خوب صورت بیوی کو دیکھ لیا اور اسے حکم دیا کہ اگلے روز وہ اپنی بیوی کو اس کی حویلی بھیج دے۔

جاگیردار بہت سنگ دل اور عیاش آدمی تھا۔ اس کے علاقے کی کوئی حسین عورت اس کی دسترس سے محفوظ نہیں تھی۔ وہ اراضی کی طرح حسین عورتوں کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔

تھونچی جانتا تھا کہ اس کی بیوی ایک مرتبہ جاگیردار کی حویلی چلی گئی تو اس وقت تک اسے باہر نہیں نکلنے نہیں دیا جائے گا جب تک جاگیردار کو کوئی دوسری عورت پسند نہیں آجاتی۔

تھونچی کی بیٹی دھنو کی عمر اس وقت صرف چھ سال تھی۔ وہ اسی رات اپنی بیوی بھیرجانی اور بیٹی کو لے کر بھیرہ گندا سے بھاگ کھڑا ہوا اور کھٹمنڈو پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کھٹمنڈو ایک بڑا شہر تھا اور یہاں اسے تلاش نہیں کیا جاسکے گا لیکن چند ہی روز بعد اس نے جاگیردار کے دو آدمیوں کو بازار میں دیکھ لیا۔

ان دنوں شہر سے تقریباً تیس میل دور بدھ نیل کنڈ نامی اس عبادت گاہ پر میلا لگا ہوا تھا۔ تھونچی اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر یہاں آگیا۔

میلا ختم ہوگیا۔ لوگ واپس جارہے تھے لیکن تھونچی اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ دریا کے کنارے ایک چھولداری میں ٹھہرا رہا۔ عبادت گاہ کے بوڑھے بھکشو نے انہیں دیکھا تو عبادت گاہ میں لے آیا۔ تھونچی نے اسے اپنی کہانی کہہ سنائی۔ بھکشو نے انہیں عبادت گاہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔

چند مہینوں بعد بھکشو بیمار ہوگیا۔ تھونچی اور بھیرجانی نے اس کی بہت خدمت کی لیکن وہ جانبر نہ ہوسکا۔ بھکشو کے انتقال کے بعد یہ عبادت گاہ تھونچی نے سنبھال لی۔ میلے میں اتنی آمدنی ہوجاتی تھی کہ سال بھر بڑی سہولت سے گزار ہوسکتا تھا لیکن تھونچی نے وقت گزارنے کے لیے دریا کے کنارے چٹان کی دوسری طرف تھوڑی سی زمین پر کھیتی باڑی شروع کردی اور کچھ مویشی بھی پال لیے۔

بدھ نیل کنڈ کی یہ عبادت گاہ بھاگ متی کی طرف جانے والی سڑک سے تقریباً پانچ میل ہٹ کر تھی اور اس طرف عام لوگوں کی آمدورفت نہیں تھی۔ تھونچی سودا سلف لینے کے لیے مہینے میں ایک بار شہر جاتا تھا۔ اس نے ایک کشتی بھی بنالی تھی۔ پانچ میل کا یہ فاصلہ وہ اس کشتی پر دریا میں طے کرتا۔ ہائی وے کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تھی جہاں سے شہر آمدورفت کے لیے بس مل جاتی تھی۔

تھونچی کو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ یہاں رہتے ہوئے گیارہ بارہ سال ہوچکے تھے۔ اس کی بیوی بھیرجانی بوڑھی اور بیٹی دھنو جوان ہوچکی تھی۔ یہاں آنے کے بعد دھنو اور بھیرجانی دو چار مرتبہ ہی شہر گئی تھیں۔ دھنو اپنی ماں ہی کی طرح حسین تھی اور تھونچی نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھی برے لوگوں کی نظروں میں آجائے۔

تھونچی پہلے تو مجھ سے بھی بدکا ہوا سا رہا لیکن جب میں نے بتایا کہ ہم بھی اپنے دشمنوں سے بچتے پھر رہے ہیں تو وہ ہمیں یہاں اس وقت تک پناہ دینے کو تیار ہوگیا تھا جب تک سمبا چلنے کے قابل نہ ہوجاتا لیکن اس ایک دن بلکہ چند گھنٹوں ہی میں نہ صرف تھونچی بلکہ اس کی بیوی اور بیٹی بھی مجھ سے بے تکلف ہوچکی تھی۔

بھیرجانی کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس کے بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی تھی لیکن وہ اب بھی بے حد حسین تھی۔ دھنو کو اس کی جوانی کی تصویر کہا جاسکتا تھا۔

صبح سمبا کی مرہم پٹی کے بعد بھیرجانی نے ہمیں نگڑا سا ناشتا بھی کرایا تھا۔ جوار کی روٹی، پہاڑی بکرے (کیپری کورن) کا تلا ہوا گوشت اور چائے۔ گوشت وہ سکھا کر رکھ لیتے تھے جسے ضرورت کے مطابق مختلف طریقوں سے کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد سمبا سوگیا تھا۔ میں اور تھونچی کچھ دیر اس کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے اور پھر ہم دونوں عبادت گاہ سے نکل کر دریا کے کنارے کھیتوں کی طرف آگئے۔ تین چار کھیت تھے جن میں جوار اور سبزیاں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ عبادت گاہ کے پچھلی طرف والی گھاٹی مویشیوں کے لیے مخصوص تھی۔ کانٹے دار تاروں کی باڑ لگا کر اس گھاٹی کو محصور کردیا گیا تھا۔ مویشی دن بھر وہاں چرتے رہتے۔ یہ گھاٹی ہی ان مویشیوں کا باڑا بھی تھی۔

شام کو جب میں تھونچی کے ساتھ عبادت گاہ واپس آیا تو سمبا اس کمرے میں نہیں تھا جہاں صبح اسے لٹایا گیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں تھا اور دھنو اس کے پاس بیٹھی باتیں کررہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ شاید مجھے بتایا کہ دونوں ماں بیٹیاں اسے اٹھا کر یہاں لائی تھیں۔ اسی کمرے میں میرے لیے بھی الگ بستر بچھا ہوا تھا۔

رات کا کھانا ہم نے سمبا کے پاس بیٹھ کر کھایا اور اس کے تھوڑی دیر بعد تھونچی مجھے عبادت گاہ دکھانے کے لیے لے گیا۔ عبادت گاہ کا بیرونی حصہ تو وہ تھا جہاں فاسٹنگ بدھا کا مجسمہ تھا۔ اس عبادت گاہ کا پچھلا حصہ چٹان سے ملا ہوا تھا۔

باہر سے ٹھوس اور سنگلاخ نظر آنے والی یہ چٹان اندر سے کھلی تھی۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ہال کی دوسری طرف ایک تنگ سی راہداری سے تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی میں وحشت زدہ سا ہو کر رہ گیا۔ یہ غار یا ہال پچاس ساٹھ فٹ لمبا اور غالباً اتنا ہی چوڑا تھا۔ اس کے عین وسط میں بدھ نیل کنڈ کا وہ مجسمہ تھا جو ایک چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ یہ چٹان تقریباً تیس فٹ اونچی تھی اور اس کا گھیر بھی پندرہ فٹ سے کم نہیں تھا۔

میں نے تھونچی کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور اسے اوپر اٹھا کر غور سے مجسمے کو دیکھنے لگا۔ اس مجسمے کو سنگ تراشی کا ایک نادر شاہکار کہا جاسکتا تھا۔

مجھے حیرت تو اس چٹان پر تھی جس سے مجسمہ تراشا گیا تھا۔ اسے باہر سے اندر لانا تو ممکن نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے یہ چٹان غار کے اندر قدرتی طور پر اسی جگہ موجود ہو۔ غار کی دیواروں پر بھی انسانی ہاتھوں کو صناعی کا دخل نظر آرہا تھا۔

اس بلند قامت مجسمے کو دیکھ کر عجیب سی وحشت طاری ہورہی تھی۔ غار کی دیواروں پر بھی جگہ جگہ پتھر تراش کر مجسمے ابھارے گئے تھے۔

تھونچی نے میرے ہاتھ سے مشعل لے لی اور اشارہ کرتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ غار کے آخر میں ایک تنگ سی راہداری تھی جس میں دو آدمی بازو بہ پہلو چل سکتے تھے اور تقریباً دس گز آگے چٹان کے اندر راہداریوں کا گویا جال سا بچھا ہوا تھا۔ کوئی اجنبی ان بھول بھلیوں میں داخل ہو کر واپس نہیں آسکتا تھا۔

واپس آتے ہوئے ہم پھر بدھا کے عظیم القامت مجسمے کے پاس رک گئے۔

"بھکشو اپنی زندگی میں کئی بار مجھے ان راہداریوں میں لاچکا ہے۔ ان راہداریوں میں کچھ ایسے راز پوشیدہ ہیں جو میں تمہیں بعد میں کسی وقت بتاؤں گا۔ اس وقت میں تمہیں ایک ایسے راز سے آگاہ کررہا ہوں جو بھکشو نے اپنی موت سے دو دن پہلے مجھے بتایا تھا۔" تھونچی نے کہا اور پھر میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ مشعل کی تھرکتی ہوئی روشنی میں اس کا چہرہ اس وقت بہت ہی پراسرار لگ رہا تھا "تم صبح سے ہمارے ساتھ ہو۔ مجھے یقین آگیا ہے کہ تم ایک شریف النفس انسان ہو اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ میں جو راز تمہیں بتانے جارہا ہوں وہ تمہارے سینے تک ہی محدود رہے گا۔"

"ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

تھونچی مشعل کی روشنی میں بدھا کے مجسمے کے پچھلے حصے کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس نے نیچے جھک کر مجسمے کے بائیں پیر کی ایڑی کی جگہ پتھر کو دبا دیا پھر یہی حرکت دوسرے پیر کے ساتھ بھی کی اور وہ جیسے ہی سیدھا ہوا' میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

مجسمے کے دونوں پیروں کے درمیان تقریباً چار فٹ کا فاصلہ تھا اور یہ جگہ بھی ٹھوس چٹانی پتھر پر مشتمل تھی لیکن اب وہاں اتنی چوڑی کھڑکی نظر آرہی تھی جس سے ایک آدمی آسانی سے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ پتھر کے دونوں حصے سلائیڈنگ ڈور کی طرح دائیں بائیں سرک گئے تھے۔

تھونچی اس کھڑکی میں داخل ہوگیا اور مجھے بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوا تو مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ بدھا کا مجسمہ بھی اندر سے کھوکھلا تھا اور اتنی جگہ تھی کہ تین چار آدمی ساتھ مل کر آسانی سے کھڑے ہوسکتے تھے جبکہ دائیں طرف نیچے اترنے کے لیے تنگ سی سیڑھیاں تھیں۔

تھونچی نے مجسمے کے اندر لگا ہوا ایک آہنی ہک کھینچ دیا۔ وہ کھڑکی بند ہوگئی جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے۔ باہر کھڑا ہوا کوئی شخص تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ پتھر کے اس مجسمے کے اندر دو زندہ انسان موجود ہیں۔

بارہ سیڑھیاں اتر کر ہم تہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہ سیڑھیاں سیدھی نہیں تھیں۔ بیچ میں ایک موڑ تھا۔ موڑ گھومنے کے بعد آخری سیڑھی سے جیسے ہی نیچے قدم رکھا' میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔

یہ بھی بہت بڑا ہال بلکہ غار تھا۔ سیڑھیوں سے چند قدم آگے مہاتما بدھ کا کوئی دس فٹ اونچا مجسمہ تھا جو مشعل کی روشنی میں سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ تھونچی نے بتایا کہ یہ

مجسمہ ٹھوس سونے کا تھا۔ غار کی دیواروں پر بھی کہیں کہیں چمک نظر آرہی تھی۔

ہم غار میں دائیں طرف ایک تنگ سی سرنگ میں مڑ گئے۔ تقریباً بیس فٹ آگے جاکر یہ سرنگ اس قدر تنگ ہوگئی کہ جھک کر چلنا پڑ رہا تھا اور جیسے ہی ہم سرنگ کی دوسری طرف کھلی جگہ پر رکے، مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یہ خاصا بڑا غار تھا اور اس کی دیواریں مشعل کی روشنی میں جگمگا رہی تھیں۔

"یہ ہے وہ راز جو اس عبادت گاہ کے بھکشو نے مرنے سے پہلے مجھے بتایا تھا۔" تھونچی نے کہا۔ وہ غار کے وسط میں رک گیا اور مشعل کی روشنی میں چاروں طرف اشارے کرنے لگا۔

میری حالت واقعی بہت غیر ہو رہی تھی۔ میں نے زندگی میں بہت دولت دیکھی تھی۔ تھائی لینڈ میں بھی اور ہندوستان کے مندروں میں بھی لیکن سونے کا پہاڑ! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے کوئی ایسی چیز دیکھنے کو ملے گی۔ سونے کی چمک سے میری آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔

میں نے تھونچی کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور گھوم پھر کر چمکتی ہوئی چٹانوں کو دیکھنے لگا۔ زمین پر بھی سونے کے لاتعداد چھوٹے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ٹکڑا اٹھا کر دیکھا۔ دیواروں کو بھی چھو کر دیکھا۔ وہ سونا ہی تھا۔ اس میں پتھر کی آمیزش بہت کم تھی۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اگر یہ سونا مارکیٹ میں لے آیا جائے تو دنیا میں طوفان آجائے۔ نیپال دنیا کا امیر ترین ملک بن جائے اور اگر لوگوں کو پتا چل جائے کہ اس عبادت گاہ کے پیچھے سونے کا پہاڑ ہے تو شاید اس چٹان کے دامن میں بہنے والے دریا میں پانی کے بجائے انسانوں کا خون بہنے لگے۔

میں مشعل ہاتھ میں لیے چاروں طرف گھومتا رہا۔ بہت بڑا غار تھا اور چھت بھی زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ دو تین اطراف میں سرنگیں بھی تھیں اور ان سرنگوں کی ناہموار دیواریں بھی سونے ہی کی تھیں۔

"آؤ۔ اب واپس چلیں۔" تھونچی نے یہ کہتے ہوئے میرے ہاتھ سے مشعل لے لی۔

ہم اس غار سے نکل کر دوسرے حصے میں آگئے جہاں مہاتما بدھ کا سونے کا مجسمہ استادہ تھا۔

"سونے کا یہ پہاڑ صدیوں پہلے دریافت ہوا تھا اور بدھا کا یہ مجسمہ بھی اسی زمانے میں بنایا گیا تھا۔" تھونچی نے سونے کے مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آخری دو ہزار سال میں بھکشو نے مجھے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ یہ راز سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ بدھ کے پیروکار بہت صلح جو اور امن پسند لوگ ہیں اور اس دھرم کے سیوک (بھکشو) سمجھتے ہیں کہ اگر یہ سونا عام لوگوں کی دسترس میں آجائے تو یہاں خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔ اس سونے کو تم لوگوں کی بھلائی کے لیے نہیں، دنیا کی تباہی و بربادی کے لیے استعمال کیا جائے گا اس لیے اسے آج تک راز ہی رکھا گیا ہے۔ اس عبادت گاہ کا محافظ بھکشو مرنے سے پہلے کسی ایسے آدمی کو اس راز سے آگاہ کر دیتا ہے جو قابلِ اعتماد ہو اور اس راز کو اپنے تک ہی رکھ سکے۔"

"کیا دنیا کا کوئی اور شخص اس راز سے واقف نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہر دور کا دلائی لاما اور اس کے چند بہت قریبی ساتھی اس راز سے واقف ہوتے ہیں۔" تھونچی نے بتایا "تقریباً ساٹھ سال پہلے چند اور لوگوں کو بھی کسی طرح اس راز کا پتا چل گیا تھا۔ انہوں نے اس عبادت گاہ پر قبضہ کرلیا تھا لیکن انہیں یہاں سے سونے کی ایک ڈلی نکالنے کا بھی موقع نہیں مل سکا۔ وہ کسی بات پر آپس ہی میں لڑ کر ختم ہوگئے۔ ان کی لاشیں عبادت گاہ کے باہر والے میدان میں بکھری ہوئی ملی تھیں جنہیں کئی روز تک بھیڑیے کھاتے رہے۔" تھونچی چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں جب یہاں آیا تھا تو اس کے چند مہینوں بعد بھکشو بیمار ہوگیا۔ اس نے مرنے سے پہلے مجھے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس کے انتقال سے چند گھنٹے پہلے دو اور بھکشو یہاں آئے تھے۔ وہ بہت دیر تک بیمار بھکشو سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے اور جب بھکشو کا انتقال ہوگیا تو مہمان بھکشوؤں نے اس کا کریا کرم کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک ہفتے یہاں رہے اور پھر مجھے آشیرباد دے کر چلے گئے۔

"ہر سال میلے پر دو بھکشو یہاں آتے ہیں۔ چند روز رہتے ہیں اور مجھے آشیرباد دے کر چلے جاتے ہیں۔ ہر سال ان بھکشوؤں کا آشیرباد اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ انہیں مجھ پر اعتماد ہے۔ میں بھکشو نہیں ہوں۔ میں تو اپنی بیوی کی عزت اور اپنی جان بچانے کے لیے بھیرہ گنڈا سے بھاگ کر یہاں آیا تھا۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے دنیا کے سب سے بڑے راز کا امین بنا دیا جائے گا۔ اب مجھے اس شخص کا انتظار ہے جس کے سامنے میں اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کرسکوں اور یہاں سے چلا جاؤں۔"

"لیکن۔۔۔ تم نے مجھے اس راز سے آگاہ کیوں کیا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے میں اس راز سے آگاہ ہونے کے بعد تمہارے لیے مشکل بن جاؤں۔ ہو سکتا ہے میں بہت شریف نظر آتا ہوں لیکن میرا کردار بہت برا ہو اور تم نے مجھ پر اعتماد کرکے غلطی کی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں قتل کرکے لاش اس تہ خانے میں پھینک دوں اور۔۔۔"

"تم ایسا نہیں کرسکتے۔" تھونچی نے مسکراتے ہوئے میری بات کاٹ دی "یہ مالا تمہیں کہیں راستے میں پڑی ہوئی نہیں ملی ہوگی۔" اس نے میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا کی طرف اشارہ کیا۔

میں اچھل پڑا۔ اس مالا کی حقیقت کے بارے میں میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

"بارہ سال سے اس عبادت گاہ میں رہتے ہوئے میں نے بھی کچھ حاصل کیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے یہاں ایسی شکتی ملی ہے کہ میں دوسروں کے اندر جھانک سکتا ہوں۔ صبح جب تم سے سامنا ہوا تھا تو تمہارے گلے میں مالا دیکھتے ہی میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا تھا اور میں نے تمہارے اندر بہت دور تک جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ اگر تم پر مجھے ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو تمہارے دوست کی مرہم پٹی کرنے کے بعد ایک پاک تم لوگوں کے حوالے کرتا اور یہاں سے رخصت کر دیتا لیکن یہ مالا کسی دھوکے باز اور بد کردار شخص کو نہیں مل سکتی۔ یہ مالا دو مرتبہ تم سے الگ ہوئی ہے لیکن ہر بار تمہیں واپس مل گئی کیونکہ اس کے حق دار صرف تم ہو۔"

"تمہارے پاس کیا شکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے پیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں۔" تھونچی نے جواب دیا "آؤ۔ اب اوپر چلتے ہیں۔ آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

ہم بدھا کے چٹانی مجسمے سے باہر آگئے۔ اس نے وہ خفیہ راستہ اسی طرح بند کر دیا جس طرح کھولا تھا۔

سمبا کہیں گہری نیند سو رہا تھا۔ ایک کمرے میں بھیرجانی اور دھنو بھی ایک دوسرے سے لپٹی سو رہی تھیں۔ میں اور تھونچی دوسرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ہم آدھی رات تک وہاں بیٹھے رہے۔ تھونچی نے مجھ پر جو کچھ گزرا تھا اور میں نے بھی اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ ہمارے دشمن کون تھے۔

تھونچی کو نیند آنے لگی تو ہم اٹھ کر اندر آگئے۔ میں سمبا کے کمرے میں دوسرے بستر پر لیٹ گیا۔ تھونچی اس کمرے میں چلا گیا تھا جہاں اس کی بیوی اور بیٹی سو رہی تھی۔

میں دیر تک جاگتا رہا اور ناگ پال وغیرہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ قدیم حویلی یہاں سے کتنی دور اور کس طرف تھی۔ گزشتہ رات ہم گاڑی پر پانچ چھ گھنٹوں تک سفر کرتے رہے تھے۔ میں نے تھونچی کو بھی اس حویلی کے بارے میں بتایا تھا لیکن اسے بھی کوئی علم نہیں تھا کہ وہ حویلی کس طرف اور کتنی دور ہو سکتی ہے۔

گزشتہ رات جب ہم حویلی سے فرار ہوئے تھے تو ایک اور گاڑی بھی ہمارے تعاقب میں نکلی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ رات بھر پہاڑوں میں ہمیں تلاش کرتے رہے ہوں اور دن میں بھی ہماری تلاش جاری رہی ہو لیکن اس طرف ابھی تک کوئی نہیں پہنچا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ عبادت گاہ اس حویلی سے بہت دور تھی اور ہمارے لیے محفوظ بھی۔ میں نے اس وقت تک یہاں رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا جب تک سمبا چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

پھر جب مجھے کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجوڑ دیا گیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟" میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے تھونچی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"اٹھو۔ جلدی کرو۔" وہ بولا "تمہارے دشمن یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اپنے دوست کو تہ خانے میں لے چلو۔ جلدی۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے عبادت گاہ میں پہنچ سکتے ہیں۔"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کھڑکی سے باہر دھوپ نظر آرہی تھی۔ بہت چمکیلی اور روشن صبح تھی لیکن یہ وقت نظارہ کرنے کا نہیں تھا۔ میں سمبا کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ جاگ رہا تھا۔

میں نے جھک کر سمبا کو کندھے پر لادا تو وہ کراہ اٹھا۔ اسی وقت بھیرجانی اور دھنو کمرے میں داخل ہوئیں۔ تھونچی نے چیخ کر بیوی سے کچھ کہا اور ہمیں اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ بھیرجانی جلدی جلدی سے ہمارے بستر سمیٹنے لگی۔

دھنو بھی ہمارے ساتھ تھی۔ عبادت گاہ کے پچھلے حصے میں پہنچ کر تھونچی نے بدھا کے مجسمے کے پیچھے پہنچ کر وہ خفیہ راستہ کھولا اور جلتی ہوئی مشعل دھنو کے ہاتھ میں تھما کر اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

"اندر سے راستہ بند کرلو ہمت سنگھ۔" تھونچی نے مجھے

مخاطب کرتے ہوئے کہا "اور خود سے باہر آنے کی کوشش مت کرنا۔ وہ لوگ چلے جائیں گے تو میں خود ہی آکر بتادوں گا۔"

میں نے مجسمے کے اندر آہنی کنڈا کھینچ دیا۔ راستہ بند ہوگیا میں مڑ کر دھنو کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ خفیہ راستے سے وہ بھی پہلی مرتبہ واقف ہوئی تھی۔

"ہم یہاں کھڑے نہیں رہ سکتے۔ نیچے اترو۔" میں نے کہا۔

تہ خانے میں بدھا کا سونے کا مجسمہ دیکھ کر دھنو کے چہرے پر وحشت اور سراسیمگی بڑھ گئی۔ اب مجھے یقین کرلینا پڑا کہ وہ اس تہ خانے میں پہلی مرتبہ آئی تھی۔

"یہ۔ یہ؟" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہکلا کر رہ گئی۔

"تمہارا باپ بہت پہلے سے اس تہ خانے سے واقف تھا۔ اس نے رازداری کے خیال سے تم لوگوں کو نہیں بتایا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کیا اسے ہم پر اعتماد نہیں تھا؟" دھنو کی بھویں تن گئیں۔

"یہ بات نہیں ہے دھنو۔" میں نے کہا "بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اپنے آپ سے بھی چھپانا پڑتا ہے۔ یہ راز اگر تم لوگوں سے چھپایا گیا تھا تو اس کی بھی کوئی وجہ ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے سمبا کو بڑی آہستگی سے دیوار کے قریب فرش پر لٹادیا۔

سونے کا وہ عظیم القامت مجسمہ دیکھ کر سمبا کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے لیٹے لیٹے دونوں ہاتھ مجسمے کے سامنے جوڑ دیے۔

دھنو گھوم پھر کر بدھا کے اس طلائی مجسمے کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس سے مشعل لے کر دیوار کے ایک سوراخ میں پھنسادی کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ٹہلتی ہوئی چٹان کے اس حصے میں چلی جائے جہاں سونے کی کان تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا اور خود بھی سمبا کے قریب دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا "وہ کون لوگ تھے۔ کیا تم نے دیکھا تھا انہیں؟"

"ہاں۔ پہلے میں نے ہی دیکھا تھا۔" دھنو نے میرے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے نشست کا انداز ایسا تھا کہ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا "میں نہانے کے لیے دریا پر گئی تھی۔ دریا کی دوسری طرف پہاڑی پر شور مچانے والی اس مشین کو دیکھا تو واپس بھاگی۔ اس نے شور مچانے والی اس مشین کا جو حلیہ بتایا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کون تھی۔

"میں نے بابا کو بتایا اور بابا ہم لوگوں کو یہاں لے آئے۔"

"کیا پہلے بھی اس طرح لوگ یہاں آتے رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کبھی کبھی۔" دھنو نے اثبات میں سر ہلایا "پہلے دنوں کے علاوہ جب بھی کوئی اس طرف آتا ہے، بابا کچھ اس طرح کہیں نہ کہیں چھپا دیتا ہے۔ پتا نہیں بابا کو کس بات کا خوف ہے؟"

"تمہیں دوسروں کی نظروں سے چھپا کر وہ تمہیں کیا بچانا چاہتا ہے۔" میں نے جواب دیا "تم چیز ہی ایسی ہو کہ تمہیں دیکھ کر کسی کی نیت میں بھی فتور آسکتا ہے۔"

"مجھے کوئی کھا جائے گا کیا؟" اس نے مجھے گھورا۔

"یہی سمجھ لو لیکن تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی۔" میں نے کہا۔

دھنو چند لمحے خاموش رہی پھر سمبا کی طرف جھک کر اس سے باتیں کرنے لگی۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے دو گھنٹے گزر گئے اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ دھنو نے مشعل اٹھالی اور اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ وہ مجسمے کے اطراف میں گھوم پھر کر بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور پھر وہ اس طرف چلی گئی جس طرف جانے سے میں اسے روکنا چاہتا تھا۔ میں اس کی نیت بھانپ کر اس طرف دوڑا تھا۔

دھنو مشعل ہاتھ میں اٹھائے پھٹی پھٹی سی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ۔ یہ کیا ہے؟" اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"اسی راز کی حفاظت کے لیے تمہارا بابا اس عبادت گاہ میں زندگی گزار رہا ہے۔" میں نے کہا "اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم اپنے باپ کے اس راز کو راز ہی رکھو گی۔"

میں دھنو کو ہاتھ سے پکڑ کر واپس لے آیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر سنسنی کے تاثرات تھے۔ اگرچہ بہت سیدھی سادی لڑکی تھی۔ اٹھارہ انیس سال کا ہونے کے باوجود وہ صرف دو چار مرتبہ ہی شہر گئی تھی۔ اس کی زندگی اس عبادت گاہ میں گزری تھی لیکن اس چھوٹی وحات کی قدر و قیمت سے وہ بھی واقف تھی۔

میں دھنو کو باتوں میں لگا کر اس کا دھیان اس طرف

سے ہٹانا چاہتا تھا لیکن یہ کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی جس سے آسانی سے دھیان ہٹایا جاسکے۔ وہ بار بار اسی موضوع پر بات کرنے لگی۔ اسے شاید اس بات کا بھی دکھ تھا کہ اس کے باپ نے کبھی اس راز سے آگاہ نہیں کیا تھا اور ایک اجنبی کو پہلی ہی ملاقات میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تھونچی نے انہیں اس راز سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا۔

ہمیں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا لیکن دھنو اچانک ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں اوپر جاکر دیکھتی ہوں، وہ چلے گئے یا نہیں۔"

"نہیں۔ تم اوپر نہیں جاؤ گی۔" میں نے کہا "تمہارے باپ نے کہا تھا کہ ہم خود سے اس تہ خانے سے باہر نہیں نکلیں گے۔"

"لیکن مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" وہ ٹھنک کر بولی۔

میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ مجھے جانگی یاد آگئی۔ وہ بھی بھوک برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

"اچھا۔" میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "تم یہیں ٹھہرو۔ میں اوپر جاکر دیکھتا ہوں۔ شاید آوازوں سے کوئی اندازہ ہوجائے۔"

میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ دھنو مشعل لیے نیچے کھڑی رہی۔

بدھا کے مجسمے کے پیٹ میں پہنچ کر میں نے دیوار سے کان لگا دیے کہ اگر کوئی اس ہال میں موجود ہو تو شاید کوئی آواز سنائی دے جائے اور پھر ایک جگہ چمک سی دیکھ کر میں چونک گیا۔

وہ بہت چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے باہر کی روشنی نظر آرہی تھی۔ میں نے اس سوراخ سے آنکھ لگا دی اور دوسرے ہی لمحے مجھے چونک جانا پڑا۔

تھونچی کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا تھا۔ اس کا نام میں نہیں جانتا تھا لیکن یہ حویلی تھونچی ان آدمیوں میں شامل تھا جنہوں نے میری دھنائی کی تھی۔

تھونچی کے ہاتھ میں مشعل تھی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ تھونچی کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس کا ایک جبڑا سوجا ہوا تھا اور بائیں آنکھ کے نیچے بھی سیاہ دھبا نظر آرہا تھا۔

میرا خون کھول اٹھا۔ یہ سوچ کر ہی میں کانپ اٹھا تھا کہ انہوں نے بھیرجانی کا کیا حشر کیا ہوگا۔ وہ اگرچہ ادھیڑ عمر تھی لیکن بڑی حسین عورت تھی۔ ان جیسے بھیڑیوں سے یہ توقع تو نہیں کی جاسکتی کہ پوچھ گچھ کے لیے مار پیٹ پر ہی اکتفا کیا ہوگا۔ ایسے لوگ تو عورتوں کو مالِ غنیمت سمجھتے تھے اور بھیرجانی بہرحال ایک خوب صورت عورت تھی۔

وہ لوگ صبح آٹھ نو بجے کے قریب یہاں آئے تھے اور میرے حساب سے اب دوپہر ہونے والی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی پر تشدد کے بعد بھی شاید انہیں یقین نہیں آیا تھا کہ ہم یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ پہلے بھی عبادت گاہ کے اس حصے کی تلاشی لے چکے ہوں لیکن وہ اپنا اطمینان کرلینا چاہتے تھے۔

دس پندرہ منٹ تک باہر مدھم سی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر خاموشی چھاگئی۔ اس سوراخ سے اب روشنی بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ میں بڑی آہستگی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ دھنو نے کچھ پوچھنا چاہا تھا لیکن میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ہم سمبا کے قریب آگئے۔

"وہ لوگ ابھی تک عبادت گاہ میں موجود ہیں۔" میں نے سمبا اور پھر دھنو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "شاید چند گھنٹے یا آنے والی رات بھی ہمیں یہیں گزارنی پڑے۔"

"میں تو بھوک سے مرجاؤں گی۔" دھنو نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "وہ یقیناً شریف لوگ نہیں ہوں گے۔ اگر انہوں نے بابا یا ماں کو کوئی نقصان پہنچایا تو۔۔۔"

دھنو نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میری نظر خود بخود جھک گئی۔ تھونچی کی حالت میں دیکھ چکا تھا لیکن دھنو کو کچھ بتا کر اسے خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میرا یہ اندازہ غلط نکلا کہ ہمیں رات بھی بدھا کے قدموں میں اسی تہ خانے میں گزارنی پڑے گی کیونکہ مزید ایک گھنٹا گزارنے کے بعد تھونچی تہ خانے میں آگیا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر دھنو بے اختیار چیخ اٹھی تھی۔ میں نے بھی اسے قریب سے دیکھا تو ایک لمحے کو تو کانپ کر رہ گیا۔ اس کی بائیں آنکھ تقریباً بند ہو رہی تھی اور جبڑا سوجا ہوا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا تھا۔

"وہ لوگ جاچکے ہیں۔ اب تم لوگ اوپر آسکتے ہو۔" تھونچی نے کہا۔ وہ بمشکل بول پا رہا تھا۔

دھنو اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ باپ کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے ابھر آئے تھے۔ وہ تیز لہجے میں مسلسل کچھ بول رہی تھی اور تھونچی بار بار اس کا کندھا تھپتھپا رہا تھا۔

میں نے سمبا کو کندھے پر لاد لیا اور ہم تہ خانے سے باہر آگئے۔

سمبا کو عبادت گاہ کے اس کمرے میں لٹا دیا گیا جہاں بھیرجانی نے دوبارہ بستر لگا دیے تھے۔ اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی۔ میں سمبا کو لٹا کر دوسرے کمرے میں آیا تو یہاں کا منظر دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر طیش آنے لگا کہ میں بزدلوں کی طرح تہ خانے میں کیوں چھپ گیا تھا۔

بھیرجانی کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔ دھنو اس کے ساتھ لپٹی رو رہی تھی۔

ان دونوں میاں بیوی کو ظلم اور زیادتی کا نشانہ بنایا گیا تھا لیکن ان میں سے کسی کے لبوں پر حرفِ شکایت تک نہیں آیا تھا۔ اس کے برعکس دونوں میاں بیوی پریشان تھے کہ ہمیں پورا دن فاقے میں گزارنا پڑا۔ تھونچی نے بیوی کو کچھ کھانے کا بندوبست کرنے کو کہا اور ایک کشادہ طاق میں رکھا ہوا مرہم اور سیال کی بوتلیں اٹھا کر سمبا والے کمرے میں آگیا۔ سمبا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ تھونچی نے اس کے زخم صاف کیے اور مرہم لگانے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دھنو ہمارے لیے کھانا لے کر آگئی۔ وہ تھال ہمارے سامنے رکھ کر واپس چلی گئی۔ کھانے کے دوران میں، میں نے نہایت مناسب الفاظ میں افسوس کا اظہار کیا کہ میری وجہ سے انہیں مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر ہم یہاں نہ آتے تو انہیں یہ تکلیف بھی نہ اٹھانی پڑتی۔

تھونچی نے بتایا کہ وہ تین آدمی تھے جو ہمیں ان پہاڑوں میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ان کے کہنے کے مطابق ہم ان کے تین چار آدمیوں کو قتل کرکے فرار ہوئے تھے۔

"یہ غلط نہیں ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "تم سمبا کی حالت دیکھ چکے ہو۔ کیا اس کے بعد توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت کی جاتی؟"

"ان کی سفاکی کا مجھے بھی تجربہ ہوگیا ہے۔" تھونچی نے جواب دیا "منشیات کا کاروبار کرنے والے لوگ بے رحم اور سفاک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو تو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا ہے لیکن ان کے گرو گھنتال کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ ناگ پال ایک خوں خوار بھیڑیا ہے جو سیاست کی آڑ لے کر معصوم زندگیوں سے کھیل رہا ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام بھی بہت برا ہوتا ہے۔"

"انہیں یہاں سے گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جب میں تہ خانے میں آیا تھا تو انہیں عبادت گاہ سے گئے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔" تھونچی نے جواب دیا "ان کی جیپ دریا کی دوسری طرف پہاڑیوں میں غائب ہو جانے کے بعد ہی میں تہ خانے میں اترا تھا۔"

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور چشم تصور سے اس جیپ کو پہاڑوں میں تلاش کرنے لگا۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ میں برداشت کرتا رہا تھا لیکن تھونچی اور خصوصاً بھیرجانی پر ہونے والے ظلم اور زیادتی پر میرا خون کھول اٹھا تھا اور میں نے اس پر ہونے والی زیادتی کا بدلہ لینے کے لیے اپنے اندر کی شکتی سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں کسی عقاب کی طرح پہاڑوں کے اوپر بہت بلندی پر پرواز کر رہا ہوں۔ ان پہاڑوں کے نشیب و فراز، وادیاں اور گھاٹیاں میری نظروں کے سامنے تھیں لیکن وہ جیپ ان پہاڑوں میں نظر نہیں آئی۔ میری پرواز کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا اور بالآخر وہ جیپ مجھے نظر آگئی جو دریا کے اس پار میلوں دور ہائی وے پر کاکانی کی طرف جا رہی تھی۔ وہ تینوں اس جیپ میں موجود تھے۔

اس ہائی وے پر مخالف سمت سے لکڑیوں سے لدا ہوا ایک ٹرک آرہا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

ایک خطرناک موڑ پر وہ جیپ اچانک ہی ٹرک کے سامنے آگئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو بچانے کی کوشش کی مگر ایک زوردار دھماکا ہوا۔ ٹرک جیپ کو دور تک گھسیٹتا ہوا لے گیا۔

"کہاں کھو گئے ہمت سنگھ۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

تھونچی کی آواز سن کر میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"وہ۔۔۔ وہ ختم ہوگئے۔ تینوں ختم ہوگئے۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "جیپ کے ساتھ ان تینوں کے پرخچے اڑ گئے۔ کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ کسی کو زندہ بچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔"

"کون۔ کس کی بات کر رہے ہو؟" تھونچی نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"وہ تینوں۔۔۔ جو یہاں آئے تھے۔" میں نے جواب دیا اور میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور میں جیسے ہوش میں

تھونچی بڑی گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور خاموشی سے اٹھ کر ہے باہر چلا گیا۔

اس کے آدھے گھنٹے بعد میں کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاں سے وہ گھاٹی نظر آرہی تھی جو مویشیوں کے لیے ہوں تھی۔ وہاں مجھے تھونچی نظر آیا لیکن تھوڑی ہی دیر دہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دریا کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔ قدِ آدم یوں میں مجھے نیلی چادر کی جھلک بھی دکھائی دی۔ میرا خیال تھا وہ دھنو تھی جو مویشیوں کو پانی پلانے کے بعد دریا کی رف سے ہانکتی ہوئی لا رہی تھی۔

جب وہ جھاڑیوں سے نکل کر سامنے آئی تو میرا خیال غلط ابت ہوا۔ وہ دھنو نہیں، بھیرجانی تھی۔ اس معصوم عورت کو دیکھ کر میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ بارہ سال پہلے اسی کو دیوار کی ہوس سے بچانے کے لیے تھونچی نے راتوں رات اپنا آبائی گاؤں چھوڑ دیا تھا اور آج وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھی۔

میں بھیرجانی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اپنے دونوں کندھوں پر ہلکا سا بوجھ محسوس کرکے چونک گیا۔ میں بڑی سنسنی سے پیچھے مڑا۔

وہ دھنو تھی جو اب میرے سامنے کھڑی میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی میرے کندھوں پر تھے۔ اس کی آنکھوں میں بڑی عجیب سی چمک تھی۔

میں نے سمبا کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے دھنو کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے۔ اس نے میرے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے کچھ کہنے سے روک دیا چند لمحے میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرے گی جو شاید میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو لیکن اس نے اچانک ہی مجھے ہلکا سا دھکا دیا اور مڑ کر تیزی سے باہر دوڑ گئی۔

میں کھڑکی کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے دھنو کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ ابھی بالکل معصوم تھی۔ میں ایک بار پھر مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ مویشی چراگاہ میں چر رہے تھے اور بھیرجانی مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔

نجانے کیا بات تھی کہ میں جب بھی بھیرجانی کو دیکھتا، مجھے شوبھا یاد آجاتی تھی اور اس وقت بھی شوبھا مجھے بڑی شدت سے یاد آنے لگی تھی۔

مجھے کھٹمنڈو سے نکلے ہوئے ایک مہینہ ہونے والا تھا۔ شوبھا ان دنوں اسپتال میں تھی۔ اب پتا نہیں وہ کہاں ہوگی؟ اسپتال ہی میں یا کہیں اور؟ میں نے مایا متی کو اگرچہ اس کا خیال رکھنے کو کہا تھا لیکن وہ کس حال میں تھی؟ کچھ کہنا مشکل تھا۔

تقریباً ایک ہفتہ پہلے پوکھارا سے ٹیلی فون پر انسپکٹر برندرا سے میرا رابطہ ہوا تھا اور پانچ دن پہلے جب میں پوکھارا سے کھٹمنڈو کے لیے روانہ ہوا تھا تو پوکھارا کے چیف انسپکٹر نے کہا تھا کہ وہ فون پر انسپکٹر برندرا کو میری روانگی کی اطلاع دے دے گا۔ اس نے یقیناً ایسا کیا ہوگا۔ برندرا اور اعظم خان کو میرا انتظار ہوگا لیکن میں کھٹمنڈو نہیں پہنچ سکا تھا۔ کیرتی پور میں یوگی گوتم بھوش نے مجھے بس سے اتار لیا تھا۔ گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج مجھ سے نیلگری کی مالا چھیننا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی پراسرار قوتوں سے مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مالا کی شکتی نے مجھے ان کے طاغوتی حصار سے تو نکال دیا مگر میں ناگ پال کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آپ جان چکے ہیں۔

اور اس وقت میں کھڑکی میں کھڑا بہت دور برف پوش پہاڑی چوٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا برندرا اور اعظم خان بھی مجھے تلاش کر رہے ہوں گے؟

آہٹ پاکر میں ایک بار پھر پیچھے مڑ گیا۔ وہ بھیرجانی تھی جس نے دونوں ہاتھوں میں کچھ پھل اٹھا رکھے تھے۔ میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

تین دن گزر گئے۔ اس دوران میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔

تھونچی صبح ہوتے ہی اپنے کھیتوں میں چلا جاتا۔ کھانا تیار کرنے اور مویشیوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری بھیرجانی کے سپرد تھی۔ وہ اپنے ان کاموں میں مصروف رہتی تھی اور دھنو۔۔۔ وہ سارا دن ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی رہتی۔ کبھی باپ کے پاس کھیتوں میں، کبھی چراگاہ میں، کبھی دریا پر اور کبھی ہمارے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ دھنو کبھی سمبا کے پاس بیٹھی ہوتی تو میں بھی کھیتوں کی طرف چلا جاتا اور تھونچی کے کاموں میں تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دیتا۔

تھونچی ایک مرہم سے سمبا کا باقاعدگی سے علاج بھی

کررہا تھا۔ یہ مرہم انہی پہاڑیوں میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں سے تیار کیا گیا تھا جس کے دو تین مرتبہ لگانے سے ہی زخم بھر جاتے تھے لیکن سمبا کو اس مرہم سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا بلکہ زخم خراب ہوتے جارہے تھے۔

چوتھے روز میں نے شہر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میرا خیال تھا کہ انسپکٹر بریندرا سے مل کر سمبا کو شہر لے جانے کا بندوبست کروں گا لیکن تھونچی نے مجھے روک دیا کہ ہر طرف مجھے تلاش کیا جارہا تھا اور ان حالات میں میرا یہاں سے کسی اور طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ تاہم وہ خود شہر جانے کو تیار ہوگیا۔

تھونچی راشن وغیرہ لینے کے لیے مہینے میں ایک بار شہر جاتا رہتا تھا۔ شہر کے راستوں سے وہ بخوبی واقف تھا۔ میں نے اسے انسپکٹر بریندرا کے بارے میں سب کچھ سمجھا دیا اور صبح آٹھ بجے کے قریب وہ کشتی پر سوار ہوکر روانہ ہوگیا۔ میں اور دھنو گھاٹ پر کھڑے دیر تک کشتی کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

وہ دن میں نے سمبا کے پاس رہ کر ہی گزارا۔ وہ خاصی تکلیف میں تھا۔ دھنو بار بار ہمارے کمرے کے چکر لگا رہی تھی۔ وہ بھی سمبا کے لیے خاصی پریشان ہورہی تھی۔ کبھی وہ ہمارے پاس بیٹھ جاتی اور کبھی باہر چلی جاتی۔

شام سے ذرا پہلے وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سامنے والی پہاڑیوں پر شور مچانے والی ایک مشین اس طرف آرہی ہے۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

میں اٹھ کر باہر کی طرف دوڑا اور ڈھلان پر درختوں میں چھپ کر سامنے والی پہاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کسی گاڑی کے انجن کی ہلکی سی آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن وہ گاڑی ابھی تک نگاہوں میں نہیں آئی تھی۔ دھنو بھی میرے قریب کھڑی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر کوئی مشتبہ گاڑی ہوئی تو دھنو، بھیرجانی اور سمبا کو تہ خانے میں پہنچا دوں گا اور خود صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد وہ گاڑی سامنے آگئی۔ وہ بغیر ہڈ کی جیپ تھی اور اس پر زرد رنگ کا جھنڈا دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ تھونچی اور میرے بیچ پہلے ہی یہ بات طے ہوگئی تھی کہ اگر انسپکٹر بریندرا اس کے ساتھ کسی گاڑی پر آیا تو وہ گاڑی پر زرد رنگ کا کپڑا جھنڈے کی طرح باندھ دے گا۔

پہاڑیوں میں چکراتی ہوئی وہ جیپ کبھی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی اور کبھی سامنے آجاتی۔ جیپ میں تین آدمی سوار تھے۔ وہ آگے اور ایک پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ پیچھے والا وردی لباس کی وجہ سے پہچان میں آرہا تھا۔ وہ تھونچی تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ جیپ ڈھلان کے نیچے آکر رک گئی۔ میں درختوں کی آڑ سے نکل کر تیزی سے اس طرف بڑھا۔ انسپکٹر بریندرا کے ساتھ ڈاکٹر نارائن کو دیکھ کر میں مسکرا دیا۔ ڈاکٹر نارائن بھی اسی اسپتال میں تھا جہاں پہلے میں زیرِ علاج رہا تھا۔

انسپکٹر بریندرا مجھ سے اس طرح گلے ملا تھا جیسے برسوں سے بچھڑے ہوئے سگے بھائی ملتے ہیں۔ ڈاکٹر نارائن نے بھی بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور جیپ میں رکھا ہوا اپنا بیگ اٹھالیا۔ تھونچی جیپ سے اتر کر تیز قدم اٹھاتا ہوا عبادت گاہ کی طرف چلا گیا۔

دس منٹ بعد ہم سمبا والے کمرے میں موجود تھے۔ ڈاکٹر نارائن نے اس کے زخم صاف کیے۔ تھونچی ایک ماہر کمپاؤنڈر کی طرح اس کی مدد کررہا تھا۔

"ہاتھوں اور پیروں کے زخم بگڑ چکے ہیں۔ باقاعدہ علاج ہونا ضروری ہے ورنہ۔۔۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر۔" انسپکٹر بریندرا نے کہا "میں جانتا ہوں اس کا باقاعدہ علاج اسپتال ہی میں ہوسکتا ہے۔ اس وقت تو تم جو کچھ کرسکتے ہو وہ کرو۔ صبح ہم اسے اسپتال لے چلیں گے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔" ڈاکٹر نارائن نے جواب دیا اور زخموں کی ڈریسنگ کرنے لگا۔

اس رات ڈاکٹر نارائن سمبا والے کمرے میں سویا تھا اور میں اور انسپکٹر بریندرا عبادت گاہ کے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

انسپکٹر بریندرا کے کہنے کے مطابق جس روز میں نے دھرپتن نامی قصبے سے وہاں کے پولیس اسٹیشن کے ذریعے انہیں ٹیلی فون پر رابطہ کیا تھا اس سے اگلے ہی روز اس پولیس افسر سے اسے پدمی کے قریب دو آدمیوں کے قتل کی اطلاع بھی مل گئی تھی اور پھر اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ ناگ پال کے آدمی تھے جنہیں قتل کرکے پانچ سو کلو ہیروئن چھین لی گئی تھی۔

بریندرا کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس واردات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہوسکتا تھا۔ اس نے راہی دھورپتن اور پدمی کے پولیس آفیسروں کو اطلاع دے دی کہ مجھے تلاش کرکے میری حفاظت کی جائے۔

انسپکٹر بریندرا کے لیے یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ جس روز پدمی سے دو تین میل دور یہ واقعہ رونما ہوا تھا اس رات چانگ لی بھی پدمی میں موجود تھا لیکن اگلے ہی روز وہ پراسرار طور پر پدمی سے غائب ہوگیا تھا اور پھر بریندرا کے لیے یہ اطلاع بھی بڑی سنسنی خیز تھی کہ ناگ پال بھی اپنے کچھ آدمیوں کو لے کر پدمی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ علاقہ اگرچہ انسپکٹر بریندرا کے دائرہ کار میں نہیں تھا لیکن وہ مجھے اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ موت کے فرشتے میرے تعاقب میں روانہ ہوچکے ہیں۔ اس نے بھی پولیس کی ایک پارٹی تیار کرکے اس طرف روانہ کردی تاکہ مجھے تلاش کرکے بحفاظت کھٹمنڈو لے آیا جائے۔

پولیس پارٹی بھی مجھے تلاش کرتی رہی۔ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ شاید میں انڈیا کی سرحد پار کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس تلاش کے دوران جاڑا کوٹ نامی بستی کے قریب ناگ پال کی پارٹی سے تصادم بھی ہوگیا تھا جس میں ایک پولیس والا زخمی ہوا تھا اور ناگ پال کی پارٹی کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔

پولیس والے بھی ناگ پال کی طرح میری تلاش سے مایوس ہوچکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میں بلا کے ساتھ انڈیا کی سرحد پار کرگیا ہوں اور پھر جب پوکھارا کے پولیس چیف کے توسط سے بریندرا سے میری بات ہوئی تو اسے اطمینان ہوا تھا۔

انسپکٹر بریندرا کو بلا کی موت کا سن کر افسوس ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ پدمی میں دو آدمیوں کے مارے جانے اور پانچ سو کلو ہیروئن چھن جانے سے ناگ پال گویا پاگل ہوگیا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اس کے آدمیوں کو قتل کرکے ہیروئن چھیننے والا کون ہے۔ سو مبا چونکہ ناگ پال کی سرگرمیوں کے خلاف میرا ساتھ دے رہا تھا اس لیے ناگ پال نے اسے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کا ایک اور آدمی بھی ناگ پال کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

سو مبا کے آدمی بھی خاموش بیٹھنے والے نہیں تھے۔ اس گروہ اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن وہ ناگ پال کے گروہ سے ٹکرگئے۔ اس طرح شہر میں ایک خوفناک گینگ وار شروع ہوئی جس میں دونوں طرف کے کم از کم چار آدمی مارے گئے تھے۔ کم از کم پندرہ روز تک شہر تقریباً بند رہا تھا۔ پولیس بڑی مشکل سے اس صورتِ حال پر قابو پاسکی تھی۔ درجنوں غنڈوں اور بدمعاشوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کردیا گیا تھا۔

"ناگ پال حسبِ معمول ایک بار پھر روپوش ہوگیا ہے۔" انسپکٹر بریندرا کہہ رہا تھا "چار پانچ روز پہلے کا کانی ہائی وے پر اس کے تین آدمی ایک حادثے میں مارے گئے تھے۔ تباہ شدہ جیپ سے کچھ ایسی چیزیں برآمد ہوئی تھیں جس سے اندازہ لگایا گیا کہ ناگ پال بھی اس طرف پہاڑوں میں کسی بستی میں روپوش ہے۔ اسے مختلف بستیوں میں تلاش کیا جارہا ہے لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"وہ کسی بستی میں نہیں، ایک بہت قدیم حویلی میں ٹھہرا ہوا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا اور پھر اس حویلی کے بارے میں بتانے لگا۔

"ان پہاڑوں میں جگہ جگہ تمہیں ایسی قدیم حویلیاں ملیں گی۔" انسپکٹر بریندرا نے کہا "یہاں سے تبت تک ان پہاڑوں میں لاتعداد راجدھانیاں ہوا کرتی تھیں۔ جاگیرداروں اور سرداروں کی حکمرانی تھی اس خطے پر۔ عوام تو جھونپڑوں اور کچے گھروں میں رہتے تھے اور سرداروں نے اپنے لیے مضبوط قلعے اور شان دار حویلیاں بنا رکھی تھیں۔ اب تم پتا نہیں، کس حویلی کی بات کررہے ہو!"

"میں واقعی اس حویلی کی نشان دہی نہیں کرسکتا۔" میں نے جواب دیا "ہم رات کے وقت وہاں سے فرار ہوئے تھے اور رات ہی رات میں لینڈ کروزر پر سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ وہ گاڑی اب بھی وہاں چٹانوں میں موجود ہے۔ اس میں پیٹرول ختم ہوگیا تھا۔" میں نے ان چٹانوں کی طرف اشارہ کیا جہاں اس روز گاڑی چھوڑی تھی اور اس کے بعد سے میں اس طرف نہیں گیا تھا "اور وہ گاڑی ناگ پال کی ہے۔"

"ناگ پال کی!" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

میں اسے کیرتی پور میں پیش آنے والے واقعے اور اپنے پکڑے جانے کے بارے میں بتانے لگا۔

"پہلے اس حویلی میں ناگ پال کے آدمی مجھے تشدد کا نشانہ بناتے رہے۔ اس وقت تک ناگ پال سامنے نہیں آیا تھا۔ بعد میں وہ سمبا کو بھی پکڑ کر یہاں لے آئے۔ سمبا کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا وہ تم دیکھ چکے ہو اور پھر اس رات ناگ پال کی گاڑی پر مجھے وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ اس کے ایک دن بعد ناگ پال کے تین آدمی ہمیں

تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ گئے تھے۔ تھونچی نے ہمیں غاروں میں چھپا دیا تھا۔ ان بدبختوں نے میرے بارے میں پوچھنے کے لیے تھونچی پر بھی تشدد کیا اور اس کی بیوی کے ساتھ بھی زیادتی کی۔ وہ تینوں وہی تھے جو واپس جاتے ہوئے کاکانی روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئے۔" میں نے کہا لیکن بریندرا نے یہ نہیں پوچھا کہ مجھے اس حادثے کا پتا کیسے چلا۔

"ناگ پال کی سرگرمیاں اب خطرناک حد تک بڑھ گئی ہیں۔" بریندرا نے کہا "وہ بعض قبائل کو بغاوت پر اکسانے کی کوشش کررہا ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے سیدھے سادے ہیں اور اندیشہ ہے کہ ناگ پال کی زہر بھری باتیں ان کے اذہان کو پراگندہ نہ کردیں اس لیے ناگ پال اور اس کے قریبی ساتھیوں کی گرفتاری کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کی تلاش جاری ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ زیادہ عرصے تک روپوش نہیں رہ سکے گا۔"

ناگ پال! میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ایسے ہی لوگ اپنے گھر اور اپنے ملک کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ انہیں صرف اپنی ذات اور اپنے مفاد سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اپنی چوہدراہٹ کے لیے وہ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ ناگ پال کے بارے میں تو پہلے ہی سنا تھا کہ وہ مہاحرامی آدمی ہے اور پھر اسے جنرل کھوراٹ جیسے آدمی کا آشیرباد مل گیا تھا۔ اس کی شہ پر ناگ پال زیادہ پھیل گیا تھا اور اب وہ قبائلیوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس قسم کی بغاوتیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں جن کا کوئی کازنہ ہو لیکن جان و مال کا نقصان تو بہرحال ہوتا ہی ہے۔

میں اور بریندرا دیر تک ناگ پال کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر موضوع بدل گیا۔ میں نے شوبھا کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ شوبھا اب بالکل ٹھیک ہے اور مایا متی کے ساتھ رہ رہی ہے۔

"ہم نے تو اسے کہا تھا کہ وہ انڈیا واپس چلی جائے۔ اب وہاں اسے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن وہ تمہارے اور بلا کے بغیر واپس جانے کو تیار نہیں۔ ادھر تم دونوں کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ وہ تم لوگوں کے لیے بہت پریشان ہے۔ اسے بلا کے بارے میں پتا چلے گا تو بہت دکھ ہوگا۔"

بلا کا، کھ تو مجھے بھی تھا۔ تھائی' جانکی اور بلا۔ ان تینوں کو شاید میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ کمرے میں اگرچہ بھیرجانی نے ہمارے لیے بھی یاک کی کھالیں بچھا دی تھیں لیکن ہم دونوں برآمدے کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھے رہے۔ ہمارے چاروں طرف سناٹا تھا۔ تاریکی بھی اتنی گہری تھی کہ چند گز آگے کی چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

بریندرا سیڑھیوں پر ہی دراز ہوکر اونگھنے لگا۔

وقت دھیرے دھیرے رینگ رہا تھا اور پھر میں بھی شاید اونگھ گیا تھا۔

آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ دن کا مدھم سا اجالا پھیل رہا تھا لیکن آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ پر پڑا رہا پھر اٹھ کر ڈھلان پر دریا کی طرف چلنے لگا۔

میں گھاٹ پر پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اچانک میری نظریں بائیں طرف اٹھ گئیں۔ تقریباً بیس پچیس گز آگے دریا کے کنارے پر گنجان جھاڑیوں پر نیلے رنگ کا کوئی کپڑا پڑا ہوا نظر آرہا تھا۔ میرا خیال تھا کل شام یا دن میں کسی وقت دھنو بھیرجانی نے یہ کپڑا دھو کر یہاں ڈالا ہوگا اور اسے اٹھانا بھول گئی تھی۔

میں اٹھ کر جھاڑیوں کی طرف چلنے لگا۔ قریب پہنچ کر میں نے جھاڑیوں پر پڑا ہوا وہ کپڑا اٹھالیا۔ وہ دھنو یا بھیرجانی کی ساڑی نما چادر تھی۔ اس سے آگے جھاڑیوں پر ایک اور میلی چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ چادر اٹھانے کے لیے میں آگے بڑھا ہی تھا کہ جھاڑیوں سے آگے شٹراپ کی آواز سنائی دی۔

میں نے اس طرف دیکھا تو میرے دماغ میں دھماکے ہونے لگے۔ دھنو اور بھیرجانی جھاڑیوں کے قریب ہی دریا کے پانی میں کھڑی تھیں۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ان کے منہ دوسری طرف تھے۔ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دونوں چادریں وہیں چھوڑ دیں اور جھاڑیوں میں دبک کر رینگتا ہوا گھاٹ پر واپس آگیا اور منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ بعد دونوں ماں بیٹیاں اس طرف سے آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان دونوں نے چادریں لپیٹ رکھی تھیں۔ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دونوں میرے قریب رکی گئیں اور پھر دھنو میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی شوخ سی مسکراہٹ تھی۔

مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دھنو نے اچانک ہی مجھے دھکا دے کر پانی میں گرا دیا اور کھڑے ہوکر بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگی۔ اس کے قہقہے بڑے زوردار تھے۔ بھیرجانی بھی ہنس رہی تھی۔

دھنو کی اس معصوم سی شرارت پر میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ دونوں ماں بیٹیاں ہنستی ہوئی چلی گئیں اور میں

دریا میں پیراکی کرتا رہا۔

نو بجے کے قریب ہم عبادت گاہ سے رخصت ہورہے تھے۔ دھنو کی آنکھوں میں اداسی تھی۔ بھیرجانی بھی افسردہ سی نظر آرہی تھی۔

تھونچی بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ اسے اگلی بستی سے اپنی کشتی واپس لانی تھی جو وہ صبح وہاں چھوڑ گیا تھا۔ واپسی پر وہ بریندرا کے ساتھ جیپ پر آیا تھا اور کشتی وہیں بستی کے گھاٹ پر رہ گئی تھی۔

سمبا کو جیپ کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا گیا تھا۔ میں اور تھونچی اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نارائن اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور بریندرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

بریندرا سادا لباس میں تھا اور جیپ پر بھی پولیس کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اس پر زرد رنگ کے کپڑے کا جھنڈا اب بھی لگا ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹا پہاڑی راستوں پر چکرانے کے بعد جیپ ہائی وے پر واقع بستی میں پہنچ کر رک گئی۔ تھونچی نے سمبا کی پیشانی پر بوسہ دیا اور مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ بریندرا نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ دو چار دن میں ہم سے ملنے کے لیے ضرور آئے گا۔ تھونچی کو ڈراپ کرکے جیپ ہائی وے پر آگئی اور تیز رفتاری سے کھٹمنڈو کی طرف دوڑنے لگی۔

جیپ تقریباً ایک گھنٹے بعد شہری حدود میں داخل ہوئی تھی۔ میں ایک مہینے بعد واپس آیا تھا اور شہر مجھے بدلا بدلا سا لگ رہا تھا حالانکہ میری عدم موجودگی میں یہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

جیپ شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی اسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوکر رک گئی۔ سمبا کو ایک اسٹریچر پر منتقل کروایا گیا۔

"اس کا خیال رکھنا نارائن!" بریندرا نے کہا "ہم شام کو یا کل صبح آئیں گے۔"

میں نے بھی سمبا کو تسلی دی کہ اب وہ بہت جلد اچھا ہوجائے گا۔ میں اس سے ملنے کے لیے آتا رہوں گا۔

جیپ اسپتال سے نکل کر شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی کالی کا استھان ڈسٹرکٹ کی طرف آگئی اور جب جیپ مایا متی کے مکان کے سامنے رکی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مایا متی نے اپنے اس مکان کے بارے میں کبھی کسی کو نہیں بتایا تھا اور پھر اچانک مجھے یاد آگیا کہ بریندرا نے عبادت گاہ میں مجھے بتایا تھا کہ شوبھا اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد مایا متی کے ساتھ رہ رہی ہے۔

"کوشش کرنا کہ تم گھر سے باہر نہ نکلو۔ میں شام کو کسی وقت آؤں گا۔" بریندرا نے کہا اور جیپ پر لگا ہوا زرد جھنڈا اتار کر میری طرف بڑھا دیا "اور یہ اپنے پاس ہی رکھ لو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

جیپ حرکت میں آکر آگے بڑھ گئی۔ میں اس وقت تک اس کی طرف دیکھتا رہا جب تک وہ اگلا موڑ گھوم کر نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ میں گھوم کر مکان کے گیٹ پر دستک دینے لگا۔

گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ مایا متی کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی لیکن میں جیسے ہی آگے بڑھا' وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اے۔۔۔ ہٹو۔ کون ہو تم؟" وہ غصے میں چلائی۔

مجھے مایا متی کے اس طرز عمل پر بڑی حیرت ہوئی لیکن پھر اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آگئی۔ میں تقریباً ایک مہینے تک مہذب دنیا سے دور ایسے لوگوں میں رہا تھا جو جدید تہذیب سے قطعی ناآشنا تھے اور اس ایک مہینے کے دوران میں' میں بھی ان جیسا ہی ہوگیا تھا۔ بے حد بڑھے ہوئے سر کے بال' بے ترتیب داڑھی اور مونچھوں کے بال اس طرح آپس میں الجھے ہوئے تھے کہ منہ کا دہانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ میں صرف جینز پہنے ہوئے تھا جبکہ جسم کا بالائی حصہ برہنہ تھا۔

"سوری مایا متی۔" میں نے کہا "میرا خیال تھا کہ اتنے عرصے بعد مجھے دیکھو گی تو تڑپ کر سینے سے لگالو گی لیکن تم نے تو مجھے پہچاننے سے ہی انکار کردیا۔ ٹھیک ہے۔ میں۔۔۔"

"ارے تم!" مایا متی چیخ اٹھی۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر دروازے سے اندر کھینچ لیا اور واقعی میرے سینے سے لپٹ گئی "یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ کہاں غائب ہوگئے تھے اور بلا کہاں ہے؟ تم دونوں کی وجہ سے ہم تو اس قدر پریشان ہیں کہ۔۔۔" وہ رک کر دروازے سے باہر دیکھنے لگی "بلا کہاں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟"

"بلا اب ہم میں نہیں رہی مایا متی۔" میں نے افسردگی سے جواب دیا۔

"کیا۔۔۔!" وہ ایک دم سناٹے میں آگئی "کیا مطلب۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "بعد میں بتاؤں گا۔ اندر چلو۔ شوبھا کیسی ہے؟"

"شوبھا دیدی اب تو بالکل ٹھیک ہے۔ تم دونوں کے لیے پریشان رہتی ہے۔ وہ بلا کا سنے گی تو اسے بہت دکھ ہوگا۔

آؤ۔ اندر آؤ۔" مایا متی کا لہجہ بھی افسردہ تھا۔

ہم برآمدے میں پہنچے ہی تھے کہ شوبھا دروازے میں نمودار ہوئی اور ٹھٹک کر رک گئی۔ چند لمحے بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"شوبھا دیدی۔ یہ کیا کر رہی ہو۔۔۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اپنے محسن کو نہیں پہچان سکتی۔" شوبھا نے مایا متی کی بات کاٹ دی اور پھر مجھ سے الگ ہٹتے ہوئے بولی "بلا کہاں ہے؟"

مجھے یقین تھا کہ شوبھا بھی سب سے پہلے بلا ہی کے بارے میں پوچھے گی۔ میں نے مایا متی کو بتا دیا تھا تو شوبھا سے چھپانے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے مایا متی کی طرف دیکھا اور مایا متی نے بہت دھیمے لہجے میں شوبھا کو بتا دیا کہ بلا اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

شوبھا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ میں اور مایا متی اسے اندر لے آئے۔

ہم بہت دیر تک بلا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ مایا متی چائے بنا کر لے آئی اور اس کے ساتھ ہی ہمارا موضوع بھی بدل گیا۔ میں انہیں اپنے بارے میں بتا رہا تھا کہ میں اتنا عرصہ کہاں غائب رہا تھا اور مجھ پر کیا بیتی تھی۔

میں نے پہلی مرتبہ شوبھا کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر سرخی تھی۔ وہ اپنی عمر سے کم اور زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"جاؤ۔ اپنا حلیہ درست کرو۔ دوپہر ہو رہی ہے۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔ مایا۔ تم جلدی سے کھانا تیار کرلو۔" شوبھا نے پہلے مجھے اور پھر آخری الفاظ مایا متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"تمہارے کپڑے اور کچھ چیزیں اب بھی میں نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔ آؤ۔ پہلے وہ چیزیں تمہیں دکھا دوں۔" مایا متی کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ مجھے اس کمرے میں لے آئی جہاں پہلے میری رہائش ہوا کرتی تھی۔ یہ کمرا اب شوبھا کے استعمال میں تھا۔ بیڈ پر اس کے کچھ کپڑے بکھرے ہوئے تھے جنہیں مایا متی نے اٹھا کر ایک کرسی پر ڈال دیا اور دیوار کے ساتھ استادہ الماری کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اس میں میرے کچھ کپڑے بڑے سلیقے سے تہہ کیے ہوئے رکھے تھے۔ ایک دراز میں شیونگ کا سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ میں شیونگ کا سامان اور کپڑے اٹھا کا باتھ روم میں گھس گیا۔

میں ایک گھنٹے بعد باتھ روم سے نکلا تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ داڑھی مونچھیں تو میں نے صاف کرلی تھیں لیکن سر کے بال خود سے نہیں کاٹ سکتا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہی مسکرا دی تھیں۔

کھانے کے بعد مجھے شوبھا والے کمرے ہی میں [illegible] لیٹ گیا اور جو سویا ہوں تو رات نو بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ مایا متی نے بتایا کہ شام کو بریندرا اور انسپکٹر اعظم آئے تھے لیکن انہوں نے مجھے جگانے سے منع کر دیا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں یہاں آکر بریندرا اور اعظم خان جیسے سچے اور مخلص آدمی مل گئے ہیں۔ مجھے بھی ان سے بڑا حوصلہ ملا ہے۔" شوبھا نے کہا۔

"خوش قسمتی تو تمہاری ہے کہ نینی تال سے تک پور کی طرف آتے ہوئے راستے میں انسپکٹر اعظم خان سے ملاقات ہوگئی تھی۔" میں نے کہا "اگر یہ ہم سے نہ ملا ہوتا تو ہم سرحد پار کرکے نیپال میں داخل نہ ہوپاتے اور دیش کھ نجانے تمہارا کیا حشر کر ڈالتا۔"

"شکر گزار تو مجھے واقعی تمہارا ہونا چاہیے۔" شوبھا بولی "اگر تم سے رشی کیش میں ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو دیش کھ میری ساری جائداد اینٹھ کر مجھے واقعی مار ڈالتا۔ تم نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری جان بچائی اور وہ بے چاری بلا۔۔۔ بھگوان اس کی آتما کو شانتی دے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔

"رشی کیش یاد آیا کہ کئی روز پہلے یوگی گوتم بھوش سے ملاقات ہوئی تھی۔ دھیراج اور گوتم بھوش یاد ہیں نا تمہیں؟"

"میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔" میں ان کے تذکرے پر چونک سا گیا تھا "گوتم بھوش سے ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

"یہ شاید ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے۔" شوبھا نے جواب دیا "میں مایا متی کے ساتھ جگن ناتھ مندر گئی تھی۔ واپسی پر ہم جیسے ہی مندر کی سیڑھیوں سے اترے، وہ ہمیں راستے میں کھڑا مل گیا۔ تم سے بہت ناراض لگتا تھا۔ بہت شکایت کر رہا تھا۔"

"میرے بارے میں کوئی خاص بات؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ کہہ رہا تھا تم راستے سے بھٹک گئے ہو اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ تم نے اس کی کسی مالا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ مالا اسے واپس کردی جائے ورنہ وہ تمہیں [illegible]

[illegible] گا۔" شوبھا چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر میرے [illegible] نظریں جماتے ہوئے پوچھا "تم تو ایسے نہیں ہو کہ [illegible] قبضہ کرسکو۔ وہ کون سی مالا ہے؟"

"یہ۔" میں نے شرٹ کا بٹن کھول کر مالا اسے دکھائی [illegible] والا ہے جس کے پیچھے ایک بہت بڑا راز پوشیدہ ہے اور [illegible] حاصل کرنے کے لیے ان دونوں شیطانوں نے مجھے قتل [illegible] میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"میں سمجھی نہیں؟" شوبھا نے الجھی ہوئی نظروں سے [illegible] طرف دیکھا۔

"تم نہیں سمجھ سکو گی شوبھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے [illegible] دیا "وقت آنے پر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن [illegible] لو کہ وہ دونوں یوگی انسان نہیں شیطان ہیں اور وہ ہر [illegible] مجھ سے یہ مالا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد [illegible] ایک بہت ہی خوفناک قسم کی کوشش کر چکے ہیں جس [illegible] ناکام ہونے کے بعد گوتم بھوش نے تمہیں کوئی پٹی [illegible] کی کوشش کی تھی۔ یہ شکر ہے کہ اس نے تمہیں کوئی [illegible] نہیں پہنچایا۔ مجھے اب اس کا بندوبست کرنا ہی پڑے [illegible]

"وہ مجھے کوئی نقصان شاید اس لیے نہیں پہنچا سکا کہ اس [illegible] جگن ناتھ مندر میں کوئی منتری بھی آیا ہوا تھا اور لاتعداد [illegible] والے وہاں موجود تھے۔" شوبھا نے بتایا۔

"اس جیسے شیطان پولیس کی پروا نہیں کرتے اور شاید [illegible] ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتی۔" میں نے جواب دیا [illegible] تم اپنا ذہن مت الجھاؤ۔ وقت آنے پر میں تمہیں [illegible] بتا دوں گا۔"

اور پھر اسی رات میں نے شوبھا کو مشورہ بھی دیا تھا کہ [illegible] کا دشمن (دیش کھ) ختم ہو چکا ہے۔ اب اسے ہندوستان [illegible] کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ جے پور واپس چلی جائے۔ وہاں [illegible] بھانوت سنگھ اور روپ متی موجود ہیں اور اسے اپنا [illegible] جمانے میں مدد دے سکتے ہیں لیکن شوبھا اپنی اس ضد [illegible] کہ وہ میرے بغیر ہندوستان نہیں جائے گی اور میرا [illegible] ابھی مشکل تھا۔ میرے سامنے ایک بہت وسیع محاذ [illegible] تھا۔ جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جاتا، میں یہاں سے [illegible] سکتا تھا۔

[illegible] رات ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مایا متی کی آج [illegible] تھی اور صبح اسے ڈیوٹی پر جانا تھا اس لیے وہ اٹھ کر [illegible] کمرے میں چلی گئی۔ شوبھا چاہتی تھی کہ میں اس کے [illegible] سو جاؤں۔ وہ لاؤنج میں صوفے پر لیٹ جائے گی لیکن میں نے ایسا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ایک تیسرا کمرا بھی موجود تھا جہاں لکڑی کا ایک تخت اور کچھ فالتو چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ نینگکری کا کرسٹل کا [illegible] ہوا مجسمہ میں نے اسی کمرے میں تخت پر لا کر ڈالا تھا۔

میں اس کمرے میں آگیا۔ اس کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میری نظریں تخت کی طرف اٹھ گئیں جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ میں چشم تصور سے تخت پر کرسٹل کے مجسمے کو دیکھنے لگا اور پھر سر جھٹکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میں حالانکہ دن میں کئی گھنٹے سو چکا تھا لیکن اس وقت بستر پر لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ سوتے میں مجھے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سینے پر بوجھ سا پڑا ہوا تھا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میرے ساتھ کوئی لیٹا ہوا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ میرے سینے پر سے بوجھ ہٹ گیا۔ میرا خیال تھا شوبھا ہوگی لیکن وہ چہرہ دیکھتے ہی میں اچھل پڑا۔

وہ نینگکری تھی جس کا ہاتھ میرے سینے پر رکھا ہوا تھا لیکن میری آنکھ کھلتے ہی اس نے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ وہ مجھ سے ذرا ہٹ کر کروٹ کے بل لیٹی میرے چہرے کو تک رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ملکوتی مسکراہٹ تھی۔ اسے دیکھ کر میں بد حواس سا ہوگیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور تنفس بے ربط ہونے لگا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن نینگکری اسی طرح کروٹ کے بل لیٹی رہی۔ اس نے سر کسی قدر اوپر اٹھا کر ہتھیلی پر ٹکا رکھا تھا۔ اس کا لیٹنے کا یہ انداز بڑا منفرد تھا۔ مجھے بچپن میں دیکھی ہوئی ایک فلم کلوپطرہ یاد آگئی۔ الزبتھ ٹیلر نے اس فلم میں ملکہ مصر کا رول کیا تھا اور اس کے لیٹنے کا انداز بھی یہی تھا اور اس انداز کو بڑی شہرت ملی تھی۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔" میں ہکلا کر رہ گیا۔ یہ شاید اس کے حسن کا دبدبہ تھا کہ آواز میرے حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی "تت۔۔۔ نینگکری تم تو واپس چلی گئی تھیں!"

"ہاں۔۔۔ لیکن مجھے تمہاری اس دوست کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔"

نینگکری کی رس گھولتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ بھی بیڈ سے اٹھ کر سامنے کرسی پر بیٹھ گئی "وہ شیطان رشی کیش سے واپس آگیا ہے۔ اس نے تمہاری دوست شوبھا پر وار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں بروقت وہاں پہنچ گئی۔ اس کے بعد میں نے ایک لمحے کو بھی تمہاری دوست کو تنہا نہیں چھوڑا۔ گوتم بھوش اس کے بعد بھی

کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اسے شوبھا کے قریب نہیں آنے دیا۔ وہ بہت جھنجلایا ہوا ہے اور یہ مالا ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ مالا اس کے لیے بہت اہم ہے۔ یہ وہ زینہ ہے جس کے ذریعے وہ آسانی سے مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔ جب تک یہ مالا تمہارے گلے میں رہے گی، تم اس کے حملوں سے بھی بڑی حد تک بچے رہو گے اسی لیے تو میں بار بار کہتی ہوں کہ اس کی حفاظت کرو۔ بے پروائی تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"شکریہ نیلگری۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا "کیا اب تم یہیں رہو گی؟"

"نہیں۔ میں واپس جا رہی ہوں لیکن میں نے تمہاری دوست کی حفاظت کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ شیطان اب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

نیلگری اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتا تھا لیکن میرے جسم میں جیسے اتنی سکت نہیں رہی تھی۔ نیلگری بیڈ کے قریب آکر میرے اوپر جھک گئی اور پھر اس کے ہونٹ میری پیشانی کو چھونے لگے۔ مجھ پر سرور کی عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ نیلگری سیدھی ہوئی تو میں اس وقت بھی پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی ملکوتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں پراسرار چمک تھی۔ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھی اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

کمرے میں ایک مسحور کن سی خوشبو رہ گئی تھی۔ میں گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ میرے دماغ کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور میں جیسے حواس میں آگیا۔ کمرے کی فضا میں اب بھی مسحور کن سی مہک رچی ہوئی تھی۔ میں اٹھ کر کھڑکی کے قریب آگیا اور باہر دیکھنے لگا۔

رات کا اندھیرا رخصت ہو رہا تھا۔ بہت مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ میں کافی دیر کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا پھر بستر پر لیٹ گیا۔ نیلگری کے ہونٹوں کا لمس میں اب بھی پیشانی پر محسوس کر رہا تھا۔

دوبارہ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نیلگری کے بارے میں سوچتا رہا۔ گزشتہ رات جب شوبھا نے گوتم بھوش کے بارے میں بتایا تھا تو اسی وقت مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا کہ گوتم بھوش شوبھا کو قبضے میں کر کے مجھ سے یہ مالا حاصل کرنا چاہتا ہو گا لیکن نیلگری بروقت وہاں پہنچ گئی تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

باہر سے آہٹ سن کر میں نے بھی بستر چھوڑ دیا اور کمرے سے باہر نکلا تو مایا متی برآمدے والا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس نے کھڑکیاں بھی کھول دیں تاکہ تازہ ہوا آسکے۔

"ارے! تم جاگ گئے۔" وہ مجھے دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"میں تو بہت دیر سے جاگ رہا ہوں۔ تمہاری آہٹ سن کر کمرے سے باہر آگیا۔" میں نے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "چائے پلاؤ۔ بہت دیر سے طلب ہو رہی ہے۔"

"ابھی بناتی ہوں۔" مایا متی کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

تقریباً دس منٹ بعد مایا متی چائے بنا کر لے آئی اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس وقت چھ بجنے والے تھے۔ چھ بجے والے روز تو مایا متی دیر تک سوئی رہتی تھی لیکن عام دنوں میں ساڑھے پانچ بجے وہ اٹھ جایا کرتی تھی۔

چائے پی کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند منٹ بعد تیار ہو کر واپس آگئی اور کچن میں گھس کر ناشتا تیار کرنے لگی۔ اس نے ناشتے کے لیے مجھ سے بھی پوچھا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔

پونے سات بجے مایا متی چلی گئی اور میں برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔

نو بجے کے قریب شوبھا بھی باہر آگئی۔ وہ غالباً کافی دیر پہلے جاگ گئی تھی اور تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

"مایا متی تو سات بجے سے پہلے ہی چلی گئی ہو گی۔ تم نے ناشتا کیا یا نہیں؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابھی نہیں۔ تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

شوبھا اندر چلی گئی اور پھر تقریباً پون گھنٹے بعد اس نے آواز دے کر مجھے بھی اندر بلا لیا۔

کافی ٹیبل پر ناشتا لگا ہوا تھا۔ پراٹھے اگرچہ اندازے کے نقشے کی طرح آڑے ترچھے تھے مگر پرت دار اور بڑے نفیس تھے۔ ساتھ میں انڈوں کا آملیٹ تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے چائے بھی بنا لی تھی۔

"مایا متی بہت اچھی لڑکی ہے۔" شوبھا کہہ رہی تھی "اس نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ اسپتال میں بھی اور یہاں گھر میں بھی۔"

"ہاں۔ مایا متی واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ہم مایا متی، انسپکٹر اعظم اور برہندرا کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں موضوع بدلتے رہے۔ انسپکٹر اعظم کا ذکر بھی آیا اور دیش مکھ کا بھی۔ دیش مکھ کے تذکرے پر رادھیکا کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ اس شخص کی وجہ سے اسے اتنے کشٹ اٹھانے پڑے تھے۔ لیکن بالآخر وہ بدبخت اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔

"تم رات کو گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" شوبھا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "انداز میں نے اس کا ذکر کیا تھا اس سے لگتا ہے کہ تم ان کی ملاقات خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئی تھی اور یہ مالا چکر ہے؟"

"میں تمہیں صورتِ حال سے بے خبر نہیں رکھنا چاہتا۔" میں نے کہا "اس روز مندر کے سامنے گوتم بھوش سے تمہاری ملاقات محض اتفاق نہیں تھی۔ وہ بڑا شیطان آدمی ہے۔ اس کے پاس کچھ پراسرار قوتیں ہیں۔ وہ تمہیں شرارت میں لے کر مجھ سے یہ مالا حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

شوبھا کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ وہ ہندو تھی۔ یوگیوں اور پنڈتوں کے بارے میں اس نے بھی کچھ سن رکھا تھا کہ کس طرح یہ لوگ پراسرار قوتیں حاصل کر کے اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے دنیا کو تباہی کی طرف دھکیل رہے تھے۔

"تمہارا مطلب ہے یہ مالا بھی۔۔۔"

"ہاں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہندو دیومالا میں اس مالا کی کو سب سے بڑی شکتی سمجھا جاتا ہے۔ یوگی اور ہندو سنت ہزاروں سال سے اس شکتی کو حاصل کرنے کے لیے تپ کرتے آرہے ہیں لیکن نیتوں کی کھوٹ کی وجہ سے کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا جبکہ ہزاروں لوگ راستے میں تباہ و برباد ہو گئے۔

"یوگی گوتم بھوش بھی نیلگری کے حصول کے لیے عمل کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بھی رشی کیش میں ایک بتایا تھا جس پر میں نے عمل بھی شروع کر دیا تھا لیکن اس مجھے علم نہیں تھا کہ وہ میرے توسط سے نیلگری تک پہنچنا ہے۔ اس کا پروگرام شاید یہ تھا کہ میں نیلگری کی شکتی کرلوں اور وہ مجھے دھوکا دے کر وہ شکتی مجھ سے چھین کن اتفاق سے بیچ میں تمہارا واقعہ پیش آگیا اور مجھے کے تعاقب میں ہندوستان سے یہاں آنا پڑا اور یہاں یہ واقعہ پیش آیا جو میرے لیے نہایت پراسرار بھی تھا ناقابلِ یقین بھی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے رتا پارک میں ملنے والے کرسٹل کے شکستہ مجسمے کے بارے میں بتانے لگا۔ شوبھا بڑی حیرت سے یہ سب کچھ سن رہی تھی۔

"اس روز جگن ناتھ مندر کے سامنے نیلگری نہ پہنچ جاتی تو گوتم بھوش تمہیں اپنی قوتوں کے جال میں جکڑ لیتا۔" میں کہہ رہا تھا "اور یہ ہے وہ مالا جسے حاصل کرنے کے لیے گوتم بھوش اتنا بے چین ہو رہا ہے۔" میں نے مالا گلے سے اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"لیکن۔ تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتا چلا؟" وہ مالا کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"آج صبح نیلگری یہاں آئی تھی۔ اس نے بتایا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کک۔ کیا۔؟" شوبھا ہکلا کر رہ گئی "وہ تمہارے پاس آتی ہے؟ لیکن۔۔۔"

"یہ میری نیک نیتی کا صلہ ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "میرے من میں پراسرار قوتیں حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ عرصہ پہلے میں نے بڑی کٹھن ریاضت سے چی کی قوت حاصل کی تھی۔ میں جانتا ہوں چی کی پراسرار قوت سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں۔ دنیا پر حکمرانی کی جا سکتی ہے لیکن میں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لیے اس پراسرار قوت کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ میں نے ہمیشہ اسے دوسروں کی بھلائی کے لیے ہی استعمال کیا ہے اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نیلگری جیسی شکتی بھی میرے قریب آگئی ہے لیکن وہ ابھی میرے تابع نہیں ہوئی۔ اس کے لیے جاپ مکمل کرنا ضروری ہے۔ اتفاق کہہ لو کہ میں نے نیلگری کو گوتم بھوش کے حملے سے بچایا تھا اور اس کا کرسٹل کا ٹوٹا ہوا مجسمہ اٹھا کر یہاں لے آیا تھا اور اسے ٹیپ سے جوڑ دیا تھا۔ اس وقت میں کرسٹل کے اس مجسمے کی حقیقت سے واقف نہیں تھا۔ میں تو محض اسے جوڑ کر دیکھنا چاہتا تھا اور میرا یہی عمل میری نیکی بن گیا اور نیلگری کو نئی زندگی مل گئی۔ وہ مجھ پر مہربان ہو گئی اور میری اس نیکی کے صلے میں وہ میری مدد کر رہی ہے۔"

شوبھا خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے لیے شاید یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو گیارہ بجنے والے تھے۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔

"میں اسپتال جا رہا ہوں۔ واپسی میں شاید کچھ دیر ہو جائے۔ تم پریشان مت ہونا۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" شوبھا بھی اٹھ گئی "اکیلی یہاں پڑی بور ہوتی رہوں گی۔ تمہارے ساتھ ذرا گھوم پھر آؤں گی۔ بس تیار ہونے میں تھوڑی دیر لگے گی۔"

شوبھا نے پہلے برتن وغیرہ دھو کر رکھے اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی تو میں اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے تو سانس لینا بھول گیا۔ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود وہ بے حد حسین تھی۔ دو انچ چوڑے سیاہ بارڈر والی آف وائٹ ساڑی اس پر خوب جچ رہی تھی۔ اگر اس نے ہلکا سا میک اپ بھی کرلیا ہوتا تو اس کا حسن کچھ اور نکھر آتا۔

شوبھا بیوہ تھی۔ اسے میں نے ہمیشہ سفید ساڑی میں ہی دیکھا تھا اور آج پہلی مرتبہ ساڑی کی رنگت میں بہت معمولی سی تبدیلی نظر آئی تھی۔ رشی کیش میں ایک مرتبہ اس موضوع پر میری اس سے گفتگو ہوئی تھی۔ ہندوستان میں، میں نے بہت سی ایسی بیوہ عورتوں کو دیکھا تھا جو اپنی پسند کے رنگین کپڑے پہنتی تھیں، میک اپ بھی کرتی تھیں اور زیور بھی استعمال کرتی تھیں۔ شوبھا بھی یہ سب کچھ کرنا چاہتی تھی لیکن جھجک مانع تھی۔ وہ لوگوں کی باتوں سے ڈرتی تھی اور آج لباس میں بہت معمولی سی یہ تبدیلی خوش آئند تھی۔

"اس ساڑی میں اچھی لگ رہی ہو بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ اب تو بہت کم بیوہ عورتیں سفید لباس پہنتی ہیں۔ وہ زمانہ بیت گیا جب بیوہ ہوجانے والی ہندو عورت شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جل کر مرا کرتی تھیں۔ اب تو بیوہ عورتیں دوسری شادی کرکے سکون کی زندگی بسر کرتی ہیں۔"

شوبھا کچھ نہیں بولی۔ تاہم اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

کل شام الماری میں سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے وہاں مجھے تھوڑی سی رقم بھی رکھی ہوئی مل گئی تھی جس کے بارے میں بعد میں مایا متی نے بتایا تھا کہ وہ رقم میری ہی تھی اور اس وقت باہر نکلنے سے پہلے میں نے وہ رقم اٹھا کر جیب میں ڈال لی تھی۔

گلیوں سے نکل کر ہم مین روڈ پر آگئے جہاں کچھ دیر بعد ہی ہمیں ایک سائیکل رکشا مل گیا۔ گھمنڈو کے سائیکل رکشے بھی خاصے کی چیز ہیں۔ انہیں بڑی خوب صورتی سے سجایا جاتا ہے۔

اسپتال کے سامنے ہم نے رکشا چھوڑ دیا۔ استقبالیہ کاؤنٹر سے ہمیں یہ معلوم کرنے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ سمبا کو کہاں رکھا گیا تھا۔

سمبا جنرل وارڈ میں تھا۔ یہ وزیٹنگ آرز نہیں تھے لیے ہمیں وارڈ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں میں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا اور انسپیشن وارڈ کے ڈیوٹی روم میں آگیا۔ صبح میں نے مایا متی کو سمبا میں بتا دیا تھا۔

مایا متی ڈیوٹی روم میں موجود تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"دیدی! یہ ساڑی تم پر کتنی اچھی لگ رہی ہے۔" شوبھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

جواب میں شوبھا نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا تھا۔

"میں صبح سمبا سے ملی تھی۔" مایا متی میری طرف ہوئے بولی "اسے اچھا ہونے میں بہت دن لگیں گے۔ تم ہو اس سے؟"

"نہیں۔ ہمیں وارڈ میں جانے کی اجازت نہیں گئی۔ شام کو دوبارہ چکر لگاؤں گا۔"

"شام تک اسے اسپیشل وارڈ میں منتقل کردیا جائے لیکن تم اگر چاہو تو میں تمہارے ساتھ وارڈ میں چلوں۔" مایا متی بولی۔

"نہیں۔ شام ہی کو مل لیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم کچھ دیر وہاں رکے اور پھر مایا متی سے رخصت ہو اسپتال سے باہر آگئے۔

میں شوبھا کے ساتھ مختلف بازاروں میں گھومتا رہا۔ علاقوں کی طرف جانے سے گریز کیا جہاں ناگ پال کے غنڈوں سے سامنا ہونے کا احتمال تھا کیونکہ میں شوبھا کو ایسے معاملے میں نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔ ہم نے ایک بڑے قسم کے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چائے پی اور پھر کیبل ٹرول علاقے میں ایک ساڑی ہاؤس میں داخل ہوگئے۔ یہ بہت دکان تھی اور یہاں صرف ساڑیاں اور متعلقہ ملبوسات تھے۔

شوبھا جھجک رہی تھی لیکن میں نے اپنی پسند کے لیے دو ساڑیاں خرید لیں۔ اس کے سائز کے بلاؤز اور پیٹی کوٹ بھی مل گئے تھے۔

بازار میں گھوم پھر کر کچھ اور شاپنگ بھی کی گئی۔ کھانا بھی ہم نے ایک ریسٹورنٹ ہی میں کھایا اور پھر آگئے۔

میں سمبا سے ملنے کے لیے اس روز شام کو بھی جاسکا۔ تاہم رات نو بجے کے قریب انسپکٹر بریندرا

"ہم نے پہاڑوں میں وہ حویلی تلاش کرلی ہے۔" بریندرا نے گفتگو کے دوران میں کہا "لیکن چند مسخ شدہ لاشوں کے سوا ہمیں وہاں کچھ نہیں ملا اور ہم نے بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ کے عقب میں چٹانوں میں کھڑی ہوئی ناگ پال کی وہ گاڑی بھی تلاش کرلی ہے جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔"

"اور ناگ پال کا پتا نہیں چلا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ شاید انہی پہاڑوں میں کسی اور حویلی میں منتقل ہوگیا ہے۔ بہرحال، اس کی تلاش جاری ہے اور ہم جلد ہی اس کا سراغ لگالیں گے۔" بریندرا نے جواب دیا "شہر میں اس کے کچھ آدمی دوبارہ سرگرم عمل ہورہے ہیں۔ انہیں پتا چل گیا ہے کہ تم واپس آگئے ہو۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں اس لیے۔"

"اس لیے کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں سادہ لباس میں اپنے دو آدمی یہاں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ وہ باہر رہ کر ہی مکان کی نگرانی کریں گے۔" بریندرا نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا "اگر اتفاق سے کوئی ایسی بات ہوئی تو یہاں ٹیلی فون موجود ہے۔ میں فوراً تمہیں اطلاع دے دوں گا۔" دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ پولیس والوں کی موجودگی سے اس علاقے کے لوگ ہماری طرف متوجہ ہوجائیں۔ ویسے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ایک دو روز یہاں رہنے کے بعد سومبا ناتھ کے علاقے میں واقع مدھومالا والے بنگلے میں منتقل ہوجاؤں جہاں شیرپا بھی موجود تھا اسی لیے میں نے انسپکٹر بریندرا کو اس مکان کی نگرانی کے سلسلے میں ٹال دیا تھا۔

شوبھا کی طرف سے مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ نیگلدی نے اس کی حفاظت کا وعدہ کرلیا تھا۔ میں اسے گھر پر چھوڑ کر آزادی سے نقل و حرکت کرسکتا تھا۔ ناگ پال میری تلاش میں تھا اور مجھے چانگ لی کی تلاش تھی۔ میں اگرچہ ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا لیکن میں نے طے کرلیا تھا کہ جب تک چانگ لی کے قدم یہاں سے نہیں اکھاڑوں گا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ چانگ لی کے یہاں سے بھاگ جانے یا اس کے خاتمے کے بعد جنرل کھوراٹ کو اس طرف کا رخ کرنے کے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا۔ یہاں سے جنرل کھوراٹ کے قدم اکھڑ جانے کے بعد ناگ پال اکیلا رہ جاتا اور یہاں کے لوگ اس سے بخوبی نمٹ لیتے۔

اگلے تین دنوں میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔

ایک روز صبح مایا متی اپنی ڈیوٹی پر جانے لگی تو میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ ڈیوٹی سے واپس آنے کے بعد اپنا سامان پیک کرلے اور اپنے فلیٹ پر منتقل ہوجائے۔ ہم بھی رات ہی کو مدھومالا کے ہاں چلے جائیں گے۔

اس رات مایا متی کو اس کے فلیٹ پر چھوڑ کر میں اور شیرپا، سومبا ناتھ کے علاقے میں واقع مدھومالا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ کال بیل کے جواب میں جس شخص نے گیٹ کھولا تھا وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ میں نے مدھومالا کا نام لیا۔ وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھتا رہا پھر اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔ میں اور شیرپا برآمدے میں آکر رک گئے۔ اس شخص نے اشارہ کیا اور ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔

ہال میں قدم رکھتے ہی میں اچھل پڑا۔ شیرپا صوفوں کے درمیان قالین پر بندھا پڑا تھا۔ مدھومالا صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر اگرچہ کھلے ہوئے تھے مگر وہ بے حد خوف زدہ تھی۔ میں تیزی سے پیچھے مڑا۔ ہمارے ساتھ آنے والے آدمی نے مجھے زور دار لات رسید کردی۔ میں کراہتا ہوا لڑکھڑا کر شیرپا کے قریب گرا۔ اسی وقت صوفوں کے پیچھے چھپے ہوئے دو آدمی اٹھ کر سامنے آگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ تیسرے آدمی نے بھی، جو ہمیں باہر سے لے کر آیا تھا، اپنے لباس میں سے خنجر نکال کر اس کی نوک شوبھا کے پہلو سے لگادی تھی۔

میں قالین پر پڑا متوحش نظروں سے ان تینوں آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ چہروں سے وہ تینوں چھٹے ہوئے بدمعاش ہی لگتے تھے اور کسی سے انسانیت اور شرافت کی توقع نہیں کی جاسکتی

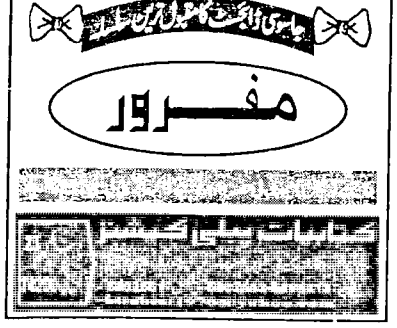

"اوہو تم!" یہ اس شخص کی آواز تھی جو مدھو مالا والے صوفے کے پیچھے سے برآمد ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی خنجر تھا جس کی نوک مدھو مالا کی گردن کو چھو رہی تھی۔ مدھو مالا کا چہرہ خوف سے بالکل زرد ہو رہا تھا۔ وہ کچھ عرصہ پہلے ایسے ہی ایک سنسنی خیز تجربے سے گزر چکی تھی اور اسے ٹانگ پر گولی لگی تھی۔ وہ زخم اگرچہ اب ٹھیک ہو چکا تھا لیکن وہ اس بات سے خوف زدہ تھی کہ کہیں ویسا ہی کوئی اور سنگین تجربہ نہ دہرایا جائے۔

"اچھا ہوا تم بھی یہاں آگئے۔" وہ شخص میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ دونوں ہمارے ہاتھوں مارے جاتے تو مجھے افسوس ہوتا۔ خاص طور پر یہ خوب صورت گڑیا۔ یہ تو کھیلنے کے لیے ہے۔ دل بہلانے کے لیے۔ اس پر تو ہاتھ اٹھاتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے۔"

"کون ہو تم لوگ؟" میں نے پوچھا۔ وہ چہرے سے اگرچہ میرے لیے اجنبی تھے لیکن میں جان چکا تھا کہ وہ کون ہو سکتے ہیں۔

"تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ ہم کون ہو سکتے ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا "ہمیں کئی روز پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ تم واپس آچکے ہو۔ ہمارے آدمی تمہاری تلاش میں تھے لیکن تمہارا سراغ نہیں مل رہا تھا اور پھر مجھے ہی خیال آیا کہ شہر سے غائب ہونے سے پہلے تمہیں اس حسینہ کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ہم تمہارے بارے ہی میں پوچھنے کے لیے یہاں آئے تھے لیکن یہ دونوں کچھ بتانے کو تیار ہی نہیں تھے۔ اچھا ہوا تم یہاں آگئے اور ان کی جان بچ گئی ورنہ یہ دونوں ہمارے ہاتھوں خرچ ہو جاتے۔"

میں اپنے قریب پڑے ہوئے شیرپا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اس قدر آسانی سے ان کے قابو میں کیسے آگیا تھا۔ یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ وہ تینوں مہمان بن کر آئے تھے اور انہوں نے دھوکے سے شیرپا کو گرفت میں لے لیا تھا۔

"ہم ایک شرط پر ان کی جاں بخشی کر سکتے ہیں۔" وہی شخص میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "تم کوئی گڑبڑ کیے بغیر ہمارے ساتھ چلو گے اور یہ لڑکی بھی ضمانت کے طور پر ہمارے ساتھ جائے گی۔ بعد میں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ان لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتے۔ اگر تمہیں ہماری یہ شرط منظور ہو تو۔۔۔"

"نہیں۔ ہمیں تمہاری کوئی شرط منظور نہیں۔"

یہ آواز شوبھا کی تھی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ان غنڈوں کے سرغنہ سے باتیں کرتے ہوئے میں نے وقتی طور پر اسے فراموش کر دیا تھا۔

"اوہو۔ مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا۔" سرغنہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا "تمہیں تو ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں ساتھ لے جانے کی بات نہیں کی۔ ویسے تم بھی اس لڑکی سے کم نہیں ہو۔"

"تم کسی کو بھی ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔" شوبھا نے کڑے لہجے میں کہا۔ میں شوبھا کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ کمزور دل کی عورت تھی۔ لڑائی جھگڑوں سے دور رہنے والی۔ جے پور میں دیش مکھ کی دھمکیوں سے ڈر کر اس نے شہر ہی چھوڑ دیا تھا لیکن دیش مکھ نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور رشی کیش سے اسے اغوا کر کے لے گیا تھا۔ وہ طویل عرصے تک اس کی قید میں رہی تھی اور اس نے بڑے دکھ جھیلے تھے۔ پچھلے خوفناک تجربے کے پیش نظر اسے تو خاموشی سے دبکے رہنا چاہیے تھا لیکن وہ ایک دم بدل گئی تھی اور ان بدمعاشوں کو چیلنج کر رہی تھی۔

"اے!" اس کے ساتھ کھڑا ہوا بدمعاش غرایا "تم اپنی زبان بند رکھو ورنہ خنجر اندر کر دوں گا۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے خنجر پر ہلکا سا دباؤ بھی ڈال دیا تھا۔ خنجر کی نوک شوبھا کے پہلو پر رکھی ہوئی تھی۔ دباؤ پڑنے سے شوبھا کی جلد کا وہ حصہ تقریباً نصف انچ اندر کی طرف دب گیا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ اتنے دباؤ سے تو اس کی جلد میں سوراخ ہو جانا چاہیے تھا اور اس سے بھی زیادہ شدید حیرت اس وقت ہوئی جب شوبھا بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے اچھلی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے حریف کی خنجر والی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

وہ شخص بری طرح بلبلا اٹھا۔ شوبھا اس کی کلائی کو موڑتی چلی گئی۔ وہ شخص دہرا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر شوبھا کے پیروں کے قریب گر گیا تھا۔

"اے۔ اے۔ چھوڑو اسے۔ یہ کیا کر رہی ہو؟" مدھو مالا کے پیچھے کھڑا ہوا غنڈا چیخا پھر وہ خنجر تان کر شوبھا کی طرف لپکا۔

صورت حال بدل گئی تھی۔ شوبھا نے اپنے حریف کو بے بس کر دیا تھا اور اب مدھو مالا کو بھی فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جس غنڈے نے اسے خنجر کی نوک پر لے رکھا تھا وہ اب شوبھا کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ میں اس موقع سے فائدہ

اٹھاتے ہوئے لوٹ لگا کر اپنی جگہ سے اچھلا۔ میرے پیر کی ٹھوکر اس شخص کے پیٹ پر لگی جو شوبھا کی طرف لپک رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر اس پر چھلانگ لگا دی۔

شوبھا کے حریف کا داؤ چل گیا۔ اس نے شوبھا کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ٹھوکر مار دی۔ شوبھا بلبلا اٹھی۔ وہ پیٹ پکڑے دہری ہوتی چلی گئی۔ اس کے حریف نے زمین پر پڑا ہوا خنجر اٹھا لیا اور شوبھا پر حملہ آور ہوا لیکن اسی لمحے مدھو مالا اپنی جگہ سے اچھلی اور ہوا میں اڑتی ہوئی اس شخص کے اوپر جا گری۔ وہ شخص منہ کے بل آگے کو گرا۔ اس کا سر آگے پڑی ہوئی کرسی سے ٹکرا گیا تھا۔ پیشانی کی کھال پھٹ گئی اور خون بہہ نکلا تھا۔ خنجر بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

مدھو مالا ایک بار پھر ہوا میں اچھلی اور پیروں کے بل اس شخص کے اوپر گری۔ وہ شخص پھر چیخ اٹھا۔

شوبھا بھی سنبھل چکی تھی۔ اس نے خنجر اٹھا لیا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اس تیسرے بدمعاش کی طرف لپکی جو خنجر تانے مجھ پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔ شوبھا کے پیر کی ٹھوکر اس کے پیٹ پر لگی اور وہ ایک ہاتھ سے پیٹ پکڑ کر دہرا ہو گیا۔ شوبھا دوڑ کر شیرپا کے قریب پہنچ گئی اور جھک کر ایک ہی جھٹکے سے اس کی کلائیوں پر بندھی ہوئی رسی کاٹ دی۔

شیرپا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک غنڈے کو سنبھال لیا۔ ایک غنڈا میری گرفت میں تھا اور تیسرے کو شوبھا اور مدھو مالا نے سنبھال رکھا تھا۔ مجھے ان دونوں پر حیرت ہو رہی تھی کہ ان میں اتنا حوصلہ کیسے آگیا تھا۔

یہ یک طرفہ لڑائی تھی جو زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ ہم نے ان تینوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔ شیرپا نے ان تینوں کو باندھ کر ڈال دیا۔

اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بڑا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ ناگ پال اور چانگ لی نے اپنے گروہ میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص مجھے پکڑ کر ان کے سامنے پیش کرے گا یا میرے بارے میں کوئی نشان دہی کرے گا اسے بیس لاکھ روپے انعام دیا جائے گا۔

ناگ پال کے گروہ کے اکثر آدمی میری تلاش میں تھے۔ بعض تو میری تلاش میں پہاڑوں میں آباد چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھٹک رہے تھے اور بعض کو میرے شہر پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

غنڈوں کی اس پارٹی کا سرغنہ روہن تھا۔ اس کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ پدمی کی طرف جانے سے پہلے میں اس بنگلے میں مقیم تھا۔ اس نے دو آدمیوں کو ساتھ ملایا اور میرے بارے میں معلوم کرنے کے لیے یہاں آگیا۔ یہ لوگ مہمان بن کر آئے تھے۔ انہوں نے دھوکے سے شیرپا کو بے بس کر دیا اور مدھو مالا کو خنجر کی نوک پر رکھ کر میرے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے اور یہ سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ میں شوبھا کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

مجھے شوبھا کی جرات پر بڑی حیرت ہوئی تھی لیکن پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور شوبھا کی باتوں نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔

شوبھا کے کہنے کے مطابق یہاں کی صورتِ حال نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا لیکن پھر اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے کوئی غیبی قوت اسے اکسا رہی ہو اور پھر اسی نے وہ سب کچھ کر ڈالا جس کی اس جیسی کمزور دل عورت سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

مجھے نیلگری کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے شوبھا کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ نیلگری ہی نے اس کے اندر اتنا حوصلہ پیدا کیا تھا اور اسے جارحیت پر آمادہ کیا تھا اور شوبھا کو دیکھ کر مدھو مالا کو بھی حوصلہ ملا تھا۔

شیرپا کا خیال تھا کہ ان تینوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں صحن میں کسی جگہ دفن کر دینی چاہئیں لیکن میں اس کے حق میں نہیں تھا۔ بلاوجہ کسی کے خون میں ہاتھ رنگنا مناسب نہیں تھا جبکہ انہیں زندہ رکھ کر ان سے کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

میری بات شیرپا کی سمجھ میں آگئی اور ہم اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں ان تینوں کو باندھ کر ڈالا گیا تھا۔ شیرپا نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور روہن کے ہاتھ کھول دیے۔

"میرا تو خیال تھا کہ تم تینوں کو قتل کر کے لاشیں زمین میں گاڑ دی جائیں لیکن میرا یہ ساتھی بہت رحم دل ہے۔ یہ تم لوگوں کو قتل کرنے کے حق میں نہیں بلکہ زندہ چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ بغیر کوئی نقصان پہنچائے۔" شیرپا اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور یہ خنجر غالباً روہن ہی کی ملکیت تھا۔

"شرط کیا ہو گی؟" روہن نے الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"شرط زیادہ کڑی نہیں ہے۔" شیرپا بولا "ہمیں ناگ پال اور چانگ لی کے بارے میں بتا دو کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔

ہم مزید کچھ کہے بغیر تم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔"

"ناگ پال شہر میں نہیں ہے۔ وہ پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے اور چانگ لی اگرچہ شہر ہی میں موجود ہے لیکن اس کے ٹھکانے کا کسی کو پتا نہیں۔" روہن نے جواب دیا۔

"اگر یہ تمہارے قابو میں آجاتا تو اسے کہاں لے جاتے؟" شیرپا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ... وہ... ہم کسی اور کے توسط سے اسے اطلاع بھجوا دیتے۔" روہن نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"نہیں روہن۔" شیرپا نے اس کے چہرے پہ نظریں جما دیں۔ "تم سب کچھ جانتے ہو اور تم بتاؤ گے کہ چانگ لی کہاں ہے۔ اگر تم کچھ بتانے سے انکار کرو گے تو میں اپنے ساتھی کی بات نہیں مانوں گا اور تمہارے شریر (جسم) کے ٹکڑے کر کے شہر کی مختلف سڑکوں پر پھینک دیے جائیں گے۔"

"نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" روہن نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

شیرپا چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اچانک ہی بڑی پھرتی سے خنجر کی نوک سے اس کے بازو پر تقریباً دو انچ لمبا چرکا لگا دیا۔ روہن چیخ اٹھا۔

"میں تمہارے شریر کو پہلے اسی طرح چھلنی کروں گا اور پھر ٹکڑے کروں گا۔" شیرپا نے اس مرتبہ خنجر کی نوک اس کی ٹانگ میں پیوست کر دی۔ روہن کی چیخ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی۔

"مزہ نہیں آرہا۔" شیرپا نے یہ کہتے ہوئے خنجر میرے حوالے کر دیا۔ روہن کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

روہن زیادہ دیر تک یہ تشدد برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بب... بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔" وہ چیخ اٹھا۔

"کم بخت کہیں کا۔" شیرپا اسے آخری ٹھوکر مارتے ہوئے بولا "پہلے ہی قبول لیتے تو تمہاری اتنی ٹوٹ پھوٹ نہ ہوتی۔ اب جلدی بکو۔ ورنہ میرا ہاتھ پھر حرکت میں آجائے گا۔"

"وہ... وہ ریڈ لائٹ ایریا میں بسنتی بائی کے کوٹھے میں چھپا ہوا ہے۔" روہن نے جواب دیا۔

"بسنتی بائی! تمہارا مطلب ہے وہ کسی طوائف کے ہاں پناہ لیے ہوئے ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کے لیے اس سے زیادہ محفوظ اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔" روہن نے کہا "کوئی شک بھی نہیں کر سکتا کہ چانگ لی کسی ایسی جگہ پناہ لے سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اگر یہ غلط ثابت ہوا تو...؟" میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور شیرپا کو اشارہ کیا۔

شیرپا نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ باندھ دیے اور ہم کمرے سے باہر آگئے۔

"اب ان کا کیا کیا جائے؟" شیرپا نے میری طرف دیکھا۔

"ان کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا۔ انسپکٹر برینڈرا کا نمبر ملایا اور پھر کچھ سوچ کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟ کس کو فون کر رہے تھے؟" شیرپا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"انسپکٹر برینڈرا کو۔" میں نے جواب دیا "میرا خیال ہے انہیں پولیس کے حوالے کر ہی دینا چاہیے۔ وہ نمٹ لیں گے ان سے۔" میں نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا اور نمبر ملانے لگا۔

انسپکٹر برینڈرا آفس میں موجود نہیں تھا۔ اعظم خان بھی اس کے ساتھ ہی کہیں گیا ہوا تھا۔ میں نے برینڈرا کے اسسٹنٹ وجے کو بتایا کہ کچھ بدمعاشوں نے ہماری رہائش گاہ پر حملہ کیا تھا۔ وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ ناگ پال کے آدمی ہوں۔ وہ تینوں اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں اور ہم انہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔

سب انسپکٹر وجے سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تاہم فون پر اس سے گپ شپ ہوتی رہتی تھی۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔

"میں اس علاقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کر رہا ہوں۔" وجے نے جواب دیا "اپنا ایڈریس بتاؤ۔ وہ لوگ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ ان تینوں کو ان کے حوالے کر دینا۔"

میں نے وجے کو کوٹھی کا پتا سمجھا کر ریسیور رکھ دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس کی ایک گاڑی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ روہن اور اس کے دونوں ساتھیوں کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔ پولیس پارٹی کا انچارج ایک سب انسپکٹر تھا۔ میں نے اسے سمجھا دیا کہ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ان کا خیال رکھا جائے۔

پولیس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں اور شیرپا بھی کوٹھی سے نکل رہے تھے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ شیرپا کے پاس پستول موجود تھا جبکہ میں نے روہن والا خنجر اپنے لباس میں چھپا لیا تھا۔

کار ریڈ لائٹ ایریا میں ایک گلی کے موڑ پر روک کر ہم پیدل ایک طرف چلنے لگے۔ طوائفوں کا یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی گلیوں پر مشتمل تھا۔ ان گلیوں میں روشنی کا مناسب انتظام بھی نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی لاتعداد کوٹھریاں تھیں۔ ہر کوٹھری کے دروازے کے اندر کی طرف جلنے والے بلبوں کی روشنی اتنی مدھم تھی کہ دروازوں میں کھڑی ہوئی طوائفوں کے چہرے بھی دھندلائے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ لاتعداد تماش بین بھی کوٹھریوں میں جھانکتے ہوئے ان گلیوں میں گھوم رہے تھے۔

ایک گلی کے موڑ پر ایک آدمی نے ہمیں روک لیا۔ میرا خیال ہے یہ آدمی کافی دیر سے ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ چوڑی دار قسم کا تنگ موری کا پاجامہ' کھدر کا کرتہ جو گھٹنوں سے کافی اوپر تھا' گلے میں سرخ مفلر اور سر پر سیاہ رنگ کی گول ٹوپی۔ اس کے منہ میں پان بھرا ہوا تھا اور وہ بیڑی کے کش بھی لگا رہا تھا۔

گلی کے اس موڑ پر دیوار کے ساتھ مدھم روشنی کا ایک بلب بھی جل رہا تھا اور اس زرد اور مدھم روشنی میں اس شخص کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ کس قماش کا آدمی تھا۔

"زندگی میں کہاں آگئے سر؟" وہ باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ہیرا کو سیوا کا موقع دو نا۔ جگمگاتے ہیرے پیش کروں گا تمہاری خدمت میں۔"

"بسنتی بائی کا کوٹھا کہاں ہے؟" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"دھت تیرے کی۔" اس شخص کے منہ سے بے اختیار نکلا "آگے جا کر سیدھے ہاتھ کی گلی میں مڑ جاؤ۔ پان کے کھوکھے والے سے پوچھ لینا۔"

ہم آگے جا کر اس کے بتائے ہوئے راستے پر مڑ گئے۔ یہ گلی کی قدر کشادہ تھی اور اس طرف روشنی کا بھی معقول انتظام تھا۔ یہاں ناچنے گانے والی طوائفوں کے ڈیرے تھے۔ مختلف اطراف سے سازوں اور گھونگروؤں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بعض دروازے بند تھے اور کھلے ہوئے دروازوں والے کمرے تیز روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ بنی ٹھنی طوائفیں گاہکوں کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

پان کے کھوکھے کے سامنے تین چار آدمی کھڑے تھے۔ ان میں ایک فوراً ہی ہماری طرف لپکا۔ میں نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ بسنتی بائی کا نام سن کر اس کے چہرے کے تاثرات بھی بگڑ گئے۔ اس نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"اس ڈیوڑھی میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے جاؤ۔ دوسری منزل پر۔ بائیں طرف والا دروازہ۔"

ہم اس ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ سامنے بھی ایک دروازہ تھا اور دائیں طرف بھی۔ دونوں دروازے بند تھے اور اندر سے سازوں اور گھونگروؤں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہم بائیں طرف سیڑھیوں پر چڑھتے چلے گئے۔ سیڑھیاں لکڑی کی تھیں اور تختے ہمارے قدموں کے نیچے چرچرا رہے تھے۔

ہم دوسری منزل پر پہنچے ہی تھے کہ بائیں طرف والا دروازہ کھلا اور دو آدمی برآمد ہوئے۔ صورت سے وہ دونوں شریف ہی لگتے تھے۔ رات کے اندھیرے میں ان گلیوں میں شریف لوگ ہی تو آتے تھے۔ وہ دونوں کسی بات پر قہقہے لگاتے ہوئے نیچے چلے گئے۔

شیرپا مجھے اشارہ کرتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے کنڈا چڑھا دیا اور جیسے ہی مڑ کر دیکھا' میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

یہ خاصا بڑا کمرا تھا۔ فرش پر پلاسٹک کی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ بائیں طرف دیوار کے ساتھ پرانے سے صوفے لگے ہوئے تھے اور ان صوفوں پر زنانہ لباس میں چار عدد ہیجڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان چاروں کی باچھیں کھل پڑیں۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ایک ہیجڑا اٹھ کر شیرپا سے لپٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور شیرپا نے نیپالی زبان میں کچھ چیختے ہوئے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ میری طرح شیرپا بھی خاصا بدحواس ہو رہا تھا۔

اس دوران میں اندرونی دروازے سے ایک اور دراز قامت ہیجڑا برآمد ہوا۔ وہ شکل صورت میں اپنے ساتھیوں سے بہت بہتر تھا۔ ویسے اس میں شبہ نہیں کہ وہ سب کے سب اچھی شکل و صورت کے مالک تھے۔ ان میں دو نے ساڑیاں پہن رکھی تھیں اور تین نیپالی زنانہ لباس میں تھے۔ دراز قامت ہیجڑا ساڑھی میں ملبوس تھا۔

"پدھاریے مہاراج پدھاریے (تشریف لائیے)۔" دراز قامت نے بڑے چاؤ سے ہاتھ لہراتے ہوئے ہمیں آگے آنے کی دعوت دی۔

"تم میں بسنتی بائی کون ہے؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"بسنتی میں ہوں مہاراج۔ آپ لوگ ٹھیک جگہ پر

آئے۔ پسند کیجئے۔ بسنتی کی پریاں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ذرا اور پہلے آجاتے تو بہت اچھی چیزیں مل جاتیں۔ پورے کمنڈو میں بسنتی کی شہرت ہے۔ قدر دان تو شام سے پہلے ہی۔۔۔"

"بند کرو بکواس۔" شیرپا نے اسے ڈانٹ دیا "ہم عیاشی کے لیے نہیں آئے۔ یہاں اور کون ہے؟"

"بسنتی کے کوٹھے پر اور کون ہو سکتا ہے مہاراج۔ پر تم ڈانٹتے کیوں ہو۔ پولیس والے ہو کیا؟" بسنتی نے یہ کہتے ہوئے مخصوص انداز میں تالی بجائی۔

"ہاں۔ ہم پولیس والے ہیں اور ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔" شیرپا نے کہا "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ یہیں چھپا ہوا ہے۔"

"ہائے رام!" بسنتی کے منہ سے کراہ سی خارج ہوگئی "دیکھ لو مہاراج۔ خود دیکھ لو۔ یہاں میری پریوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دو کسٹمر آئے تھے۔ وہ بھی بھاگ گئے۔"

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ کیا روہن نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ شیرپا کی مزید مار سے بچنے کے لیے ہمیں یہاں کا پتا بتا دیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ مذاق کیا تھا یا یہاں آکر ہم کسی فریب کا شکار ہو رہے تھے لیکن بہرحال' میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"شیرپا۔ تم یہیں رکو۔ میں دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر بسنتی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "چلو۔ میں تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

بسنتی کے چہرے پر ایک لمحے کو تغیر سا نمودار ہوا پھر اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔

یہ پورا فلور بسنتی کے قبضے میں تھا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے پانچ چھ کمرے تھے۔ پچھلی طرف ایک کشادہ بالکونی تھی۔ دائیں طرف ایک راہداری تھی۔ وہاں سے ایک تنگ سا زینہ اوپر جانے کے لیے تھا اور ایک زینہ نیچے جانے کے لیے۔ اس عمارت کے پیچھے تنگ سی گلی تھی۔ راہداری میں دائیں طرف بھی ایک دروازہ تھا جس پر تالا لگا ہوا تھا۔

"اس کمرے میں کیا ہے۔ تالا کھولو۔" میں نے بسنتی کو اشارہ کیا۔

"یہ ہمارا کمرا نہیں ہے مہاراج۔" بسنتی نے جواب دیا "یہ زینے کا دروازہ ہے۔ اوپر کوئی اور رہتا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

میں چند لمحے بسنتی کو دیکھتا رہا پھر واپس آگیا۔

میں اور شیرپا باہر نکلے تو بسنتی کی پریوں نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ شیرپا تیزی سے پیچھے مڑا۔ ان کے قہقہوں کو یک دم بریک لگ گیا۔ میں شیرپا کو بازو سے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

"دھوکا ہو گیا ہمارے ساتھ۔" ان اندھیری اور گندی گلیوں سے باہر آکر میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم نے غلطی کی باس۔" شیرپا بولا۔ وہ پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا "اس کم بخت روہن اور اس کے ساتھیوں کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔"

"وہ اب بھی ہماری دسترس سے باہر نہیں ہیں۔" میں نے انجن اسٹارٹ کرکے کار آگے بڑھا دی۔

اس وقت واقعی شدید بوریت ہو رہی تھی بلکہ مجھے اپنے آپ پر تاؤ آرہا تھا کہ میں نے روہن کی بات پر یقین کیوں کرلیا تھا۔

نیا بازار کی طرف گھومتے ہوئے میں نے گاڑی اسٹار ہوٹل کے گیٹ کی طرف موڑ دی۔ میں اس وقت چائے یا کافی کی شدید طلب محسوس کر رہا تھا۔ شیرپا نے بھی ایک کپ کافی کے خیال سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

گرما گرم کافی نے ذہن کو واقعی کسی حد تک سکون دلا تھا۔ کافی پینے کے بعد بھی ہم کافی دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے اور جب ہوٹل سے باہر نکلے تو ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ شیرپا نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ پولیس اسٹیشن کی طرف سے ہوتے ہوئے چلیں۔ خیال برا نہیں تھا۔ روہن کو اس جھوٹ پر کم از کم سرزنش تو کی جاسکتی تھی۔

پولیس اسٹیشن کا راستہ مجھے معلوم نہیں تھا اس لیے اسٹیئرنگ میں نے شیرپا کے حوالے کردیا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے لیکن وہاں کی صورت حال ہماری توقع سے بالکل مختلف تھی۔

تھانے میں پہنچ کر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ روہن ہنگامے' توڑ پھوڑ اور کم از کم پانچ آدمیوں کے قتل کے الزام میں پہلے ہی سے پولیس کو مطلوب تھا (ناگ پال کے گروہ کے تقریباً ہر آدمی پر اس قسم کے سنگین جرائم کے الزامات تھے) جو پولیس آفیسر روہن اور اس کے ساتھیوں کو مدھو مالا والی کوٹھی سے لایا تھا وہ اسے نہیں پہچانتا تھا لیکن تھانے میں آنے کے تقریباً بیس منٹ بعد وہاں آنے والے ایک اور آفیسر نے اسے پہچان لیا۔ اس کا اصل نام روہن بھی نہیں تھا۔ زبانی پوچھ گچھ کے دوران میں ہی روہن نے جیب سے ایک کیپسول نکال کر منہ میں ڈال لیا۔ کیپسول نگلنے کے فوراً بعد ہی اسے خون کی الٹیاں ہونے لگیں۔ اسے فوراً اسپتال لے جایا گیا لیکن اس نے راستے ہی میں دم توڑ دیا۔ اس کی

لاش اس وقت بھی اسپتال میں پڑی تھی جبکہ روہن کے دوسرے دو ساتھیوں کو جامہ تلاشی کے بعد لاک اپ میں بند کردیا گیا تھا اور کسی بھی شخص کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔

ہمارے لیے صورت حال خاصی مایوس کن تھی۔ تھانے میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ میں نے اس آفیسر سے ملنے کی کوشش کی جو روہن اور اس کے ساتھیوں کو مدھو مالا کی کوٹھی سے لے کر آیا تھا لیکن پتا چلا کہ وہ اسپتال گیا ہوا تھا جہاں روہن کی لاش کے پوسٹ مارٹم کا انتظام ہو رہا تھا۔

ہم کوٹھی پر واپس آگئے۔ اس وقت ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ مدھو مالا اور شوبھا جاگ رہی تھیں۔ ہم انہیں کچھ بتا کر نہیں گئے تھے اس لیے وہ ہمارے لیے خاصی پریشان ہو رہی تھیں۔

تین بجے تک ہم لاؤنج ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہماری عدم موجودگی میں مدھو مالا اور شوبھا ایک دوسرے سے خاصی بے تکلف ہو چکی تھیں۔ مدھو مالا اسے سلانے کے لیے بھی اپنے ہی کمرے میں لے گئی تھی۔

پڑی کی طرف جانے سے پہلے جب میں اور بلا یہاں رہ رہے تھے تو شیرپا سرونٹ کوارٹر میں سویا کرتا تھا۔ ہمارے جانے کے بعد وہ کوٹھی ہی کے ایک کمرے میں سونے لگا تھا۔ مدھو مالا نے کوٹھی کی حفاظت کے لیے اپنے قبیلے سے دو آدمی بھی منگوا لیے تھے۔ وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ پچھلے دنوں گاؤں میں ان کی والدہ کا دیہانت (انتقال) ہو گیا تھا اس لیے وہ واپس چلے گئے تھے اور شیرپا کے کہنے کے مطابق کل پرسوں تک قبیلے سے تین آدمی مزید یہاں آنے والے تھے۔

میں اور شیرپا لاؤنج ہی میں لیٹ گئے۔ میں صوفے پر دراز ہو گیا تھا اور شیرپا قالین پر سو گیا تھا۔

صبح سات بجے شیرپا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟" میں اس طرح جگائے جانے پر کڑبڑا سا گیا۔

انسپکٹر برندرا کا فون ہے۔ وہ پولیس اسٹیشن پر تمہارا انتظار کر رہا ہے جہاں رات کو روہن نے خودکشی کی تھی۔" شیرپا نے کہا۔

مجھے اٹھ کر تیار ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس دوران میں شیرپا بھی نہ صرف تیار ہو گیا تھا بلکہ اس نے چائے بھی بنالی تھی۔ چائے پینے کے بعد میں نے شوبھا کو جگا دیا اور اسے بتا دیا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

پولیس اسٹیشن کی صورت حال بہت تشویش ناک تھی۔ کئی مسلح پولیس اہلکار عمارت کے باہر بھی مستعد اور چاق و چوبند کھڑے تھے۔ عمارت کا گیٹ اور دیواریں اس طرح چھلنی نظر آرہی تھیں جیسے یہاں گولیوں کی بارش کی گئی ہو۔

گیٹ پر متعین پولیس والوں نے ہمیں اندر نہیں جانے دیا۔ انسپکٹر برندرا کو اطلاع بھجوانی پڑی جو خود باہر آیا اور ہمیں اندر لے گیا۔

عمارت کے گیٹ کے سامنے سڑک پر اور عمارت کے اندر بھی کئی جگہوں پر خون کے دھبے پھیلے ہوئے تھے۔

انسپکٹر برندرا نے جو کہانی سنائی وہ بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔ میرے اور شیرپا کے لیے یہ اس لیے بھی زیادہ سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ گزشتہ رات ہم جس بات کو روہن کا مذاق سمجھے تھے وہ حقیقت تھی۔ یعنی چانگ لی' ریڈ لائٹ ایریا میں بسنتی بائی کے کوٹھے پر موجود تھا۔

انسپکٹر برندرا کے مطابق اسے نہایت خفیہ ذرائع سے وہاں چانگ لی اور اس کے دو ساتھیوں کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی۔ برندرا نے رات دو بجے پولیس پارٹی کے ساتھ وہاں چھاپا مارا۔ چانگ لی اور اس کے ساتھی بسنتی کے کوٹھے کے اوپر والی منزل پر موجود تھے۔ عقبی راہداری میں جو دروازہ مقفل دیکھ کر میں لوٹ آیا تھا دراصل وہی اوپر جانے کا زینہ تھا۔ انسپکٹر برندرا نے وہ تالا توڑ دیا اور دوسرے ہی لمحے اوپر سے ان پر فائرنگ شروع کردی گئی۔ پولیس نے بھی جواب میں فائر کھول دیا۔

چانگ لی کا ایک آدمی مارا گیا تھا جبکہ دوسرا چانگ لی کے ساتھ دوسری چھت پر کود کر فرار ہو گیا تھا۔ بسنتی اور اس کا ایک ساتھی بھی پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اور پھر صبح چار بجے ناگ پال کے درجن بھر مسلح آدمیوں نے اس پولیس اسٹیشن پر حملہ کردیا۔ ناگ پال کو رات ہی کو بسنتی کے کوٹھے پر چھاپے اور اسپتال میں روہن کی موت کی اطلاع مل گئی تھی۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ اس کے دو آدمی پولیس کی حراست میں تھے جنہیں چھڑانے کے لیے پولیس اسٹیشن پر حملہ کردیا گیا تھا۔

اس حملے میں وہ دونوں قیدی مارے گئے تھے۔ ناگ پال کے آدمیوں نے تھانے میں گھس کر انہیں حوالات سے نکال لیا تھا لیکن پولیس نے شدید مزاحمت کی اور ان دونوں قیدیوں کے علاوہ انہیں چھڑانے والوں میں سے بھی تین آدمی ہلاک ہو گئے تھے جبکہ پولیس کے دو آدمی بھی جان ہار گئے تھے اور تین زخمی ہو گئے تھے۔

تھانے پر حملے کی اطلاع ہیڈ کوارٹر کو دی گئی تھی۔ انسپکٹر برندرا اسی وقت ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہ بھی

نفری لے کر یہاں پہنچ گیا۔ اس سے پہلے ایک اور تھانے کی نفری یہاں پہنچ چکی تھی۔ جب برندرا یہاں پہنچا تو کھیل ختم ہو چکا تھا۔ پولیس کے اعلیٰ افسران بھی آ گئے تھے۔ چھ بجے تک لاشیں بھی اٹھوا دی گئی تھیں اور یہ کیس انسپکٹر برندرا کو دے دیا گیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا تھا کہ چانگ لی، بسنتی بائی کے کوٹھے میں چھپا ہوا ہے؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"کل دن میں ایک مکان پر چھاپے کے دوران میں ایک ایسا آدمی ہمارے ہاتھ لگا تھا جس نے تھرڈ ڈگری کے استعمال کے بعد یہ راز فاش کیا تھا کہ چانگ لی کہاں ہے۔ میں نے دن ہی میں بسنتی کے مکان کی نگرانی شروع کروا دی تھی۔ رات کو مجھے اطلاع ملی کہ تم اور شیرپا بھی وہاں گئے تھے۔ وہاں جانے کی کوئی خاص وجہ؟" برندرا نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اس سے پہلے میں نے تمہیں فون کیا تھا مگر تم اپنے آفس میں موجود نہیں تھے۔" میں نے جواب دیا "میں تمہیں چانگ لی ہی کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ روہن وغیرہ کو پولیس کے حوالے کرنے کے بعد میں نے خود چیک کرنے کا فیصلہ کیا اور شیرپا کے ساتھ وہاں پہنچ گیا لیکن میں نے اس دروازے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی جس پر مالا لگا ہوا تھا اور یہی میری غلطی تھی جس پر مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا لیکن یہ بسنتی کون تھی؟"

"اسے بہت اونچی چیز سمجھا جاتا تھا۔" برندرا نے جواب دیا "ہمارے اس چھوٹے سے ملک میں بہت سی برائیاں جنم لے چکی ہیں۔ ہم جنس پرستی بھی یہاں بڑھتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال سے تیسری جنس کے لوگ زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ ہیجڑے زیادہ تر انڈیا سے آئے ہوئے ہیں۔ یہاں انہوں نے یہ دھندا شروع کر رکھا ہے۔

"بسنتی چند سال پہلے یہاں آیا تھا۔ اس نے چند اور ہم جنسوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک گروپ بنا لیا اور خود ان کا گرو بن بیٹھا۔ انڈیا سے بھی وقتاً فوقتاً ایسے لوگ آتے رہے۔ یہاں آتے ہی وہ بسنتی سے رابطہ کرتے۔

"ہمارے بعض سیاست داں، سرکاری افسران اور دولت مند طبقے سے تعلق رکھنے والے با اثر لوگ بھی اس برائی میں مبتلا ہیں۔ بسنتی نے ایسے بہت سے با اثر لوگوں سے تعلقات استوار کر لیے۔ ان تعلقات سے فائدہ اٹھا کر بسنتی نے منشیات فروشی کا دھندا بھی شروع کر دیا۔ دو سال پہلے پولیس نے اسے پکڑا تھا مگر انہی بڑے لوگوں کی وجہ سے پولیس کو اسے چھوڑنا پڑا لیکن اس کے گروہ کو تتر بتر کر دیا گیا۔

"کچھ عرصے بعد بسنتی نے دوبارہ اپنا اڈا جما لیا۔ اس نے اگرچہ منشیات کا دھندا چھوڑ دیا تھا لیکن ایسے لوگوں سے اس کے تعلقات بدستور تھے۔

"بسنتی تقریباً چار مہینے پہلے میری نظروں میں آیا تھا۔ اسے ناگ پال کی حویلی میں آتے جاتے دیکھا گیا تھا۔ ناگ پال کی سرگرمیاں اس وقت کسی حد تک محدود تھیں اسی لیے میں نے بسنتی پر بھی توجہ نہیں دی۔

"چند روز پہلے مجھے اطلاع ملی کہ ناگ پال کے گروہ سے تعلق رکھنے والے بعض لوگوں کو پراسرار طور پر بسنتی کے کوٹھے پر آتے جاتے دیکھا گیا ہے لیکن اس وقت بھی میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ یہ لوگ عیاشی کے لیے آتے ہوں گے لیکن کل دن میں یہ انکشاف ہوا کہ چانگ لی بسنتی کے کوٹھے پر پناہ لیے ہوئے ہے۔ روپوشی کے لیے چانگ لی نے واقعی ایسی جگہ کا انکشاف کیا تھا جس پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن بالآخر اس کا راز فاش ہو ہی گیا۔ میرے آدمی اس معاملے کو پوری طرح ہینڈل نہیں کر سکے اور اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔"

"مجھے روہن نے چانگ لی کے بارے میں بتایا تھا۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "لیکن جب میں شیرپا کے ساتھ وہاں پہنچا تو ہیجڑوں کی فوج دیکھ کر میں سمجھا تھا کہ روہن نے میرے ساتھ مذاق کیا تھا اور مزید مار سے بچنے کے لیے اس نے ہمیں بسنتی کا پتا بتا دیا تھا اور اسی لیے میں واپس چلا آیا تھا۔ واپسی پر ہم تھانے کی طرف چلے گئے۔ میرا خیال تھا کہ میں روہن سے پھر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا لیکن وہاں صورت حال بدلی ہوئی تھی اور اب یہ سب کچھ....." میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بولا "ایک رات میں تین خوفناک واقعات رونما ہوئے ہیں۔ میری تو عقل کام نہیں کر رہی کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" برندرا نے کہا "ناگ پال کے حوالے سے اب حکومت نے بھی اپنی پالیسی بدل دی ہے۔ اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ اب اسے کوئی رعایت نہ دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ ڈراما جلد ہی ختم ہو جائے گا۔"

"مجھے یہاں کس لیے بلایا تھا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہی سب کچھ بتانے کے لیے۔" برندرا نے جواب دیا "تمہیں کچھ عرصے کے لیے پہلے سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم اکیلے ہوتے تو میں زیادہ پریشان نہ ہوتا لیکن تمہارے ساتھ شوبھا بھی ہے اور اب تم ایک ایسی جگہ چلے گئے ہو جہاں ایک اور عورت بھی موجود ہے۔ مدھومالا ایک قبائلی سردار کی بیٹی ہے۔ اس نے اگرچہ اپنے تحفظ کے لیے کبھی حکومت سے رابطہ نہیں کیا لیکن اب ہمیں اس کا خیال رکھنا پڑے گا۔ سادہ لباس میں ہمارے دو آدمی مدھومالا کی کوٹھی پر پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ باہر رہ کر کوٹھی کی نگرانی کریں گے۔ رات کو ان کی جگہ دوسرے آدمی پہنچ جائیں گے۔"

"مدھومالا کے قبیلے کے کچھ آدمی بھی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ....."

"اب میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔" برندرا نے میری بات کاٹ دی "تم ان قبائلی سرداروں کو نہیں جانتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ لوگ حکومت سے بہت مخلص ہیں۔ تعاون بھی کرتے ہیں لیکن جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو حکومت ہی کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور پھر آج کل تو ناگ پال جیسے شیطان حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ عین ممکن ہے ناگ پال ہی مدھومالا کو کوئی نقصان پہنچانے کے بعد اس کے باپ کو حکومت کے خلاف اکسانے کی کوشش کرے اس لیے ایسی کسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے مدھومالا کی کوٹھی کی نگرانی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

ہماری ان باتوں کے دوران میں شیرپا خاموش بیٹھا رہا تھا۔ میں اور برندرا کچھ دیر اور باتیں کرتے رہے اور پھر میں اٹھ گیا۔

جب ہم کوٹھی واپس پہنچے تو گیارہ بج رہے تھے۔ شوبھا اور مدھومالا لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہم بھی ان کے پاس کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دو ہی منٹ بعد گیٹ پر دستک ہوئی تو شیرپا اٹھ کر باہر چلا گیا اور پھر اس نے مجھے بھی اشارے سے بلا لیا۔

سادہ لباس میں پولیس کے دو آدمی آئے تھے۔ صرف اپنے آپ کو روشناس کرانے کے لیے انہوں نے ہمیں باہر بلایا تھا۔ چند منٹ ہم سے گپ شپ کرنے کے بعد ان میں سے ایک دائیں طرف چلا گیا اور دوسرا بائیں طرف۔

وہ دن بڑی بوریت میں گزرا۔

رات نو بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ شیرپا قریب تھا اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر بات کرتا رہا پھر مجھے اشارہ کیا۔

"تمہاری کال ہے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ریسیور اس سے لے لیا۔ میرا خیال تھا کہ انسپکٹر برندرا ہوگا کیونکہ میرے بارے میں صرف اسی کو معلوم تھا کہ میں یہاں ہوں یا پھر مایا متی ہو سکتی تھی لیکن ریسیور پر سنائی دینے والی وہ آواز میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔

"میں گومل بول رہا ہوں۔" وہ شخص کہہ رہا تھا "سومبا کا دوست..... تمہیں یاد ہوگا کہ....."

"ہاں ہاں۔ مجھے یاد آ گیا۔" میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں؟"

"تم پہلے بھی یہاں رہ چکے ہو اور آج دن میں، میں نے تمہیں شیرپا کے ساتھ دیکھا تھا۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کوئی خاص بات؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں اس چینی کی تلاش ہے نا جو گزشتہ رات ریڈ لائٹ ایریا میں پولیس کے گھیرے سے فرار ہو گیا تھا؟" گومل نے کہا۔

"ہاں۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"آج شام کو ناگ پال کا ایک بہت قریبی آدمی میری نظروں میں آ گیا تھا۔" گومل نے جواب دیا "مجھے اس پر شبہ ہوا اور میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا جو ہنومانتے کھولا کے کنارے پر واقع ایک پرانے مندر تک جاری رہا۔ وہ چینی بھی اس مندر میں موجود ہے۔"

"یہ کون سی جگہ ہے اور کہاں پر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ مندر بھگتا پور کے راستے میں ہے۔" گومل نے جواب دیا "اس چینی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے جس کا میں نے تعاقب کیا تھا۔ اگر تم چاہو تو میں....."

"تم اس وقت کہاں پر ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں آرنیکو روڈ پر بابر محل والے موڑ پر ویرا ریسٹورنٹ سے بول رہا ہوں۔ تم اگر آنا چاہو تو....."

"میرا انتظار کرو۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات

کاٹ دی۔ "مجھے وہاں تک پہنچنے میں آدھا گھنٹا لگے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کررہا ہوں لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔" گومل نے کہا "پولیس کو ساتھ لے کر مت آنا۔ زیادہ لوگ ہوں گے تو وہ محتاط ہوجائیں گے اور پولیس کے طریقہ کار سے ویسے بھی تم واقف ہو۔"

"میں اکیلا آؤں گا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

گومل کی آخری بات نے مجھے چونکا دیا تھا۔ اس نے مجھے پولیس کو ساتھ لانے کو منع کیوں کیا تھا؟ میرے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں کیا جارہا؟ گومل کو میں چہرے سے تو پہچانتا تھا۔ سوہا کے ساتھ کئی مرتبہ اس سے ملاقات ہوئی تھی لیکن ٹیلی فون پر اس کی آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ تصدیق کیے بغیر میدان میں کود پڑنا اگرچہ خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن میں نے رسک لینے کا فیصلہ کرلیا۔

شیرپا کو جب میں نے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگیا۔ میں نے اسے منع نہیں کیا۔ ایک سے دو بھلے۔ شیرپا ایک دلیر اور حوصلہ مند آدمی تھا۔ آزمودہ کار تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ وقت پڑنے پر پیچھے نہیں ہٹے گا۔

میں نے بھی پنڈلی کے فیتے میں خنجر لگالیا۔ شیرپا نے بھی پستول چیک کرکے جیب میں ڈال لیا۔ میں نے شوبھا کو بھی بتا دیا کہ ہم کس مشن پر جارہے ہیں۔ شوبھا اس بات پر بضد تھی کہ میں خود ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے انسپکٹر بریندرا کو آگاہ کردوں۔ پولیس اس معاملے سے خود ہی نمٹ لے گی لیکن میں اس مہم کی کامیابی کا سہرا اپنے سر پر باندھنا چاہتا تھا۔ یہ عہد تو میں نے کررکھا تھا کہ جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کو یہاں قدم نہیں جمانے دوں گا۔

گومل کی کال نو بجے کے قریب موصول ہوئی تھی۔ ہم شہر کے شمال میں تھے جبکہ ویرا ریسٹورنٹ شہر کے جنوبی حصے میں واقع تھا۔

شیرپا ڈرائیونگ کررہا تھا اور میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ شہر کی سڑکوں پر زندگی کے ہنگامے شباب پر تھے۔ ہر طرف چہل پہل نظر آرہی تھی۔

گاڑی مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی رنگ روڈ پر آگئی اور وہاں سے آرنیکو روڈ پر راج مارگ کی طرف مڑگئی۔ یہی سڑک سیدھی بھگتا پور کی طرف چلی گئی تھی۔

شہری حدود سے تقریباً دو کلومیٹر آگے ایک موڑ پر بابر محل نام کی ایک قدیم عمارت تھی۔ اس تاریخی عمارت کی وجہ سے آس پاس کچھ آبادی بھی ہوگئی تھی۔ اس طرف کچھ اور پرانی عمارتیں اور کھنڈرات بھی تھے جنہیں دیکھنے کے لیے سیاح اس طرف آتے رہتے تھے لیکن شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد سیاحوں کی آمدورفت بند ہوجاتی تھی۔

ویرا ریسٹورنٹ سڑک کے موڑ پر ہی تھا۔ مقامی آبادی کی وجہ سے اس وقت یہاں خاصی رونق تھی۔ شیرپا نے ریسٹورنٹ سے ذرا آگے گاڑی روک لی اور جب میں گاڑی سے اتر کر ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو پونے دس بج رہے تھے۔

گومل مجھے دروازے کے قریب ہی ایک میز پر نظر آگیا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ میں نے اسے فوراً ہی پہچان لیا۔ اس نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

ناگ پال کے ہاتھوں سوہا اور اس کے دو تین آدمیوں کے قتل کے بعد اس کا گروہ منتشر ہوگیا تھا۔ بعض لوگ تو یہ شہر ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے اور بعض اپنے طور پر زندہ رہنے کی جدوجہد کررہے تھے اور شاید گومل بھی انہی میں سے ایک تھا۔

گومل کے پاس موٹر سائیکل تھی لیکن اسے میں گاڑی کی طرف لے آیا تو شیرپا کو دیکھ کر وہ کچھ جز بز سا ہوا تھا۔ میں اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور شیرپا گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔

گاڑی اس علاقے سے نکل کر مین روڈ پر بھگتا پور کی طرف دوڑنے لگی۔ تقریباً پانچ کلومیٹر آگے دریائے ہونمانتھا جو آگے جاکر دامیں طرف پہاڑیوں میں مڑگیا تھا۔

چاندنی رات میں آس پاس کا منظر بہت اچھا لگ رہا تھا لیکن ایسے دل فریب مناظر سے لطف اندوز ہونا شاید میری قسمت ہی میں نہیں تھا۔ میں شاید جمالیاتی حس سے محروم ہوتا جارہا تھا۔ میرا ذہن تو ہر وقت گنجلک خیالات کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ کسی حسین منظر سے لطف اندوز ہونے کا میرے پاس وقت ہی کب تھا۔

"گاڑی کی ہیڈ لیمپس اور اندر کی بتی بھی بجھا دو شیرپا۔" گومل نے کہا "اور آگے پل پار کرنے کے بعد گاڑی کو دائیں طرف موڑ لینا۔"

دریا پر یہ پل زیادہ بڑا نہیں تھا۔ پل پار کرتے ہی شیرپا نے گاڑی دائیں طرف موڑ دی۔ یہ ایک کچا راستہ تھا جو دریا کے ساتھ ساتھ چلا گیا تھا۔ گاڑی کی رفتار بھی کم کرنی پڑی تھی۔

تقریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مندر کی عمارت کا وہ ہیولا دکھائی دینے لگا۔ چاندنی رات میں عمارت کا وہ ہیولا بڑا پراسرار دکھائی دے رہا تھا۔

"بس۔ اس طرف گاڑی روک لو۔" گومل نے ایک طرف اشارہ کیا۔

شیرپا نے گاڑی کی رفتار کم کرکے اسے گنجان درختوں میں لے جاکر جھاڑیوں میں روک کر انجن بند کردیا اور ہم تینوں گاڑی سے اتر آئے۔ دروازے کھولنے اور بند کرنے میں ہم نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔

مندر کی وہ عمارت وہاں سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھی۔ چاندنی رات میں وہ عمارت خاصا پراسرار منظر پیش کررہی تھی۔ ہم گومل کے پیچھے درختوں میں چلتے رہے اور عمارت سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رک گئے۔

"اس عمارت کا مین گیٹ دریا کی طرف ہے۔" گومل نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "لیکن ایک دروازہ اس طرف بھی ہے۔ جس طرف مندر کے پچھلے حصے میں تہ خانے کا راستہ ہے۔ وہ چینی اس تہ خانے میں ہے۔"

عمارت میں داخل ہوتے ہوئے ہم خاصے محتاط ہوگئے۔ شیرپا نے پستول نکال لیا تھا۔ گومل کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آرہا تھا۔

مندر کی ٹوٹی پھوٹی یہ عمارت غالباً صدیوں پرانی تھی۔ اندر وحشت انگیز سناٹا طاری تھا۔ اوپر کی طرف کسی ٹوٹی ہوئی دیوار سے مدھم سی چاندنی عمارت کے اندر بھی پہنچ رہی تھی اور فرش پر چاندنی کا وہ دھبا بڑا پراسرار تاثر دے رہا تھا۔

اس کھنڈر نما عمارت میں کسی طرف آہٹ سن کر میں ٹھٹک گیا۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی چھوٹا سا پتھر لڑھکا ہو۔

"کوئی جانور ہوگا۔" گومل نے سرگوشی کی "اس طرف چلتے رہو۔"

گومل آگے اور ہم اس کے پیچھے چلتے رہے۔ آگے اندھیرا تھا۔ صاف لگ رہا تھا جیسے ہم زمین کے سینے میں اتر رہے ہوں۔ گومل نے ایک بار پھر رکنے کو کہا۔ اس وقت ہم تقریباً بیس بائیس فٹ نیچے آچکے تھے۔

ہم تینوں ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ اب آگے راستہ ہموار تھا۔

ہم دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک بار پھر رک گئے۔ میں نے دیوار کی دوسری طرف جھانک کر دیکھا۔ آگے کسی جگہ مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس متحرک روشنی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس طرف کوئی مشعل جل رہی تھی جس کی لو ہوا سے کپکپا رہی تھی۔

"اس راہداری میں بائیں طرف وہ کمرا ہے جہاں روشنی ہورہی ہے۔" گومل نے سرگوشی کی "وہ چینی اسی کمرے میں ہے۔ وہ دوسرا آدمی بھی اسی طرف ہوگا۔"

ٹھیک اسی وقت عقب میں ڈھلان کی طرف سے ایک بار پھر کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ گومل کے بارے میں بھی میرا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔ فون پر اس نے بتایا تھا کہ اس نے جس شخص کا تعاقب کیا تھا اسے اس مندر میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن... گومل اس مندر میں داخل ہوکر جس طرح ہمیں یہاں تک لایا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مندر کے اندرونی راستوں سے بھی بخوبی واقف تھا۔

ہم اس راہداری میں مڑگئے۔ میں نے پتلون کے پائنچے سے خنجر بھی نکال لیا تھا اور یہ بھی طے کرلیا تھا کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو کم از کم گومل تو میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچ سکے گا۔

ہم اس کمرے کے قریب رک گئے۔ کسی زمانے میں یہاں کوئی مضبوط قسم کا دروازہ بھی رہا ہوگا لیکن اب تو چوکھٹ بھی غائب تھی۔ جے پور میں مجھے کئی مندر دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ ان کے نیچے نہ صرف تہ خانے تھے بلکہ ایسے خفیہ راستے بھی تھے جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی اور مجھے یقین تھا کہ یہاں بھی کوئی خفیہ راستے ضرور ہوں گے۔

میں نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ یہ کمرا خاصا کشادہ تھا اور بائیں طرف ایک شان دار بیڈ بچھا ہوا تھا۔ اس سے آگے ایک کافی ٹیبل اور تین چار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کرسی پر چانگ لی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے دوسری کرسی پر نیم عریاں لباس میں ایک عورت تھی۔ میز پر شراب اور سوڈے کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں شراب کے گلاس نظر آرہے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ پینے پلانے کا دور ابھی شروع ہوا تھا۔

میری آنکھوں میں ایک لمحے کو الجھن سی تیر گئی۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا۔ میں اس آدمی کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کا گومل نے تعاقب کیا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ باہر میں نے دو مرتبہ پتھر لڑھکنے کی آواز سنی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ شخص باہر کسی جگہ موجود ہو اور اس نے ہمیں دیکھ لیا ہو۔ بہرحال، اب اوکھلی میں سر دیا جاچکا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ موسلوں سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

گومل نے مجھے اشارہ کیا تو میں خنجر سنبھالے دروازے

میں داخل ہوگیا۔ شیرپا بھی میرے ساتھ ہی تھا۔ چانگ لی کے سامنے بیٹھی ہوئی عورت نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ اس طرح اچھلی جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ خوف سے اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا تھا۔ شراب کا گلاس بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شراب اس کے اوپر گری تھی۔

چانگ لی نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا۔ لگتا تھا جیسے ہماری آمد اس کے لیے غیر متوقع نہ رہی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر آنے والی خفیف سی مسکراہٹ نے میرے اس خیال کی تصدیق بھی کردی تھی۔ تاہم وہ عورت میرے ہاتھ میں خنجر اور شیرپا کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"ویل کم۔" چانگ لی میری طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ بنتی کے کوٹھے پر میرا اور تمہارا آمنا سامنا نہیں ہوسکا تھا لیکن یہاں سے تم واپس نہیں جاسکو گے۔"

"ہاتھ اوپر اٹھالو چانگ لی۔" میں نے کہا "تمہارے دن پورے ہوچکے ہیں۔ تمہارا کھیل ختم ہو....."

میری کمر پر پڑنے والی زوردار ٹھوکر نے میرا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا۔ میں لڑکھڑا کر آگے گرا۔ شیرپا بھی کراہتا ہوا آگے کو گرا تھا۔ اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا جو فرش پر لڑھکتا ہوا چانگ لی کے پیروں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ چانگ لی نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے جھک کر وہ پستول اٹھالیا۔

میں کمرے کے وسط میں منہ کے بل گرا تھا۔ خنجر میرے ہاتھ ہی میں تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گردن گھما کر دیکھا۔ گومل کے بارے میں میرے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خباثت آمیز مسکراہٹ تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ میری طرف تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا جس نے شیرپا کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔

"مجھے تم پر پہلے ہی شبہ تھا گومل۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے لہجے میں نفرت نمایاں تھی "افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم نے اپنے گرو سوما سے کچھ نہیں سیکھا جس نے اپنی جان دے دی لیکن سچائی کا دامن نہیں چھوڑا۔"

"وہ بے وقوف تھا۔" گومل نے ہنستے ہوئے جواب دیا "عقل مند تو وہی ہوتا ہے جو حالات کا رخ دیکھ کر قدم اٹھانا جانتا ہو۔ میں نے بھی وہی کیا جو ان حالات میں مجھے کرنا چاہیے تھا۔"

"تم دنیا کے سب سے بڑے احمق ہو۔" میں نے کہا "تم نہیں جانتے....."

میں نے بات ادھوری چھوڑ کر دائیں طرف دیکھا۔ پہلے میں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس طرف بھی ایک تنگ سا دروازہ تھا جہاں سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ سامنے والی کھڑکی میں بھی ایک آدمی نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

ہمارے مخالفین کی تعداد اب چار ہوگئی تھی۔ وہ نیم عریاں لڑکی اور چانگ لی اس تعداد میں شامل نہیں تھے۔ لڑکی تو ویسے ہی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس سے کسی مقابلے کی توقع نہیں تھی۔

"خنجر پھینک دو اور تم دونوں سامنے والی دیوار کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔" چانگ لی نے میری اور شیرپا کی طرف دیکھتے ہوئے پستول سے اشارہ کیا "کل رات تمہیں بنتی کے مکان میں دیکھ کر مجھے واقعی بڑی حیرت ہوئی تھی۔ میں تمہاری ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم نے جس طرح میرے اس ٹھکانے کا پتا لگایا وہ واقعی قابلِ تعریف ہے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے اور تم سے پیچھا چھڑانا بہت ضروری تھا۔ اس کے لیے میں نے گومل کو چارے کے طور پر استعمال کیا اور تم بڑی آسانی سے یہاں پہنچ گئے اور تم یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ پیسے سے ہر چیز کو خریدا جاسکتا ہے ..... انسان بھی۔ ہر انسان کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ میں نے گومل کی قیمت لگائی تو یہ ہمارے ہاتھ بک گیا اور تمہیں یہاں لے آیا۔ تم سے تو بڑا لمبا چوڑا حساب کرنا ہے۔ پانچ سو کلو ہیروئن..... اپنے آدمیوں کے قتل کو میں بھول سکتا ہوں لیکن پانچ سو کلو ہیروئن کو نہیں لیکن تمہارے ساتھ حساب کتاب شروع کرنے سے پہلے میں گومل کا حساب کردینا ضروری سمجھتا ہوں تمہیں یہاں لا کر اس نے بہت بڑا کام کیا ہے اور یہ انعام کا مستحق ہے۔ جامو!"

اس نے آخری الفاظ گومل کے قریب کھڑے ہوئے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے ادا کیے تھے۔ جامو یقیناً اسی شخص کا نام تھا۔ چانگ لی نے کہا "گومل کو انعام دے کر فارغ کردو جامو۔"

جامو، گومل کی طرف مڑا۔ اس نے بڑی تیزی سے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر ٹریگر دبادیا۔ کمرا گولی کی آواز اور گومل کی چیخ سے گونج اٹھا۔ گولی گومل کی پیشانی میں لگی۔ کٹے ہوئے درخت کی طرح لہراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی پیشانی سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر قریب ہی گر گیا تھا۔

"غداری کا انعام تو یہی ہوتا ہے نا۔" چانگ لی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس نے اپنے باس سے بھی غداری کی تھی۔ اگر یہ اپنے باس کو دھوکا نہ دیتا تو وہ بھی نہ مارا جاتا۔ اس وقت ہم نے اسے زندہ رکھا تھا کیونکہ اس سے ایک دو اور کام لینا باقی تھے۔ سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ یہ تمہیں یہاں لے آیا۔ اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی اس جیسے لوگوں کا انجام تو یہی ہونا چاہیے نا۔ یہ اپنے دوستوں سے اور اپنے کاز سے وفا نہیں کرسکا، ہمارا وفادار کیسے رہتا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" میں نے کہا "اگر تم اسے معاف کردیتے تو میں اسے سزا ضرور دیتا۔"

"اب تم دونوں اٹھ کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔ جلدی کرو۔" چانگ لی نے پستول سے اشارہ کیا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہ جگہ تو ہم نے آج کے اس پروگرام کے لیے منتخب کی تھی۔ ہماری اصل منزل تو ریور ویلی میں واقع وہ حویلی ہے جہاں ناگ پال ہمارا انتظار کررہا ہے۔"

میں نے خنجر ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اٹھتے ہوئے کن انکھیوں سے شیرپا کی طرف دیکھا۔ گومل کی لاش شیرپا سے چند فٹ کے فاصلے پر پڑی تھی اور پستول بھی قریب ہی پڑا ہوا تھا۔ شیرپا کی نظریں پستول پر تھیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے جامو نے شاید کچھ اندازہ لگالیا تھا۔ وہ گومل کا پستول اٹھانے کے لیے جھکا تو ٹھیک اسی وقت شیرپا نے سانپ کی سی سرعت سے اپنی جگہ سے لوٹ لگادی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر جامو کے سینے پر پڑی۔ وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ شیرپا نے بڑی پھرتی سے زمین پر پڑے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈال دیا۔ پستول ہاتھ میں آتے ہی اس نے ٹریگر دبانے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میں نے بھی وقت ضائع کیے بغیر اپنی جگہ سے چھلانگ لگادی اور ہوا میں اڑتا ہوا چانگ لی کے اوپر جا گرا۔ شیرپا والا پستول اگرچہ چانگ لی کے ہاتھ میں تھا لیکن اسے ٹریگر دبانے کا موقع نہیں مل سکا۔

میں چانگ لی کو ساتھ لیتا ہوا کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ وہ عورت بھی چیختی ہوئی اٹھ کر کمرے کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ اسے غالباً چانگ لی کا دل بہلانے کے لیے یہاں لایا گیا تھا لیکن اس خطرناک صورتِ حال نے اسے خوف زدہ کردیا تھا۔

چانگ لی کا یہ کہنا بھی درست ہوسکتا تھا کہ مجھے پھانسنے دینے کے لیے اس جگہ کا انتخاب وقتی طور پر کیا گیا تھا لیکن یہاں کے انتظامات دیکھ کر یہ اندازہ لگانا بھی دشوار نہیں تھا کہ اس سے پہلے بھی یہ جگہ استعمال ہوتی رہی تھی۔

چانگ لی میرے نیچے دب گیا تھا۔ وہ نکلنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میں نے اسے دبوچ لیا۔ اسی لمحے کھڑکی کی طرف سے غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"چھوڑ دو مسٹر۔ باس کو چھوڑ دو ورنہ گولی ماردوں گا۔"

لیکن میں نے چانگ لی کو نہیں چھوڑا۔ میں اسے اس طرح رگید رہا تھا کہ اپنے آپ کو اس کی آڑ میں رکھوں تاکہ اس کے کسی آدمی کی گولی مجھے نشانہ نہ بنا سکے۔

شیرپا نے جامو کو پہلے ہی فائر میں ڈھیر کردیا تھا لیکن وہ خود سنبھل نہیں پایا تھا کہ اندرونی دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی نے اس پر چھلانگ لگادی۔ اس نے فائر کرنے کے بجائے پستول سے شیرپا کے کندھے پر ضرب لگائی۔ شیرپا کراہ اٹھا۔

کھڑکی کے باہر کھڑا ہوا آدمی بھی چھلانگ لگا کر اندر آگیا۔ وہ مجھ پر پستول کے دستے سے وار کرنے کے لیے ادھر ادھر ناچنے لگا لیکن میں اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔ میں چانگ لی کو گرفت میں لیے ادھر سے ادھر لوٹ لگاتا رہا۔

اور پھر اچانک فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ فائرنگ کی یہ آواز کھڑکی کی طرف سے آئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھاری آواز بھی گونج اٹھی۔

"خبردار! پولیس نے اس مندر کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوجاؤ۔"

چانگ لی کے دونوں ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ کھڑکی کی طرف سے دو آدمی کود کر اندر آگئے۔ میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ دونوں وہی تھے جنہیں مدھو مالا کی کوٹھی کی نگرانی پر تعینات کیا گیا تھا۔ میں نے بھی چانگ لی کو چھوڑ دیا۔ میرا خیال تھا کہ چانگ لی بھی ہاتھ اٹھاوے گا لیکن اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اندرونی دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔ میں بھی اپنی جگہ سے اچھلا اور دروازے کی دوسری طرف راہداری میں جا گرا۔ اندھیرے میں ایک طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں بھی قدموں کی آواز پر اس طرف دوڑ پڑا۔

ہم دونوں آگے پیچھے دوڑتے ہوئے مندر سے باہر آگئے۔ چانگ لی مندر کی پچھلی طرف بھاگ رہا تھا۔ وہ مجھ سے دس بارہ گز آگے تھا۔ اس طرف قد آور گنجان جھاڑیاں تھیں

اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان جھاڑیوں میں غائب نہ ہوجائے۔ میں نے بھی اس طرف دوڑ لگادی۔

میں نے چانگ لی کو جھاڑیوں میں جالیا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں اسے کچھ دیر تک جھاڑیوں میں رگیدتا رہا لیکن بالآخروہ میری گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگادی لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اسے زیادہ دور جانے کا موقع نہیں دیا۔

اس مرتبہ ہم جس جگہ گرے تھے وہاں پانی پھیلا ہوا تھا۔ چانگ لی میرے نیچے دب گیا تھا لیکن اس نے مجھے پیروں سے دور اچھال دیا۔ میں پشت کے بل پانی میں ڈوبی ہوئی جھاڑیوں میں گرا۔ میرا خیال تھا کہ چانگ لی ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن اس مرتبہ اس نے میرے اوپر چھلانگ لگادی اور سینے پر سوار ہوکر دونوں ہاتھوں سے میرے منہ پر گھونسوں کی بارش کردی۔

میرے دونوں جبڑوں پر گھونسے ہتھوڑوں کی طرح برس رہے تھے لیکن ایک موقع پر میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑلیے اور اسے نیچے کی طرف کھینچنے لگا۔ چانگ لی میرے اوپر جھکتا چلا گیا۔ میں نے موقع ملتے ہی اس کے چہرے پر سر سے زوردار ٹکر ماردی۔

ٹکر چانگ لی کی ناک پر لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی میری گرفت میں تھے۔ میں نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے ایک اور ٹکر ماری اور اسے ایک طرف اچھال دیا۔

چانگ لی شڑاپ کی آواز سے جھاڑیوں کے اندر پانی میں گرا۔ میں بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور چانگ لی کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

جنرل کھوراٹ کے آدمیوں سے طویل عرصے تک میرا واسطہ رہا تھا۔ پہلے تھائی لینڈ میں اور پھر گولڈن ٹرائی اینگل میں۔ یہ لوگ خوں خوار بھیڑیوں سے کم نہیں تھے۔ تھائی لینڈ کے سرحدی قصبے چیانگ سائین میں تو ایک مرتبہ چانگ لی سے بھی آمنا سامنا ہوچکا تھا۔ اس میں اب بھی بلا کی طاقت بھری ہوئی تھی لیکن گزرے ہوئے وقت نے اس پر بھی کچھ نہ کچھ اثر ڈالا تھا اور اب اس میں وہ پہلے جیسی بات نہیں رہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اب وہ جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی جان بچا کر بھاگنے کی فکر میں تھا۔

چانگ لی کو ایک بار پھر موقع مل گیا۔ اس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا اور اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے اٹھ کر اس کے پیچھے چھلانگ لگانا چاہی تو پانی میں میرا پیر پھسل گیا۔ میں پشت کے بل گرا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔

چانگ لی اس دوران میں پچیس تیس گز دور نکل چکا تھا۔ اس کے کپڑے اور جوتے بھی پانی میں بھیگے ہوئے تھے اور شاید اسی لیے اس سے بھی زیادہ تیز نہیں دوڑا جارہا تھا۔ میں نے جلد ہی اسے جالیا۔

اس مرتبہ میں نے اسے بھاگنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کرتا رہا۔ اس دوران میں ایک آدمی دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا۔

وہ ان دو پولیس والوں میں سے ایک تھا جو ہماری مدد کے لیے بروقت مندر میں پہنچ گئے تھے۔ اس نے بھی چانگ لی کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ چانگ لی کی چیخیں ویرانے میں گونجتی رہیں اور بالآخروہ ادھ موا سا ہوکر گر گیا۔

میں نے جھک کر چانگ لی کو گریبان سے پکڑنا چاہا تو اس نے اچانک ہی میرے جبڑے پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ میں کراہتا ہوا لڑکھڑا گیا۔ میرے قریب کھڑا ہوا پولیس والا اس پر پل پڑا اور اس وقت تک چانگ لی پر ٹھوکریں برساتا رہا جب تک وہ ایک بار پھر بے حس و حرکت نہیں ہوگیا۔

پولیس والا چند لمحے کھڑا ہانپتا رہا پھر جھک کر چانگ لی کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ اس کی جیکٹ کی اندرونی جیب سے پستول برآمد ہوا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ چانگ لی نے پستول استعمال کیوں نہیں کیا تھا اور پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی۔ مندر کے تہ خانے سے وہ بدحواسی کی کیفیت میں بھاگا تھا اور پھر باہر آکر میں نے اسے زیادہ دور جانے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ہوسکتا ہے بھاگ دوڑ میں اسے پستول نکالنے کا خیال نہ رہا ہو یا اسے موقع ہی نہ ملا ہو۔

چانگ لی بے ہوش ہوچکا تھا۔ ہم دونوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال دیے اور اسے جھاڑیوں میں گھسیٹتے ہوئے مندر کی طرف لے جانے لگے۔

دوسرا پولیس والا اور شیرپا، چانگ لی کے دوسرے دو آدمیوں کو مندر سے باہر لے آئے تھے۔ وہ عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گومل اور جامود غیرہ کی لاشیں تہ خانے ہی میں چھوڑ دی گئی تھیں۔

چانگ لی کوئی دس منٹ بعد ہوش میں آسکا تھا۔ ہم ان سب کو پستولوں کی زد پر اس جگہ لے آئے جہاں ہماری کار کھڑی تھی۔ کار سے چند گز کے فاصلے پر جھاڑیوں میں ایک جیپ بھی موجود تھی۔

ان سب کو باندھ کر جیپ میں ڈال دیا گیا۔ اس دوران میں ایک پولیس والا بتا رہا تھا کہ جب میں اور شیرپا اپنی کار پر کوٹھی سے نکلے تھے تو انہیں کسی گڑبڑ کا شبہ ہوگیا تھا۔ انہوں نے جیپ پر ہمارا پیچھا شروع کردیا اور سیلولر فون پر ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے دی تاکہ کوٹھی کی نگرانی کے لیے دوسرے آدمیوں کو بھیج دیا جائے۔

چانگ لی اور اس کے ساتھیوں کو جیپ میں ڈالنے کے بعد اس پولیس والے نے سیلولر فون نکال لیا اور ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرکے صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ چند منٹ فون پر بات کرتا رہا پھر فون بند کرکے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہم انہیں لے کر ہیڈ کوارٹر جارہے ہیں۔ آپ لوگ اپنی کوٹھی پر چلے جائیے۔ انسپکٹر بریندرا بعد میں آپ سے رابطہ کریں گے۔"

"اور ان لاشوں کا کیا ہوگا؟" میں نے مندر کی طرف دیکھا۔

"پولیس کی ایک پارٹی یہاں آجائے گی۔ ان لاشوں کا بندوبست بھی وہی لوگ کرلیں گے۔" پولیس والے نے جواب دیا۔

میں اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے، جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے چانگ لی کے قریب رک گیا۔ اس کے پیر بھی بندھے ہوئے تھے اور ہاتھ بھی پشت پر رسی میں جکڑے ہوئے تھے۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا چانگ لی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کو یہاں قدم نہیں جمانے دوں گا۔ پہلے میں نے ہیروئن کی بڑی کھیپ پر قبضہ کیا اور اب تمہیں پولیس کے حوالے کررہا ہوں۔ جنرل کھوراٹ نے اس خطے کے حوالے سے جو منصوبے بنائے تھے وہ خاک میں مل چکے ہیں۔"

"تم تمہاری خوش فہمی ہے۔" چانگ لی نے کہا "ہیروئن کی ایک کھیپ پکڑے جانے سے یا دو چار آدمی مارے جانے سے جنرل کھوراٹ کے منصوبے متاثر نہیں ہوتے۔ پانچ سو کلو ہیروئن اس کے لیے ایک چٹکی کے برابر ہے۔ اس ہیروئن کے پکڑے جانے سے نہ تو وہ قلاش ہوا ہے اور نہ ہی اس کے آدمیوں کی تعداد میں کمی آئی ہے۔ جب تک ناگ پال جیسے لوگ اس ملک میں موجود ہیں، جنرل کھوراٹ کو اپنے مقاصد میں ناکامی نہیں ہوسکتی۔ میرے پکڑے جانے سے منصوبہ ختم نہیں ہوگیا۔ تم دیکھو گے کہ بہت جلد یہ پورا خطہ ہمارے شکنجے میں ہوگا۔ یہاں کے سیاست داں اور حکمران بھی ہماری مرضی پر چلیں گے۔"

"تم لوگوں کا یہ گھناؤنا منصوبہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا "یہاں سوما جیسے محبِ وطن اور بریندرا جیسے فرض شناس آفیسروں کی بھی کمی نہیں ہے۔ بہرحال، یہ وقت بتائے گا کہ یہاں کامیابی انسانیت کی ہوتی ہے یا تم جیسے شیطان قدم جمانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔"

میں اپنی کار کی طرف آگیا۔ شیرپا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ میں کیچڑ میں لت پت ہورہا تھا۔ میں نے پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر پسنجرز سیٹ پر ڈال دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔

پہلے جیپ حرکت میں آئی اور اس کے پیچھے ہماری گاڑی۔

رنگ روڈ سے جیپ ہیڈ کوارٹر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی اور شیرپا نے اپنی کار دوسری سڑک پر گھمادی۔

جب ہماری کار کوٹھی میں داخل ہوئی تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میری حالت دیکھ کر بدھو مالا اور شوبھا مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔ میں لاؤنج میں رکے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں جسم پر تولیا لپیٹ کر باتھ روم سے برآمد ہوا۔ الماری سے کپڑے نکال کر پہنے اور لاؤنج میں آگیا۔ شیرپا، مدھو مالا اور شوبھا کو اس مشن کے بارے میں بتا رہا تھا۔ میں بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

مدھو مالا چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کی چسکیوں کے دوران میں بھی ہم یہی باتیں کرتے رہے اور پھر ڈیڑھ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اٹھ کر ریسیور اٹھالیا۔ ریسیور اٹھانے سے پہلے میرا اندازہ تھا کہ یہ انسپکٹر بریندرا کی کال ہوگی۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ کال انسپکٹر بریندرا ہی کی تھی لیکن اس نے جو خبر سنائی تھی وہ بڑی خوفناک تھی۔

ناگ پال کے آدمیوں نے رنگ روڈ پر مہاراج گنج کے قریب جیپ پر حملہ کرکے چانگ لی کو چھڑالیا تھا۔ اس جھڑپ میں دونوں پولیس والے مارے گئے تھے۔

میری ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ ناگ پال کے آدمیوں کو چانگ لی کے پکڑے جانے کی اطلاع کیسے ملی تھی اور انہیں کیسے پتا چلا تھا کہ چانگ لی کو جیپ پر پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف لے جایا جارہا تھا۔ اس جھڑپ میں دونوں پولیس والوں کے علاوہ وہ

عورت اور چانگ لی کا ایک ساتھی بھی مارا گیا تھا جبکہ حملہ آور چانگ لی اور ایک آدمی کو چھڑا کر لے گئے تھے۔ ایک پولیس والا اسپتال جانے تک زندہ رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ فائرنگ کے تبادلے کے دوران میں چانگ لی بھی زخمی ہوا تھا۔ اسے شاید پیٹ اور ٹانگ میں گولیاں لگی تھیں۔

برینددرا سے فون پر بات کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے مندر میں چانگ لی سے ہونے والی گفتگو یاد آگئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ریور ویلی جانے والے ہیں جہاں کسی حویلی میں ناگ پال ان کا منتظر تھا۔ میں نے انسپکٹر برینددرا کو اس بارے میں بتا دیا۔

"ہو سکتا ہے وہ لوگ چانگ لی کو ریور ویلی میں واقع اس حویلی میں لے گئے ہوں!" میں نے کہا۔

"ریور ویلی میں واقع حویلی....." انسپکٹر نے کہا۔ اس کے لہجے میں سوچ کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ریور ویلی تو بہت لمبا چوڑا علاقہ ہے۔ اس طرف بھی کئی قدیم حویلیاں ہیں۔ اب یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ چانگ لی کس حویلی کی بات کر رہا تھا۔ بہرحال، میں صبح تم سے بات کروں گا۔"

برینددرا نے فون بند کر دیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر شوبھا کے قریب بیٹھ گیا۔

رات ہی کو دو بجے دوسرے سادہ لباس والے کوٹھی کی نگرانی کے لیے پہنچ گئے تھے اور صبح گیارہ بجے کے قریب مدھو مالا کے قبیلے کے چار افراد بھی پہنچ گئے۔ ان میں تین مرد اور ایک عورت تھی۔ عورت نکلتے ہوئے قد اور صحت مند جسم کی مالک تھی۔ اس کے حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ تینوں مرد بھی دراز قامت اور دلکش نقش و نگار کے مالک تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ مدھو مالا کے قبیلے کے لوگ بہت حسین اور خوب رو تھے۔

مردوں کو کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں ٹھہرایا گیا جبکہ باندی نام کی اس عورت کو کوٹھی کے اندر جگہ دی گئی تھی۔

آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے اپنی ذمے داریاں سنبھال لی تھیں۔ باندی جس طرح کام میں مصروف ہو گئی تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پہلے بھی یہاں آتی رہی تھی اور اس کوٹھی کے نقشے سے خوب اچھی طرح واقف تھی۔

دو دن بعد میں نے اندازہ لگا لیا کہ اب ہم یہاں نہیں رہ سکتے تھے۔ یہاں بہت سے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اس لیے میں نے مایا متی والے مکان میں واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے مدھو مالا کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"اگر تم ان لوگوں کی وجہ سے کچھ الجھن محسوس کر رہے ہو تو میں انہیں واپس بھیج دیتی ہوں۔" مدھو مالا نے کہا۔

"نہیں۔ ان کی وجہ سے مجھے کوئی پریشانی نہیں۔" میں نے جواب دیا "تم میرے حالات سے واقف ہو۔ دشمن میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں یا دوسرے بے گناہ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے اس لیے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ویسے ہم تم سے ملتے رہیں گے اور فون پر بھی ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔"

شیرپا بھی میرے اس فیصلے سے کچھ جز بز سا ہو گیا تھا لیکن اس نے ہمیں روکنے کے لیے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے۔ میں نے اسپتال فون کر کے مایا متی کو بتا دیا کہ دوپہر کے بعد ہم اس کے مکان میں چلے جائیں گے۔ وہ میرے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئی تھی۔ اس نے بتا دیا کہ مکان کی چابی وہیں ملے گی جہاں پہلے رکھی رہتی تھی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے مدھو مالا وغیرہ کے ساتھ ہی کھایا اور پھر ہمارا سوٹ کیس شیرپا نے گاڑی میں رکھ لیا۔ میرے اور شوبھا کے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں ایک ہی سوٹ کیس میں تھیں۔

دلی بازار سے کانیج ہوٹل کی طرف گھومنے کے بعد میں شیرپا کو راستہ بتاتا رہا۔ اس طرح مایا متی کے مکان تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

میں نے راستے میں ضرورت کی کچھ چیزیں بھی خریدلی تھیں جو میں نے اور شیرپا نے اٹھا کر اندر پہنچا دیں۔ شیرپا پہلی مرتبہ ہمارے ساتھ یہاں آیا تھا۔ وہ گھوم پھر کر مکان کو دیکھتا رہا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد واپس چلا گیا۔

یہاں آنے کے بعد میں نے فون پر انسپکٹر برینددرا کو بھی اطلاع دے دی۔ اس سے کچھ تازہ خبریں بھی مل گئیں لیکن چانگ لی کے معاملے میں زیادہ پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ریور ویلی میں اس حویلی کا سراغ تو لگا لیا تھا لیکن وہاں انہیں کچھ نہیں ملا تھا۔ چانگ لی کی تلاش کے لیے میں نے ایک بار پھر میدان میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی شام پانچ بجے کے قریب ہم اسپتال پہنچ گئے۔ اسپتال میں سمبا سے یہ میری دوسری ملاقات تھی۔ اسے پرائیویٹ روم میں منتقل کیا جا چکا تھا اور اتفاق سے یہ کمرا بھی مایا متی ہی کے چارج میں تھا۔ سمبا کے ہاتھوں اور پیروں کے زخم بگڑ چکے تھے اور مایا متی کے کہنے کے مطابق اس کے زخم

ٹھیک ہونے کے لیے کم از کم ایک مہینے کا وقت درکار تھا۔

ہم سات بجے تک اسپتال میں رہے۔ مایا متی کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ وہ نئی نرس کو چارج دے کر ہمارے ساتھ ہی اسپتال سے نکلی تھی۔ میں نے ان دونوں کو ایک ٹیکسی پر بٹھا کر گھر کی طرف روانہ کردیا اور خود شہر کے وسطی علاقے میں اندرا چوک کی طرف آگیا۔ یہ شہر کے ان علاقوں میں سے ایک تھا جہاں شام ہوتے ہی غنڈا عناصر کی سرگرمیاں شروع ہوجاتی تھیں۔ مجھے ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو ایسے ہی کسی علاقے میں مل سکتا تھا لیکن ایک دو جگہوں سے پوچھنے پر پتا چلا کہ درگا نام کا وہ شخص دربار اسکوائر کی طرف ملے گا۔ میں ماکھن ٹول کے علاقے سے ہوتا ہوا دربار اسکوائر کی طرف آگیا۔

درگا کماری منڈل کی بدھ عبادت گاہ سے ذرا آگے بسنت پورہ کے ایک تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ اس نے بھی مجھے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہاں بیٹھ کر اس سے کوئی بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ ہم فریک اسٹریٹ پر ایک اور ریسٹورنٹ میں آگئے۔ یہ ذرا مہنگا ریسٹورنٹ تھا اور یہاں گاہکوں کی آمد و رفت بھی محدود ہی رہتی تھی۔

درگا سے میری پہلی ملاقات سومبا کے توسط سے ہوئی تھی۔ وہ کرنسی کا ناجائز دھندا کرتا تھا۔ اس سے پہلے وہ بھی منشیات ہی کے کاروبار سے وابستہ تھا لیکن سومبا سے ملاقات کے بعد اس نے منشیات کا بزنس چھوڑ کر کرنسی کا دھندا شروع کردیا تھا۔ وہ کسی گروہ سے وابستہ نہیں تھا۔ ہمیشہ اکیلے ہی کام کرتا تھا۔

"کیا میں تم پر اعتماد کرسکتا ہوں؟" میں نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"اعتماد پر ہی تو اپنا دھندا چل رہا ہے۔" درگا نے جواب دیا "جرائم پیشہ ہیں تو کیا ہوا۔ پر اپنے بھی کچھ اصول ہیں اور سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ کسی کو دھوکا دے کر اس کے اعتماد کو ٹھیس مت پہنچاؤ۔"

"مجھے سومبا جیسا ایک کھرا آدمی ملا تھا لیکن افسوس کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ گومل نے مجھے دھوکا دیا۔ اب مجھے ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جس پر میں بھروسا کرسکوں۔" میں نے کہا۔

"اپنی جان بھی چلی جائے گی تو تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ تم کام تو بتاؤ؟" درگا نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اسے بتانے لگا کہ میں اس [illegible] کیا کام لینا چاہتا ہوں۔

"کام خطرناک ہے۔" درگا نے کہا "کئی آدمی مارے جاچکے ہیں۔ ناگ پال پاگل ہوچکا ہے۔ اس نے اس [illegible] اپنی راجدھانی قائم کررکھی تھی۔ یہاں اس کا حکم چلتا تھا [illegible] سیاست داں، منتری اور بڑے بڑے سرکاری آفیسر بھی [illegible] کے سامنے سر جھکائے کھڑے رہتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر شہر بند ہوجاتا تھا لیکن جب سے انسپکٹر اعظم اور [illegible] یہاں آئے ہوں اس کے سارے معاملات گڑبڑ ہورہے ہیں۔ [illegible] سنا ہے اس نے ہیروئن کی سپلائی کا بہت بڑا منصوبہ بنایا تھا لیکن تمہاری وجہ سے اس منصوبے کا سنیاناس ہوگیا۔ تمہارے شخص ہو جس نے اسے اتنا نقصان پہنچایا ہے۔ چند روز پہلے اس نے اس کے چینی دوست کو بھی پکڑوا دیا تھا لیکن وہ لوگ اسے چھڑا کر لے گئے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اب تک کیسے بچے ہوئے ہو۔ ناگ پال تو اپنے دشمن کو چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہنے دیتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "ناگ پال جیسے لوگوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ ان کے کسی فعل سے کسی اور کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے گرد چار آدمی جمع کرلیتے ہیں۔ دہشت اور مار دھاڑ کے بل بوتے پر دو سو روپے دھاک بٹھا کر اپنا کام نکالتے ہیں۔ ایسے کام عام طور پر بھتا وصول کرنے سے شروع ہوتے ہیں۔ اگر شروع ہی میں ان کو روکنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ ناگ پال بن جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان لوگوں کو روکنے کے لیے انہی کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ شرافت کی زبان تو یہ لوگ سمجھتے نہیں۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ روکنے کے لیے اپنے ہاتھ استعمال کرنے پڑتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ اپنی شرافت میں مار تو کھالیتے ہیں مگر ان غنڈوں اور بدمعاشوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے اور اس طرح ناگ پال جیسے لیتے ہیں۔"

"یہی مسئلہ ہے۔" درگا نے کہا "شریف لوگ ڈرتے ہیں۔ وہ۔۔۔"

"میں نے شرافت چھوڑ دی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ بات میں نے بہت عرصہ پہلے محسوس کرلی تھی غنڈوں اور بدمعاشوں کے سامنے شرافت کا مظاہرہ کرنا بیوقوفی ہے۔ [illegible] کے بین بجانے کے مترادف ہے اس لیے اب میں [illegible] انہی کی زبان میں بات کرتا ہوں۔ ناگ پال کا [illegible] تمہارے سامنے ہے۔ وہ چینی چانگ لی اس شخص کا [illegible] جو دنیا میں سب سے زیادہ ہیروئن سپلائی کرتا ہے۔ [illegible] پال کے توسط سے اس ملک میں بھی یہ زہر پھیلانا چاہتا [illegible] یہاں ہیروئن کی فیکٹریاں لگانا چاہتا ہے لیکن میں نے [illegible] رکھا ہے کہ اسے یہاں قدم نہیں جمانے دوں گا۔ [illegible] مہینہ پہلے میں نے انہیں تھوڑا سا نقصان پہنچایا [illegible] سو کلو ہیروئن اس کے آدمیوں سے چھین کر ضائع [illegible] لیکن ہیروئن کی یہ مقدار ان کے لیے چٹکی کے [illegible] گو کہ میں انہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن [illegible] اس بات کا احساس ہوگیا ہے کہ یہاں ان کے قدم [illegible] سے نہیں جم سکتے۔ گزشتہ رات۔۔۔" میں ایک لمحے کو [illegible] ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"گزشتہ رات میں نے اس چینی کو پکڑ کر پولیس کے [illegible] کیا تھا لیکن ناگ پال کے آدمی اسے پولیس کی [illegible] سے چھڑا کر لے گئے۔ مجھے اسی چینی کی تلاش ہے۔ [illegible] ناگ پال کے آدمیوں سے تعلق رہا ہے اور میرا خیال [illegible] کہ تم کچھ ایسی معلومات حاصل کرسکتے ہو جو میرے لیے [illegible] ہوں۔ تم پر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا اور میں [illegible] اور بات کی وضاحت بھی کردینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" درگا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف [illegible]

"ہوسکتا ہے کہ تمہارے بارے میں پتا چل جانے کے [illegible] تمہیں راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں یا تمہیں کوئی [illegible] دے کر تمہارا راستہ روک دیں۔" میں نے کہا "لیکن [illegible] بات تم بھی جانتے ہو کہ سچائی سے بڑھ کر کوئی چیز اہم [illegible] ہے۔ اگر تم سچائی کی راہ میں جان دو گے تو امر ہوجاؤ [illegible]"

"میں سمجھتا ہوں۔" درگا نے کہا "یہی بات مجھے سومبا [illegible] سمجھائی تھی اور میں نے ڈرگس کا دھندا چھوڑ دیا تھا۔ [illegible] بارے میں بھی میں سنتا رہتا ہوں۔ تم اس وقت [illegible] پال کے دشمن نمبر ایک ہو اور مجھے تمہارا ساتھ دے کر [illegible] ہوگی۔"

"گڈ۔" میں نے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے [illegible] نہیں کیا۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری [illegible] دیکھا۔

"اس چینی کا سراغ لگانا ہے۔" میں نے کہا "اگرچہ تم پر انہیں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا لیکن اس میں تمہاری جان کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے اس لیے تمہیں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔" درگا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر پتا چل جائے تو تمہیں کہاں اطلاع دی جائے؟"

میں نے مایا متی کے مکان کا فون نمبر بتا دیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد میں اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر ریسٹورنٹ سے باہر آگیا۔ کاؤنٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے کافی کا بل بھی ادا کردیا تھا۔

فریک اسٹریٹ سے نکل کر گنگا پاتھ پر کمرشل ہوٹل کے قریب مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اس ٹیکسی پر میں نے ولی بازار تک سفر کیا۔ وہاں سے آگے کچھ دور تک پیدل چلتا رہا اور پھر ایک سائیکل رکشا پر بیٹھ کر گھر پہنچ گیا۔

اس وقت دس بجنے والے تھے۔ شوبھا اور مایا متی کھانا کھا رہی تھیں۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔

اس رات مجھے ڈھنگ سے نیند نہیں آسکی۔ مایا متی اور شوبھا ایک ہی کمرے میں سوگئی تھیں اور میں اس کمرے میں لیٹا تھا جہاں پہلے مایا متی سویا کرتی تھی۔

مجھے ڈھنگ سے نیند نہیں آئی تھی۔ کبھی آنکھ لگتی تو چونک کر بیدار ہوجاتا۔ رات کے آخری پہر میری آنکھ کھلی تو یوں لگا جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھا رہی ہو۔

میں کمرے سے باہر آگیا۔ مجھ پر اس وقت عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ اس وقت نہ میں جاگ رہا تھا نہ سو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کسی نے مجھے ٹرانس میں لے رکھا ہو۔ میں اسی کیفیت میں چلتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں لکڑی کا تخت بچھا ہوا تھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے جھٹکا سا لگا اور میں جیسے ہوش میں آگیا۔ سامنے تخت پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں اندھیرا ہونے کے باوجود میں اس ہیولے کو صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ وہ عجیب سا ہیولا تھا جیسے چاند کی دودھیا روشنی سے انسانی پیکر معرضِ وجود میں آگیا ہو۔ وہ کسی عورت کا ہیولا تھا۔ بدن کے نشیب و فراز بہت واضح طور پر نظر آرہے تھے۔

میں نے انگلی دانتوں تلے دبائی۔ میرے منہ سے "سی" کی ہلکی سی آواز نکل گئی۔ میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں کچھ اور آگے بڑھا۔ نہایت مدھم روشنی کے اس ہیولے

آتش فشاں 218 حصہ 6

تن سے بہت مدھم سی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے چہرے سے بھی ابھر آتے اور بھی لہریں انہیں مٹا دیتیں لیکن میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ نیلگری تھی۔

نیلگری کا چاندنی کے پیکر میں ڈھلا ہوا یہ روپ میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور مجھے یہ احساس بھی بڑی شدت سے ہو رہا تھا کہ وہ کچھ بے چین سی تھی۔ اس کے چہرے کے غیر واضح نقوش بھی اس کی بے چینی کی نشان دہی کر رہے تھے۔

میں تخت کے قریب پہنچ کر آہستگی سے آگے کو جھکا تو میرے گلے میں پڑی ہوئی نیلگری کی مالا نیچے گر گئی اور اس کے ساتھ ہی چاندنی کے پیکر میں ڈھلا ہوا وہ ہیولا کسی پرسکون جھیل کی سطح پر ہلکی سی لہروں کی طرح حرکت کرتے ہوئے سمٹنے لگا اور بالآخر ایک نقطے کی صورت اختیار کر کے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔ اتنی دبیز تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں چند لمحے بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر ٹٹولتے ہوئے دروازے کے ساتھ والی دیوار کے قریب پہنچ گیا اور بتی جلا دی۔

بستر خالی تھا۔ تاہم میری مالا بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر مالا اٹھالی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ہک کھل جانے سے مالا میری گردن سے گر گئی تھی۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ہک کس طرح کھل گیا تھا۔

میں نے مالا گلے میں ڈال لی اور واپس اپنے کمرے میں جانے کے بجائے تخت پر لیٹ گیا۔ میرا ذہن خاصا الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر روشنی کے ہیولے کے روپ میں واقعی نیلگری تھی تو اس نے مجھ سے کوئی بات کیوں نہیں کی تھی۔ پہلے جب بھی کبھی آس پاس نیلگری کے وجود کا احساس ہوتا تھا تو کانوں میں اس کی سرگوشی ضرور سنائی دیتی تھی لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ وہ روشنی کے ہیولے کی صورت میں میرے سامنے آئی تھی اور خاموشی سے غائب ہو گئی تھی۔

صبح میں دیر تک سویا رہا۔ مایا متی تو صبح سویرے ہی ڈیوٹی پر چلی گئی تھی اور شوبھا نے مجھے جگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دو تین دن گزر گئے۔ چانگ لی کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ درگا روزانہ ٹیلی فون پر مجھے رپورٹ دیتا رہا۔ میں اور شوبھا شام کے وقت اسپتال کا چکر بھی لگا آتے۔ مجھے دیکھ کر سمبا کے چہرے پر رونق سی آجاتی۔

چوتھے دن میں نے پھر نیلگری کے ہیولے کو دیکھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنی بے چین اور مضطرب کیوں ہے۔ اس روز بھی وہ رات کے آخری پہر اس کمرے میں نظر آئی اور کچھ کہے بغیر تاریکی میں تحلیل ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی بہت بڑی پراسرار قوت بھی اس طرح [illegible] ہو سکتی تھی۔ نیلگری تو بہت بڑی شکتی تھی جسے حاصل کرنے کے لیے ہزاروں سال سے کوششیں ہو رہی تھیں۔ یہ [illegible] مہان شکتی اس طرح بے کل ہو سکتی ہے؟

دو دن اور گزر گئے اور پھر اس رات دس بجے کے قریب درگا نے فون پر اطلاع دی کہ چانگ لی دریائے اشنومتی کے اس پار اوبیرائے ہوٹل کے قریب ایک کوٹھی میں مقیم ہے جہاں اس کا علاج ہو رہا ہے۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ چانگ لی ہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سو فیصد۔" درگا نے جواب دیا "شہر کے جس ڈاکٹر سے اس کا علاج کروایا جا رہا ہے اس کا اسسٹنٹ آج شام میرے پاس پانچ ہزار امریکی ڈالر کے کرنسی نوٹ بیچنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا کہ اس نے نوٹ کہاں سے لیے تو اس نے بتایا کہ اس کا ڈاکٹر ایک چینی کا علاج کر رہا ہے جو کسی جھگڑے میں زخمی ہو گیا تھا۔ یہ امریکی ڈالر کے نوٹ اس نے ڈاکٹر کو فیس کے طور پر دیے تھے۔ اس سے میں نے باتوں ہی باتوں میں اس کوٹھی کا پتا بھی معلوم کر لیا اور اس کے جانے کے بعد میں نے موٹر سائیکل پر اس علاقے کا دورہ کیا۔ اس کوٹھی کے سامنے ناگ پال کے دو آدمی پہرا دے رہے ہیں۔ یقیناً اندر بھی کچھ لوگ موجود ہوں گے اس لیے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ چینی اسی کوٹھی میں ہے۔"

"ٹھیک ہے درگا۔" میں نے کہا "اب تم اس کوٹھی کی طرف نہیں جاؤ گے۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اس اطلاع پر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگی تھیں۔ میں اس وقت اکیلا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور پولیس ہیڈ کوارٹر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

انسپکٹر برندرا سے رابطہ ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اتفاق سے انسپکٹر اعظم خان بھی وہاں موجود تھا اور جب میں نے چانگ لی کے بارے میں بتایا تو یہ اطلاع میرے لیے خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ انسپکٹر برندرا کو بھی اس کوٹھی میں چانگ لی کی موجودگی کی اطلاع مل چکی تھی اور کوٹھی پر چھاپا مارنے کی تیاری ہو رہی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ.....؟"

"تقریباً ایک گھنٹا پہلے وہ ڈاکٹر ہماری گرفت میں آ گیا تھا جو چانگ لی کا علاج کر رہا ہے۔" برندرا نے میری بات کاٹ کر کہا "تفصیل بعد میں بتاؤں گا لیکن تم اپنے مکان سے باہر نہیں نکلو گے۔"

میں مزید کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن برندرا نے فون بند کر دیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور لاؤنج سے نکل کر برآمدے میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شوبھا بھی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور ہم مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگے۔ میں نے شوبھا کو اس تازہ صورتِ حال کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا' میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں برندرا کی طرف سے کسی اطلاع کا منتظر تھا لیکن ایک بجے تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔

شوبھا اٹھ کر جانے لگی تو میں نے اس سے اپنے لیے ایک چائے بنوالی۔ مایا متی پہلے ہی سو چکی تھی۔ میں اکیلا برآمدے میں بیٹھا چائے پیتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔

دو بج گئے۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ بے چینی زیادہ بڑھنے لگی تو میں اندر آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر ہیڈ کوارٹر کا نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں دیر نہیں لگی لیکن وہاں بھی ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ میں نے ڈیوٹی آفیسر سے کہہ دیا تھا کہ جیسے ہی کوئی خبر آئے' مجھے فون پر اطلاع دے دی جائے۔

میں اس وقت صوفے پر نیم دراز اونگھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی کی آواز سے ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ انسپکٹر برندرا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میں سنبھل گیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم جاگ رہے ہو گے۔" برندرا نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"مشن اتنا اہم ہو تو مجھے نیند کیسے آ سکتی ہے۔" میں نے جواب دیا "میں تو اس کارروائی کا رزلٹ جاننے کے لیے بے چین ہوں۔ کیا رہا؟"

"چانگ لی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔" برندرا نے جواب دیا "میں نے تمہاری طرف جیپ بھیج دی ہے۔ اسپتال آ جاؤ۔ تمہیں ساری تفصیل بتا دوں گا۔ جیپ تمہارے ہاں پہنچنے ہی والی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتا' دوسری طرف سے لائن منقطع ہو گئی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور اپنی جگہ پر آ کر جوگرز پہننے لگا۔ میں فیتے باندھ رہا تھا کہ باہر کوئی گاڑی آ کر رکی۔ میں نے برآمدے میں آ کر دیکھا۔ گیٹ کے سامنے پولیس جیپ کھڑی تھی اور ایک باوردی کانسٹیبل جیپ سے اتر کر غالباً کال بیل بجانے کے لیے گیٹ کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دے کر کال بیل بجانے سے منع کر دیا اور شوبھا والے کمرے میں آ گیا۔ شوبھا بستر پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ پہلے میں نے ایک دو مرتبہ ہولے سے پکارا پھر کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"میں اسپتال جا رہا ہوں۔ تم اٹھ کر دروازہ بند کر لو۔" میں نے ہولے سے کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا.....! مایا متی کہاں ہے؟" وہ بدحواس ہو گئی۔

"سب ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "مایا متی اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ انسپکٹر برندرا کا فون آیا تھا۔ اس نے مجھے اسپتال بلایا ہے۔"

شوبھا کے دماغ پر اب بھی نیند کا خمار طاری تھا۔ وہ میری بات سمجھ سکی تھی یا نہیں لیکن اٹھ کر میرے ساتھ آ گئی۔

پولیس کی جیپ گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ ڈرائیور کے علاوہ دو مسلح کانسٹیبل بھی موجود تھے۔ میں اس وقت تک جیپ کے پاس کھڑا رہا جب تک شوبھا نے باہر کا گیٹ بند کر کے اندر جا کر برآمدے والا دروازہ بھی بند نہیں کر لیا۔

اسپتال پہنچنے میں بیس پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ اسپتال میں پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ پولیس کے کئی اعلیٰ افسران بھی نظر آ رہے تھے۔ انسپکٹر برندرا نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ اس کے ساتھ انسپکٹر اعظم بھی تھا۔ انسپکٹر اعظم سے میری ملاقات کئی روز بعد ہوئی تھی۔

انسپکٹر برندرا مجھے اس کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر پانچ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ تمام لاشیں سفید چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور تمام چادروں پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔

برندرا نے جھک کر ایک لاش کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی۔ وہ چانگ لی تھا۔ چادر پر کئی جگہوں پر خون کے دھبے تھے۔ میں نے چادر کا کونا پکڑ کر اسے پوری طرح سے ہٹا دیا۔ چانگ لی کی لاش بالکل چھلنی ہو رہی تھی۔ اس کے جسم پر کم از کم بیس گولیاں لگی تھیں۔ باقی چار لاشوں میں سے دو چانگ لی کے ساتھیوں کی اور دو پولیس والوں کی تھیں۔

ہم اس کمرے سے باہر آ گئے۔ برندرا بتا رہا تھا کہ زخمی

ہونے کے باوجود چانگ لی نے پولیس کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے ہاتھوں ایک کانسٹیبل جاں سے گیا تھا۔ جس پر دوسرے پولیس والوں نے اسے چھلنی کردیا تھا۔

"فون پر تفصیل سے بات نہیں ہوسکی تھی۔" میں نے کہا "تمہیں اس کوٹھی میں چانگ لی کی موجودگی کی اطلاع کیسے ملی تھی؟"

"ایک مخبر کے ذریعے۔" بریندرا نے جواب دیا "ہمارا ایک مخبر شام کو اندرا چوک کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ درگا بھی وہاں موجود تھا۔ وہ کرنسی کا غیر قانونی کاروبار کرتا ہے۔ ایک آدمی اس سے پانچ ہزار امریکی ڈالر کیش کروا کر لے گیا تو ہمارے مخبر کو اس پر شبہ ہوا۔ ہمارے مخبر نے اس کا پیچھا کیا اور ہمیں اطلاع دے دی۔

"اس کوٹھی پر چھاپا مارا گیا تو پتا چلا کہ وہاں ایک ڈاکٹر کی رہائش ہے اور جو شخص درگا سے کرنسی تبدیل کروا کر لایا تھا وہ ڈاکٹر کا نائب تھا۔ ڈاکٹر سے پوچھ گچھ کے دوران میں یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ وہ ایک زخمی چینی کا علاج کررہا ہے اور یہ کرنسی نوٹ اسے فیس کے طور پر ملے تھے۔

"پولیس کے طریقہ کار سے تم واقف ہو۔ بعض اوقات تو وہ پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ وہ ڈاکٹر تو سیدھا سادا اور شریف آدمی تھا۔ دھمکیوں سے ڈر کر اور بھاری فیس کے لالچ میں آکر وہ اس زخمی چینی کا علاج کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس نے ہمیں سب کچھ بتا دیا کہ وہ زخمی چینی کون تھا اور اس کا علاج کروانے والے کون تھے۔

"چانگ لی کے بارے میں تصدیق ہوجانے کے بعد ہم چھاپا مارنے کی تیاری کررہے تھے کہ تمہارا فون آگیا۔ اب میں تم سے معلوم کرنا چاہوں گا کہ تمہیں اس کا پتا کیسے چلا تھا؟"

"درگا سے۔" میرے جواب پر بریندرا چونک سا گیا۔ میں چند لمحے خاموش رہا پھر اسے درگا کے بارے میں بتانے لگا۔

"بہرحال۔ بریندرا گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "اس ڈرامے کا ایک سین ختم ہوگیا۔ اب ناگ پال رہ گیا ہے۔ اسے بھی ہم قدم نہیں جمانے دیں گے۔ وہ یا تو ملک چھوڑ کر بھاگ جائے گا یا اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔"

پانچ لاشوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کوٹھی پر مقابلے کی نوعیت کیا رہی ہوگی۔ کئی آدمی زخمی ہوئے تھے جو پولیس کی نگرانی میں زیر علاج تھے۔

صبح چھ بجے کے قریب میں پولیس جیپ پر ہی واپس آرہا تھا کہ باغ بازار سے گزرتے ہوئے سڑک کے عین وسط میں یوگی گوتم بھوش کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس وقت سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ گوتم بھوش سڑک کے عین وسط میں کھڑا تھا اور جیپ تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"روکو۔ جیپ روکو۔" میں ایک دم چیخ اٹھا۔

میرے اس طرح چیخنے پر ڈرائیور بدحواس ہوگیا۔ اس نے پوری قوت سے بریک لگا دیا۔ جیپ، بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ سڑک پر گھوم کر رہ گئی۔

"کیا ہوا سر؟" ڈرائیور نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹیبل بھی زوردار جھٹکا لگنے سے اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرا گئے تھے۔

"وہ... وہ جیپ کے نیچے کچلا جاتا۔" میں نے کہا۔

"سامنے تو کوئی بھی نہیں ہے سر۔ سڑک دور تک خالی پڑی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

سڑک واقعی دور تک خالی تھی۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ میں نے گوتم بھوش کو سڑک کے عین وسط میں کھڑے دیکھا تھا۔ اگر میں جیپ نہ رکواتا تو وہ کچلا جاتا لیکن وہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔ سڑک دور تک خالی تھی۔ تاہم تقریباً بیس گز آگے ایک کتا سڑک پر ایک طرف سے دوسری طرف ٹہلتا ہوا جارہا تھا۔

"وہ... میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ یہیں تھا۔" میں متوحش سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے سر؟" ڈرائیور نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا "آپ بھی شاید رات بھر جاگتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کو نیند کا جھونکا آگیا ہو اور..."

عقب سے ہارن کی تیز آواز سن کر ڈرائیور اپنی بات مکمل نہیں کرسکا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ دودھ کی سپلائی والا ٹرک تھا۔ ہماری جیپ سڑک کے وسط میں آڑی ترچھی کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ کو حرکت میں لے آیا۔

میں راستے بھر یہی سوچتا رہا کہ کیا واقعی میں جیپ میں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا تھا اور کوئی سپنا دیکھ رہا تھا لیکن وہ سپنا نہیں تھا۔ میں نے جاگتی آنکھوں سے گوتم بھوش کو جیپ کے سامنے سڑک کے وسط میں کھڑے دیکھا تھا لیکن وہ پلک جھپکنے کی دیر میں کہاں غائب ہوگیا تھا؟

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ گھر پہنچا تو مایا متی جاگ چکی تھی اور ڈیوٹی پر جانے کی تیاری کررہی تھی۔ اس کے

نے بھی چائے کا ایک کپ پیا اور اس کے جانے بعد دروازے بند کرکے اپنے کمرے میں آکر سوگیا۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ شوبھا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ آنکھ کھلتے ہی میں بدحواس سا گیا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ میں دھماکے بستر پر تھا اور وہ مجھے جھنجوڑ کر اپنے آپ سے الگ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا تو میں بستر پر ڈھیر ہوگیا۔ شوبھا اچھل کر بیڈ کے دوسرے پر چلی گئی اور اپنے جسم پر شب خوابی کا لباس درست کرتے ہوئے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"کیا بات ہے ہمت سنگھ۔" شوبھا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میں نے آنکھیں کھول دیں "تم تو ایسے نہیں تھے۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟"

"کک... کچھ نہیں شوبھا۔" میں ہکلایا "مجھے نہیں معلوم میں یہاں کیسے آیا تھا۔ میں... میں تو اپنے کمرے میں سویا تھا اور..."

"شاید تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شوبھا نے آگے بڑھ کر میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

مجھے نہ تو بخار تھا اور نہ ہی طبیعت خراب تھی لیکن چند لمحوں میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کررہا تھا اور کچھ عجیب سے واقعات میرے ساتھ پیش آرہے تھے۔ پچھلے چند روز کے دوران میں دو تین مرتبہ میں نے نیلکری کا ہمشکل سا ہیولا دیکھا تھا اور آج صبح سڑک پر جیپ کے عین سامنے گوتم بھوش کھڑا نظر آیا تھا لیکن درحقیقت وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں نے چیخ کر جیپ رکوائی تھی اور مجھے پولیس والوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا تھا اور اب میں شوبھا کے سامنے شرم و ندامت سے کٹا جارہا تھا۔

"رات کے آخری پہر تم کہیں گئے تھے۔" وہ کہہ رہی تھی "واپس کب آئے تھے؟"

"صبح چھ بجے۔" میں نے جواب دیا۔

"ناشتا کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ بولی "اب گیارہ بج رہے ہیں۔ تم ذرا کمرے سے نکلو تو میں کپڑے بدل لوں پھر ناشتا تیار کرتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے شوبھا۔" میں نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا "میری سمجھ میں نہیں آرہا، یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ میری نظروں میں تمہارے لیے بڑا احترام ہے..."

"میں سمجھ رہی ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی "شاید تم نیند میں اٹھ کر آگئے ہوگے۔ کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ مجھے تمہاری نیند پر کوئی شبہ نہیں۔ اب تم باہر جاؤ۔ میں کپڑے بدل لوں۔"

میں اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگیا۔ چند لمحے خالی خالی سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔

میں دیر تک ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے کھڑا رہا جس سے میرے دماغ کی تپش کسی حد تک کم ہوگئی۔

میں لاؤنج میں آیا تو شوبھا کچن میں تھی۔ میں وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں پھر کسی طاغوتی چکر میں تو نہیں پھنس گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میرا ہاتھ بے اختیار اپنے گلے پر پہنچ گیا۔ مالا میرے گلے میں موجود تھی۔

شوبھا ناشتا تیار کرکے لے آئی۔ وہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی جس سے مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔

"رات کو تم کہاں گئے تھے؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسپتال۔" میں نے جواب دیا حالانکہ مجھے یاد تھا کہ صبح چار بجے باہر جانے سے پہلے میں نے اسے جگا کر بتایا تھا کہ کہاں جارہا ہوں لیکن وہ شاید اس وقت نیند میں تھی اور میری بات کو سمجھ نہیں سکی تھی "چانگ لی گزشتہ رات پولیس مقابلے میں مارا گیا۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی سے اسے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "میں نے وعدہ کیا تھا کہ جنرل کھوراٹ کے یہاں قدم نہیں جمنے دوں گا۔ اس کے آدمی مارے جاچکے ہیں۔ ناگ پال کے قدم بھی اکھڑ گئے ہیں۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے چھپتا پھر رہا ہے۔ جنرل کھوراٹ اگر دوبارہ یہاں قدم جمانا چاہے گا تو اس کے لیے بہت لمبا عرصہ درکار ہوگا۔ اس طرح میرا کام ختم ہوچکا ہے اور اب ہمیں یہاں سے کوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔"

"کہاں...؟" شوبھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہندوستان۔" میں نے جواب دیا "تمہیں جے پور چھوڑ کر میں پاکستان چلا جاؤں گا۔"

"پاکستان کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"پاکستان میرے مرحوم ماں باپ کا وطن ہے اور میں

نے بھی ں مٹی سے جنم لیا تھا اور بدقسمتی سے دو تین ماہ کی عمر میں مجھے اپنے ماں باپ کے ساتھ وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔ میں تو پاکستان جانے کے لیے ہی جے پور میں ٹھاکر اور روپ متی سے رخصت ہوا تھا لیکن رشی کیش میں تمہاری وجہ سے حالات کا رخ بدل گیا اور میں یہاں تک چلا آیا۔"

"میں تمہارا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔" شوبھا نے کہا "تمہاری وجہ سے مجھے نئی زندگی ملی ہے۔ تم نہ ہوتے تو وہ راکشش دیش مکھ پتا نہیں میرا کیا حشر کرتا۔"

"یہ بات تو اب پرانی ہو چکی ہے۔ بھول جاؤ اسے۔" میں نے کہا "اب جے پور میں اپنا کاروبار جمانے میں تمہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ اور روپ متی وہاں موجود ہیں۔ ان سے تمہیں ہر قسم کی مدد مل سکتی ہے۔"

"لیکن تم تو نہیں ہوگے نا۔" شوبھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے اپنے بستر پر اکروہ سیج پا ہوگئی تھی اور اب میرے نہ ہونے کے خیال سے ٹھنڈے سانس بھر رہی تھی لیکن میرے خیال میں اس میں بھی اس کی بدنیتی کو دخل نہیں تھا۔

"میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" میں نے جواب دیا "میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ مجھ جیسے شخص کا کیا بھروسا۔ آج یہاں، کل وہاں۔"

ناشتا ختم ہو چکا تھا۔ شوبھا برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا لیکن انسپکٹر بریندرا یا اعظم خان سے بات نہیں ہو سکی۔ وہ دونوں رات والے کیس میں مصروف تھے۔ ڈیوٹی آفیسر نے بتایا کہ کچھ اور لوگوں کی گرفتاری کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہیں۔

میں انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن تین دن تک نہ تو ان سے ملاقات ہو سکی تھی اور نہ ہی ٹیلی فون پر بات ہوئی۔

اس سے اگلے روز میں شوبھا کے ساتھ مہاتما بدھ کی طرف سے آتے ہوئے رتنا پارک میں داخل ہوگیا۔ اس وقت شام ہونے والی تھی۔ پارک میں بڑی رونق تھی۔ ہم مختلف راستوں پر ٹہلتے ہوئے فوارے کے قریب ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ یہ جگہ ہمیں اتفاق سے خالی مل گئی تھی۔ ہمارے آس پاس دوسری بینچوں پر اور گھاس پر اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بچے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

میں بہت عرصے بعد اپنے آپ کو آزاد اور خوشگوار موڈ میں محسوس کر رہا تھا۔ میں شوبھا کو اشارے سے وہ جگہ بتا رہا تھا جہاں رات کے وقت مجھے کرسٹل کے مجسمے کے دو گرگٹ ملے تھے اور یہیں سے ایک نئی کہانی شروع ہوئی تھی۔ شوبھا بڑی دلچسپی سے میری باتیں سن رہی تھی۔

نمکین مونگ پھلی بیچنے والا ایک ہاکر آواز لگاتا ہوا ہمارے قریب سے گزرا تو میں نے اس سے دو پڑیاں خرید لیں۔ اب ہم باتوں کے ساتھ مونگ پھلی بھی کھولتے جا رہے تھے۔

کچھ بچے ہمارے آس پاس ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ایک بچہ دوڑتا ہوا شوبھا سے ٹکرا گیا۔ اس کی عمر پانچ چھ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے بال گولڈن تھے، چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ وہ غیر معمولی طور پر صحت مند بچہ تھا۔ شوبھا نے اسے مونگ پھلی پیش کی تو اس نے انکار کر دیا۔ شوبھا نے جھک کر اسے پیار کیا اور پھر ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بگڑ گئے تھے۔ بچے نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دوڑتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

"کیا ہوا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے شوبھا کی طرف دیکھا۔

"عجیب بات ہے۔" شوبھا ساڑی کے پلو سے ہونٹ پونچھتے ہوئے بولی "بچہ دیکھنے میں تو بہت صاف ستھرا لگ رہا تھا لیکن میں نے اسے پیار کیا تو بڑی ناگوار سی بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی تھی جیسے غلاظت کے ڈھیر سے اٹھنے والا شدید تعفن۔"

"ہو سکتا ہے اسے پائیریا ہو۔" میں نے کہا "دانتوں کی یہ بیماری بہت خوفناک ہوتی ہے۔ منہ سے اس قدر شدید اور ناگوار بو آتی ہے کہ کوئی شخص قریب کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔"

"ابھی تو اس کے دودھ کے دانت ہیں۔" شوبھا بولی "اتنے چھوٹے بچے کو پائیریا جیسی بیماری کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتا ہے کوئی اور بات ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ بچہ کہیں نظر نہیں آیا۔ اس طرح بات آئی گئی ہوگئی۔

شام ہو چکی تھی۔ پارک میں جا بجا بتی بلب روشن ہوگئے تھے۔ بہت سے لوگ پارک سے اٹھ کر جا رہے تھے۔ ہمارے آس پاس کی بینچیں خالی ہو چکی تھیں۔ اگرچہ شوبھا نے مجھے بھی چلنے کو کہا تھا لیکن میں کھلی اور خوشگوار فضا میں کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتا تھا۔

اچانک وہی بچہ کسی طرف سے نمودار ہوا۔ وہ اکیلا ہی

وہ میرے سامنے آکر رک گیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ جوار میں کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اپنے والدین سے بچھڑ گیا تھا۔ میں نے اسے اشارے قریب بلا لیا۔

"تم کون ہو بیٹا۔ کس کے ساتھ ہو تم؟" میں نے پیار پوچھا۔

وہ میرے اور قریب آیا تو گزجیسی بو میرے نتھنوں سے ئی۔ شوبھا کی طرح میرے چہرے کے تاثرات بھی بگڑ اس تعفن سے میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر سناٹا سا طاری ہونے لگا ہو۔ نے دوبارہ اس بچے سے پوچھا تو اس نے ہاتھ سے پارک ایک تاریک گوشے کی طرف اشارہ کر دیا۔

میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس طرف جان درختوں کا کنج تھا اور تاریکی تھی۔ اچانک اس تاریکی ایک ہیولا نمودار ہوتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ فاصلہ زیادہ اور تاریکی بھی تھی لیکن گوتم بھوش کو شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ مجھے اپنے پورے جسم سنسناہٹ سی محسوس ہونے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے اچھل پڑا۔

میرے سامنے کھڑے ہوئے بچے نے جھپٹا مار کر میرے گلے میں پڑی ہوئی نیلگری کی مالا نوچ لی اور ایک طرف دوڑ لگا دیا۔ ایک لمحے کو تو مجھے سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا ہو گیا ہے دوسرے ہی لمحے میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا اور کسی دیکھی قوت نے مجھے پکڑ کر اچھال دیا۔

میں اس بچے کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ پارک میں موجود سب حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس بچے کا رخ تاریک کنج کی طرف تھا جہاں میں نے گوتم بھوش کا ہیولا دیکھا تھا۔ بچے کی عمر اگرچہ پانچ چھ سال تھی لیکن وہ چیتے کی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت بدل گئی۔ میں کسی انسان کے بچے کا نہیں، ایک کتے کا پیچھا کر رہا تھا۔ نیلگری کی مالا اس نے دانتوں میں دبوچ رکھی تھی۔

میری ساری قوت جیسے ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔ بچے اور کتے کے درمیان فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا اور اچانک وہ اس طرح گرا جیسے سامنے کسی دیوار سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ بری طرح "چیاؤں چیاؤں" کر رہا تھا۔ مالا اس کے منہ سے گر گئی تھی۔ میں نے سب سے پہلے مالا اٹھا کر گلے میں ڈالی اور پھر اس کتے کو ٹھوکریں مارنے لگا۔

کتے کی ہیئت ایک بار پھر بدلنے لگی۔ وہ کتا نہیں یوگی دھیراج تھا جس کے بدن پر صرف لنگوٹ بندھا ہوا تھا۔ ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے میں نے تاریک کنج کی طرف دیکھا۔ گوتم بھوش کا ہیولا غائب ہو چکا تھا اور اب اس کنج کے سامنے نیلگری کا ہیولا کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو یوگی دھیراج بھی غائب ہو چکا تھا۔

میں نے گلے میں پڑی ہوئی مالا کو چھو کر محسوس کیا اور واپس چل پڑا۔ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر آدمی نے مجھے روک لیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے اس طرف کیوں بھاگے تھے؟"

"وہ..... وہ بچہ میری مالا چھین کر بھاگ گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"بچہ.....!" اس شخص کے لہجے میں حیرت تھی "میں نے تو اس طرف کسی کو نہیں دیکھا۔ تم تو اکیلے ہی بھاگ رہے تھے۔ شاید ہوا کے پیچھے۔"

"نہیں نہیں۔ بچہ نہیں۔ وہ کتا تھا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے مسٹر۔" اس شخص کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی "اس طرف نہ تو کوئی بچہ تھا اور نہ کتا۔ نہ ہی کوئی اور آدمی نظر آیا جس سے ہم سمجھتے کہ تم کسی سے ریس لگا رہے ہو۔"

میں بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ دو تین آدمی اور بھی وہاں آگئے تھے اور ہر شخص یہی پوچھ رہا تھا کہ میں "پکڑو پکڑو" کا شور مچاتا ہوا کیوں بھاگا تھا۔

بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ بچہ یا کتا کسی کو نظر نہیں آیا تھا اور ظاہر ہے کسی نے پنڈت دھیراج کو بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ درختوں کے کنج میں گوتم بھوش یا نیلگری کے ہیولوں کے تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں ان لوگوں سے پیچھا چھڑانے کی سوچ رہا تھا کہ شوبھا بھی وہاں آگئی۔ اس نے صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ مجھے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے جانے لگی تو ایک آدمی نے شوبھا کو مشورہ دیا کہ میرا ذہنی توازن شاید درست نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ مجھے کسی اچھے معالج کو دکھایا جائے۔

میں نے لوگوں کی باتیں برداشت کر لی تھیں۔ ظاہر ہے اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ان میں سے کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ اس بچے یا کتے کو دیکھ لیتے تو شاید ان کا

طرز عمل کچھ اور ہوتا۔ اب تو وہ مجھ سے اظہار ہمدردی کررہے تھے۔

شوبھا مجھے بازو سے پکڑے پارک سے باہر لے آئی۔ گیٹ سے نکل کر چند قدم چلنے کے بعد ہی ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی جس میں بیٹھ کر ہم گھر آگئے۔

"اس بچے پر مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا جب میں نے اس سے تعفن اٹھتا ہوا محسوس کیا تھا۔" شوبھا نے لاؤنج میں داخل ہو کر صوفے پر گرتے ہوئے کہا "چہرے پر کتنی معصومیت تھی لیکن کتنا خبیث نکلا۔"

"اور کیا دیکھا تم نے؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اور کیا دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔" وہ بولی "وہ تمہاری مالا چھین کر بھاگا تھا اور پھر کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر گیا تھا۔ ویسے مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ کس قدر تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اس کا تعلق یقیناً اچکوں اور جیب کتروں کے گروں سے ہے۔ ایسے لوگوں کو تو بچپن ہی سے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ بڑا ہو کر یہ بچہ بہت منجھا ہوا مجرم بنے گا۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ شوبھا نے اس بچے ہی کو دیکھا تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں دیکھ سکی تھی اور میں بھی اسے کچھ بتا کر خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد مایا متی بھی پہنچ گئی۔ اس نے کپڑے بدل کر سب سے پہلے چائے بنائی۔ چائے پیتے ہوئے وہ سمبا کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے زخم اب بہتر ہونے لگے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سمبا مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

میری وہ رات بڑی بے چینی میں گزری تھی۔ میں بار بار پارک میں پیش آنے والے اس واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ صبح میں نے گوتم بھوش کو جیپ کے سامنے دیکھا تھا اور اب پارک میں اس کا ہیولا نظر آیا تھا جبکہ اس نے اپنی کسی شکتی کے ذریعے مجھے نیلگری کی مالا سے محروم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن نیلگری ہی نے اس کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔

بے در پے ان پراسرار واقعات کے پیش آنے سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ کوئی بہت ہی غیر معمولی واقعہ رونما ہونے والا ہے اور میں بھی اس سے اپنا دامن نہیں بچا سکوں گا۔ میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ گوتم بھوش کھٹمنڈو میں موجود ہے اور وہ ہر قیمت پر یہ مالا مجھ سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اور پھر اس رات میرے لیے وہ خواب بھی بڑا عجیب ثابت ہوا تھا۔ میں ہمالیہ کی ترائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے ساتھ شوبھا بھی تھی، شیریا بھی اور دھنو بھی۔ ہم گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج کا پیچھا کررہے تھے۔ وہ دونوں ہمیں کبھی ہمالیہ کی بلند ترین چوٹیوں پر نظر آتے اور کبھی عمیق ترین گہرائیوں میں۔ ایک موقع پر میں نے گوتم بھوش کو ایک غار میں گھیر لیا۔ وہ غار بہت تاریک تھا اور زمین کی عمیق ترین گہرائیوں تک چلا گیا تھا۔ گمبھیر تاریکی میں اگرچہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا لیکن گوتم بھوش مجھے صاف نظر آرہا تھا۔ وہ جہاں بھی چھپتا، مجھے صاف نظر آجاتا۔ وہ بھاگتا پھر رہا تھا۔ اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور پھر کسی نادیدہ قوت نے میرا راستہ روک لیا۔ میں پیچھے ہٹنے لگا۔

صورت حال بدل گئی تھی۔ گوتم بھوش پوری قوت کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوا تھا اور میں اس سے بچنے کے لیے مسلسل پسپائی اختیار کررہا تھا۔ میں ایک چٹان پر چڑھتا چلا گیا۔

اچانک ہی کسی طرف سے چند خوں خوار بھیڑیے نمودار ہوئے۔ وہ میری طرف لپک رہے تھے۔ میرے اور بھیڑیوں کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ وہ نکیلے دانت نکالے میری چیر پھاڑ کرنے کے لیے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا اور پھر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

میں تاریک خلا میں قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گر رہا تھا۔ اپنی چیخوں کی بازگشت مجھے چاروں طرف سنائی دے رہی تھی۔ میری چیخوں میں شیطانی قہقہوں کی آوازیں شامل ہوگئیں۔ میں گوتم بھوش کو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے دیکھ رہا تھا۔ وہ میری بے بسی پر قہقہے لگا رہا تھا۔

اچانک مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ کسی نادیدہ قوت نے مجھے گرنے سے روک لیا تھا۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ میرے چاروں طرف تاریک خلا تھی۔ اوپر بھی اور نیچے بھی لیکن مجھے لگ رہا تھا جیسے میں پختہ فرش پر کھڑا ہوں۔

میں نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ گوتم بھوش اب بھی پہاڑ کی چوٹی پر موجود تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش ابھر آئی تھی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے پتھر کو دھکیل کر غائب ہوگیا۔ چٹان نما وہ پتھر بڑی تیزی سے میری طرف آرہا تھا۔

فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ پتھر کی زد میں آنے سے بچنے کے لیے میں نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ میں لڑکھڑا کر گرا۔

اپنی کراہوں کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کافی دیر تک تو میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں کہاں ہوں پھر رفتہ رفتہ حواس بحال ہونے لگے۔ میں اپنے کمرے میں تھا اور تخت سے گر کر پختہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ گرنے سے میرے کندھے پر چوٹ لگی تھی جس میں تکلیف ہو رہی تھی۔

میرا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ میں زمین سے اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں نیلگوں روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس مدھم سی روشنی میں بھی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی صاف نظر آرہی تھی۔ اس وقت صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ کمرے کی کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی لیکن باہر کی فضا میں ابھی تاریکی تھی۔

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں کمرے سے باہر آگیا۔ فریج میں سے بوتل نکال کر ٹھنڈا پانی پیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔

میں بستر پر نیم دراز دیر تک سوچتا رہا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو بہرحال طے تھی کہ گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج کھٹمنڈو میں موجود تھے اور گوتم بھوش ہر قیمت پر مجھ سے نیلگری کی مالا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس مالا کی وجہ سے میری اور گوتم بھوش کی دشمنی شروع ہو چکی تھی اور نیلگری نے شروع ہی میں یہ بات مجھ پر واضح کر دی تھی کہ چونکہ میں نے ابھی اپنا جاپ پورا نہیں کیا اس لیے وہ کھل کر میری مدد نہیں کرسکے گی۔ تاہم وہ میری مدد کررہی تھی اور اسی نے یہ مالا بھی غالباً مجھے اس لیے دی تھی کہ میں گوتم بھوش کے منتر سے محفوظ رہوں۔

نیلگری نے مجھ سے کہا تھا کہ گوتم بھوش بھی دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح اسے حاصل کرنے کے لیے مختلف جاپ کررہا ہے لیکن نیت میں کھوٹ کی وجہ سے وہ ابھی منزل سے بہت دور ہے جبکہ میں منزل کے قریب پہنچنے والا تھا کیونکہ میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ میں کوئی شکتی اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں دوسروں کی بھلائی کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ نیلگری نے نہایت واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ گوتم بھوش جیسے بدنیت آدمی کے قبضے میں چلی گئی تو وہ دنیا میں تباہی پھیلا دے گا اور اس لیے اس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنی ریاضت مکمل کروں تاکہ وہ میرے قبضے میں آجائے۔ میری حفاظت کے لیے اس نے مجھے اپنی مالا بھی دے دی تھی۔

میں اگرچہ باقاعدہ ریاضت نہیں کررہا تھا لیکن اس کے باوجود گوتم بھوش مجھے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ اور اپنے لیے خطرہ سمجھ رہا تھا۔ شاید وہ بھی جانتا تھا کہ میں اس سے پہلے منزل پر پہنچ جاؤں گا اسی لیے وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا لیکن نیلگری کی مالا میرے پاس ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی وار مجھ پر کارگر نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے وہ سب سے پہلے مجھے اس مالا سے محروم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کررہا تھا۔ پنڈت دھیراج اس کا چیلا تھا اور میں جان گیا تھا کہ اس کے لیے پنڈت دھیراج کی حیثیت پالتو کتے سے زیادہ نہیں تھی۔

میں عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ میں نے یوگا کی مشق اپنے آپ کو تندرست اور چاق چوبند رکھنے کے لیے شروع کی تھی اور یوگی گوتم بھوش نے مجھے شکتیوں کے چکر میں ڈال دیا تھا۔ میں ان معاملات میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن غیر ارادی اور لاشعوری طور پر میرے قدم اس راستے پر اٹھتے چلے گئے تھے اور اب میں شاید اتنا آگے نکل چکا تھا کہ واپسی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگئی تھی۔ ان پنڈتوں اور یوگیوں کو میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ جے پور میں ان سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ یہ لوگ آسانی سے کسی کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔ میں جان گیا تھا کہ اب اگر چاہوں بھی تو آسانی سے اس طاغوتی چکر سے نہیں نکل سکوں گا۔ اپنے آپ کو بچانے کا صرف ایک طریقہ تھا کہ میں وہ مالا نیلگری کو لوٹا دوں یا گوتم بھوش کے حوالے کردوں لیکن میں اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ گوتم بھوش اس کے بعد بھی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ پنڈت قسم کے لوگ اپنے دشمن کو کبھی زندہ نہیں رکھتے۔

دن کا مدھم سا اجالا پھیل رہا تھا۔ میں بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے سامنے آگیا۔ کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے اور تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

مایا متی کی اس روز چھٹی تھی اس لیے وہ بھی دیر تک سوئی رہی۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور آٹھ بجے کے قریب اپنے لیے چائے بنا کر برآمدے میں آکر بیٹھ گیا۔

میں نے ابھی چائے ختم نہیں کی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اٹھ کر لاؤنج میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ وہ انسپکٹر برندرا کی کال تھی۔

"کیا تم ہیڈ کوارٹر آسکتے ہو؟" اس نے میری آواز سن کر کہا۔

"خیریت؟" میں نے دریافت کیا۔

"یہاں آجاؤ۔ اطمینان سے بات کریں گے۔" اس نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

میں نے فون بند کردیا اور شوبھا کے کمرے میں جاکر اسے جگا دیا اور اسے بتایا کہ بریندرا نے مجھے ہیڈ کوارٹر بلایا ہے۔ شوبھا فوراً ہی اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد تیار ہو کر باہر نکلا تو شوبھا ناشتا تیار کررہی تھی۔

ناشتا کرنے کے بعد میں گھر سے نکلا تو ساڑھے نو بج رہے تھے۔ کافی دور تک پیدل چلنے کے بعد ٹیکسی ملی تھی۔ اس طرح جب میں ہیڈ کوارٹر پہنچا تو سوا دس بج رہے تھے۔

بریندرا اپنے دفتر میں موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ گیا اور ہم دفتر سے نکل کر ایک اور کمرے میں آگئے۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ دھنو ایک بینچ پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھے ہوئے گھٹنوں پر لپیٹ رکھے تھے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ جیسے رات بھر جاگی ہو یا دیر تک روتی رہی ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

میں اس صورت حال سے بدحواس سا ہوگیا۔ دھنو کو سنبھالنے میں کئی منٹ لگ گئے۔ میں نے اسے اپنے آپ سے الگ کیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا۔ تم رو کیوں رہی ہو۔ تھونچی اور بھیرجانی کہاں ہیں؟ تم یہاں کیسے آئیں؟"

میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"اس کے ماں باپ کو قتل کردیا گیا ہے۔ ان دونوں کی لاشیں اسپتال کے مردہ خانے میں پڑی ہیں۔"

انسپکٹر بریندرا کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ میں نے دھنو کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اس پر سوالات کی بوچھار کر ڈالی لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ میں بریندرا کی طرف گھوم گیا۔

"آج صبح سات بجے کے قریب یہ اپنے ماں باپ کی لاشوں کو کشتی میں ڈال کر عبادت گاہ سے پانچ میل دور ہائی وے پر واقع بستی کے گھاٹ پر پہنچی تھی۔" بریندرا کہہ رہا تھا "لوگوں نے پولیس چوکی پر اطلاع دے دی۔ اس بستی کی پولیس چوکی کا عملہ صرف چھ اہلکاروں پر مشتمل ہے۔ لاشیں کو جیپ میں ڈال کر شہر کے اسپتال پہنچا دیا گیا اور ہیڈ کوارٹر رپورٹ دے دی گئی۔

"میں نو بجے کے قریب دفتر آیا تو اسے یہاں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ اپنے باپ کے ساتھ آئی ہوگی لیکن ایک سب انسپکٹر نے مجھے واقعے سے آگاہ کیا تو میں پریشان ہوگیا۔ یہ مسلسل رو رہی ہے۔ ابھی تک کچھ نہیں بتا سکی۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم عبادت گاہ میں ان کے پاس رہ چکے ہو اور یہ تم سے مانوس بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "میرا خیال ہے اس نے ابھی تک کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہوگا۔"

"چائے اور ناشتا دیا تھا لیکن اس نے کچھ نہیں لیا۔" بریندرا نے کہا۔

"تم چائے وغیرہ بھجوا دو۔ میں معلوم کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

بریندرا کمرے سے چلا گیا۔ دھنو ابھی تک مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور اسے اپنے سے الگ کرکے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ دھنو مسلسل رو رہی تھی۔ اس کے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک کانسٹیبل ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس میں چائے کے دو کپ اور ڈبل روٹی کے علاوہ پانی کا گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لو۔ پانی پیو اور کچھ کھالو ورنہ تمہاری طبیعت خراب ہوجائے گی۔"

دھنو نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور گلاس ہٹا دیا۔ میرے اصرار پر اس نے ڈبل روٹی کا ایک سلائس بھی کھایا اور چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ پندرہ بیس منٹ بعد اس کی حالت کچھ سنبھل سکی تھی۔ میری موجودگی سے شاید اسے کچھ حوصلہ بھی ملا تھا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا ہوا تھا؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے؟"

"وہ تین آدمی تھے۔" دھنو نے سسکی بھرتے ہوئے جواب دیا "وہ آدھی رات کو وہاں آئے تھے۔ ان کی موٹر کی آواز سنتے ہی بابا نے مجھے اور ماں کو ایک غار میں چھپا دیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد بابا کی چیخوں کی آواز سن کر ماں مجھے غار میں چھوڑ کر چلی گئی۔ اس نے مجھے سختی سے ہدایت کی تھی کہ

بھی ہو، میں غار سے باہر نہ نکلوں۔

میں غار میں مزید پیچھے ہٹتی ہوئی بہت دور تک چلی گئی۔ مجھے کوئی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں رات بھر چھپی رہی اور جب میں باہر نکلی تو دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ گھر کا سارا سامان بکھرا ہوا تھا۔ ماں کی برہنہ لاش عبادت گاہ کے برآمدے میں پڑی تھی۔ اس کا شریر درندوں سے چور تھا۔ بابا کی لاش عبادت گاہ کے اندرونی حصے میں بدھا کے بڑے مجسمے کے سامنے پڑی تھی۔ اس کا جسم بھی درندوں سے چور تھا اور شہ رگ کٹی ہوئی تھی۔" وہ ہچکیوں کو خاموش ہوگئی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ ایسے سنگین لمحات مجھ پر گزر چکے تھے جب میرے ماں باپ کو میری نظروں کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ دھنو بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہوئی تھی۔

وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی کہ قاتل وہاں سے جاچکے تھے اگر اس وقت تک موجود ہوتے تو اسے بھی زندہ نہ چھوڑتے۔ دھنو نے بڑی ہمت سے کام لیا تھا کہ اپنے ماں باپ کی لاشوں کو کشتی میں ڈال کر بستی تک لے آئی تھی اور اس طرح وہ بھی پولیس ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گئی تھی۔

میں نے انسپکٹر بریندرا کو بلا کر اسے صورت حال سے آگاہ کردیا۔ بدھ نیل کنڈ کی وہ عبادت گاہ شہر کے ایک تھانے کی حدود میں تھی۔ دھنو کے بیان کے بعد پولیس نے اپنی ابتدائی کارروائی مکمل کرکے ایک تفتیشی ٹیم بھی تشکیل دے دی تھی۔

"یہ اب واپس عبادت گاہ تو نہیں جاسکتی۔" بریندرا نے کہا "تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ شوبھا اور مایا متی سے اسے کچھ حوصلہ ملے گا اور اس کا دھیان بٹ جائے گا۔"

"اور اس کے ماں باپ کی لاشوں کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"لاشوں کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے دوبارہ وہاں لے جانا مناسب نہیں ہے۔" بریندرا نے جواب دیا "کسی مذہبی ادارے کے ذریعے ان کی آخری رسومات کا بندوبست کرلیا جائے گا۔"

تب میں دھنو کے ساتھ گھر واپس پہنچا تو دوپہر ہوچکی تھی۔ میرے ساتھ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر شوبھا اور مایا متی کے ذہنوں میں الجھن سی تیر گئی۔ ان کی وحشت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دھنو کے جسم پر لپٹی ہوئی چادر پر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

میں نے دھنو کے بارے میں بتایا تو وہ دونوں اور بھی پریشان ہوگئیں۔ بہرحال، ان دونوں نے دھنو کو سنبھال لیا۔

میں دھنو کو ان کے حوالے کرکے اپنے کمرے میں آگیا اور بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ میں تقریباً رات بھر جاگتا رہا تھا اور نیند پر قابو پانا میرے لیے مشکل ہوگیا تھا۔ کسی کے بس میں نہیں تھا۔

دو گھنٹوں بعد شوبھا نے مجھے جگا دیا۔ کھانا تیار ہوچکا تھا۔ میں اپنے کمرے میں سے نکلا تو دھنو کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ شوبھا نے اسے نہلا کر اپنا لباس پہنا دیا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کی ساڑی میں وہ واقعی قیامت لگ رہی تھی۔

مایا متی بھی بدھا کی پیروکار تھی۔ وہ دھنو کی زبان بھی پوری طرح سمجھتی تھی اس لیے اسے سنبھالنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ بہرحال، اس وقت بھی اسے تھوڑا بہت کھانا زبردستی ہی کھلایا گیا تھا۔

میں دھنو سے پوچھتا رہا کہ وہ کون لوگ تھے لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکی کہ ان کی تعداد تین تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق آدھی رات کے وقت تھونچی نے انہیں جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا۔ اس وقت وہ جیپ ٹیلے کے قریب آکر رکی تھی۔ اس میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ تھونچی ان دونوں کو عبادت گاہ کے عقب میں ایک غار میں لے گیا اور انہیں بہت اندر چلے جانے کو کہا تاکہ ہم اجنبیوں کی نظروں میں نہ آسکیں۔

ایک گھنٹے بعد تھونچی کی چیخیں سنائی دیں تو بھیرجانی اسے مزید غار کے اندر دھکیلتی ہوئی باہر چلی گئی۔ دھنو ڈر کے مارے غار میں بہت اندر تک چلی گئی تھی۔ وہ رات بھر وہاں دبکی رہی۔ وہ اس خوف سے باہر نہیں نکلی تھی کہ چند روز پہلے آنے والے اجنبیوں کے ہاتھوں اپنی ماں کا حشر دیکھ چکی تھی۔

صبح ہونے پر جب وہ غار سے نکلی تو اپنے ماں باپ کی لاشیں دیکھ کر چیخ اٹھی۔ وہ دیر تک ان لاشوں سے لپٹی روتی رہی لیکن اس ویرانے میں اسے تسلی دلاسا دینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پاکر بڑی ہمت سے کام لیا اور لاشوں کو کشتی میں ڈال کر بستی کے گھاٹ پر لے آئی۔

"تم نے اس بستی میں کسی کو یا یہاں پولیس والوں کو بدھا کے مجسمے کے اندر خفیہ راستے کے بارے میں تو نہیں بتایا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا "میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ صرف تم سے بات کی تھی۔"

"اور بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "وہ ایک ایسا راز ہے جس کی حفاظت کے لیے تمہارے باپ نے جان دے دی۔ تمہاری جان بھی جاسکتی ہے اس لیے اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

دھنو نے اثبات میں سرہلا دیا۔

سہ پہر کے قریب انسپکٹر بریندرا نے اطلاع دی کہ دھنو کے والدین کی لاشیں ایک فلاحی ادارے کے حوالے کی جاچکی ہیں۔ سورج غروب ہونے سے پہلے آخری رسومات ادا ہوں گی۔ دھنو اگر چاہے تو ان میں شریک ہوسکتی ہے۔

میں نے دھنو کو بتایا تو وہ فوراً ہی تیار ہوگئی۔ میں وقتِ مقررہ پر اسے بتائی ہوئی جگہ پر لے گیا۔ شہر سے باہر وہ بدھا کے پیروکاروں کا شمشان گھاٹ تھا۔ تین بھکشوؤں کے علاوہ وہاں چند آدمی اور تھے۔ دھنو اپنے ماں باپ کے چہرے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں بڑی مشکل سے اسے سنبھالے ہوئے تھا۔ دونوں چتاؤں کو آگ دکھانے کے بعد ایک بھکشو نے مجھے اشارہ کیا اور میں دھنو کو لے کر واپس آگیا۔

شمشان گھاٹ شہر سے کافی دور تھا۔ شہر کی آخری آبادی اور شمشان گھاٹ کے درمیان ایک پتھریلا میدان تھا جہاں جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں۔ اس وقت سورج غروب ہوچکا تھا اور اندھیرا پھیلتا جارہا تھا۔ تاہم سامنے بہت دور شہر کی عمارتوں کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

ہم اس میدان کے وسط میں تھے کہ اچانک ہی تیز ہوا چلنے لگی۔ دھنو نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ ہوا کی تندی بڑھتی جارہی تھی۔ آگے چلنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ ہوا ہمیں پیچھے دھکیل رہی تھی۔

گرد و غبار اڑ کر فضا میں پھیل رہا تھا۔ تاریکی ایک دم گہری ہوگئی۔ شہر کی روشنیاں بھی اب دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ سامنے سے ایک بگولا بڑی تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا۔ تاریکی کے باوجود اس بگولے کی چکراتی ہوئی دھول صاف نظر آرہی تھی۔ لگتا تھا گرد و غبار کا مینار آسمان کی بلندیوں تک چلا گیا ہو۔

میں اس بگولے کی زد سے بچنا چاہتا تھا لیکن دھنو کا پیر جھاڑیوں میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری۔ اس کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اسی وقت ہم بگولے کی زد میں آگئے۔ میں نے دھنو کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن ہوا اسے دھکیلتی ہوئی دور لے گئی۔ میں اس کے پیچھے لپکا لیکن بگولے نے اسے اوپر اٹھا دیا۔

دھنو بری طرح چیخ رہی تھی۔ میں اس سے [illegible] لیکن تند بگولا اسے بڑی تیزی سے اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ بگولے کے عین بیچ میں پھرکی کی طرح چکراتے ہو[illegible] تھی۔

اس تیز اور تند ہوا میں ایک شیطانی قہقہے کی آواز میں ایک جھٹکے سے رک گیا۔ قہقہے کی آواز اس بگولے سے اندر سے آرہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بگولے کے اوپر بہت بلندی پر گوتم بھوش کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید میری بے بسی پر قہقہے لگا رہا تھا۔

ایک لمحہ..... صرف ایک لمحہ گزرا اور میری نظریں [illegible] بگولے پر مرکوز ہوگئیں اور پھر وہ بگولا گردش کرتا ہوا ایک [illegible] جگہ پر رک گیا۔ اس کے اندر دھنو بدستور پھرکی کی طرح گھوم [illegible] رہی تھی۔ میں نے اپنی نظریں بگولے پر مرکوز رکھیں۔ دھنو آہستہ آہستہ نیچے آتے ہوئے زمین پر ٹک گئی۔ میں نے اوپر دیکھا۔ گوتم بھوش کا ہیولا فضا میں تحلیل ہوگیا اور بگولا بھی بتدریج منتشر ہوتا چلا گیا۔

دھنو زمین پر پڑی چیخ رہی تھی۔ میں نے دوڑ کر اس کا بازو پکڑا اور آبادی کی طرف دوڑ لگا دی۔ دھنو نے ساڑی پہن رکھی تھی جس سے اسے دوڑنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ وہ بار بار لڑکھڑا رہی تھی لیکن میں اسے کھینچتا ہوا دوڑتا رہا۔

گوتم بھوش کو اس ویرانے میں وار کرنے کا موقع مل گیا تھا اور میں جلد سے جلد ویرانے سے نکل جانا چاہتا تھا۔

گوتم بھوش پے در پے جس طرح مجھ پر حملے کررہا تھا اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس وقت اس نے شاید جان بوجھ کر دھنو کو ہی نشانہ بنایا تھا۔ شاید اس کا خیال ہو کہ میں ڈر کر یا گھبرا کر بالا اس کے حوالے کردوں گا لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ میں یہ [illegible] ہوتا تو اس دنیا سے میرا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ دنیا کے سفاک ترین انسانوں سے میرا مقابلہ ہوچکا تھا اور وہ مجھے [illegible] نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ گوتم بھوش مجھے زیر کرنے کے لیے اگر اپنی پراسرار شکتی استعمال کررہا تھا تو اس حوالے [illegible] میں بھی تہی دامن نہیں تھا۔ میرے اندر بھی ایک [illegible] جو میں نے طویل عرصے کی ریاضت اور کٹھنائیوں کی منزلیں طے کرنے کے بعد حاصل کی تھی۔ جی..... یہ کوئی معمولی قوت نہیں تھی۔ انسان کے اندر چھپی ہوئی اس قوت کو [illegible] تہ و بالا کیا جاسکتا تھا۔ میں نے بھی اس قوت کو استعمال [illegible]

[illegible] اب اسے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا اور اس وقت [illegible] کے بل ہوتے پر ہی میں نے اس خوفناک بگولے کو [illegible] تھا اور اسے منتشر کرکے دھنو کو اس کی قید سے [illegible] تھی۔

[illegible] روتے ہوئے آبادی کے قریب پہنچ گئے۔ دھنو بری [illegible] رہی تھی۔ ہم ایک جگہ رک گئے۔ دھنو نے اپنی [illegible] قابو پایا۔ ساڑی درست کی اور ہم آگے چلنے لگے۔ [illegible] خوف زدہ تھی کہ اس نے اب بھی میرا ہاتھ بڑی [illegible] پکڑ رکھا تھا۔

[illegible] میں کوئی بات معمول کے خلاف نہیں تھی اور [illegible] طرح جانتا تھا کہ اس طرف نہ تو آندھی آئی تھی [illegible] بگولے اٹھے تھے۔ وہ تو گوتم بھوش کی حرکت تھی۔

[illegible] ہی چوک پر ایک خالی سائیکل رکشا مل گیا۔ دھنو [illegible] اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا سارا بوجھ میرے اوپر [illegible] نے بھی اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر [illegible] رکشا کے سائیکل ہینڈل پر عقبی منظر پیش کرنے کے [illegible] رائش کے لیے آئینے لگے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے [illegible] طرف کے آئینے اس طرح ایڈجسٹ کردیے کہ ہمیں [illegible] گے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں اس خوب صورت لڑکی [illegible] میں لے جارہا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ہم بہ خیریت گھر پہنچ گئے۔

[illegible] اور مایا متی' دھنو کو دیکھ کر چونک سی گئیں۔ اس [illegible] چہرے پر اب بھی خوف کی زردی کھنڈ رہی تھی۔ میں نے [illegible] کہ ایک بگولا اسے اڑا کر لے جارہا تھا تو شوبھا اور [illegible] معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا

"کیا بات ہے۔ اسے کہاں لے گئے تھے۔ یہ اتنی خوف [illegible] ہے؟" شوبھا نے علیحدگی میں موقع ملتے ہی پوچھا۔ [illegible] نظروں میں شک کی جھلک نمایاں تھی۔

"دھنو زندگی میں پہلی بار شمشان گھاٹ گئی تھی۔" میں [illegible] "اور تم جانتی ہو ایسی جگہوں پر تو ویسے ہی وحشت [illegible] اور اتفاق سے واپسی پر وہ ایک بگولے کی زد میں [illegible] تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ بگولا اسے زیادہ اوپر [illegible] نہیں لے گیا تھا۔"

شوبھا نے مزید جرح نہیں کی لیکن اس کی نظروں اور [illegible] تاثرات سے میں سمجھ گیا تھا کہ اس نے میری بات [illegible] نہیں کیا تھا۔

اس رات انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان بھی آگئے۔ بریندرا نے بتایا کہ صبح پولیس کی پارٹی بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ پر بھیجی گئی تھی وہ واپس آگئی ہے۔ وہاں سے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی البتہ عبادت گاہ کے برآمدے اور اندرونی حصے میں مہاتما بدھ کے مجسمے کے اردگرد خون کے دھبے ملے ہیں۔

بریندرا نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ جب تک کوئی اور بندوبست نہیں ہوجاتا' دھنو ہمارے پاس رہے گی۔

مجھے دھنو کو اپنے پاس رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن عبادت گاہ پر کسی کی موجودگی بھی ضروری تھی۔ وہاں تھوپچی کی کھیتی باڑی تھی' مویشی بھی تھے جن کی دیکھ بھال ضروری تھی۔ بریندرا نے وعدہ کیا کہ وہ کوئی نہ کوئی بندوبست کرلے گا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر عبادت گاہ میں بدھا کے عظیم القامت سونے کے مجسمے اور سونے کی اس کان کی تھی جس کا راز صدیوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آرہا تھا۔ انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان اگرچہ فرض شناس اور دیانت دار آفیسر تھے لیکن اس راز کے لیے میں ان پر بھی بھروسا نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے کوئی ایسا آدمی تلاش کرنا تھا جو اس راز کو مرتے دم تک اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکے اور میں جانتا تھا کہ ایسا آدمی تلاش کرنا آسان نہیں تھا جو سونے کے پہاڑ کو اپنے سینے میں چھپا سکے۔

دھنو کی وجہ سے میرا سارا پروگرام اپ سیٹ ہوگیا تھا۔ اگر دھنو کے والدین کو قتل نہ کیا گیا ہوتا اور دھنو یہاں نہ آئی ہوتی تو میں شوبھا کے ساتھ ہندوستان جاچکا ہوتا لیکن دھنو کی وجہ سے مجھے اپنا پروگرام بدلنا پڑا تھا۔

ادھر پولیس اور ناگ پال کے بیچ آنکھ مچولی کا کھیل جاری تھا۔ پولیس کبھی ناگ پال کو گھیرے میں لے لیتی اور کبھی وہ پولیس کو نچا کر رکھ دیتا۔ بہرحال' یہ کھیل جاری تھا لیکن میں اس سے قطعی لاتعلق ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے وعدے کے مطابق جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کو یہاں قدم نہیں جمانے دیا تھا۔ چانگ لی کی موت کے ساتھ ہی یہ قصہ ختم ہوگیا تھا۔ ناگ پال اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا پھر رہا تھا۔ جنرل کھوراٹ اگر دوبارہ یہاں قدم جمانا چاہے گا تو اس کے لیے خاصا وقت درکار ہوگا۔ ناگ پال کے ساتھ پولیس کا کھیل جاری تھا اور میں دھنو کی وجہ سے الجھ کر رہ گیا تھا۔

تین چار روز گزر گئے۔ اس دوران میں گوتم بھوش کی طرف سے بھی کوئی غیر معمولی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ میں ایک مرتبہ بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ کا بھی چکر لگا کر آیا تھا۔

مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے انسپکٹر برندرا نے وقتی طور پر کچھ انتظام کردیا تھا۔ دو آدمی وہاں رہ رہے تھے لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ وہاں کچھ ایسے لوگ رکھے جائیں جو مستقل طور پر وہاں رہائش بھی اختیار کرسکیں۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ شام کا وقت تھا۔ مایا متی ابھی ڈیوٹی سے نہیں آئی تھی۔ میں، شوبھا اور دھنو کے ساتھ برآمدے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ میں نے اٹھ کر گیٹ کھول دیا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر بدھ بھکشو تھا، ایک ادھیڑ عمر عورت، ایک نو عمر لڑکی اور ایک لڑکا تھا جس کی عمر نو دس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کے چہروں سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ لگتا تھا وہ کوئی لمبا سفر کرکے آئے تھے۔

بھکشو کی بغل میں ایک میلا سا تھیلا دبا ہوا تھا جو خاصا پھولا ہوا تھا جبکہ عورت نے بھی کندھے پر ایک پوٹلی اٹھا رکھی تھی۔ لڑکی کی عمر تیرہ چودہ سال ہوگی۔ اس کے کندھے پر بھی ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔

میں الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ انہیں کہیں اور جانا تھا اور بھول کر یہاں آگئے تھے لیکن اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔

کہیں یہ لوگ تھونچی کے جاننے والے تو نہیں تھے ہوسکتا ہے؟ دھنو انہیں جانتی ہو۔

"ہم دلائی لاما کے دیش سے آئے ہیں۔ دھرم شالا سے۔ کیا تم ہمیں اندر آنے کو نہیں کہو گے؟" بھکشو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دھرم شالا اور دلائی لاما کا نام سن کر میں چونک گیا۔ تبت سے جلا وطنی کے بعد بدھ مت کے روحانی پیشوا نے ہندوستان میں پناہ لی تھی اور وہ طویل عرصے سے ہندوستان کی شمالی ریاست ہماچل پردیش کے صدر مقام دھرم شالا میں رہائش پذیر تھا۔ یہاں اسے وہ تمام مراعات حاصل تھیں جو کسی جلا وطن ہیڈ آف اسٹیٹ کو حاصل ہوسکتی ہیں۔ دلائی لاما کی وجہ سے تبت سے ہجرت کرکے آنے والے ہزاروں پناہ گزیں بھی دھرم شالا اور اس کے قرب و جوار کے شہروں میں آباد تھے اور اب تو ان کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہوچکا تھا۔

مجھے تھونچی کی باتیں یاد آگئیں۔ جب میں ان کے پاس عبادت گاہ میں رہ رہا تھا تو تھونچی نے بتایا تھا کہ عبادت گاہ کے تہ خانے میں بدھا کے سونے کے مجسمے اور سونے کی کان کا راز دلائی لاما اور اس کے چند قریبی ساتھی جانتے تھے اور بھکشو بھی دھرم شالا سے آیا تھا اور اس نے بھی دلائی لاما سے یہ راز حاصل کیا تھا۔

میں نے راستہ چھوڑ دیا اور وہ لوگ اندر آگئے۔ دھنو نے بھکشو کو پہچان لیا۔ اس نے بتایا کہ یہ بھکشو گزشتہ برسوں میں کئی مرتبہ دھرم شالا سے یہاں آچکا ہے۔ وہ ہفتہ دس دن ان کے پاس عبادت گاہ میں رہتا تھا اور پھر واپس چلا جاتا تھا۔ عبادت گاہ میں قیام کے دوران میں وہ اور تھونچی عبادت گاہ کے اندر جاکر کئی کئی گھنٹوں تک غائب رہتے تھے۔

میرے دل میں کچھ عجیب سا خیال ابھر رہا تھا۔ کہیں یہ وہی تو نہیں جس کا مجھے انتظار تھا؟

فوراً ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ وہ بس سے اتر کر سیدھے یہیں آئے تھے اور ظاہر ہے انہیں رات بھی یہیں گزارنی تھی۔ ان کی شب بسری کا بندوبست بھی کردیا گیا۔ لاؤنج میں سے صوفے اور کرسیاں ہٹادی گئی تھیں۔

مایا متی بھی ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

میرے دل میں بھی اس بھکشو کے بارے میں ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ میرے ساتھ عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ جب آس پاس کسی مشتبہ اجنبی کو دیکھ کر دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے تھے۔

اس رات میں اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سن کر پیچھے مڑا۔ وہ بھکشو تھا جو دروازے میں کھڑا مجھ سے اندر آنے کی اجازت طلب کررہا تھا۔ میں نے اسے اندر بلالیا اور ہم دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔

"میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"کہو۔ میں سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"دلائی لاما تمہارا شکر گزار ہے کہ تم نے اتنے عرصے اس راز کی حفاظت کی جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آرہا ہے۔" اس نے کہا تو میں چونک گیا۔ دلائی لاما کو کیسے پتا چلا کہ میں اس راز سے واقف ہوں لیکن پھر اچانک ہی میرے ذہن میں وہ بہت سی پراسرار باتیں ابھر آئیں جو دلائی لاما سے منسوب کی جاتی ہیں۔ تبت کے پراسرار علوم کا تو ویسے ہی دنیا بھر میں شہرہ ہے لیکن بہت سے علوم ایسے ہیں جو صرف اعلیٰ ترین مذہبی شخصیات تک محدود ہیں۔ صرف انہی چند ہستیوں کو یہ پراسرار علوم سکھائے جاتے ہیں جنہوں نے دھرم اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنی ہو۔ ان ہستیوں میں دلائی لاما کے علاوہ صرف چند اور لوگ شامل ہوتے ہیں، یہ پراسرار علوم اس طبقے تک محدود رہتے ہیں اور انہیں بڑی رازداری سے اگلی نسلوں کو منتقل کیا جاتا ہے۔

"جس روز تھونچی اور اس کی بیوی کو قتل کیا گیا تھا، دلائی لاما کو اسی روز پتا چل گیا تھا۔" بھکشو کہہ رہا تھا "اس کی جگہ کسی ایسے آدمی کو بھیجنے کی ضرورت تھی جو اس راز سے واقف ہو اور اس کی حفاظت کرسکتا ہو۔ میں دلائی لاما کے ایلچی کی حیثیت سے تھونچی سے وقتاً فوقتاً رابطہ رکھتا تھا۔ میں ان دنوں بنکاک میں والٹ ٹریمٹ میں تھا۔ مجھے پیغام ملا تو میں فوراً ہندوستان واپس آگیا اور دھرم شالا پہنچتے ہی مجھے یہاں آنے کا حکم دیا گیا۔"

والٹ ٹریمٹ کے نام پر میں چونک گیا۔ بنکاک میں اس عبادت گاہ سے تو میری بھی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ یہیں تو مہاراج سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی جب چاچا چارتاپ سنگھ کو اس عبادت گاہ کے اندر گولیوں سے چھلنی کردیا گیا تھا اور قسمت نے مجھے مہاراج کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔

مہاراج کا دیہانت (انتقال) ہوئے عرصہ ہوچکا تھا لیکن بہت سے لوگ ابھی وہاں موجود تھے۔ میں نے ان میں سے کچھ کے نام لیے تو بھکشو اچھل پڑا اور پھر ہم بہت دیر تک والٹ ٹریمٹ اور وہاں کے مختلف لوگوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ بھکشو کے بارے میں تو میرے دل میں پہلے ہی کوئی شبہ نہیں تھا۔ ان باتوں کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ یہ وہی ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔

"میں اگر چاہتا تو سیدھا وہیں جاسکتا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا "لیکن تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا ضروری تھا۔ میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اگر پتری ہمارے ساتھ رہنا چاہے تو اسے ساتھ لے چلوں۔"

"اچھا ہوا تم آگئے۔" میں نے کہا "میں بہت فکرمند تھا لیکن اب میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ یہ تو دھنو سے معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ کہاں رہنا چاہتی ہے۔ ویسے میرے خیال میں وہ تم لوگوں کے ساتھ ہی رہنا پسند کرے گی۔ اس کا باپ برسوں پہلے کسی دوسرے شہر سے آیا تھا اور یہاں اس کا کوئی نہیں ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے اسے بڑا سہارا رہے گا۔"

لیکن صبح دھنو سے بات ہوئی تو اس نے ان لوگوں کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ وہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ پچھلے چند روز میں وہ شوبھا سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی اور مستقل طور پر اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

یہ ایک نئی مشکل آن پڑی تھی لیکن یہ مسئلہ اس طرح حل ہوگیا کہ شوبھا اسے ہندوستان لے جاکر اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہوگئی تھی۔

میں نے صبح سویرے ہی انسپکٹر برندرا کو بھی بھکشو کے بارے میں اطلاع دے دی اور اسے بتادیا کہ وہ اپنے کنبے کے ساتھ بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ پر رہنے کو تیار ہے۔

اس دوپہر ہم لوگ ایک اسٹیشن ویگن پر لدکر بدھ نیل کنڈ کی عبادت گاہ پر پہنچ گئے۔ یہاں قدم رکھتے ہی دھنو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شوبھا نے اسے بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔

انسپکٹر برندرا بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن وہ وہاں پہلے سے موجود اپنے دو آدمیوں کے ساتھ ہم سے الگ تھلگ ہی رہا تھا۔ دھنو نے بھکشو کو کھیتوں، مویشیوں اور ہر چیز کے بارے میں سمجھادیا۔ ان کا سارا سامان یہیں پر تھا۔ دھنو نے کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کردیا اور بھکشو اور اس کے گھر والوں کو اجازت دے دی کہ وہ ہر چیز استعمال کرسکتے ہیں۔

میں اور بھکشو موقع پاکر عبادت گاہ کے پچھلے حصے میں چلے گئے تھے۔ بھکشو نے بدھا کے مجسمے کے اندر خفیہ راستہ کھولا اور ہم تہ خانے میں اتر گئے۔

"دلائی لاما نے اجازت دی ہے کہ تم یہاں سے جتنا سونا چاہو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔" بھکشو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے سونا لے جانا ہوتا تو مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا "یہ سب کچھ میرے اختیار میں تھا۔ میں چاہتا تو....."

"دلائی لاما نے ٹھیک کہا تھا۔" بھکشو نے گہرا سانس لیتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"کیا....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہ تم کچھ قبول نہیں کرو گے۔" بھکشو نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے تک تہ خانے میں رہنے کے بعد باہر آگئے۔ کسی کو ہمارے اتنی دیر غائب رہنے کا احساس نہیں ہوسکا تھا۔

شام سے ذرا پہلے ہم بھکشو اور اس کی فیملی سے رخصت ہوکر ویگن میں بیٹھ گئے۔ دھنو بڑی حسرت بھری نظروں سے عبادت گاہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی کا طویل عرصہ یہاں گزرا تھا۔ ایک ایک چیز سے اس کی یادیں وابستہ تھیں اور میں جانتا تھا، وہ آسانی سے ان یادوں کو فراموش

نہیں کرسکے گی۔

کئی روز تک دھنو پر اداسی طاری رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ وہ بڑی شوخ و چنچل اور شریر سی لڑکی تھی۔ جب میں چند روز ان کے ساتھ عبادت گاہ میں رہا تھا تو مجھے اس کی شوخیوں اور شرارتوں کا تجربہ ہوچکا تھا۔

ماں باپ کی موت کے بعد اس پر جو قنوطیت طاری ہوئی تھی وہ اب ختم ہورہی تھی اور اس کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ لوٹ رہی تھی۔

دھنو تھی بھی بڑی حسین۔ سڈول جسم اور لمبا قد۔ عبادت گاہ میں تو میں نے اسے جسم پر صرف ایک چادر لپیٹے ہوئے ہی دیکھا تھا لیکن یہاں وہ ہر قسم کا لباس پہننے لگی تھی۔ وہ بڑی جامہ زیب تھی۔ اس پر ہر لباس اچھا لگتا تھا۔ ساڑی تو اس پر خوب جچتی تھی۔

میں نے انسپکٹر برندرا کو بتا دیا تھا کہ اب میں ہندوستان واپس جانا چاہتا ہوں۔ شوبھا کو ویش مکھ اغوا کرکے لایا تھا۔ میں اور بھلا انسپکٹر اعظم کے ساتھ غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔ میں نے یہاں جرائم پیشہ گروہ کے خلاف قانون سے تعاون کیا تھا۔ میری بات صرف انسپکٹر برندرا تک ہی نہیں رہی تھی۔ بہت اوپر کے لوگ بھی مجھے جان گئے تھے۔ برندرا چاہتا تھا کہ ہماری واپسی قانونی طور پر ہو۔ میں نے اسے دھنو کے بارے میں بھی بتا دیا تھا اور ان دنوں وہ ہمارے کاغذات تیار کروا رہا تھا۔

اس دوران میں نہ تو نیلگری سے کسی قسم کا رابطہ ہوا تھا اور نہ ہی گوتم بھوش کی صورت دکھائی دی تھی اور کوئی غیر معمولی واقعہ بھی رونما نہیں ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ گوتم بھوش یا تو مجھ سے مایوس ہوکر میرا پیچھا چھوڑ گیا تھا یا وہ کسی موقع کے انتظار میں تھا۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ پنڈت لوگ آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

نیلگری تو ایسی شکتی تھی جسے حاصل کرنے کے لیے متعدد لوگ کشٹ اٹھا رہے تھے۔ تپسیا کی جارہی تھی اور کٹھنائیاں برداشت کی جارہی تھیں۔ گوتم بھوش بھی نجانے کب سے یہ سارے کشٹ (مشکلات) اٹھا رہا تھا۔ وہ آسانی سے اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا تھا جبکہ اسے یہ توقع بھی ہوگی کہ وہ منزل پر پہنچنے والا ہے لیکن میں بیچ میں ٹپک پڑا تھا۔ اس رات رتنا پارک میں کرسٹل کا ٹوٹا ہوا مجسمہ ملنا ہی غضب ہوگیا تھا۔ نہ وہ مجسمہ ملتا اور نہ میں اس چکر میں پھنستا۔

ہمارے کاغذات مکمل ہوگئے۔ ہمارے لیے دو دن بعد کی تاریخ میں ہوائی جہاز پر دہلی کے لیے سیٹیں بک کروا دی گئیں۔ اس فلائٹ کے شیڈول کے مطابق ہم سہ پہر چار بجے دہلی پہنچ جاتے اور ہم نے پروگرام بنالیا تھا کہ اسی شام دہلی ریلوے اسٹیشن سے پنک سٹی ایکسپریس پر سوار ہوکر جے پور روانہ ہوجائیں گے۔ (پنک سٹی ایکسپریس روزانہ صبح چھ بجے دہلی ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوتی ہے اور دو سو ستر کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے پانچ گھنٹے بعد دوپہر گیارہ بجے جے پور پہنچ جاتی ہے۔ پھر شام چار بجے جے پور سے روانہ ہوکر رات نو بجے واپس دہلی پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری پنک سٹی ایکسپریس انہی اوقات کے مطابق جے پور سے دہلی اور دہلی سے جے پور کے درمیان چلتی ہے)

اگلا دن ہم نے شاپنگ کرتے ہوئے گزارا۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ، راج کماری روپ متی اور دوسروں کے لیے بہت سے تحائف خریدے تھے۔ شوبھا واپس جانے کے خیال سے بہت خوش تھی جبکہ دھنو پر عجیب سنسنی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کی ساری زندگی ایک عبادت گاہ میں گزری تھی۔ اس کے لیے تو یہ شہر بھی اجنبی تھا۔ بارہ چودہ برسوں کے عرصے میں وہ صرف چند مرتبہ ہی تو شہر آئی تھی۔ اس کے لیے یہاں کے لوگ بھی اجنبی تھے اور اب وہ ایک نئے دیش جارہی تھی جہاں کی ہر چیز اس کے لیے اجنبی ہوگی۔

اسپتال میں سمبا سے ہماری ملاقات بڑی جذباتی ثابت ہوئی تھی۔ اس سے رخصت ہوتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ انسپکٹر برندرا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کا پورا خیال رکھے گا اور جب وہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا تو اسے جیپ پر اس کے قبیلے میں پہنچا دیا جائے گا اور اگر وہ کمشنڈو ہی میں رہنا چاہے گا تو اس کے لیے روزگار کا بندوبست بھی کردیا جائے گا۔

اگلے روز جہاز کی پرواز سے ایک گھنٹا پہلے ہم ائرپورٹ پر موجود تھے۔ برندرا اور انسپکٹر اعظم سادہ لباس میں ہمیں الوداع کہنے آئے تھے۔ وہ ہمیں ائرپورٹ پر چھوڑ گئے تھے۔ تاہم بایا متی اس وقت تک ہمارے ساتھ موجود رہی تھی جب تک ہم ڈیپارچر لاؤنج میں داخل نہیں ہوگئے تھے۔ وہ نہ صرف دھنو اور شوبھا سے گلے ملی تھی بلکہ مجھ سے بھی لپٹ کر اسی نے اس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

ہم جہاز میں اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ روانگی میں چند منٹ باقی تھے۔ میں کھڑکی کے قریب بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ ایک وین بڑی تیز رفتاری سے ٹارمک (TARMAC) پر دوڑتی ہوئی جہاز کی طرف آرہی تھی۔ اس وقت جہاز کی

سیڑھیاں ہٹائی جارہی تھیں۔ وین جہاز کے قریب آکر رک گئی۔ اس میں سے نصف درجن آدمی وین سے اترے۔ ان سب کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔

سیڑھیاں دوبارہ جہاز سے لگا دی گئیں۔ وین سے اترنے والے مسلح آدمی اب میری نظروں میں نہیں رہے تھے لیکن دو منٹ بعد جہاز کا دروازہ کھلا اور وہ مسلح آدمی اندر گھس آئے۔ دو آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے آگے والے حصے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی رائفلیں تان لی تھیں۔ دو آدمی وہیں دروازے کے پاس رک گئے۔ دو آدمی آگے بڑھ آئے۔ ساتویں آدمی کے پاس ریوالور تھا۔

مسافروں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ کسی کو سوچنے کا موقع تک نہیں مل سکا تھا۔ اس صورتِ حال نے مجھے بھی پریشان کردیا۔

ریوالور والا دو گن مینوں کے ساتھ مسافروں کے چہروں کو گھورتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ مسافروں کو وارننگ دے دی گئی کہ کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ ہر شخص اپنی سیٹ پر سہما بیٹھا تھا۔

میں، شوبھا اور دھنو ایک ہی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ریوالور والا ہماری سیٹوں کے قریب رک گیا۔ اس نے ایک لمحہ میری طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میری طرف ریوالور تان لیا اور چیخ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ چار گن مین دوڑ کر قریب آگئے اور انہوں نے ہم تینوں کو رائفلوں کی زد پر لے لیا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ ریوالور والے نے ہمیں اٹھنے کا حکم دیا۔ ہم ایک ایک کرکے سیٹوں سے باہر آگئے۔ ایک گن مین نے ہمارے جسموں کو تھپتھپا کر ہماری تلاشی لی اور پھر رائفلوں کی زد پر ہمیں جہاز سے اتار لیا گیا۔ ہمارا سامان بھی ان لوڈ کردیا گیا تھا۔

اس صورتِ حال نے مجھے بری طرح بدحواس کردیا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میرے ہاتھ پشت پر لے جاکر ہتھکڑی لگا دی گئی اور مجھے دھکیل کر وین میں بٹھا دیا گیا۔ دھنو اور شوبھا کو بھی وین میں دھکیل دیا گیا تھا۔ تاہم انہیں ہتھکڑیاں نہیں لگائی گئی تھیں۔ وہ چھ کے چھ مسلح آدمی ہمارے ساتھ اس طرح بیٹھ گئے تھے کہ ہم ان کے درمیان دب کر رہ گئے۔ ہمارا سامان بھی وین کی چھت پر رکھ دیا گیا تھا۔ وین حرکت میں آکر کچھ دیر تک ٹارمک پر دوڑتی رہی اور پھر ایک گیٹ سے ہوتی ہوئی ٹرمینل کی عمارت سے باہر آگئی۔ عمارت سے باہر سڑک پر آتے ہی مجھے حکم دیا گیا کہ میں اپنا سر جھکائے رکھوں اور باہر دیکھنے کی کوشش نہ کروں۔

وین تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک دوڑتی رہی۔ آس پاس ٹریفک کا شور سنائی دے رہا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ ہم شہر ہی کے کسی علاقے میں سفر کررہے تھے لیکن پھر ٹریفک کا شور بتدریج کم ہوتا گیا اور بالآخر وین رک گئی۔

ہمیں نیچے اتار لیا گیا۔ یہ کوئی حویلی نما پرانی عمارت تھی۔ اس کی چار دیواری فصیل کی طرح اونچی تھی۔ عمارت اگرچہ بہت شان دار تھی لیکن لگتا تھا برسوں سے اس پر رنگ روغن کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ کچھ لوگوں کو فوجی وردیوں میں دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ اس حویلی نما عمارت میں فوج کا کوئی دفتر قائم تھا۔ باہر سے وقتاً فوقتاً گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہ عمارت شہری حدود میں ہی واقع تھی۔

میں نے ایک بار پھر پوچھنا چاہا کہ ہمیں کیوں پکڑا گیا ہے لیکن جواب میں میرے سینے پر ایک زوردار گھونسا جڑ دیا گیا تھا۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔ میں نے دھنو اور شوبھا کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے چہرے بھی خوف سے پیلے پڑے ہوئے تھے۔

ہمیں رائفلوں کی زد پر عمارت کے اندر لے آیا گیا۔ کئی راہداریوں میں مڑنے کے بعد ہم ایک جگہ رک گئے۔ ریوالور والا ایک دروازے میں داخل ہوگیا۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی تھی اور پھر ہمیں اندر لے جایا گیا۔

یہ کمرا خاصا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک بہت بڑی آفس ٹیبل تھی جس کے پیچھے ورمیا نے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ سر گنجا اور شکل بل ڈاگ جیسی تھی۔ جبڑوں کے نیچے گوشت لٹکا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر نیلے رنگ کا سوٹ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ چند لمحے کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر شوبھا اور دھنو کی طرف دیکھنے لگا۔ دھنو کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

اس دفتر میں دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر بھی کرختگی نمایاں تھی۔

میرے ساتھ آنے والے نے گنجے کی طرف دیکھتے ہوئے

کچھ کہا۔ گنجا ایک بار پھر گہری نظروں سے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ چند لمحے آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے اور پھر گنجے نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ گن مین ہمیں کمرے سے باہر لے آئے۔

ہم ایک بار پھر مختلف راہداریوں میں چلتے رہے اور ایک اور سلاخوں والے دروازے پر رک گئے اور اس وقت یہ جان کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ شوبھا اور دھنو میرے ساتھ نہیں تھیں۔ انہیں غالباً راستے ہی میں کسی اور طرف لے جایا گیا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چل سکا تھا۔

یہ کمرا آٹھ بائی آٹھ فٹ تھا۔ چھت بہت اونچی تھی۔ مدھم روشنی کا ایک بلب چھت سے لٹکا ہوا تھا۔ پچھلی طرف کافی اونچائی پر ایک مختصر سا روشن دان تھا جس میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

دو گن مین میرے ساتھ کوٹھری میں گھس آئے تھے۔ ایک نے میری تلاشی لی۔ جیبوں میں جو کچھ تھا وہ نکال لیا اور پھر میرے گلے سے مالا بھی اتار لی گئی۔ اس وقت میں نے گردن جھٹک کر مزاحمت کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔

"یہ ساری چیزیں امانت کے طور پر ہمارے پاس محفوظ رہیں گی۔ اگر تم بے گناہ ثابت ہوئے تو سب کچھ واپس کردیا جائے گا۔" اس شخص نے کہا پھر میری ہتھکڑی کھول دی اور مجھے جوتے اتارنے کو کہا گیا۔

"میرا جرم کیا ہے۔ آخر ہمیں اس طرح کیوں پکڑا گیا ہے؟" میں نے زمین پر بیٹھ کر جوگر اتارتے ہوئے پوچھا۔

"بہت بھولے بنتے ہو۔" اس شخص نے کہا "یہ ملٹری انٹیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر ہے اور تمہیں جاسوسی کے الزام میں پکڑا گیا ہے۔"

"جاسوسی!" مجھے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا "شاید تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا ایسے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"انٹیلی جنس بغیر کسی ثبوت کے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتی۔" اس شخص نے کہا "ساری باتیں جب تمہارے سامنے آئیں گی تو تمہیں بھی پتا چل جائے گا کہ ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔"

وہ دونوں باہر نکل گئے اور کوٹھری کے سلاخوں والے دروازے کو تالا لگا دیا گیا۔ میں نے ان سے شوبھا اور دھنو کے بارے میں پوچھا لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر چلے گئے۔

میں سر پکڑ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی تھی۔ مجھ پر جاسوسی کا الزام پڑنا ہی مضحکہ خیز تھا۔ میں کس کے لیے جاسوسی کرتا۔ مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کسی اور کے دھوکے میں مجھے پکڑ لیا گیا ہے۔ ممکن ہے وہ شخص اسی جہاز میں ہو جسے یہ لوگ پکڑنا چاہتے تھے۔ غلط فہمی کی وجہ سے میں ان کے قابو میں آگیا اور وہ بچ کر چلا جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ انسپکٹر بریندرا وغیرہ میرے بارے میں بتائیں گے تو ان کی غلط فہمی دور ہوجائے گی اور یہ مجھے چھوڑ دیں گے۔

میں شوبھا اور دھنو کے بارے میں سوچنے لگا۔ انہیں بھی شاید کسی اور کوٹھری میں بند کردیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے ان سے بھی میرے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ان پر کسی قسم کا تشدد نہ کیا جائے۔

کمرے میں پیشاب کی بو سے میرا دماغ پھٹا جارہا تھا۔ میں دروازے کے قریب بیٹھ گیا تاکہ تازہ ہوا میں سانس لے سکوں۔ میں نے ایک مرتبہ سلاخوں سے منہ لگا کر ادھر ادھر جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں طرف طویل راہداری تھی اور غالباً سنسان پڑی تھی۔

سامنے والی دیوار کے اونچے روشن دان سے دن کی روشنی دکھائی دے رہی تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ روشنی بھی مدھم ہوتی چلی گئی۔

شام ہوچکی تھی۔ روشن دان کے باہر اندھیرا تھا۔ چھت پر جلنے والا بلب غالباً ساٹھ واٹ کا تھا۔ اس کی روشنی بہت کم تھی۔

لمحے صدیاں بن کر بیت رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے وہ لوگ مجھے اس کوٹھری میں بند کرکے بھول گئے ہوں۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یہ کوٹھری شاید عمارت کے کسی آخری حصے میں واقع تھی اور اس طرف کسی کی آمد و رفت بھی نہیں تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری وحشت بھی بڑھتی جارہی تھی۔ نیلگری کی مالا مجھ سے چھن گئی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ غلط ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے۔

اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں سب کچھ برداشت کرلیتا لیکن اب قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ اس ملک کے لیے میں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ دنیا کے ان سفاک اور خطرناک ترین انسانوں سے انہیں نجات دلائی تھی جو اس ملک اور اس کے معصوم عوام کو تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہتے تھے لیکن مجھے اس کا کیا صلہ دیا گیا تھا۔ ایک ناکردہ جرم میں سلاخوں کے پیچھے بند کردیا گیا تھا اور اس کے بعد کسی نے

خبر تک نہیں لی تھی۔

اب مجھ میں برداشت کا یارا نہیں رہا تھا۔ مجھے شوبھا اور دھنو کی فکر بھی کھائے جارہی تھی۔ ان کے ساتھ پتا نہیں کیا سلوک کیا گیا ہوگا۔ ضروری نہیں کہ وہ لوگ انہیں بھی کسی کوٹھری میں بند کرکے بھول گئے ہوں۔ میں نے بالآخر چیخ کی قوت کو استعمال میں لانے کا فیصلہ کرلیا۔

لیکن..... چند لمحوں بعد ہی میں دہل کر رہ گیا۔ میں اپنے آپ کو اندر سے بالکل کھوکھلا محسوس کررہا تھا۔ ایک گھراسناٹا تھا جو میرے وجود کے اندر طاری تھا۔ کوشش کے باوجود میں اپنے اندر اس پراسرار قوت کو ابھارنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

میری وحشت بڑھ رہی تھی۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ کہیں میں اپنے اندر کی اس قوت سے محروم تو نہیں ہوگیا؟ لیکن نہیں۔ یہ کوئی جیب میں پڑا ہوا سکہ تو نہیں تھا جو کہیں کھو گیا ہو۔ یہ قوت تو میں نے بڑی محنت اور ریاضت سے حاصل کی تھی لیکن میں اپنے آپ کو کھوکھلا سا کیوں محسوس کررہا تھا؟ نیلگری کی مالا بھی میرے پاس نہیں رہی تھی۔ میرے ساتھ یہ سب کیا ہورہا تھا؟ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ سناٹے میں قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں دروازے کی سلاخوں سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ آواز قریب آتی گئی اور ایک منٹ بعد دو گن مین سامنے آگئے۔ انہوں نے دروازے کا تالا کھولا اور مجھے کوٹھری سے نکال کر دھکے دیتے ہوئے ایک طرف چلنے لگے۔ ان دونوں نے مجھے رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

وہ مجھے ایک ایسے کمرے میں لے آئے تھے جہاں ایک میز کے پاس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہی چہروں سے بہت سفاک اور درندہ صفت لگ رہے تھے۔ مجھے ان کے سامنے ایک اسٹول پر بٹھا دیا گیا۔ دونوں گن مین دروازے کے قریب کھڑے ہوگئے۔

اس کمرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہ کوئی عقوبت خانہ تھا۔ ایذا رسانی کے جدید آلات نظر آرہے تھے۔ ایک طرف دیوار کے قریب بینچ پر ہمارا وہ سامان بھی بکھرا پڑا تھا جو جہاز سے اتارا گیا تھا۔ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ سامان کی تلاشی لی گئی تھی۔ سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس جو میں نے ایک دن پہلے ٹھاکر کے لیے خریدا تھا' اندر سے ادھڑا پڑا تھا۔

وہ دونوں انٹیلی جنس آفیسر تھے۔ ان کے چہروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ ان میں ایک دراز قامت تھا اور دوسرا درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک۔

"ہم تم سے صرف چند باتیں پوچھیں گے۔" لمبے قد والے نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اگر تم نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا تو تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ دوسری صورت میں....." اس نے کمرے میں سجے ہوئے ایذا رسانی کے آلات کی طرف دیکھا "تم ان چیزوں کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہو کہ تمہارا کیا حشر ہوسکتا ہے۔"

"سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہمیں کس جرم میں پکڑا گیا ہے اور میری ساتھی عورتیں کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری ساتھی عورتیں فی الحال تو خیریت سے ہیں۔" دراز قامت والا بولا "لیکن اگر تم تینوں میں سے کسی نے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو ان دونوں کو بھی یہاں لے آیا جائے گا اور ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا وہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔"

"لیکن ہمیں کیوں پکڑا گیا ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"کوئی سوال نہیں۔" اس مرتبہ درمیانے قد والا غرایا "تم صرف جواب دوگے۔ سوال ہم کریں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "کیا یہ غلط ہے کہ تمہارا نام ہمت سنگھ نہیں وجدان علی ہے اور تم سنگاپور سے ہندوستان آئے تھے اور وہاں طویل عرصے تک قتل و غارت کرنے کے بعد نیپال آگئے۔ بظاہر تم پکڑے جانے کے خوف سے ہندوستان سے فرار ہوئے تھے مگر درحقیقت تم ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت یہاں آئے تھے۔ تم بھارت کے ایجنٹ ہو اور بعض اہم راز حاصل کرنے کے لیے یہاں آئے تھے۔ اگر عین وقت پر ہمیں تمہارے بارے میں اطلاع نہ ملتی تو تم فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہوتے۔"

میں کانپ کر رہ گیا۔ اس کی یہ بات تو درست تھی کہ میں سنگاپور سے ہندوستان آیا تھا (بلکہ حادثاتی طور پر ہندوستان پہنچ گیا تھا) لیکن ہندوستان میں قتل و غارت' وہاں سے فرار اور یہاں انڈیا کے لیے جاسوسی..... یہ سب کچھ جھوٹ تھا۔ مجھے کسی سازش میں پھنسانے کی کوشش کی جارہی تھی یا انہیں غلط فہمی ہوئی تھی لیکن انہیں میرا اصل نام کیسے معلوم ہوا تھا۔ شوبھا واحد ہستی تھی جو میرے اصل نام سے واقف تھی۔ یہاں تو میں نے کسی کو اپنا اصل نام بتایا ہی نہیں تھا۔

"یہ درست ہے کہ میرا اصل نام وجدان ہے لیکن باقی جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ غلط ہے۔ نہ میں کوئی ایجنٹ ہوں اور نہ ہی کسی منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا۔ میں تو اپنی دوست شوبھا کو بچانے کے لیے دیش مکھ کا تعاقب کرتے ہوئے آیا تھا۔ شوبھا بھی تمہاری تحویل میں ہے۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ پولیس انسپکٹر اعظم خان بھی میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔"

"ہم بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔" اس شخص نے کہا "یہ کاغذات تمہارے بریف کیس کے خفیہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں۔" اس نے میز کی دراز سے کاغذات کا پلندہ نکال کر دکھایا "اس میں شبہ نہیں کہ انڈیا سے ہماری حکومت کے تعلقات دوستانہ ہیں لیکن ہمیں ہندوستان پر کبھی بھی بھروسا نہیں رہا۔ اس نے ہمیشہ دوستی کی آڑ میں ہماری پشت میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اپنی گھناؤنی کوششوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ سکم، گوا، آسام سب اس کی دوستی کا شکار ہوئے ہیں۔ ہندوستان ایک ایسا اژدہا ہے جو اپنے دوستوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے لیکن نیپال میں اس کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہوگی۔ تم اگر یہ کاغذات لے جانے میں کامیاب ہوجاتے تو ہمیں واقعی ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہاں تمہارے ساتھ اور کون کون لوگ کام کررہے ہیں۔ اگر تم ٹھیک ٹھیک بتا دو گے تو ہم تمہیں سرکاری گواہ بنا کر تمہاری سزا میں کچھ کمی کرسکتے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا "یہ بریف کیس میں نے کل ایک دکان سے خریدا تھا اور ان کاغذات کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ درست ہے کہ میں غیر قانونی طور پر نیپال میں داخل ہوا تھا لیکن یہاں میں نے اس ملک کے مفاد میں کام کیا ہے۔ ایک ایسی سازش کو ناکام بنانے میں قانون کی مدد کی ہے جو اگر کامیاب ہوجاتی تو یہاں ایک بہت ہی خوفناک طوفان آجاتا۔ تم لوگ پولیس انسپکٹر برندرا اور دوسرے حکام سے دریافت کرسکتے ہو۔"

"وہ بھی ہم دریافت کرلیں گے۔" اس مرتبہ لمبے قد والا بولا "یہ کاغذات تمہیں کس نے دیے تھے؟"

"میں ان کاغذات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا "یہ بریف کیس میں نے اپنے ایک دوست کو تحفے میں دینے کے لیے بازار سے خریدا تھا۔ مجھے ان کاغذات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔" بات کرتے کرتے اچانک ہی مجھے یاد آگیا کہ کل جب میں ایک دکان دار کو بریف کیس دکھانے کو کہا تھا تو دکان دار کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں بریف کیس اپنے دوست کو تحفے میں دینا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھے چند بریف کیس دکھائے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں واقعی بہت اچھا بریف کیس لینا چاہتا ہوں تو شام کو آجاؤں اور شام کو جب میں دوبارہ وہاں گیا تو اس نے مجھے یہ بریف کیس دے دیا تھا۔

میں نے انٹیلی جنس آفیسروں کو یہ بات بتا دی لیکن انہوں نے یقین نہیں کیا۔ وہ ایک گھنٹے تک مجھ سے سوالات کرتے رہے اور میں وہی جواب دیتا رہا۔ درمیانے قد والے نے اچانک ہی اٹھ کر میرے منہ پر زوردار گھونسا مار دیا۔ یہ حملہ اچانک ہی ہوا تھا۔ میں چیختا ہوا اسٹول سمیت پیچھے الٹ گیا۔ اس شخص نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر میرے جسم پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کردی اور تھوڑی دیر بعد دوسرا بھی اس "کارِ خیر" میں شامل ہوگیا۔ وہ دونوں حسب توفیق مجھ پر لاتیں اور گھونسے برساتے رہے۔

وہ دونوں شاید تھک گئے تھے۔ انہوں نے دروازے میں کھڑے ہوئے گن مینوں کو حکم دیا۔ انہوں نے رائفلیں میز پر رکھ دیں اور میرے ہاتھ پشت پر لے جاکر ہتھکڑی ڈال دی اور میرے پیروں کو بھی ایک رسی سے باندھ دیا۔ رسی کا دوسرا سرا چھت پر لگے ہوئے ایک کنڈے سے گزر کر ایک دیوار کے ساتھ ہک میں بندھا ہوا تھا۔ دونوں گن مین رسے کو کھینچنے لگے۔ چند سیکنڈ بعد ہی میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔ میرا سر زمین سے تقریباً تین فٹ اوپر تھا۔

پستہ قامت آدمی ایک بار پھر میرے جسم پر گھونسے برسانے لگا اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی باکسر پیکس بیگ پر باکسنگ کی مشق کررہا ہو۔ اس کے گھونسے بھاری ہتھوڑوں کی طرح میرے پیٹ پر برس رہے تھے۔ ہر ضرب پر میں چیخ اٹھتا۔

میں تقریباً بیس منٹ تک الٹا لٹکا رہا پھر مجھے فرش پر ڈال دیا گیا۔ لگتا تھا جیسے جسم کا سارا خون میرے سر میں جمع ہوگیا ہو۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید بینائی ختم ہوگئی تھی۔

چند منٹ بعد میرے حواس بحال ہونا شروع ہوئے بینائی بھی آہستہ آہستہ لوٹ آئی لیکن میں کوئی چیز صاف طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نظروں کے سامنے اب بھی دھند سی چھائی ہوئی تھی۔

لمبے قد والا پھر اپنے سوالات دہرانے لگا اور میرے جواب بھی وہی تھے۔ اس مرتبہ مجھے اٹھا کر لوہے کے ایک ایسے اسٹینڈ پر کھڑا کردیا گیا جو صلیب کی شکل کا تھا۔ میرے بازو دائیں بائیں نکلی ہوئی آہنی پلیٹوں پر جکڑ دیے گئے اور پیچھے کی طرف لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا گیا۔ میرے دونوں بازو اطراف میں کھنچنے لگے۔ کچھ دیر تک تو میں برداشت کرتا رہا لیکن پھر میرے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرے کندھوں کے جوڑ اکھڑ جائیں گے۔

دراز قامت انٹیلی جنس آفیسر میرے سامنے کھڑا سوالات دہرا تا رہا اور میں "نہیں نہیں" کرتا رہا۔

اس نے مشین میں لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ آہنی پلیٹیں آہستہ آہستہ سمٹنے لگیں اور میری بانہوں کا تناؤ بھی بتدریج کم ہوتا چلا گیا۔

رات بھر وقفے وقفے سے میرے ساتھ یہ ہوتا رہا۔ یہ میری قوتِ ارادی تھی کہ میں سب کچھ برداشت کررہا تھا اور اب تک زندہ تھا۔ وہ رات کا آخری پہر تھا جب مجھے ایک ہیلمٹ پہنا دیا گیا۔ مجھے کرسی پر بٹھا کر میرے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے تھے تاکہ میں اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکوں۔ ہیلمٹ کے ساتھ بجلی کے تار منسلک تھے۔ اس کا پلگ پچھلی دیوار کے ساکٹ میں لگا دیا گیا۔ سوئچ آن ہوتے ہی ہیلمٹ میرے سر پر تنگ ہونے لگا۔ میرا سر آہنی شکنجے میں کسا جارہا تھا۔ کھوپڑی چٹخنے لگی۔ میں چیختا رہا۔ میری آخری چیخ بڑی خوفناک تھی اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلتی چلی گئی اور میرا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

ہوش آیا تو میں اسی کوٹھری میں پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں کھلنے کے بعد بھی کافی دیر تک میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا اور پھر دھند سی چھائی رہی۔ کئی منٹ بعد دھند بتدریج چھٹنے لگی اور روشن دان سے چمکتی ہوئی روشنی دکھائی دی۔

میری کنپٹیوں اور کندھوں کے جوڑ میں شدید درد تھا۔ کھوپڑی بھی چٹخی جارہی تھی۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں شدید تیسیں نہ اٹھ رہی ہوں۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی میں کافی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ شدید احتجاج کرنے لگا تھا۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ ترک کردیا اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بے حس و حرکت پڑا رہا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ لگتا تھا جیسے کھوپڑی اب بھی آہنی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہو۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ذہن کو بھی آزاد چھوڑ دیا۔

اگرچہ میری اپنی حالت نہایت ابتر تھی لیکن دھنو اور شوبھا کا خیال بھی مجھے پریشان کیے ہوئے تھا۔ نہ جانے ان دونوں کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا ہوگا اور وہ کس حال میں ہوں گی۔ انسپکٹر برندرا کو ہمارے بارے میں پتا چلا تھا یا نہیں اور کیا وہ اس معاملے میں ہماری کوئی مدد کرسکیں گے۔ میں جانتا تھا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مجھے پھنسانے کی کوشش کی جارہی تھی لیکن میرے خلاف ایسی گھناؤنی سازش کرنے والا کون ہوسکتا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں جنرل کھوراٹ کا نام ابھرا۔ میں نے اسے بہت نقصان پہنچایا تھا۔ سب سے پہلے تھائی لینڈ سے اس کے قدم اکھاڑے تھے۔ پھر گولڈن ٹرائی اینگل میں اس کی ہیروئن کی ایک لیبارٹری تباہ کرنے کے علاوہ اس کے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کے آدمی میرے تعاقب میں لگے رہے تھے۔ شاؤلن ٹیمپل میں بھی مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی بار بار کوشش کی گئی تھی لیکن میں ہر بار... بچتا رہا تھا اور اب یہاں بھی میں نے اسے بھاری نقصان پہنچایا تھا۔ وہ یہاں جو نیٹ ورک قائم کرنے کی کوشش کررہا تھا اسے میں نے تہس نہس کردیا تھا۔ یہاں بھی اس کے دو آدمی میری وجہ سے مارے گئے تھے۔ سام سنگ اور چانگ لی کا شمار اس کے اہم ترین آدمیوں میں ہوتا تھا۔

میں جانتا تھا کہ جنرل کھوراٹ کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ اس نے ہشت پائی طرح پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ہر جگہ اس کے گرگے موجود تھے۔ یہاں چانگ لی اور سام سنگ ختم ہوگئے تھے تو کیا ہوا۔ ناگ پال تو ابھی زندہ تھا اور آزاد بھی تھا۔ میرے خلاف اس سازش میں یقیناً انہی لوگوں کا ہاتھ تھا۔ یہ لوگ مجھے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ قہقہے کی آواز سن کر چونک گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ روشن دان کی طرف نظر اٹھتے ہی مجھے اپنے سینے میں ول ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ پنڈت دھیراج تھا جو روشن دان کی دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے اس طرف کوئی کارنس وغیرہ ہو یا وہ ہوا میں معلق ہو۔ اس کے بدن پر حسب معمول ایک مختصر سا لنگوٹ تھا۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا۔

"ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے بالک۔" اس نے کہا "تمہیں کہا تھا نا کہ ہمارے راستے میں مت آؤ۔ گرو نے بھی تمہیں بہت سمجھایا لیکن تم نہیں مانے۔ تمہیں راستے سے

ہٹانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا بالک۔"

"تو یہ تمہاری شرارت تھی؟" میں نے کہا۔

"گرو تو یہاں سے بہت دور جاپ پر بیٹھا ہے۔ یہ میری ہی شرارت ہے۔ ہاں۔ تم اسے شرارت ہی کہو گے۔ ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا' بہت بھیانک ہوگا۔"

"یہ پریشانی وقتی ہے پنڈت دھیراج۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "تم دونوں میرے انتقام سے بچ نہیں سکو گے۔ یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے میں تمہارا ہی بندوبست کروں گا۔"

"اپنے آپ کو بچانے کی سوچو مورکھ۔" پنڈت دھیراج بولا "تمہیں اس مالا پر گھمنڈ تھا نا۔ اب یہ مالا میرے قبضے میں ہے۔ تم کچھ نہیں کر سکو گے۔" اس نے ایک ہاتھ روشن دان کی سلاخوں سے اندر داخل کر دیا۔ اس کی استخوانی انگلیوں میں نیلگری کی مالا پھنسی ہوئی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس پنڈت کے ہاتھ میں مالا دیکھ کر میرا دماغ سلگ اٹھا تھا۔

"یہ۔ یہ مالا تم نے کہاں سے لی؟" میں نے کہا۔

"یہ دنیا ہے مورکھ۔ ہر شخص دھن کی پوجا کرتا ہے۔" پنڈت دھیراج نے جواب دیا "میں نے اس آفیسر کو چند سو روپے رشوت دے کر یہ مالا لے لی ہے۔ اب تم کیا کرو گے؟ تم کچھ نہیں کرو گے مورکھ! جو کچھ کریں گے' ہم کریں گے۔"

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں اور پھر اچانک ہی مجھے جھٹکا سا لگا۔ سینے میں لاوا سا کھول رہا تھا۔ میں اپنے آپ میں ایک تبدیلی واضح طور پر محسوس کر رہا تھا۔ میری نظریں پنڈت دھیراج کے استخوانی پنجے پر مرکوز ہو گئیں۔ میری آنکھوں میں تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگی ہوں۔

پنڈت دھیراج ایک بار پھر قہقہے لگانے لگا۔ شاید وہ میری بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا لیکن اچانک ہی اس کے قہقہے بھیانک چیخ میں بدل گئے۔ آگ کے ایک شعلے نے اس کے استخوانی پنجے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

مالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اندر کی طرف گر گئی۔ چند سیکنڈ پہلے تک میں اپنے جسم کو حرکت دینے کے قابل بھی نہیں تھا لیکن مالا نیچے گرتے ہی میں حیرت انگیز طور پر اپنی جگہ سے اچھلا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ روشن دان میں لگی ہوئی آہنی سلاخوں کے باوجود پنڈت دھیراج نے کوٹھری کے اندر چھلانگ لگا دی تھی لیکن میرا ہاتھ اس سے پہلے مالا تک پہنچ گیا تھا۔

اب میں مکمل طور پر حواس میں تھا۔ میرے اندر کا کھوکھلا پن ختم ہو گیا تھا اور میرے اندر کی وہ قوت بھی لوٹ آئی تھی جس نے وقتی طور پر میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور میرے اندر کی اس پراسرار قوت نے شعلہ بن کر پنڈت دھیراج کے ہاتھ کو جھلسا دیا تھا اور نیلگری کی مالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی جو اب میرے قبضے میں آ چکی تھی۔

پنڈت دھیراج کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔ میں نے اچانک ہی اسے زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ کتے کی طرح چیخ اٹھا اور دوسرے ہی لمحے اس کی ہیئت بدل گئی۔ وہ کتا بن گیا۔ میں اس پر ٹھوکریں برساتا رہا اور وہ چیختا ہوا کوٹھری میں ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ وہ دروازے کی آہنی سلاخوں سے ٹکرایا۔ میرا خیال تھا کہ وہ پھر اندرونی حصے کی طرف دوڑے گا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سلاخوں سے باہر نکل گیا۔ سلاخیں چار چار انچ کے فاصلے پر لگی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کتے کے باہر نکل جانے سے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ پنڈت دھیراج تھا۔ پراسرار شکتی کا مالک۔ وہ روشن دان کی تنگ سی سلاخوں سے اندر آ گیا تھا تو اس کے لیے اور باتیں کیا معنی رکھتی تھیں۔

وہ کتا راہداری میں "چپاؤں چپاؤں" کرتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔ میں نے مالا گلے میں ڈال لی اور دروازے کے قریب فرش پر لیٹ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میں اپنے آپ میں توانائی محسوس کرنے لگا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا اور گزر گیا۔ ہم کل دوپہر کو کھانا کھا کر ائرپورٹ جانے لگے تھے اور یہ دوسرے دن کی دوپہر ہو چکی تھی۔ گویا تقریباً چوبیس گھنٹے گزر گئے تھے اور اس دوران میں مجھے پانی کا ایک گھونٹ تک نہیں دیا گیا تھا۔

میں آنکھیں بند کیے فرش پر پڑا رہا اور پھر راہداری میں قدموں کی آواز سن کر چونک گیا۔ قدموں کی ان آوازوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کئی آدمی تھے۔ میں کسی نئی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ تفتیش کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگا۔ تفتیش کا مطلب تھا تشدد اور مار پیٹ۔

قدموں کی آواز قریب آتی گئی۔ میرا رخ دروازے کی طرف تھا۔ چند سیکنڈ بعد کئی افراد دروازے کے سامنے آ کر رکے۔ ان میں انسپکٹر برندرا' اعظم خان اور پولیس کے دو اعلیٰ افسروں کو دیکھ کر میں جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس گروپ میں انٹیلی جنس کے تین افسران بھی تھے۔ ایک تو وہی لمبے قد والا تھا جس نے مجھ پر تشدد کیا تھا۔ دوسرا میرے لیے اجنبی تھا۔ تیسرا بل ڈاگ کی شکل والا وہی بھاری بھرکم گنجا تھا جس کے سامنے مجھے سب سے پہلے پیش کیا گیا تھا اور غالباً اس کے حکم پر مجھے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس گروپ کے پیچھے دو اور آدمی تھے جنہوں نے اسٹریچر اٹھا رکھا تھا۔

دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ لوگ اندر گھس آئے۔ انسپکٹر برندرا اور اعظم خان تیزی سے آگے بڑھ کر میرے قریب آ گئے۔ برندرا کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگنے لگی تھیں۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر اور انٹیلی جنس کا سربراہ' تیز لہجے میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پولیس آفیسر خاصے غصے میں تھا۔

اسٹریچر دروازے کے سامنے راہداری میں رکھ دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے پیروں پر چل کر جاؤں گا لیکن جب کھڑے ہونے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا اور لڑکھڑا کر گر گیا۔ اعظم خان اور برندرا نے مجھے سہارا دے کر اسٹریچر پر لٹا دیا۔

مجھے اس پراسرار حویلی (انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر) سے سیدھا اسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں مایا متی مجھے دیکھ کر دہشت زدہ سی رہ گئی۔ میرا علاج فوراً ہی شروع ہو گیا تھا۔

اس کے کئی گھنٹوں بعد جب میں مکمل طور پر اپنے حواس میں تھا تو انسپکٹر برندرا نے مجھے بتایا کہ جس دکان سے میں نے بریف کیس خریدا تھا' گڑبڑ وہیں سے شروع ہوئی تھی۔ وہ چرائے جانے والے نیپال کے سرکاری راز اسی طرح انڈیا بھیجتے تھے۔ وہ بریف کیس میرے حوالے کیا گیا تھا جس کے خفیہ خانے میں کاغذات چھپے ہوئے تھے۔ انڈیا پہنچتے ہی ان کے آدمی کسی نہ کسی طرح وہ بریف کیس مجھ سے لے لیتے۔

برندرا نے بتایا کہ وہ دکان دار اور اس کی نشان دہی پر تین اور بھارتی ایجنٹ پکڑے گئے تھے۔ انہوں نے بیان دیا تھا کہ میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ تو مجھے بھی اندھیرے میں رکھ کر میرے توسط سے بریف کیس میں چھپے ہوئے کاغذات انڈیا بھیجنا چاہتے تھے۔

انسپکٹر برندرا کو میری گرفتاری کا پتا آج صبح چلا تھا۔ اس نے اپنے افسرانِ اعلیٰ کو اطلاع دی اور مجھے چھڑانے کے لیے بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

شوبھا اور دھنو کے ساتھ اگرچہ مار پیٹ نہیں کی گئی تھی لیکن انہیں ڈرایا دھمکایا گیا تھا۔ انہیں الگ الگ رکھ کر ان سے بھی میرے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ انہیں طرح طرح کے لالچ بھی دیے گئے تھے کہ اگر میرے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتا دیں تو ان کے ساتھ رعایت کی جائے گی لیکن انہوں نے بھی وہی سب کچھ بتایا تھا جو وہ جانتی تھیں۔ انہیں بھی میری طرح بھوکا پیاسا رکھا گیا تھا۔

ان دونوں کو بھی ایک دوسری گاڑی میں اسپتال لے آیا گیا تھا۔ انہیں چونکہ مارا پیٹا نہیں گیا تھا۔ وہ صرف خوف زدہ تھیں اس لیے انہیں مجھ سے الگ رکھا گیا تھا لیکن شام کے وقت انہیں بھی مجھ سے ملنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ میری حالت دیکھ کر وہ دونوں دہشت زدہ سی ہو گئی تھیں۔

شام سات بجے مایا متی کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تو وہ ان دونوں کو ساتھ لے گئی اور مجھے تو ظاہر ہے کئی روز اسپتال ہی میں رہنا تھا۔

انسپکٹر برندرا اور اعظم خان کا بھی یہی خیال تھا کہ ناگ پال کے آدمیوں نے مجھے پھنسانے کی کوشش کی تھی لیکن اس دکان دار کی گرفتاری کے بعد ان کے لیے بات اس طرح واضح ہو گئی تھی کہ یہ انڈیا کے جاسوسوں کا ایک الگ ریکٹ تھا جو طویل عرصے سے یہاں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ ان کا طریقہ کار بڑا مختلف تھا اس لیے کوئی پکڑا نہیں گیا تھا لیکن یہاں بازی پلٹ گئی تھی۔ میرے معاملے میں چونکہ پنڈت دھیراج ملوث ہو گیا تھا۔ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ مجھے پکڑوا دیا جائے تاکہ مجھے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکے۔ مجھے رات بھر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ میں نے بریف کیس میں کاغذات کی موجودگی سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے بتا دیا تھا کہ بریف کیس کہاں سے خریدا گیا تھا اس لیے بات کچھ دوسری طرف نکل گئی تھی اور اس طرح انڈین ایجنٹوں کا وہ ریکٹ پکڑا گیا تھا۔ کچھ لوگ روپوش ہو گئے تھے۔

مجھے اسپتال میں دس روز ہو گئے۔ مجھے علاج کی بہترین سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔ میں اگرچہ اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا تاہم ڈاکٹر کا خیال تھا کہ مجھے دو چار دن اور اسپتال میں رہنا پڑے گا۔

اس دوران میں کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ دھنو اور شوبھا بھی روزانہ مجھے دیکھنے کے لیے آتی رہیں۔

مزید تین دن بعد مجھے اسپتال سے رخصت کر دیا گیا اور

اس روز ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔

مایا متی ملازمت کے سلسلے میں شہر میں اکیلی رہ رہی تھی جبکہ اس کے والدین گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔ کوداری نام کا یہ قصبہ چائنا روڈ پر تبت کی سرحد کے قریب کھٹمنڈو سے تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔

جس روز میں اسپتال سے گھر واپس آیا اس کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی مایا متی بھی پہنچ گئی۔ وہ بہت بدحواس ہو رہی تھی۔ دریافت کرنے پر اس نے یہ افسوس ناک خبر سنائی کہ میرے اسپتال سے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے گاؤں کا ایک آدمی آیا تھا جس نے یہ افسوس ناک خبر دی کہ پہاڑ کے دامن میں کھیتوں میں کام کے دوران میں ایک پہاڑی تودہ گرنے سے اس کے باپ کا دیہانت (انتقال) ہوگیا ہے جبکہ اس کی ماں شدید زخمی ہوئی ہے۔ مایا متی اسپتال سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آئی تھی۔ اسے صبح گاؤں جانے کے لیے تیاری کرنی تھی۔

مجھے اس حادثے کا بہت افسوس ہوا۔ زیادہ افسوس اس بات کا بھی کہ میں ابھی ٹھیک طرح سے چل پھر نہیں سکتا تھا ورنہ مایا متی کے ساتھ ضرور جاتا۔

دن کا باقی حصہ مایا متی نے تیاری میں گزارا۔ وہ رات بھر روتی رہی اور اگلے روز صبح کی پہلی بس سے کوداری کے لیے روانہ ہوگئی۔

میں نے دن کا بیشتر حصہ بستر پر لیٹے ہوئے ہی گزارا تھا۔ کسی وقت جسم کے کسی حصے میں اچانک ہی ایسی ٹیسیں اٹھنے لگتیں کہ میں تڑپ کر رہ جاتا۔ میری زندگی بھاگ دوڑ اور مارپیٹ میں گزری تھی۔ میں نے دوسروں پر تشدد کیا بھی تھا اور دوسروں نے مجھے تشدد کا نشانہ بنایا بھی تھا لیکن نیپالی انٹیلی جنس کے آدمیوں نے جس طرح میرے جوڑ ہلائے تھے وہ میرے لیے واقعی عبرت کا مقام تھا۔ پتا نہیں وہ کون سی طاقت تھی کہ میں نے سب کچھ برداشت کرلیا تھا۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس تشدد کے دوران میں بے گناہی کے باوجود دس مرتبہ اعترافِ جرم کرچکا ہوتا۔ میں بھی بے گناہ تھا۔ میں نے تشدد برداشت کرلیا لیکن کسی ایسے جرم کا اعتراف نہیں کیا جو مجھ سے سرزد ہوا ہی نہیں تھا۔ اگلے روز میرے اندر چی کی قوت لوٹ آئی تھی اور نیلگری کی مالا بھی مجھے واپس مل گئی تھی۔ پنڈت دھیراج کی سازش بھی بے نقاب ہوگئی تھی اس لیے یہ معاملہ ختم ہوگیا تھا اور اگر یہ سازش بے نقاب نہ ہوتی تو نجانے انٹیلی جنس والے میرا کیا حشر کرتے۔

اسی روز شام کو انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان بھی آگئے تھے۔ رات کا کھانا انہوں نے ہمارے ساتھ ہی کھایا اور گیارہ بجے کے قریب واپس چلے گئے۔

میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ جب سے ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، دھنو کچھ سہمی سہمی سی رہنے لگی تھی۔ اس کے دل میں کوئی خوف بیٹھ گیا تھا۔ وہ کبھی میرے پاس بیٹھی رہتی تھی اور کبھی شوبھا کے ساتھ۔ وہ اکیلی بیٹھنے سے گھبراتی تھی۔

انسپکٹر اعظم اور بریندرا کے جانے کے بعد ہم شوبھا والے کمرے میں آگئے۔ میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا اور وہ دونوں میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہم ایک بار پھر ہندوستان جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ بریندرا اور اعظم خان سے بھی اس موضوع پر باتیں ہوتی رہی تھیں۔ بریندرا کا خیال تھا کہ مجھے آٹھ دس روز مزید آرام کرلینا چاہیے۔

دھنو آڑی ترچھی لیٹ کر اونگھنے لگی تھی۔ ہماری گرفتاری کے موضوع پر اگرچہ کئی مرتبہ بات ہوچکی تھی۔ شوبھا کو اصل صورتِ حال کا علم نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتی رہی تھی کہ ہمیں کسی غلط فہمی کی بنا پر پکڑا گیا تھا۔ اس وقت بھی اس نے اس موضوع پر بات شروع کردی تو پہلی مرتبہ میں نے اسے اصل صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔

"میں اس پراسرار چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔" میں کہہ رہا تھا "لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں۔ اگر اس مالا سے دستبردار ہوتا ہوں تو نیلگری، گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج جیسے لوگوں کے قبضے میں چلی جائے گی۔ ایک طرف وہ ہمیں انتقام کا نشانہ بنائیں گے تو دوسری طرف دنیا کو تباہی کی طرف دھکیلتے رہیں گے۔"

"اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے۔" شوبھا نے کہا۔

"وہ کیا...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اپنا چاپ مکمل کرلو۔" شوبھا بولی "اس طرح نیلگری مکمل طور پر تمہارے قبضے میں آجائے گی اور کوئی دوسرا اسے اس وقت تک حاصل نہیں کرسکے گا جب تک وہ چاپ مکمل نہ کرے اور نیلگری کے قبضے میں آجانے کے بعد تم گوتم بھوش کو چاپ مکمل کرنے سے روک سکتے ہو۔"

"گویا میرے پاس اس کے سوا اور کوئی کام نہیں رہ جائے گا کہ میں ان پراسرار شکتیوں کے ساتھ لڑتا رہوں۔" میں نے کہا "ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ گوتم

بھوش آج کل پھر کسی چاپ پر بیٹھا ہوا ہے لیکن وہ چاپ ایسا نہیں ہے جو ہمارے لیے کسی فوری خطرے کا باعث بن سکے۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو مجھے فوراً ہی اس کی خبر ہوجاتی۔"

"چاپ تو کوئی نہ کوئی شکتی حاصل کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔" شوبھا بولی "ہوسکتا ہے گوتم بھوش اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے کوئی چھوٹا موٹا چاپ کر رہا ہو۔ اس طرح اس کے ہاتھ پیر مضبوط ہوجائیں گے۔ وہ اپنے گرد شکتیوں کا حصار قائم کرلے گا اور پھر تم کچھ نہیں کرسکو گے۔ بہتر ہے کہ تم اپنے اندر کی شکتی سے کام لے کر اسے روکو یا نیلگری سے مدد حاصل کرو۔"

"نیلگری فی الحال اس سلسلے میں میری زیادہ مدد نہیں کرسکتی۔" میں نے جواب دیا "وہ کسی کو چاپ سے روک بھی نہیں سکتی۔"

"لیکن وہ تمہاری مدد تو کرسکتی ہے۔ تمہیں کوئی ایسا چاپ بتا سکتی ہے جس سے تم گوتم بھوش کو روک سکو۔" شوبھا نے کہا۔

"ہاں۔ یہ ممکن ہے، وہ کسی اور طریقے سے میری مدد کرسکے لیکن... خیر۔ میں نیلگری سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

ہم ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر کا گیٹ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔ اس وقت کون ہوسکتا ہے؟ دروازہ دھڑ دھڑائے جانے کا انداز بھی دوستانہ نہیں تھا۔ گیٹ کے شور کی آواز سے دھنو بھی بیدار ہوگئی تھی اور اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ابھر آئی تھی۔

میں اٹھ کر باہر آگیا اور جب میں نے گیٹ کھولا تو آٹھ دس آدمی اندر گھس آئے۔ ان کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"مایا متی کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر بھی بڑی کرختگی تھی۔

"وہ کوداری گئی ہے۔ اپنے گاؤں۔ اس کے باپ کا دیہانت (انتقال) ہوگیا ہے لیکن تم لوگ کون ہو؟" میں نے جواب دیا۔

"میں مایا متی کا باپ ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر بم پھٹا ہو۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے اور میں وحشت زدہ سی نظروں سے اس پستہ قامت شخص کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

ہزاروں ماہرینِ طب کی آرا
کی روشنی میں مرتب کردہ کتاب
مٹاپا
اور
اس کا سدباب
قیمت 45 روپے ❖ ڈاک خرچ 23 روپے
مٹاپا.....دل سے دشمنی
مٹاپا.....زندگی کا خاتمہ
کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں آپ کے ساتھ نہ ہوں۔
تو پھر جلدی کیجئے.....
ہماری مرتب کردہ کتاب
''مٹاپا اور اس کا سدباب'' کا مطالعہ ضرور کیجئے اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس پر عمل کرکے آپ ایک متناسب اور سڈول جسم کے مالک بن سکتے ہیں۔
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ پیشگی منی آرڈر/ ڈرافٹ یا کراسڈ چیک ارسال کریں
خط و کتابت کا پتہ
63-C فیز II ایکسٹینشن D.H.A میں کورنگی روڈ کراچی

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔

مایا متی اپنے باپ کی موت کی خبر سن کر گاؤں گئی تھی۔ خبر لانے والا اس کے گاؤں کا آدمی تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے اس قسم کا مذاق کیا جاسکتا تھا۔ مایا متی نے پچھلی رات روتے ہوئے گزاری تھی۔ اسے اپنے ماں باپ سے بہت محبت تھی۔ وہ اکثر ان کا ذکر کیا کرتی تھی اور ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو تنخواہ ملتے ہی اپنے باپ کے نام کچھ نہ کچھ رقم ضرور بھیجا کرتی تھی اور وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے لیے تحائف بھی بھیجتی رہتی تھی۔ گزشتہ روز باپ کی موت کی خبر سن کر گھر آئی تھی تو بہت اپ سیٹ تھی۔ اس کی وجہ سے ہم بھی رات بھر جاگتے رہے تھے۔ دھنو اور شوبھا اسے تسلی دلاسا دیتی رہی تھیں اور صبح ہوتے ہی وہ پہلی بس سے گاؤں روانہ ہوگئی تھی۔

کوداری کھٹمنڈو سے تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہ صبح چھ بجے گھر سے روانہ ہوئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ سات یا آٹھ بجے والی بس مل گئی ہوگی۔ فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن پہاڑی راستے بہت پر پیچ اور خطرناک تھے۔ ان پل کھاتے ہوئے راستوں پر بسیں زیادہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کرتی تھیں لیکن پھر بھی وہ دوپہر تک تو اپنی منزل پر پہنچ ہی گئی ہوگی۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ اس کے باپ کو زندہ اپنے سامنے دیکھ کر میرے حواس مختل ہو رہے تھے۔ کیا گاؤں پہنچ کر مایا متی کی اپنے باپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی؟

یہ لوگ گاؤں سے کب روانہ ہوئے ہوں گے؟ نیپال میں عام طور پر رات کے وقت لمبے سفر کی بسیں نہیں چلتیں اور ان لوگوں کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا جیسے لاری اڈے سے سیدھے یہیں آرہے ہوں۔ میرا دماغ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اگر واقعی مایا متی کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا تو یہ شخص کون تھا۔ ایک مرتبہ مایا متی نے مجھے اپنا فیملی البم بھی دکھایا تھا اور مجھے یاد پڑتا تھا کہ اس کا باپ کچھ ایسا ہی تھا جو اس وقت میرے سامنے کھڑا تھا۔

میں کچھ دیر تک پستہ قامت اس شخص کے چہرے کو گھورتا رہا جس نے اپنے آپ کو مایا متی کا باپ بتایا تھا پھر میری نظریں اس کے ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے لوگوں کے چہروں پر پھسلنے لگیں۔ طویل سفر سے ان سب کے چہروں پر اگرچہ تھکن کے آثار نمایاں تھے لیکن ان کے ارادے کافی خطرناک نظر آرہے تھے۔

"ہوں۔" وہ مخمس خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا دو قدم آگے بڑھ آیا "میں مایا متی کا باپ ہوں دھرپندر۔ مرا نہیں ہوں۔ میری جیون ریکھا (زندگی کی لکیر) بہت لمبی ہے پر تو نے اپنی باتوں سے میرے جیون کا انت (اختتام) کردیا۔ سچ بتا کون ہے تو اور میری پتری (بیٹی) کو تو نے کہاں غائب کردیا ہے اور تو نے اس مکان پر قبضہ کیوں کر رکھا ہے؟"

"میں نے مکان پر قبضہ نہیں کر رکھا۔" میں نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "مایا متی میری دوست ہے۔ ہم اس کی اجازت سے اس کے ساتھ یہاں رہ رہے ہیں۔ کل شام تمہارے گاؤں کے ایک آدمی نے اسپتال میں بتایا تھا کہ تم کسی پہاڑی تودے کے نیچے دب کر مرگئے ہو۔ مایا متی بہت پریشان تھی۔ وہ آج صبح ہی گاؤں گئی ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے تو۔" دھرپندر غرایا "ہم شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد گاؤں سے چلے ہیں۔ اگر مایا متی صبح یہاں سے روانہ ہوئی ہوتی تو اسے دوپہر تک وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ بتا۔ تم نے میری پتری کو کہاں غائب کیا ہے؟"

"میں... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میرے حواس ایک بار پھر میرا ساتھ چھوڑنے لگے۔

"تم لوگ اندر جاکر دیکھو، یہاں اور کون ہے۔" دھرپندر نے اپنے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔

دو کے بجائے چار آدمی دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اندر سے دھنو اور شوبھا کے چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر وہ لوگ دونوں کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔

دھرپندر کے اشارے پر دو آدمیوں نے مجھے دبوچ لیا اور میری دھنائی کرنے لگے۔ میں اپنا دفاع کرتا رہا۔ جارحیت اختیار کرنے کی صورت میں معاملہ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا جبکہ میرے خیال میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرکے بات کو سنبھالا جاسکتا تھا۔

وہ لوگ میری پٹائی کرتے ہوئے اس طرح شور مچا رہے تھے جیسے بہت بڑا محاذ کھل گیا ہو۔ شور کی آواز سن کر کچھ پڑوسی بھی آگئے۔ کم از کم چار مہینوں سے مایا متی کے ساتھ میرا اس مکان میں آنا جانا تھا۔ میں مایا متی کے ساتھ کئی کئی روز یہاں رہا تھا۔ اس گلی میں رہنے والوں نے کئی مرتبہ مجھے مایا متی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ سب مجھے جاننے اور پہچاننے لگے تھے لیکن اس وقت ہر شخص نے مجھے پہچاننے سے انکار کردیا۔

دھرپندر مجھے اپنے آدمیوں کے حوالے کرکے اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔

"میں نے پولیس کو فون کیا ہے۔" وہ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "معاملہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ پولیس کے آنے سے پہلے بتا دے کہ میری پتری کہاں ہے تو میں تم لوگوں کو چھوڑ دوں گا۔ ورنہ پولیس تم لوگوں سے معلوم کرلے گی اور ایک بات سن!" اس نے میرے بالوں کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا "اگر میری پتری کو کچھ ہوگیا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

"میری بات کا یقین کرو، تمہاری بیٹی تمہاری موت کی اطلاع پاکر آج صبح گاؤں چلی گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ایک بات پر بہرحال مجھے اطمینان ہوا تھا کہ اس نے پولیس کو فون کردیا تھا۔ اس تھانے کے پولیس والے ظاہر ہے مجھے نہیں جانتے تھے لیکن اس طرح انسپکٹر بریندرا کو اطلاع ہوسکتی تھی اور وہ اس معاملے میں ہماری مدد کرسکتا تھا۔

دھرپندر میری بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس دوران میں کچھ اور پڑوسی جمع ہوگئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔

پولیس اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی پولیس کی ایک جیپ پہنچ گئی۔ پولیس والوں کی تعداد چار تھی اور وہ چاروں بہت خرانٹ لگ رہے تھے۔

پولیس پارٹی کے انچارج نے پوری توجہ سے دھرپندر کی بات سنی۔ میں نے بھی اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ انسپکٹر بریندرا کا حوالہ بھی دیا لیکن وہ انسپکٹر بریندرا کے نام سے زیادہ متاثر نہیں ہوا۔

ہم تینوں کو دھکے دے کر جیپ میں ٹھونس دیا گیا۔ دھرپندر اور ایک اور آدمی جیپ میں بیٹھ گیا اور چند منٹ بعد ہی ہم تھانے کی حوالات میں بند تھے۔ ممکن ہے دھنو اور شوبھا کو ایک ہی کوٹھری میں بند کیا گیا ہو لیکن مجھے ان سے الگ رکھا گیا تھا۔

ایک گھنٹے بعد مجھے آفیسر انچارج کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے دھرپندر اپنی باتوں سے اسے میرے خلاف مضبوط کرچکا تھا۔ اس نے اس بات کا خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ شاید ہم نے اس کی بیٹی کو قتل کردیا ہے۔

آفیسر انچارج پہلے تو زبانی طور پر مجھ سے پوچھ گچھ کرتا رہا پھر ہاتھوں اور پیروں سے کام لینے لگا۔ اس کا ایک ماتحت بھی اس کی مدد کررہا تھا۔ میری چیخیں تھانے میں گونجتی رہیں لیکن ان کی تفتیش ختم نہیں ہوئی۔ میں بار بار کہہ رہا تھا کہ انسپکٹر بریندرا کو بلایا جائے یا کم از کم اسے اطلاع دے دی جائے لیکن لگتا تھا کہ اس تھانے کا کوئی بھی اہلکار انسپکٹر بریندرا کے نام سے واقف ہی نہیں تھا۔

"ایک بڑے آفیسر کا نام لے کر ہمیں تڑی دیتے ہو۔" سب انسپکٹر نے میرے جبڑے پر ایک اور گھونسا مارتے ہوئے کہا "فکر مت کرو۔ ہم اسے بھی اطلاع دیں گے۔ پہلے ہم اپنی تفتیش تو مکمل کرلیں۔"

اور ان کی یہ تفتیش صبح تک جاری رہی۔ دس بارہ روز پہلے میں انیملی جنس کی مار کھا کر اسپتال میں داخل ہوا تھا اور اب یہ ایک نیا چکر شروع ہوگیا تھا۔ ان کم بختوں نے مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا تھا۔

مجھے پھر حوالات میں ڈال دیا گیا تھا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا جس سے خون رس رہا تھا۔ بائیں طرف کا جبڑا بھی پوری طرح ہل گیا تھا۔

میں حوالات کے گندے فرش پر پڑا اس صورت حال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کسی نے مایا متی کے ساتھ مذاق کیا تھا۔ اس کے باپ کے مرنے کی جھوٹی خبر دی تھی لیکن وہ غائب کہاں ہوگئی؟ اسے تو دوپہر تک اپنے گاؤں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اس کا باپ شام کو گاؤں سے روانہ ہوا تھا اور اس وقت تک مایا متی گاؤں نہیں پہنچی تھی۔ یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اِدھر مایا متی کو اس کے باپ کے مرنے کی اطلاع دی گئی اور اُدھر گاؤں میں اس کے باپ کو کوئی جھوٹی خبر پہنچائی گئی۔ مایا متی غائب تھی اور ہماری شامت آگئی تھی۔

دوپہر تک کسی نے حوالات میں جھانک کر دیکھا تک نہیں اور پھر چار بجے کے قریب یہ خوفناک اور سنسنی خیز خبر سننے کو ملی کہ کھٹمنڈو سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر آگے ڈولو گھاٹ نامی قصبے سے مایا متی کی لاش ملی ہے۔ اسے بہت بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ لاش ایک ویران جگہ پر پائی گئی تھی اور اس کے قریب ہی ایک سوٹ کیس بھی ملا تھا جس میں رکھی ہوئی چیزوں اور کاغذات سے مایا متی کی شناخت ہوئی تھی۔

مایا متی کا باپ دھرپندر بری طرح بپھرا ہوا تھا۔ پولیس نے مایا کی موت کی اطلاع دینے اور لاش کی شناخت کے لیے اسے تھانے بلایا تھا۔ اسے اسپتال لے جایا گیا جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔ اس نے بھی لاش شناخت کرلی تھی۔ واپس تھانے میں آکر اس نے چیخنا چلانا شروع کردیا تھا۔ وہ مجھے قاتل گردان رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے اس کے

حوالے کردیا جائے۔

صورت حال اب بدل گئی تھی۔ پہلے ہم پر الزام تھا کہ ہم نے مکان پر قبضہ کرنے کے لیے مایا متی کو کہیں غائب کردیا تھا اور اب سیدھا سیدھا قتل کا الزام آگیا تھا۔ اگرچہ میرے خلاف ابھی تک قتل کی باقاعدہ رپورٹ درج نہیں کی گئی تھی لیکن لگتا تھا کہ مجھے پھانسنے کے لیے جال کو مزید مضبوط کیا جارہا تھا۔

چھ بجے کے قریب مجھے پھر تفتیشی آفیسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ پوچھ گچھ کے بہانے مجھے پھر تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ میں اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن پولیس والے میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ اس مرتبہ تو ایک پولیس والے نے اپنے بیلٹ سے میری کھال ادھیڑ ڈالی۔ ایک بار میں نے اس کے وار سے بچنے کی کوشش کی تو بیلٹ کا بکل میرے سر پر لگا۔ سر پھٹ گیا اور خون بہہ نکلا۔

تفتیشی کمرے سے حوالات کی طرف واپس جاتے ہوئے مجھے دوسری طرف سے لایا گیا۔ اس طرف بھی حوالات کی کوٹھریاں تھیں۔ ایک کوٹھری کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں رک گیا۔ شوبھا فرش پر ادھ موئی سی پڑی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہونٹ پھولے ہوئے اور بائیں آنکھ تقریباً بند تھی۔ رخسار اور آنکھ کے اوپر پیشانی سوجی ہوئی تھی۔

دھنو بھی اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی حالت بھی شوبھا سے مختلف نہیں تھی۔ اسے بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس کا لباس بھی پھٹا ہوا تھا۔ سینے اور بازوؤں پر سرخ دھبے دکھائی دے رہے تھے جیسے ان جگہوں کو نوچا گیا ہو۔

ان دونوں کی حالت دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ مجھے جان بوجھ کر اس طرف سے لایا گیا تھا تاکہ میں ان کی حالت دیکھ کر اپنی ضد چھوڑ دوں اور قتل کا الزام قبول کرلوں۔

میں اس کوٹھری کے سامنے رکا تو پولیس والے نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ شوبھا گندے فرش پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی دھنو کا سر بھی جھکا ہوا تھا۔

"دھنو!"

میں نے ہولے سے پکارا تو دھنو نے جھکا ہوا سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا اور پھر مجھے دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ میری طرف لپکی تو لڑکھڑا کر گری اور پھر ایک ٹانگ کو گھسیٹتی ہوئی دروازے کے قریب آگئی اور سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر مجھے اپنے ساتھ لپٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں بھی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے شانے تھپتھپانے لگا۔

"یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔" وہ میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی "ان درندوں نے کیا حال کردیا ہے تمہارا....؟"

"دھنو!" میرے ہونٹوں سے سسکاری سی نکلی۔ اس کی حالت مجھ سے بھی ابتر تھی لیکن اسے اپنی نہیں میری فکر تھی۔ آواز سن کر شوبھا نے بھی بمشکل آنکھیں کھول دی تھیں لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکی تھی۔

"میری ایک بات سنو۔" میں نے کہا "تم دونوں میرے خلاف بیان دے دو۔ تم لوگوں کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔"

"نہیں ہمت سنگھ۔" دھنو بولی "تم بے گناہ ہو۔ ہم نے بھی کوئی جرم نہیں کیا۔ نہ تو ہم کوئی ناکردہ جرم قبول کریں گے اور نہ تمہارے خلاف کوئی جھوٹا بیان دیں گے۔ ہمیں اگر سچائی کی سزا مل رہی ہے تو ہم کسی سے رحم کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ لاردُبدُھا....."

وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کرسکی۔ میرے پاس کھڑے ہوئے پولیس والے نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور مجھے دھکیلتا ہوا میری کوٹھری کی طرف لے آیا۔ دروازہ کھول کر اس نے مجھے زور دار دھکا دیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا منہ کے بل فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی دھڑ سے سلاخوں والا دروازہ بند ہوگیا تھا۔

وہ شام بھی گزر گئی۔ میں ادھ موا سا فرش پر پڑا رہا۔ میں بار بار اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ ایک بات تو طے تھی کہ یہ کوئی سازش تھی۔ میرے خلاف نہ سہی' مایا متی کے خلاف۔ ایک طرف اسے اطلاع دی گئی کہ اس کے باپ کا دیہانت (انتقال) ہوگیا ہے۔ دوسری طرف اس کے باپ کو یہ کہہ کر بھڑکایا گیا کہ میں نے مکان پر قبضہ کرنے کے لیے اس کی بیٹی کو غائب کردیا ہے۔ اس کے علاوہ اور نجانے کیا کچھ کہا گیا ہوگا کہ وہ طیش میں آگیا اور درجن بھر آدمیوں کو لے کر ایک ٹرک پر بیٹھ کر طویل سفر کرتا ہوا رات کے پچھلے پہر یہاں پہنچ گیا۔ میں شروع سے ہی سمجھتا رہا تھا کہ یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ گاؤں پہنچ کر مایا متی کو صورت حال کا پتا چلے گا تو وہ فوراً

واپس آجائے گی اور اس طرح بات صاف ہوجائے گی لیکن وہ گاؤں پہنچی ہی نہیں تھی۔ بلکہ راستے ہی میں واقع ایک قصبے میں اس کی لاش ملی تھی۔ میں نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی لیکن ایک پولیس والے نے بتایا تھا کہ اسے بہت بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کسی تیز دھار آلے سے کام لیا گیا تھا۔ اس کا پیٹ چاک کردیا گیا تھا اور گلا بھی ادھیڑ دیا گیا تھا لیکن.... سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اسے کس نے قتل کیا تھا۔ وہ تو بڑی اچھی لڑکی تھی۔ مسیحا تھی۔ دوسروں کے دکھ سمیٹتی تھی۔ اس نے دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کررکھی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سب لوگ اس سے خوش تھے۔ اسے دعائیں دیتے تھے پھر اس کی جھولی میں موت کس نے ڈال دی؟ اس کی تو کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ کیا اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے میرا ساتھ دیا تھا۔ سچائی کا ساتھ دیا تھا؟

اور دھنو؟ مجھے اس کی باتوں پر بھی حیرت ہورہی تھی۔ ہماری شناسائی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی تو ہوئے تھے اور وہ میرے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار ہوگئی تھی۔ پولیس والوں نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ پولیس والے اس سے میرے خلاف بیان لینا چاہتے تھے۔ میں نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ میرے خلاف بیان دے کر اپنی جان چھڑا لے لیکن اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ کتنا عزم تھا اس کے لہجے میں۔ وہ ظلم کے سامنے چٹان بن گئی تھی۔

آدھی رات کے قریب مجھے پھر تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ سر سے بہنے والا خون جم چکا تھا اور دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔

اس مرتبہ مار پیٹ کچھ کم اور پوچھ گچھ زیادہ ہوئی۔ پولیس والے مجھ پر دباؤ ڈالتے رہے کہ میں مایا متی کے قتل کا اعتراف کرلوں لیکن میں نے انکار کردیا۔ میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تھا تو اس کا اعتراف کیسے کرلیتا۔

"تم لوگ غلط رخ پر تفتیش کررہے ہو۔" میں نے کہا "تشدد کے ذریعے مجھ سے اعتراف جرم کرانے کے بجائے تم لوگ کسی اور رخ پر کیوں نہیں سوچتے۔"

"مثلاً؟" پولیس آفیسر نے مجھے گھورا "تم ہی بتا دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھ پر یہ الزام غلط ہے کہ میں نے مکان پر قبضہ کرنے کے لیے مایا متی کو غائب کردیا تھا۔" میں نے کہا "سب لوگ جانتے ہیں کہ مایا متی میری دوست تھی اور میں کئی مہینوں سے اس کے ساتھ رہ رہا تھا۔"

"ایسی باتیں دوستی کی آڑ میں ہی تو ہوتی ہیں۔" آفیسر نے کہا۔

"یہ غلط ہے۔" میں نے جواب دیا "میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں تو چند روز میں ہندوستان جانے والا تھا۔ تم لوگ انسپکٹر برندرا کو اطلاع کیوں نہیں دیتے۔ میں نے ایسے لوگوں کے خلاف یہاں کے قانون کی مدد کی ہے جو اس ملک کے معصوم عوام کو منشیات کے سیلاب میں غرق کردینا چاہتے تھے۔ انسپکٹر برندرا سب کچھ جانتا ہے۔ پولیس کے دوسرے اعلیٰ حکام بھی جانتے ہیں۔ تم انہیں اطلاع کیوں نہیں دیتے۔ میرے خلاف اس سازش میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہوسکتا ہے جنہیں میری وجہ سے نقصان پہنچا ہے لیکن اب بھی اگر تم لوگوں نے انسپکٹر برندرا یا دوسرے اعلیٰ حکام کو اطلاع نہ دی تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاؤں گا کہ تم لوگ بھی اس گھناؤنی سازش میں شریک ہو اور....."

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آفیسر کا گھونسا میرے جبڑے پر لگا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ میرا دماغ جھنجنا گیا تھا۔ آفیسر میری طرف لپکا۔ میں پشت کے بل فرش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ مجھے گریبان سے پکڑنے کے لیے جھکا تو میں نے گھٹنے ہی لیٹے دونوں پیروں سے اس کے سینے پر زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ وہ چیختا ہوا پیچھے جاکر گرا۔

جو ہونا تھا' ہوچکا۔ ان پولیس والوں سے بھلائی کی توقع نہیں تھی۔ یہ لوگ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ نتائج کی پروا کیے بغیر میں نے مزاحمت کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اس وقت کمرے میں دو اور ہٹے کٹے کانسٹیبل بھی موجود تھے۔ میری یہ غیر متوقع حرکت دیکھ کر وہ دونوں میری طرف لپکے۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ میں کسی بچے کا بھی مقابلہ کرسکتا لیکن اس وقت میرے اندر اچانک ہی ایک نئی طاقت ابھر آئی تھی۔

وہ دونوں کانسٹیبل جیسے ہی قریب پہنچے' میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ میری ڈبل کک نے ان دونوں کو ڈھیر کردیا۔ سامنے کھڑا ہوا آفیسر خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنا بیلٹ اتار رہا تھا۔

میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ آن ڈیوٹی کسی باوردی پولیس والے پر ہاتھ اٹھانا سنگین جرم ہے لیکن میں بے گناہ تھا اور یہ پولیس والے تشدد کے ذریعے مجھ سے ایک ایسا جرم قبول کروانا چاہتے تھے جس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ لوگ میری کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں تھے۔ انہوں نے

صرف مجھے ہی نہیں' دو بے گناہ عورتوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ مجھے "تنگ آمد بجنگ آمد" ہونے پر مجبور کیا تھا۔

آفیسر نے بیلٹ کا ایک سرا اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا اور بکل والی طرف سے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے اس کا وار اپنے الٹے ہاتھ کی کلائی پر روکا۔ بکل دو دبل کھا کر میری کلائی پر لپٹ گیا۔ میں نے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ آفیسر ایک قدم آگے آیا تو میں نے دائیں ہاتھ کا گھونسا اس کے جبڑے پر جڑ دیا۔ وہ کراہ اٹھا۔ میں نے بیلٹ کو پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس مرتبہ اس کی بغل کے نیچے گھونسا رسید کردیا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ بیلٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اب بیلٹ میرے قبضے میں تھا اور وہ تینوں میرے رحم و کرم پر۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ چڑھا دیا اور ان تینوں کی دھنائی کرنے لگا۔

وہ تینوں چیخ رہے تھے۔ بیلٹ کے بکل نے ان تینوں کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ آفیسر کے منہ سے بھی خون بہنے لگا تھا۔ مجھ پر سب سے زیادہ تشدد اسی نے کیا تھا۔

وہ تینوں فرش پر لوٹ لگاتے ہوئے میرے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے۔ رحم کی بھیک مانگ رہے تھے لیکن مجھ پر تو جنون طاری تھا۔ میرا ہاتھ نہیں رک رہا تھا۔

باہر شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرے خیال میں تھانے کا سارا عملہ اس کمرے کے سامنے جمع ہوگیا تھا۔ پہلے دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جاتا رہا پھر اسے توڑنے کی کوشش کی جانے لگی۔

دروازہ ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے آفیسر کو فرش سے اٹھا کر اپنا ہاتھ اس کی گردن پر لپیٹ دیا اور اسے ڈھال بنا کر اپنے آگے رکھ لیا اور دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑا ہوگیا۔

دروازے کا پٹ ٹوٹ کر اندر کی طرف گرا۔ وہ کئی پولیس والے تھے۔ دو اندر گھس آئے۔ میں اسی وقت چیخ اٹھا۔

"رک جاؤ۔ آگے مت بڑھنا ورنہ اس کی گردن مروڑ دوں گا۔" پولیس والے رک گئے۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ تھانے کا سارا عملہ اس کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ لوگ پھٹی پھٹی سی نظروں سے کمرے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ دو پولیس والے فرش پر پڑے تھے اور ان کا آفیسر میرے شکنجے میں تھا۔

"انسپکٹر بریندرا کو فون پر اطلاع دو۔ اگر وہ آدھے گھنٹے میں یہاں نہیں پہنچا تو میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"تم اپنے جرم کو مزید سنگین بنا رہے ہو۔"

"بند کرو بکواس۔" میں چیخا "انسپکٹر بریندرا کو فون کرو اور میں اسے کوٹھری میں لے جا رہا ہوں جہاں دونوں عورتیں بند ہیں۔ اگر کسی نے کوئی حرکت کی تو اس کی گردن مروڑ دوں گا۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

تمام پولیس والے سامنے سے ہٹ گئے۔ میں آفیسر کو لے کر کمرے سے باہر آگیا اور اسے گھسیٹتا ہوا اس راہداری میں آگیا جس میں قیدیوں کی کوٹھریاں تھیں۔ آفیسر کے گلے پر میری گرفت کچھ زیادہ ہی مضبوط تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلی ہوئی تھیں اور اسے سانس لینے میں بھی دشواری پیش آرہی تھی۔

تمام پولیس والے ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ دو تین نے تو رائفلیں تان رکھی تھیں۔ میں آفیسر کو الٹے قدموں گھسیٹتا ہوا دھنو اور شوبھا والی کوٹھری کے سامنے رک گیا۔ میرے کہنے پر ایک سنتری نے تالا کھول دیا۔ میں آفیسر کو لے کر اندر داخل ہوا اور دوسرے ہاتھ سے سلاخوں والا دروازہ بند کردیا۔ سنتری باہر سے تالا لگانے لگا تو میں چیخ اٹھا۔

"تالا مت لگاؤ۔ میں بھاگوں گا نہیں لیکن اگر آدھے گھنٹے تک تم لوگوں نے بریندرا اور دوسرے آفیسرز کو نہیں بلایا تو اس کی گردن مروڑ دوں گا۔"

دو پولیس والے رائفلیں تانے راہداری میں کھڑے رہے اور باقی وہاں سے ہٹ گئے۔ میں نے آفیسر کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔

شوبھا اب بھی بے سدھ پڑی تھی۔ دھنو یہ سب کچھ دیکھ کر وحشت زدہ سی ہوگئی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا شوبھا کے قریب بیٹھ گیا۔

"میں تم دونوں سے شرمندہ ہوں۔" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری وجہ سے تم لوگوں کو یہ تشدد برداشت کرنا پڑا۔ اگر تم لوگ شروع ہی میں۔۔۔"

"آگے ایک لفظ مت بولنا ہمت سنگھ۔" شوبھا نے میری بات کاٹ دی "یہ سب کچھ ہم نے صرف تمہارے لیے نہیں' سچائی کی لاج رکھنے کے لیے برداشت کیا ہے۔ ہماری جان بھی چلی جائے تو ہمیں پروا نہیں ہوگی۔"

"کاش! دوسرے لوگ بھی اس انداز میں سوچ سکیں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور پولیس آفیسر کی طرف دیکھنے لگا جو ایک طرف پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

میں دھنو اور شوبھا سے باتیں کررہا تھا کہ آفیسر نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں نے دروازے کو سے بولٹ لگا دیا تھا۔ آفیسر کا ایک ہاتھ دروازے کی خ پر تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ بولٹ کھینچنے کی کوشش رہا تھا کہ میں اپنی جگہ سے اچھل کر اس کے اوپر جا گرا اور ے سر پر گھونسے مارنے لگا۔ یہ آفیسر اس وقت ہم تینوں زندگیوں کی ضمانت تھا۔ اگر یہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو ں والے بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑتے...اور ہمیں زندہ نہیں چھوڑتے۔"

راہداری میں کھڑے ہوئے پولیس والے بھی دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ایک نے میری طرف رائفل تان لی۔

"چھوڑ دو اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔" وہ چیخا۔

"تمہاری گولی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی البتہ تمہارے آفیسر کے جسم میں سوراخ ہوجائے گا۔" میں نے بھی چیخ کر جواب دیا "پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ تمہارے گولی چلانے سے پہلے ہی اس کی گردن مروڑ دوں گا۔"

پولیس والے نے رائفل نیچی کرلی۔ آفیسر نے اب دونوں ہاتھوں سے دروازے کی سلاخوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی گردن پر لپیٹے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ایک بغل کے نیچے گھونسے مارنے لگا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں اسے گھسیٹتا ہوا دروازے سے دور لے گیا اور فرش پر پٹخ دیا۔ دھنو نے لپک کر اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔

"یہی ہے۔" وہ چیخی "اس بدمعاش نے مجھے مارا تھا۔"

میں نے دھنو کو پکڑ کر الگ کردیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر اس پر جنون طاری ہوگیا تو آفیسر کو اس سے بچانا مشکل ہوجائے گا۔

اس دوران میں ایک سب انسپکٹر بھی دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

"تم لوگ اپنے حق میں بہت برا کررہے ہو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "بہتر ہے کہ ہمارے آفیسر کو چھوڑ دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔"

"میں نے تم لوگوں کو آدھے گھنٹے کا وقت دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر انسپکٹر بریندرا اور دوسرے اعلیٰ پولیس آفیسرز یہاں نہیں پہنچے تو تمہارے اس آفیسر کے جیون کا انت (زندگی کا اختتام) ہوجائے گا۔"

"انسپکٹر بریندرا ہیڈ کوارٹر میں نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر پر بھی نہیں ہے۔ ہم اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس تک ہمارا پیغام پہنچنے میں دیر لگ سکتی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"کوشش کرو کہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس سے رابطہ ہوجائے۔" میں نے کہا۔

سب انسپکٹر واپس چلا گیا۔

وقت گزرتا رہا۔ سب انسپکٹر ہر آدھے گھنٹے بعد ہمیں صورت حال سے آگاہ کررہا تھا کہ ابھی تک انسپکٹر بریندرا سے رابطہ نہیں ہوسکا۔

اور پھر تین بجے کے قریب انسپکٹر بریندرا دو اور آفیسرز کے ساتھ دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔ وہ تینوں اندر آگئے۔ ہماری حالت دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔ مجھے نہیں معلوم' پولیس والوں نے انہیں کیا بتایا ہوگا لیکن میری کہانی بہرحال' ان سے مختلف تھی۔

اسی دوران میں تھانے میں کھلبلی سی مچ گئی۔ پولیس کمشنر اور چند اور اعلیٰ افسران بھی پہنچ گئے تھے۔

اب صورت حال بالکل پلٹ گئی تھی۔ میں نے پچھلے تین چار مہینوں کے دوران میں چند خطرناک مجرموں کی بیخ کنی کرکے حکومت پر احسان کیا تھا اور اعلیٰ حکام کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی کہ میرے احسانات کا بدلہ اس طرح چکایا جائے۔

ہمیں تین دن تک غیر قانونی طور پر حراست میں رکھ کر تشدد کیا گیا تھا۔ ہمارے خلاف ابھی تک کوئی رپورٹ بھی درج نہیں ہوئی تھی۔ رپورٹ درج ہونے کی صورت میں بھی قانونی طور پر مجھے رات اس تھانے میں نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

آفیسرز سمیت کئی اہلکاروں کو معطل کرکے' ہم پر تشدد کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ہمارے بیانات قلم بند کرنے کے بعد ہم تینوں کو بھی پولیس کی نگرانی میں اسپتال بھیج دیا گیا۔

اس وقت صبح ہونے والی تھی۔ مجھے دھنو اور شوبھا سے الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ میرے زخموں کی مرہم پٹی کے بعد مجھے ایک انجکشن بھی لگا دیا گیا تھا۔

اس وقت مجھ پر غنودگی سی طاری تھی۔ میرے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی ہوئی نرس اٹھ کر کھڑکی کے سامنے چلی گئی۔ اس نے کھڑکی پر پڑا ہوا ہرے رنگ کا دبیز پردہ ایک طرف سرکا دیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا کمرے میں در آیا۔

نرس کچھ دیر کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر دیکھتی رہی پھر

مڑ کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی صورت دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ نرس نہیں.... نیلگری تھی۔ اس کا باریک لباس ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھندلایا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔

"مجھے افسوس ہے وجدان۔" وہ میرے سامنے کھڑی ہوگئی "تم پر اتنے کشٹ (تشدد) ہوئے اور میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکی۔"

"تمہیں کیا ہوا نیلگری؟" میں نے اس کی معذرت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "تمہارا چہرہ کیوں دھندلایا ہوا ہے۔ بیمار لگ رہی ہو!"

"ہاں۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "گوتم بھوش نے جاپ شروع کر رکھا ہے۔ اس نے میرے گرد حصار قائم کردیا تھا تاکہ میں تمہاری مدد کے لیے نہ آسکوں۔ اس کی توجہ ہٹتے ہی مجھے موقع مل گیا اور میں حصار توڑ کر نکل آئی لیکن میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمہیں گوتم بھوش کا جاپ توڑنا ہوگا۔"

"کیا تم سے بڑی شکتی (قوت) بھی کوئی ہے جو تمہیں حصار میں پابند کرسکے؟" میں نے پوچھا۔

"اس دنیا میں بڑی پراسرار قوتیں ہیں۔" نیلگری بولی "میں سب سے بڑی شکتی ہوں لیکن بعض قوتیں ایسی ہیں جو میرے لیے کچھ مشکلات پیدا کرسکتی ہیں اور گوتم بھوش ان قوتوں سے مجھے الجھا کر اپنا وہ جاپ پورا کرنا چاہتا ہے جس سے وہ مجھے اپنے قبضے میں کرلے گا۔ تمہیں اس کو جاپ مکمل کرنے سے روکنا ہوگا۔"

"وہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نیلگری کے ایک غار میں جہاں بُدھا کی ایک قدیم اور ویران عبادت گاہ ہے اور سنو۔" وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ اس کی نہ صرف آواز دھیمی ہورہی تھی بلکہ چہرہ مزید دھندلا رہا تھا "تمہارے خلاف یہ سازش بھی اسی نے کی ہے۔ وہ اپنی قوتوں سے کام لے رہا ہے۔ مایا متی کا باپ بھی اس سازش میں شریک ہے۔ تم نے تھانے میں اپنے اندر کی شکتی سے کام لے کر صورت حال وقتی طور پر بدل دی ہے لیکن خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ دھرپندر فرار ہوگیا تو تم پھر جال میں پھنس جاؤ گے۔"

"اس صورت حال سے میں نمٹ لوں گا۔" میں نے کہا "مجھے یہ بتاؤ' نیلگری میں بُدھا کی وہ عبادت گاہ کہاں ہے؟"

"وہ.... وہ....." نیلگری کی آواز کچھ اور دور ہوگئی۔ اس کا چہرہ بالکل دھندلا گیا تھا "میں جارہی ہوں۔ پھپھ.... پھر آؤں گی۔ تم اپنے اندر کی شکتی سے کام....."

نیلگری کی آواز بھی اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی نہایت دبیز دھند میں چھپ گیا تھا۔ وہ پھر اوپر جھک گئی۔ مجھے اپنی پیشانی پر اس کے تپتے ہوئے ہونٹوں کی لمس محسوس ہوا تو میں نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

میں جیسے اچانک ہی نیند سے جاگا تھا۔ وہ نرس میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ میری پیشانی پر ثبت تھے۔ مجھے حرکت کرتے پاکر وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔ وہ خجل سی ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ندامت کے تاثرات ابھر آئے۔

"تت.... تم۔" میرے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا "وہ.... وہ کہاں گئی؟"

"کون؟" نرس نے ندامت بھرے لہجے میں کہا "یہاں تو کوئی اور کوئی نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں اور مجھے افسوس ہے۔ مم.... میں.... میں دراصل...."

"کوئی بات نہیں۔" میں نے اسے مزید شرمندگی سے بچالیا "مجھے پانی پلاؤ۔ حلق خشک ہورہا ہے۔"

نرس لپک کر پانی لے آئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس میرے ہونٹوں سے لگادیا۔ میرا حلق واقعی خشک ہورہا تھا جیسے میں نے اُس میں ریت بھر دی گئی ہو۔ میں ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گیا۔

نرس نے مجھے دوبارہ لٹادیا اور بیڈ کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر پہلے مجھے بہت شدت سے نیند آرہی تھی لیکن اب نیند غائب ہوگئی تھی۔ اس نرس کا نام مینا کشی تھا اور وہ ہندو تھی۔ اسپتال میں مایا متی کے قتل کی خبر اسی روز پہنچ گئی تھی۔ مایا متی بہت اچھی لڑکی تھی۔ اسپتال کے تمام لوگوں سے اس کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ سب کو اس کی موت کا دکھ ہوا تھا۔

"سنا ہے مایا متی کے قتل میں تمہارا نام لیا جارہا ہے۔" مینا کشی کہہ رہی تھی "لیکن اسپتال والوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا یقین نہیں آرہا۔"

"مایا متی میری بہت اچھی دوست تھی۔" میں نے جواب دیا "اس کے قتل میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔ قاتل جو کوئی بھی ہے' جلد ہی پکڑا جائے گا اور ہاں۔ کیا تم پولیس ہیڈ کوارٹر میں انسپکٹر برہندر سے رابطہ کرسکتی ہو۔ اس سے میں فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایمرجنسی ہے۔"

مینا کشی نے گھڑی دیکھی۔ سات بج رہے تھے۔

"میں ابھی فون پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ باہر چلی گئی۔

وہ اپنی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ انسپکٹر برہندر اسے اس کے گھر پر رابطہ ہوا ہے اور اسے پیغام دیا ہے۔ وہ ایک گھنٹے میں یہاں پہنچ جائے گا۔

ٹھیک نو بجے مینا کشی کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ وہ دوسری نرس کو چارج دے کر چلی گئی۔

انسپکٹر برہندر ساڑھے نو بجے کے قریب کمرے میں داخل ہوا۔ وہ میرے بیڈ کے قریب کھڑا میری خیریت دریافت کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے تمہارا پیغام ملا تھا۔ کوئی خاص بات؟" اس نے نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اسے دھرپندر کے بارے میں بتادیا۔

"مجھے شبہ ہے کہ اس سازش میں اس کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔"

"اس شک کی وجہ؟" اس نے پوچھا۔

"بہت سی وجوہات ہیں۔" میں نے جواب دیا "لیکن کیا تمہیں نہیں ہوگا کہ اسے بھی شامل تفتیش کرلیا جائے۔ میرے سامنے بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے...."

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" اس نے کہا "یہ ایک اور آفیسر کو دے دیا گیا ہے۔ میں ابھی دفتر جاکر اسے رابطہ کروں گا۔ ویسے تم اطمینان رکھو۔ مجھے یقین ہے تم بے گناہ ہو۔ سچائی ایک ایسی قوت ہے جو تمہاری بے گناہی پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

انسپکٹر برہندر کے جانے کے بعد میں دیر تک دھرپندر کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ مایا متی کا باپ تھا اور نیلگری نے بتایا تھا کہ وہ بھی میرے خلاف اس سازش میں شریک تھا۔ تو کیا مایا متی کو دھرپندر نے قتل کیا تھا یا اس قتل میں اس کا کوئی اور ہاتھ ہے؟ کیا ایک باپ اپنی بیٹی کو قتل کروا سکتا ہے؟ میرا ذہن کسی طرح الجھا ہوا تھا لیکن ظاہر ہے' دھرپندر پر شبہ نیلگری نے ظاہر کیا تھا اور نیلگری غلط نہیں ہوسکتی تھی۔

نیلگری کی بعض باتوں نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ وہ خود کو شکتی کہتی تھی لیکن اس کے کہنے کے مطابق گوتم بھوش کے جاپ کی پراسرار حصار میں قید کر رکھا تھا۔

گوتم بھوش نے کوئی ایسا جاپ شروع کردیا تھا جس کی کامیابی سے وہ نیلگری پر قابض ہوسکتا تھا۔ نیلگری پریشان تھی۔ وہ کسی ایسے شخص کے قبضے میں نہیں جانا چاہتی تھی جو اس کے ذریعے دنیا کو تباہی کی طرف دھکیل دے۔ وہ میرے ذریعے گوتم بھوش کو اس جاپ سے روکنا چاہتی تھی۔ گوتم بھوش نیلگری کے برف پوش پہاڑوں میں واقع بُدھا کی کسی قدیم عبادت گاہ میں تھا اور اس عبادت گاہ کا پتا بتانے سے پہلے ہی نیلگری کی آواز بند ہوگئی تھی اور اس کا چہرہ دبیز دھند میں چھپ گیا تھا اور وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

میں جیسے جیسے سوچتا رہا' میری بے چینی بڑھتی گئی۔ مجھے نیلگری جیسی شکتی کو اپنے قبضے میں کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا لیکن اسے گوتم بھوش جیسے شخص کے قبضے میں جانے سے روکنا بھی بہت ضروری تھا۔ گوتم بھوش اور پنڈت دھیراج کے بارے میں' میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ یہ دونوں نہایت گندی فطرت کے مالک تھے اور میں جانتا تھا کہ اگر نیلگری جیسی شکتی ان کے قبضے میں چلی گئی تو یہ واقعی دنیا کو تباہی کے دہانے میں دھکیل دیں گے لیکن گوتم بھوش کو جاپ سے کیسے روکا جائے؟ یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ عبادت گاہ کہاں ہے جہاں گوتم بھوش چھپا بیٹھا ہے؟

میں رات بھر جاگا ہوا تھا۔ میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا لیکن بالآخر نیند نے مجھے دبوچ ہی لیا۔

جب میں جاگا تو سہ پہر ہوچکی تھی۔ کھانے کا وقت گزر چکا تھا۔ نرس نے میرا منہ ہاتھ دھلا کر مجھے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بٹھادیا اور میرے لیے چائے لے آئی۔ چائے کے ساتھ سینڈوچ بھی تھے۔ اس نے پہلے مجھے سینڈوچ کھلائے اور پھر اپنے ہاتھ سے چائے پلانے لگی۔

"دھنو اور شوبھا کیسی ہیں؟" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے بارے میں پریشان مت ہو۔" نرس نے جواب دیا "ان کی بہت اچھی دیکھ بھال ہورہی ہے اور وہ بھی دو چار روز میں اچھی ہوجائیں گی۔"

چائے پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں پھر سوگیا۔ اس مرتبہ آنکھ کھلی تو رات کے نو بج چکے تھے۔ صبح والی نرس جاچکی تھی اور اس کی جگہ مینا کشی نے لے لی تھی۔

"انسپکٹر برہندر آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے صبح اسے تمہارا پیغام تو دے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا' ایک گھنٹے تک آجائے گا۔ کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟" مینا کشی بولی۔

"میں صبح کی نہیں۔ اب کی بات کررہا ہوں۔" میں نے

کہا۔

"اوہ!" مینا کشی گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "میرے ہوتے ہوئے تو وہ ابھی تک نہیں آیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "تمہارے لیے کھانا آگیا ہے۔ میں اپنے ہاتھ سے کھلا دوں تمہیں؟"

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

مینا کشی نے مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگی۔ اس دوران میں انسپکٹر برندرا بھی آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آفیسر بھی تھا۔

"تمہارا شبہ درست نکلا۔" برندرا نے بیڈ کے قریب رک کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ انسپکٹر رگھوناتھ ہے۔ اس کیس کا انچارج۔"

"تم کس شک کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں دھرپندر کی بات کر رہا ہوں۔" انسپکٹر برندرا نے جواب دیا۔ "دھرپندر کو آج دوپہر کے وقت حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا "کیا مایا متی کو اسی نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں۔" برندرا نے نفی میں سر ہلا دیا "وہ قاتل نہیں ہے لیکن تمہارے خلاف جو سازش کی گئی تھی اس میں وہ بھی شریک تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے بتانے لگا۔

برندرا کے کہنے کے مطابق' یہ سازش دراصل ناگ پال کی تھی۔ میری وجہ سے اس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ اس کے کئی آدمی مارے گئے تھے۔ میرے یہاں آنے سے پہلے کھٹمنڈو پر اس کا راج تھا۔ وہ یہاں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کے ایک اشارے پر پورا شہر بند ہوجاتا تھا۔ اعلیٰ ترین پولیس آفیسر' دیگر سرکاری عہدے دار اور منتری (وزیر) بھی اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے تھے لیکن میرے آنے کے بعد اس کا راج پاٹ ختم ہوگیا تھا۔ اب وہ سب سے زیادہ مطلوب مجرم تھا اور اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا پھر رہا تھا لیکن اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ ایسی صورت میں وہ مجھے کس طرح معاف کرسکتا تھا۔

بار بار کی کوشش کے باوجود وہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ تاہم میرے ساتھیوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع اس نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔

ناگ پال جانتا تھا کہ مایا متی سے میری دوستی ہوچکی ہے۔ اس نے مجھے پھنسانے کے لیے یہ سازش تیار کی۔

مایا متی ہی کے گاؤں کے ایک آدمی کو کچھ رقم کا لالچ دے کر مایا متی کے پاس بھیج دیا اور اس کے باپ کے مرنے اور اس کی ماں کے زخمی ہونے کی اطلاع دی۔ دوسری طرف بہانے سے اس کے باپ کو بھی کھٹمنڈو کی طرف روانہ ہونے پر مجبور کردیا۔

ناگ پال کے آدمی کھٹمنڈو سے ساٹھ کلومیٹر دور ڈولو گھاٹ نامی قصبے میں موجود تھے۔ انہوں نے پہلے مایا متی کو کہہ کر بس سے اتار لیا کہ اسے باپ کے مرنے کی جھوٹی اطلاع دی گئی ہے۔ اس کا باپ زندہ ہے اور اس وقت ڈولو گھاٹ میں موجود ہے۔

مایا متی کو بس سے اتار کر قصبے کے باہر ایک ویران عمارت میں لے جایا گیا جہاں ناگ پال کے آدمی اس کی عزت پر حملے کرتے رہے اور جب مایا متی کا باپ اپنے گاؤں سے کھٹمنڈو جاتے ہوئے ڈولو گھاٹ پہنچا تو اسے بھی بس سے اتار کر اس ویران عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے ساتھ گاؤں کے چند آدمی اور بھی تھے۔ ان سب کو ایک کمرے میں بند کردیا گیا اور دھرپندر کو اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں اس کی بیٹی تھی۔

دھرپندر کو الگ لے جاکر منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسے یہ بھی دھمکی دی گئی کہ اب تک تو اس کی بیٹی کی عزت ہی گئی ہے۔ انکار کی صورت میں اسے بیٹی کی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

بیٹی کو بچانے کے لیے دھرپندر ان کے منصوبے پر عمل کرنے کو تیار ہوگیا اور اسے اس کے ساتھیوں سمیت رات تین بجے کے قریب کھٹمنڈو پہنچا دیا گیا اور دھرپندر نے مجھ پر الزام لگا کر مجھے پولیس کے حوالے کردیا تھا۔

تھانے کے انچارج کی جیب بھی گرم کردی گئی تھی۔ اس نے میری بات پر کان ہی نہیں دھرے اور مجھ پر تشدد شروع کردیا گیا۔

اگلے روز ڈولو گھاٹ سے مایا متی کی لاش ملی۔ دھرپندر نے اسپتال میں لاش شناخت کرلی۔ اس وقت ناگ پال کے دو آدمی بھی اسپتال میں موجود تھے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر حقیقت دھرپندر کی زبان پر آئی تو نہ صرف اسے بلکہ گاؤں میں اس کی بیوی کو بھی قتل کردیا جائے گا۔ دھرپندر اپنی اور بیوی کی جان کے خوف سے خاموش رہا اور مجھ پر قتل کا الزام عائد کردیا گیا۔ پولیس آفیسر دھنو' شوبھا اور مجھ سے اعتراف جرم کروانا چاہتا تھا لیکن ہم تینوں تشدد برداشت کرتے رہے اور جھوٹا الزام قبول نہیں کیا۔

آج دوپہر دھرپندر کو حراست میں لیا گیا۔ وہ چار ہاتھ [illegible] ہی اس نے ساری کہانی پولیس کو سنا دی۔ ناگ پال [illegible] ایک آدمی کی بھی حراست میں لیا گیا تھا جو دھرپندر کی [illegible] کررہا تھا۔ اس نے بھی سب کچھ اگل دیا۔ اس کے [illegible] کے مطابق اس رات مایا متی نے ناگ پال کے آدمیوں [illegible] حراست سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی جس پر اسے [illegible] بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار کر لاش ویرانے میں [illegible] دی گئی اور لاش دریافت ہونے کے بعد مجھ پر قتل کا [illegible] عائد کردیا گیا۔

دھرپندر اور ناگ پال کے آدمی کی گرفتاری اور ان کے [illegible] سے میری پوزیشن واضح ہوگئی تھی اور اس کے لیے [illegible] دھرپندر اور ناگ پال کے آدمی کا نہیں بلکہ نیلگری کا شکر [illegible] تھا جس نے آج صبح سویرے مجھے دھرپندر کے بارے [illegible] خبردار کیا تھا۔ بہرحال' مجھے مایا متی کی موت کا بہت [illegible] افسوس اور دکھ تھا۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔

اس مرتبہ مجھے تین چار روز سے زیادہ اسپتال میں نہیں [illegible] پڑا۔ دھنو اور شوبھا بھی سنبھل چکی تھیں۔ ہم تینوں کو [illegible] ہی روز اسپتال سے فارغ کردیا گیا۔ انسپکٹر برندرا ہمیں [illegible] کوٹ کے اس مکان میں لے آیا جہاں شروع میں مجھے [illegible] کو لایا گیا تھا۔ اس وقت اس مکان میں انسپکٹر برندرا [illegible] دوست رہا کرتی تھی۔ اس نے میری اور بملا کی بہت [illegible] کی تھی اور ایک رات جب دیش مکھ اور اس کے [illegible] نے اس مکان پر حملہ کیا تھا تو وہ بے چاری ماری گئی [illegible]

یہاں ہمیں ایک ادھیڑ عمر نیپالی خادمہ بھی دی گئی تھی [illegible] پولیس کے دو سادہ پوش بھی مستقل طور پر تعینات کردیے [illegible] تھے۔

دھنو کو میں نے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی [illegible] وہ بدھ نیل کنڈ مندر میں چلی جائے۔ وہاں بھکشو اور اس [illegible] بیوی بچے اس کا خیال رکھیں گے مگر دھنو کسی طرح میرا [illegible] چھوڑنے کو تیار نہیں ہوئی۔

یہاں میں زیادہ تر نیلگری اور گوتم بھوش کے بارے میں [illegible] رہتا۔ گوتم بھوش نیلگری کی برف پوش چوٹیوں میں کسی [illegible] میں مصروف تھا اور نیلگری شاید پھر کسی حصار میں [illegible] تھی۔ پچھلی ملاقات پر میں اس سے بدھا کی اس قدیم [illegible] گاہ کا پتا نہیں پوچھ سکا تھا یا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ وہ بتا نہیں [illegible] تھی۔ اس عبادت گاہ کا پتا معلوم ہونا بہت ضروری تھا۔

اس روز نیلگری نے ایک بار پھر مجھے اپنے اندر کی شکتی یاد دلائی تھی۔ ہوسکتا ہے' گوتم بھوش کا چیلا پنڈت دھیراج میرے خلاف اب بھی سرگرم عمل ہو مگر میرے اندر کی وہ شکتی مجھے اس کے شر سے بچائے ہوئے تھی۔

میں نے رشی کیش میں شروع کیا جانے والا اپنا مارِ آتشیں (یوگا کی ایک کٹھن اور خطرناک مشق) کا ریاض مکمل نہیں کیا تھا اور سچے دل اور کھری نیت سے جو تھوڑی بہت ریاضت کی تھی اس سے نیلگری میری طرف ملتفت ہوئی تھی۔ اب مجھے فرصت تھی اس لیے میں نے وہ ریاض جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

دن میں مجھے جب بھی موقع ملتا' میں تھوڑی بہت مشق کرلیتا' تاہم آدھی رات کے بعد دھنو اور شوبھا سو جاتیں تو میں مکان کی چھت پر چلا جاتا۔ یہاں میں نے ایک کونے میں جگہ منتخب کرلی تھی۔ میں صبح کی روشنی پھیلنے تک یہاں مخصوص آسن بنائے اپنی ریاضت میں مشغول رہتا۔ پہلے ایک دو روز تو مجھے اس طرح بیٹھنے میں تکلیف ہوئی کیونکہ میں نے بہت عرصے بعد یہ مشق شروع کی تھی لیکن پھر تکلیف کا وہ احساس بھی جاتا رہا۔

چند روز بعد ہی میں اپنے آپ میں ایک نئی توانائی محسوس کرنے لگا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ میں آنکھیں بند کیے اپنی مشق پر بیٹھا تھا' اچانک یوں لگا جیسے آنکھوں کے سامنے روشنی کا کوندا سا لپک گیا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ رات بے حد تاریک تھی تاہم آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے دکھائی دے رہے تھے۔ میری نظریں سامنے بہت دور پہاڑ کی برف پوش چوٹی پر مرکوز تھیں۔ اچانک سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا پہاڑی چوٹی کے عقب سے نمودار ہوا اور بتدریج پھیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس ابر پارے کے اندر بجلی کے کوندے سے لپک رہے تھے۔

سیاہ بادل کا وہ ٹکڑا پھیلتا جارہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا جیسے بارش اور آندھی کا بہت زبردست طوفان آنے والا ہے۔ طوفان کے آثار اگرچہ نمایاں تھے لیکن میرے ذہن میں ایک لمحے کو بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ میں یہاں سے اٹھ کر نیچے چلا جاؤں۔

سیاہ بادل کا وہ ٹکڑا مزید پھیل گیا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس ایک ٹکڑے کے سوا آسمان پر کہیں اور کوئی بادل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک اس مہیب سیاہ بادل کے عقب میں ایک اور چیز

دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ روئی کے گالے کی طرح سفید بادل کا ایک ٹکڑا تھا۔ سفید بادل کا یہ ٹکڑا ابھی برف پوش چوٹی کے عقب سے برآمد ہوا تھا اور اس کا حجم چند فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

میں اس سفید ابر پارے کو دیکھتا رہا۔ نجانے مجھے یہ احساس کیوں ہو رہا تھا کہ سفید بادل کا وہ ٹکڑا آگے آنا چاہتا تھا مگر سیاہ بادل نے اسے روک رکھا تھا۔

سفید بادل کا وہ ٹکڑا اپنا راستہ بنانے کی کوشش کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ میں اس وقت اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ میرے اندر کوئی انجانا سا احساس کروٹیں لے رہا تھا۔

اچانک فضا گھن گرج کی آواز سے گونج اٹھی۔ سیاہ بادل سمندر میں اٹھنے والی مہیب لہروں کی طرح پلٹ پلٹ کر سفید بادل کے ٹکڑے کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ سفید ابر پارہ بجلی کے کوندوں کی طرح لپک لپک کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

عجیب صورت حال تھی۔ لگتا تھا جیسے آسمان پر دو مہیب قوتوں میں جنگ چھڑ گئی ہو۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گھن گرج دہشت سی طاری کر رہی تھی۔ مجھے نجانے یہ احساس کیوں ہو رہا تھا کہ یہ بادل آپس میں نہیں ٹکرا رہے بلکہ نیکی اور بدی کی قوتیں آپس میں متصادم ہو رہی ہیں۔ میں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ سیاہ رنگ کا مہیب بادل بدی کی علامت تھا اور چھوٹا سا سفید ابر پارہ نیکی کا مظہر تھا۔ نیکی اور بدی کی ان دونوں قوتوں میں، آسمان کی وسعتوں پر زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ وہ سفید ابر پارہ حجم میں اگرچہ سیاہ بادل سے بہت چھوٹا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس جنگ میں فتح بالآخر اسی کی ہوگی۔ نیکی چاہے کتنی بھی چھوٹی ہو، بدی کی بڑی سے بڑی قوت پر حاوی ہو جاتی ہے۔

ان دونوں قوتوں کی جنگ بڑی خوفناک صورت اختیار کر گئی تھی۔ وسیع آسمان میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ گھن گرج اور بجلی کے کڑاکوں سے فضا دہل رہی تھی۔ وہ چھوٹا سا سفید ابر پارہ پلٹ پلٹ کر حملے کر رہا تھا۔ وہ ایک طرف سے حملہ آور ہوتا اور سیاہ بادل میں سوراخ کرتا ہوا دوسری طرف نکل جاتا۔

مہیب سیاہ بادل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ وہ بکھر رہا تھا لیکن کچھ دیر بعد ہی وہ بکھرے ہوئے ٹکڑے دوبارہ متحد ہونے لگے۔ اس وقت وہ میرے سر کے عین اوپر تھے اور میں پورے انہماک سے یہ جنگ دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے سیاہ بادل کو برف پوش چوٹی سے بلند ہوتے دیکھ کر میرے ذہن میں طوفان کا جو خیال ابھرا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ تیز ہوا کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس میں بتدریج شدت آتی گئی۔

بادو باراں کے اس خوفناک طوفان نے کائنات کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ورد دیوار دہل کر رہ گئے۔ ہر چیز خس و خاشاک کی طرح اڑتی ہوئی نظر آنے لگی۔ بڑے بڑے درخت جڑوں سے اکھڑ کر کاغذ کے پرزوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے تھے۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ ہوا کے طوفانی جھکڑ مجھے دھکیل رہے تھے لیکن میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا۔ لگتا تھا مجھے چھت کے ساتھ پلستر سے جوڑ دیا گیا ہو یا کسی غیبی قوت نے مجھے روک رکھا ہو اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ میرے اوپر پانی کا ایک چھینٹا تک نہیں پڑا تھا حالانکہ میرے چاروں طرف پانی کی بوچھاریں گر رہی تھیں اور چھت پر پانی کے ریلے بہہ رہے تھے۔

میں نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ سفید بادل کا وہ ٹکڑا سیاہ بادلوں میں اس طرح گھرا ہوا تھا جیسے کوئی چھوٹی سی ناؤ سمندر کی طوفانی لہروں میں پھنس گئی ہو۔ سیاہ بادلوں سے اٹھنے والی اونچی لہریں اسے بار بار نیچ رہی تھیں۔

میرے منہ سے بے اختیار "اللہ ہُو" کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ آواز بجلی کے کڑاکے کی طرح آسمان کی وسعتوں پر چاروں طرف پھیلتی چلی گئی۔ سفید ابر پارہ بھی جیسے سنبھل گیا۔ اب وہ لپک لپک کر اپنے حریف (سیاہ بادل) پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

طوفان کا زور ٹوٹ گیا۔ ہوا کے جھکڑوں کی شدت میں بتدریج کمی آتی گئی اور موسلا دھار بارش بھی اچانک ہی رک گئی۔ سیاہ بادل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرنے لگا اور چند منٹ بعد ہی اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ آسمان کی وسعتوں پر ستارے چمکتے ہوئے نظر آنے لگے اور روئی کے گالوں کی طرح وہ چھوٹا سا سفید ابر پارہ ہوا کے جھونکوں پر تیر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فتح مندی کا احساس ہوتا تھا۔ میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چونک گیا۔ سفید بادل کا وہ ٹکڑا ایک انسانی ہیولے کی صورت اختیار کر گیا۔ آسمان پر چاند نہیں تھا لیکن لگتا تھا، دودھیا چاندنی نے انسانی پیکر کا روپ دھار لیا ہو۔

وہ ہیولا تیرتا ہوا میری طرف آنے لگا اور پھر مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ واضح

ہو گئی۔ وہ ہیولا اگرچہ واضح نہیں تھا۔ چہرے کے نقش نظر آ رہے تھے لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ نیلگری تھی۔

میں چھت کے کونے پر اس جگہ بیٹھا تھا جہاں دو طرف سے منڈیر آپس میں ملتی تھی اس طرح وہاں ایک تکون بن گئی تھی اور نیلگری منڈیر کی دوسری طرف ہوا میں معلق کھڑی تھی۔

"وہ تمہیں روکنا چاہتا ہے۔" کانوں میں رس گھولتی ہوئی ایک سرگوشیانہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی "اس سے پہلے کہ وہ تمہیں اپنی قوتوں سے مفلوج کر کے مجھ تک پہنچ جائے، تم اسے آگے بڑھنے سے روک دو۔"

"وہ کہاں ہے؟" میں نے ہیولے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نیلگری کی شمالی چوٹی اور تلکو جھیل کے درمیان پہاڑوں میں بُدھا کی گومپو عبادت گاہ ہے۔" نیلگری نے جواب دیا "اس عبادت گاہ تک پہنچنے کا راستہ بہت کٹھن اور خطرناک ہے۔ اس نے اس جگہ کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ کوئی دوسرا وہاں تک نہ پہنچ سکے لیکن تمہارے پاس شکتی ہے۔ تم وہاں پہنچ سکتے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "اسے جاپ پر بیٹھے ہوئے چودہ دن ہو چکے ہیں۔ چھبیس روز باقی رہ گئے ہیں۔ تمہیں اس کا جاپ مکمل ہونے سے پہلے پہلے اسے عبادت گاہ سے نکالنا ہوگا۔ اگر اس کا جاپ مکمل ہو گیا تو۔۔۔"

"میں سمجھ رہا ہوں نیلگری۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اطمینان رکھو۔ میں تمہیں کسی ایسے شخص کی قید میں نہیں جانے دوں گا جو تمہیں مہرہ بنا کر دنیا پر تباہی نازل کرنا چاہتا ہو۔"

"تمہیں جلد ہی کچھ کرنا ہوگا۔" نیلگری بولی "جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے ہیں، میرے گرد حصار مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ آج بھی میں بڑی مشکل سے حصار توڑ کر یہاں آئی ہوں۔ اسے پتا چل گیا ہے کہ تم نے بھی اپنا جاپ شروع کر دیا ہے۔ وہ تمہیں روکنا چاہتا ہے۔ اگر تم پر اس بارش کا ایک چھینٹا بھی پڑ جاتا تو تمہارا شریر (جسم) بھسم ہو جاتا۔ تمہیں اپنی حفاظت بھی کرنی ہوگی۔ وہ تمہیں روکنے کے لیے حملے کرتا رہے گا۔" اب میں جا رہی ہوں۔ تمہیں بھی جلد سے جلد یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

نیلگری کا چاندنی میں ڈھلا ہوا ہیولا آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگا۔ میں اسے دور بنتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دور، بہت دور پہاڑی برف پوش چوٹی پر پہنچ کر وہ ہیولا میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

مجھے ہلکا سا جھٹکا لگا۔ جیسے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ہلایا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میرے آس پاس کوئی نہیں تھا اور پھر اچانک میں چونک گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو میں نے ایک بہت زبردست طوفان دیکھا تھا۔ موسلا دھار بارش اور طوفانی ہوا کے جھکڑ۔ درخت جڑوں سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھے تھے لیکن یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

دن کا مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔ نہ کوئی درخت جڑ سے اکھڑا تھا اور نہ ہی کہیں سیلابی پانی نظر آ رہا تھا۔

میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ وہ سب کچھ جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آسمان پر بادلوں میں وہ جھڑپ طوفان بادو باراں اور نیلگری کا ہیولا اور پھر مجھے نیلگری کی باتیں یاد آ گئیں۔ گو تم بھوش اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے مجھے میری ریاضت سے روکنا چاہتا تھا۔ نیلگری میری مدد کو پہنچ گئی تھی اور میرے اندر کی شکتی بھی کام آئی تھی۔ آسمان پر ہونے والی دو پراسرار قوتوں کی خوفناک جنگ اور وہ طوفان میرے لیے تھا۔ دنیا والوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

نیلگری نے مجھے پیغام دے دیا تھا۔ گو تم بھوش کو جاپ پر بیٹھے ہوئے چودہ دن ہو چکے تھے۔ صرف چھبیس دن باقی رہ گئے تھے۔ جاپ مکمل ہونے سے پہلے پہلے اسے اس قدیم عبادت گاہ سے باہر نکالنا تھا۔ اس کا جاپ مکمل ہو جانے کی صورت میں نیلگری اس کے قبضے میں چلی جاتی۔ اس وقت نیلگری نیکی اور بھلائی کی علامت تھی لیکن گو تم بھوش کے قبضے میں جانے کے بعد یہی نیلگری تباہی اور بربادی کی دیوی بن جاتی۔

میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ مشرقی افق پر سپیدی پھیلنے لگی تھی۔ میں نے اپنی ریاضت ختم کر دی اور اٹھ کر کچھ دیر چھت پر ٹہلتا رہا اور پھر نیچے آ گیا۔

چھت پر آنے جانے کے لیے زینہ مکان کے اندر ہی سے تھا اس لیے مجھے نیچے آنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

گھر کے اندر گہرا سناٹا تھا۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا لیکن جیسے ہی قدم اندر رکھا، ٹھٹک کر رک گیا۔

دھنو میرے بستر پر سو رہی تھی۔ نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر باہر آ گیا اور لاؤنج میں

پڑے ہوئے صوفے پر لیٹ گیا۔

نیلگری کی باتیں اب بھی میرے دماغ میں ہلچل سی مچائے ہوئے تھیں۔ میں نے ہمالیہ میں نیلگری کی برف پوش چوٹیوں کی طرف جانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ گوتم بھوش کا جاپ مکمل ہونے سے پہلے اسے گومپو کی بُدھ عبادت گاہ سے باہر نکال سکوں۔

یہ فیصلہ کرلینے کے بعد میں اپنے آپ کو پرسکون محسوس کرنے لگا اور پھر میری پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

○☆○

رات کے نو بجے تھے۔

میں اس وقت تری دیدی مارگ میں سپر مارکیٹ کے قریب واقع ایشیا ہوٹل کی لابی میں بیٹھا انسپکٹر بریندرا اور انسپکٹر اعظم خان کا انتظار کررہا تھا۔ میں نے دو گھنٹے پہلے ہی ٹیلی فون پر ان سے یہاں ملاقات طے کرلی تھی۔ نو بجے کا وعدہ تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

جب میں تیار ہوکر گھر سے نکل رہا تھا تو دھنو اور شوبھا نے بھی میرے ساتھ آنا چاہا تھا لیکن میں نے انہیں منع کردیا تھا۔

میرے ساتھ جو پراسرار واقعات پیش آرہے تھے ان کے بارے میں شوبھا کسی حد تک جانتی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی ایسی ہستی نہیں تھی جسے کچھ بھنک بھی لگی ہو لیکن اب میں نے انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان کو صورت حال سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر میں اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہوٹل کی لابی میں کئی غیر ملکی سیاح بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر یورپین باشندے تھے۔ ان میں عورتیں بھی شامل تھیں جنہوں نے مختصر لباس پہنے ہوئے تھے۔

سوا نو بجے کے قریب انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان ہوٹل کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ وہ دونوں سادہ لباس میں تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا اور وہ سیدھے میری طرف آگئے۔

انسپکٹر بریندرا نے ویٹریس کو بلا کر کافی کے لیے کہہ دیا اور ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ چند منٹ بعد ہمارے سامنے کافی سرو کردی گئی۔

"کوئی خاص بات؟ کس لیے بلایا تھا تم نے؟" بریندرا نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے انڈیا جانے کا ارادہ فی الحال ملتوی کردیا ہے اور نیلگری کی طرف جانا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"نیلگری!" بریندرا کے لہجے میں حیرت تھی "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں نے کچھ باتیں آج تک تم دونوں سے چھپائی ہیں۔ اس خیال سے کہ تم لوگ میرا مذاق نہ اڑاؤ لیکن اب صورت حال ایسی ہے کہ....."

"گویا اب تم اس موڈ میں ہو کہ تمہارا مذاق اڑایا جائے۔" اعظم خان نے مسکراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہیں رتنا پارک میں ملنے والے کرنل کے ٹوٹے ہوئے مجسمے سے لے کر اب تک پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ دونوں خاموشی اور پوری توجہ سے میری باتیں سنتے رہے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ اس دوران میں مجھ پر جو مصیبتیں نازل ہوتی رہی ہیں ان میں گوتم بھوش اور اس کے چیلے پنڈت دھیراج کا ہاتھ ہے۔

"نیلگری بہت مہان شکتی ہے۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا "گوتم بھوش ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ایک خاص جاپ شروع کردیا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو....."

"تو کچھ نہیں ہوگا۔" بریندرا نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹ دی "ہندو دیو مالا میں ان پراسرار قوتوں کے بارے میں پڑھا سنا میں نے بھی بہت کچھ ہے لیکن ایسی باتوں پر یقین نہیں کیا۔ یہ تو پنڈتوں' یوگیوں اور سادھوؤں کے دھندے ہیں جو کچھ شعبدے دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ کوئی پڑھا لکھا اور عقل مند آدمی ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ میں تو تمہیں بہت ذہین اور عقل مند سمجھتا رہا ہوں لیکن....."

وہ بات ادھوری چھوڑ کر اچھل پڑا۔ جب اس نے یقین نہ کرنے والی بات کی تھی تو میں نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔ میری نظریں اس کے اس ہاتھ پر مرکوز ہوگئی تھیں جس میں اس نے کافی کا مگ پکڑ رکھا تھا۔ مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن وہ زمین پر بھی نہیں گرا۔ ہوا میں تیرتا ہوا آگے کی طرف جانے لگا۔

بریندرا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے وہ متوحش نظروں سے فضا میں معلق کافی کے مگ کو دیکھتا رہا پھر اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا لیکن مگ ہوا میں تیرتا ہوا آگے نکل گیا۔ بریندرا ابھی ہاتھ پھیلائے اس کے پیچھے لپکا۔

لابی میں بہت سے لوگ یہ دلچسپ اور حیران کن منظر

دیکھ رہے تھے۔ بریندرا پورے ہال میں اس مگ کے پیچھے بھاگا پھر رہا تھا۔ وہ جیسے ہی مگ کو پکڑنے کے لیے جھپٹتا' مگ آگے نکل جاتا۔ یہ سنسنی خیز منظر دیکھ کر بہت سے لوگوں کے چہروں پر دہشت سی ابھر آئی تھی۔ دو یورپین عورتیں تو خوف زدہ ہو کر چیخیں مارتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی تھیں۔

مگ ہماری میز پر آکر ٹک گیا۔ بریندرا نے مگ کو دونوں ہاتھوں سے اس طرح پکڑ لیا جیسے اندیشہ ہو کہ وہ دوبارہ نہ اچھل جائے۔ وہ خود صوفے پر بیٹھا تو اس کے چہرے پر بھی سنسنی کے تاثرات تھے۔

"میں نے تم جیسے عقل مند آدمی کو بھی کبھی اس طرح فضا میں معلق کسی چیز کے پیچھے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

بریندرا کا چہرہ ہونق ہورہا تھا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے ہاتھ مگ سے ہٹا لیے۔ شاید بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ بہت سے لوگ اب بھی ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

"تو یہ تمہاری حرکت تھی؟" بریندرا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ شاید تم اسے بھی شعبدہ ہی کہو لیکن وہ سامنے دیکھو اس انگریز عورت کو جو سیڑھیوں سے اتر رہی ہے۔" میں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔

بریندرا اور اعظم خان بھی اسی طرف دیکھنے لگے۔ دراز قامت اس انگریز عورت نے اسٹون واش جینز اور سفید سلیولیس ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ کندھے پر براؤن لیدر بیگ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا بیگ کے اسٹریپ میں پھنسا رکھا تھا اور بائیں ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ اس نے جیسے ہی آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا' اس کے بیگ سے گاڑھا سفید دھواں نکلنے لگا۔ اس عورت نے بیگ کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے بیگ سے آگ کا شعلہ لپکا۔ عورت نے بدحواس ہوکر بیگ کندھے سے گرا دیا اور چیختی ہوئی ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

لابی میں موجود لوگ بھی اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ دو آدمیوں نے دوڑ کر اس عورت کو تھام لیا جو اب بھی چیخ رہی تھی۔ ایک آدمی بیگ کی طرف لپکا۔ وہ پیر مار کر بیگ کی آگ بجھانا چاہتا تھا۔ اس نے پیر اوپر اٹھایا لیکن پھر اسے نیچے نہیں لاسکا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گھٹنا تھام لیا جیسے کوئی زور دار چوٹ لگی ہو۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار ابھر آئے تھے۔ وہ ایک ٹانگ پر ناچتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔

بیگ کی آگ خود بخود بجھ گئی۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ بیگ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس پر آگ کا معمولی سا اثر بھی نہیں ہوا۔ وہ بیگ کو جھاڑتا ہوا اس انگریز عورت کے قریب آگیا اور بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔ انگریز عورت نے ڈرتے ڈرتے بیگ پکڑ لیا۔ پہلے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی پھر اسے کھول کر اندر جھانکا۔ ایک ایک چیز کو ٹٹول کر دیکھا اور پھر بیگ کندھے پر لٹکا کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات نظر آرہے تھے۔

انسپکٹر بریندرا اور اعظم خان پھٹی پھٹی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ۔ یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سیکھا؟" بریندرا نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تم اب بھی اسے شعبدے بازی ہی سمجھ رہے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں ایسی پراسرار قوتیں موجود ہیں جن سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں۔ خود انسان کے اندر اتنی قوتیں ہیں جن کے بارے میں جان کر حیرت ہوتی ہے۔ ان قوتوں کو حاصل کرنے کے لیے کٹھن محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں نیت کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ پنڈت' سادھو اور یوگی اپنے جیون کٹھنائیوں اور تپسیا میں گزار دیتے ہیں۔ کامیابی لاکھوں میں کسی ایک کو ملتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"نیلگری بھی دراصل انسان کے اندر کی ایک شکتی ہے اور بہت مہان شکتی ہے۔ ہزاروں سال سے لوگ اسے حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ لوگوں نے اپنے جیون برباد کردیے لیکن اس کے قریب نہیں پہنچ سکے۔ میں نے کہا تھا نا کہ ایسی کوئی پراسرار شکتی حاصل کرنے کے لیے نیت کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ لوگوں کی نیتوں میں کھوٹ ہے جس وجہ سے وہ خود نقصان اٹھاتے ہیں۔ میری نیت میں کوئی فتور نہیں' کوئی برائی نہیں۔ میں نے شاؤلن ٹیمپل میں تھوڑے ہی عرصے کی ریاضت اور لگن سے اپنے اندر کی ایک بہت بڑی شکتی پر قابو پالیا جبکہ دوسرے لوگ برسوں سے اس کوشش میں ہیں اور کامیاب نہیں ہوسکے۔ میں نے اپنے اندر کی اس شکتی کو ہمیشہ انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ جس روز میری نیت

میں کھوٹ شامل ہوگئی... اس روز یہ شکتی مجھ سے چھن جائے گی اور یہ نیلگری..." میں ایک بار پھر خاموش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بعض لوگ اب بھی ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے کافی کا مگ برندرا کے ہاتھ سے نکلا تھا اور وہ اس کے پیچھے ہال میں بھاگتا پھرا تھا اور بالآخر وہ مگ اسی میز پر آکر ٹک گیا تھا اس لیے بعض لوگ اب بھی ہماری طرف متوجہ تھے۔

"نیلگری بھی ایک ایسی ہی مہان شکتی ہے جو ہمارے اپنے اندر موجود ہے۔" میں کہہ رہا تھا "اسے حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت اور ریاضت کی ضرورت ہے اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میری یہ ریاضت پوری ہونے سے پہلے نیلگری خود میری طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ گوتم بھوش کی نیت سے بھی پوری طرح واقف ہے۔ میں جس نیلگری کا ذکر کررہا ہوں وہ ایک علامت ہے۔ اصل شکتی تو ہمارے اندر ہے اور میرے گلے میں یہ مالا۔" میں نے گلے میں پڑی ہوئی مالا کو چھوا "یہ کرشنل کے اس ٹوٹے ہوئے مجسمے کے گلے میں تھی جسے میں اٹھا کر اپنے گھر لے گیا تھا۔ نیلگری نے یہ مالا اپنے گلے سے اتار کر مجھے دے دی۔ لو دیکھو۔" میں نے مالا اتار کر برندرا کی طرف بڑھادی۔

وہ الٹ پلٹ کر اسے دیکھتا رہا۔

"ایسا عجیب و غریب پتھر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" وہ بولا "اور میں حرارت...."

"یہ ایک زندہ انسان کی حرارت ہے۔" میں نے کہا "اس مالا میں جب تک یہ حرارت موجود رہے گی، مجھے نیلگری کی آزادی کی خبر ملتی رہے گی۔ جس دن یہ حرارت ختم ہوگئی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی اور کے قبضے میں جاچکی ہے۔ ہزاروں لوگ اسے حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ گوتم بھوش اس دوڑ میں سب سے آگے ہے۔ وہ صرف چوبیس پچیس دن کے فاصلے پر رہ گیا ہے اور مجھے ہر صورت میں اسے روکنا ہے۔ وہ اس وقت نیلگری کی برف پوش چوٹیوں میں گومپو عبادت گاہ کے اندر جاپ میں مصروف ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ گوتم بھوش اس عبادت گاہ میں ہے؟" برندرا نے پوچھا۔

"نیلگری خود میری رہنمائی کررہی ہے۔" میں نے جواب دیا "لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا، اس کی قوت سلب ہوتی جائے گی اور اس سے پہلے کہ وہ گوتم بھوش جیسے بدمعاش کے قبضے میں چلی جائے، مجھے وہاں پہنچنا ہے۔"

"نیلگری میں یہ بُدھ عبادت گاہ کہاں پر ہے؟" برندرا نے کہا "نیلگری دراصل دو چوٹیوں پر مشتمل ہے۔ نارتھ اور ساؤتھ۔ دونوں چوٹیاں ایک دوسرے سے میلوں کے فاصلے پر واقع ہیں اور ہر چوٹی چوبیس پچیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے جو سال کے بارہ مہینے برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پہاڑی چوٹیاں ماؤنٹ ایورسٹ سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس طرف جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور پھر تمہارے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔"

"یہ بُدھ عبادت گاہ نیلگری نارتھ اور تلکو جھیل کے درمیان کسی جگہ پر واقع ہے۔" میں نے جواب دیا "اور رہا ان دونوں عورتوں کا سوال تو میں ان میں سے کسی کو بھی ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ ایک تو راستہ بہت کٹھن ہے اور پھر نجانے کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر میں اس مہم کے دوران میں اپنی زندگی ہار بیٹھا تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا لیکن میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں کو کوئی نقصان پہنچے۔ میری وجہ سے انہوں نے پہلے ہی بہت دکھ اٹھائے ہیں اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ ہر بلا سے محفوظ رہیں۔"

"اب تک کی صورت حال کے پیش نظر میں پورے وثوق اور دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی تمہارا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں ہوگی۔" برندرا نے مسکراتے ہوئے کہا "ویسے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں زیادہ سے زیادہ پرسوں یہاں سے روانہ ہوجانا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "میرے بعد تم ان دونوں کو انڈیا بھیجنے کا بندوبست کردینا۔ شوبھا کی وہاں بہت پراپرٹی ہے۔ ایک ہوٹل بھی ہے۔ وہاں میرے کچھ مخلص دوست بھی ہیں جو انہیں سنبھال لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" برندرا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "کوشش کروں گا لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ دونوں بلائیں میرے قابو میں آجائیں گی۔ ویسے اس کے علاوہ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

"مجھے تم جیسے مخلص دوستوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں "نیلگری والی کہانی ایک بہت اچھا افسانہ ثابت ہوسکتی ہے لیکن اگر تم۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا!"

"اگر تم نیلگری کی ایک جھلک دکھلا دو تو۔" وہ بدستور

مسکرا رہا تھا۔

"لاؤ۔ یہ مالا مجھے دو۔" میں نے اعظم خان کی طرف ہاتھ بڑھادیا کیونکہ وہ مالا اس وقت اسی کے پاس تھی۔

میں نے مالا لے کر گلے میں ڈال لی اور غیر محسوس انداز میں انگوٹھے کو درمیان والے پتھر پر مسلنے لگا۔ نیلگری نے جب یہ مالا مجھے دی تھی تو اس وقت یہ بھی بتادیا تھا کہ جب کبھی میں اس کی ضرورت محسوس کروں تو اس پتھر کو انگوٹھے سے ہولے ہولے مسل دوں لیکن آج تک میں نے اسے خود کبھی نہیں بلایا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ آج کل نیلگری خود مصیبت میں گرفتار ہے۔ گوتم بھوش نے اپنی بعض قوتوں کے ذریعے اس کے گرد حصار قائم کر رکھا ہے۔ پتھر کو مسلتے ہوئے میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ نیلگری اس وقت وہ حصار توڑنے میں کامیاب ہوجائے۔

نیلگری نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ ہمارے دائیں طرف گول ستون تھا جس کے ساتھ پودوں کے گملے رکھے ہوئے تھے اور مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ اس ستون کے اندر سے برآمد ہوئی ہو۔

وہ نیلگری تھی۔ اس کے جسم پر وہی لباس تھا جو میں نے پہلے روز دیکھا تھا۔ ہونٹوں پر وہی ملکوتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں وہی روشن ستاروں جیسی چمک۔ پہلی ملاقات کے بعد میں نیلگری کے محض ہیولے دیکھتا رہا تھا۔ اس انسانی پیکر میں دوسری بار دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اچھل پڑا اور میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوگئی تھی۔

برندرا اور اعظم خان اس طرح اچھل پڑے تھے جیسے ان کی سیٹوں کے نیچے کانٹے نکل آئے ہوں۔ ان دونوں کے چہروں پر سنسنی کے عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نیلگری انہیں نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ مجھے بھی اٹھ جانا پڑا۔

نیلگری ہمارے قریب آگئی۔ وہ جیسے ہوا میں تیر رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے رک گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے۔ اس نے برندرا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر اعظم خان کی پیشانی پر بھی بوسہ دیا۔ گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور ہوا میں تیرتی ہوئی اسی ستون کے قریب پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

وہ دونوں اب بھی مبہوت سے کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے برندرا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ اچھل پڑا۔

"بیٹھ جاؤ۔ وہ جاچکی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ دونوں کے ہاتھ اپنی اپنی پیشانی پر تھے اور دونوں کے چہروں پر سنسنی کے تاثرات نمایاں تھے۔ میں چونکہ خود بھی ایسی کیفیت میں مبتلا رہ چکا تھا اس لیے ان کی کیفیت کو سمجھنے میں بھی مجھے دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

"شاید اب تمہیں یقین آگیا ہو کہ میں نے تمہیں کوئی افسانہ نہیں سنایا تھا بلکہ ایک حقیقت بیان کی تھی۔" میں نے برندرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بات کا یقین تو مجھے پہلے بھی تھا۔" برندرا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں تو اس شکتی کو دیکھنا چاہتا تھا جسے حاصل کرنے کے لیے لوگ ہزاروں سال سے اپنی جانوں کی بازی لگا رہے ہیں۔ نیلگری کو دیکھ کر تو میرا بھی دل چاہنے لگا ہے کہ کوئی جاپ شروع کردوں۔"

"ہمت ہو تو ضرور ایسا کرو۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"نہیں بھئی۔ ہم سے ایسی کٹھنائیاں برداشت نہیں ہوسکتیں۔" برندرا نے جواب دیا پھر بولا "مجھے حیرت ہے۔ اس لابی میں موجود لوگوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا حالانکہ نیلگری کو دیکھ کر تو...."

"وہ کسی کو نظر ہی نہیں آئی ہوگی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ میری خواہش پر صرف تم دونوں کے سامنے آئی تھی۔"

"حیرت انگیز۔" برندرا بولا "بہرحال، اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟"

"وہی جو کہہ چکا ہوں۔" میں نے کہا "میں پرسوں صبح سویرے یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔ تم میرے بعد ان دونوں کو انڈیا بھیج دینا۔"

"انسپکٹر اعظم دو چار دن میں واپس جانے والا ہے۔" برندرا نے کہا "کوشش کروں گا کہ وہ دونوں اس کے ساتھ چلی جائیں۔"

"میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"تو چلو پھر تمہیں چھوڑ آئیں۔" برندرا یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

اعظم خان اور میں نے بھی اپنی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جب ہم ہوٹل سے نکلے تو بارہ بج رہے تھے۔ شہر کے بیشتر

علاقوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ابھی شام اتری ہو۔ برندرا نے ایک جگہ گاڑی روک کر کچھ پھل وغیرہ خرید لیے اور پھر گاڑی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی تھان کوٹ کی طرف جانے والی شاہراہ پر دوڑنے لگی۔

تھان کوٹ مرکزی شہر سے انتیس تیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ کبھی کبھار سامنے سے آتی ہوئی کوئی گاڑی نظر آجاتی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے میں گھر پہنچ گئے۔ برندرا نے پھلوں کی ٹوکری شوبھا کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ دونوں اسی وقت واپس جانا چاہتے تھے مگر شوبھا نے انہیں زبردستی چائے کے لیے روک لیا۔ ملازمہ اگرچہ موجود تھی مگر وہ خود چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

چائے پینے کے بعد وہ لوگ زیادہ دیر نہیں رکے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ہم کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر شوبھا اور دھنو سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور میں چھت پر آگیا۔

آج آسمان پر شام ہی سے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن یہ وہ بادل نہیں تھے جن سے کسی قسم کا خوف محسوس ہوتا۔ میں کچھ دیر تک چھت پر ٹہلتا رہا پھر اپنی مخصوص جگہ پر آسن جما کر بیٹھ گیا۔

اس رات کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ تاہم میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرتا رہا۔ بار بار یوں لگتا جیسے کوئی غیر مرئی قوت میری ریاضت میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کررہی ہو' مجھے وہاں سے اٹھانا چاہتی ہو لیکن میں نے اپنی توجہ نہیں بٹنے دی۔

اگلے روز میں دوپہر تک سوتا رہا اور پھر اکیلا ہی بازار کی طرف نکل گیا۔ یہ وہی قصبہ تھا جہاں سمبا کے قبیلے سے واپس آنے کے بعد گوتم بھوش سے میری ملاقات ہوئی تھی اور اس نے مجھے بس سے اتار لیا تھا۔ وہ مجھے پہاڑوں میں لے گیا تھا اور مجھ سے نیکرمی والی مالا حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن میں اس کے حصار سے بھاگ نکلا تھا اور اس کے چیلے پنڈت دھیراج نے مجھے ایک عورت کے قتل کے کیس میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ پولیس مجھے تھانے لے جارہی تھی تو ناگ پال کے آدمی پولیس والوں کو قتل کرکے مجھے چھڑا کر پہاڑوں میں اس پراسرار اور قدیم حویلی میں لے گئے تھے جہاں مجھے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ سمبا کو بھی پکڑ کر وہیں لے جایا گیا تھا اور اگلی رات کو وہاں سے سمبا کو لے کر حویلی سے فرار ہو کر میں نیل کنڈ والی بدھ عبادت گاہ پر پہنچ گیا تھا جہاں دھنو اور اس کے باپ سے ملاقات ہوئی تھی۔

ہاں۔ یہ وہی قصبہ تھان کوٹ تھا جہاں اب میں آزادی سے بلا خوف و خطر گھوم پھر رہا تھا۔

میں نے بازار سے کپڑے کا ایک تھیلا خریدا اور کچھ ضرورت کی چیزیں بھی خرید کر تھیلے میں بھر لیں۔ تھیلا گھر کے قریب ہی ایک جگہ پر چھپا دیا اور گھر آگیا۔ مجھے اگلے روز صبح سویرے یہاں سے نکل جانا تھا۔ دھنو اور شوبھا کو بتائے بغیر۔ اگر میں انہیں بتا دیتا تو ان کے بغیر کبھی بھی گھر سے قدم باہر نہیں نکال سکتا تھا۔

شام کو اعظم خان کا فون آگیا کہ میں کل صبح نہ جاؤں۔ اس کے کہنے کے مطابق برندرا اور وہ دونوں مل کر کل رات ہماری دعوت کرنا چاہتے تھے اس لیے میں کل کے بجائے پرسوں چلا جاؤں۔ میں نے اعظم خان کی بات مان لی۔

اس رات چھت پر ریاضت کے دوران میں کچھ عجیب و غریب اور غیر معمولی باتیں پیش آئیں۔ یوگا کی یہ ریاضت شروع کرنے میں گوتم بھوش ہی میرا گرو تھا اور اس نے مجھے متنبہ کیا تھا کہ اس جاپ کے دوران کچھ خوفناک اور دہلا دینے والے واقعات رونما ہوں گے۔ کچھ پراسرار قوتیں مجھے اس جاپ سے روکنے کی کوشش کریں گی لیکن میں اپنے آپ کو اکھڑنے نہ دوں اور اب وہ مرحلہ شروع ہو چکا تھا اور میرا خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ بعض پراسرار قوتوں کے ساتھ گوتم بھوش بھی میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

اس رات میرے ساتھ ایسے ہی عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے۔ کبھی مجھے لگتا' کوئی کتا میرے لباس کو دانتوں میں دبائے پیچھے کھینچ رہا ہے۔ کبھی کوئی بھیڑیا میرے سامنے آکر دانت نکوسنے لگتا اور بار بار مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا۔

ایک بار تو حد ہی ہوگئی۔ وہ ایک بڑھیا تھی۔ بہت ضعیف' اس کی عمر اسی سے کچھ اوپر ہی ہوگی۔ چہرے پر اتنی جھریاں تھیں کہ مکڑی کے جالے کا گمان ہوتا تھا۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچا۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ وہ بڑھیا افلاس اور غربت کی منہ بولتی تصویر تھی۔ فاقوں نے اس کے جسم کو ہڈیوں کے ڈھانچے میں بدل دیا تھا اور ساری توانائی نچوڑ لی تھی۔

وہ زمین پر پڑی ہوئی ایک ٹوکری اٹھانے کی کوشش کررہی تھی۔ ٹہنیوں کی بنی ہوئی وہ ٹوکری ایک برتن پرات کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اسے چھابڑی کہا جاسکتا تھا جس میں کچھ

[illegible] رکھی ہوئی تھیں۔ اوپر کالے رنگ کا ایک کپڑا پڑا ہوا [illegible] بڑھیا بار بار کوشش کرتی لیکن اس سے وہ ٹوکری نہیں [illegible] رہی تھی۔ اس نے مدد طلب نظروں سے میری طرف [illegible] میں نے اس کی نظروں کا پیغام پڑھ لیا۔ وہ کہہ رہی تھی [illegible] یہ ٹوکری اٹھا کر اس کے سر پر رکھوا دوں۔

میں نے جھک کر دونوں ہاتھوں سے ٹوکری اٹھالی جو [illegible] بھاری تھی۔ اس بڑھیا کے ہاتھ بھی ٹوکری پر تھے۔ میں نے ٹوکری اوپر اٹھا کر بڑھیا کے سر پر رکھنا چاہی تو بڑھیا نے [illegible] ٹوکری میرے سر پر پلٹ دی۔ اس ٹوکری میں بدبودار [illegible] کے لوتھڑے اور خون بھرا ہوا تھا۔ میرا سر' چہرہ اور [illegible] جسم بدبودار خون میں لتھڑ گیا اور اس سے پہلے کہ میں [illegible] بڑھیا سے نیکی کے اس صلے کی وجہ پوچھ سکتا' اس نے [illegible] منہ پر تھپڑ رسید کردیا۔ تھپڑ اس قدر زوردار تھا کہ [illegible] دماغ جھنجنا اٹھا۔

میں اپنی جگہ پر بل کر رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میری [illegible] کھل گئی تھیں۔ میں بدحواس سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نہ وہ بڑھیا تھی اور نہ وہ ٹوکری۔ میں نے سر اٹھا کر [illegible] دیکھا۔ بادل پھٹ چکے تھے۔ ایک ستارہ ٹوٹ کر روشنی کی [illegible] چھوڑتا ہوا دوسری طرف بادلوں میں غائب ہوگیا۔

میرا ایک ہاتھ بے اختیار اپنے گال پر پہنچ گیا تھا۔ اس [illegible] بڑھیا کے استخوانی ہاتھ میں بے پناہ قوت تھی۔ یہ سب کچھ [illegible] عالم رؤیا میں ہوا تھا لیکن اس تھپڑ کا اثر میں اپنے [illegible] پر محسوس کررہا تھا۔

رات کے آخری پہر ایک اور خوفناک واقعہ پیش آیا۔ [illegible] خوار کتے آپس میں لڑتے ہوئے میری طرف آرہے [illegible] غصہ انہوں نے اپنے نکیلے دانتوں اور پنجوں سے ایک [illegible] کو بری طرح ادھیڑ دیا تھا۔ وہ دونوں لہولہان ہو رہے [illegible] مگر شکست تسلیم کرکے بھاگنے کو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ وہ [illegible] لڑتے لڑتے میرے قریب آگئے اور اچانک ہی ان [illegible] نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

میں چیختا ہوا ان سے بچنے کے لیے پیچھے گرا۔ وہ دونوں [illegible] خوار کتے میرے سینے پر سوار ہوگئے اور اپنی دشمنی بھول [illegible] نکیلے دانتوں اور پنجوں سے مجھے بھنبوڑنے لگے تھے۔ میں [illegible] سے بچنے کے لیے زمین پر لوٹتا اور چیختا رہا۔

اور پھر دو آدمیوں نے مجھے گرفت میں لے لیا۔ اس کے [illegible] ہاتھ ہی کچھ نسوانی چیخوں کی آوازیں بھی میری سماعت سے [illegible] لگیں۔

میرے حواس بحال ہوئے تو میں صوفے پر پڑا تھا۔ دھنو' شوبھا' نیپالی ملازمہ اور مکان کی نگرانی پر مامور دونوں سادہ لباس پولیس والے میرے پاس کھڑے تھے۔

"کیا ہوا۔ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟" میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہم تمہاری چیخیں سن کر چھت پر گئے تھے۔" شوبھا نے جواب دیا "تم چھت پر لوٹتے ہوئے چیخ رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے اپنے آپ کو کسی سے بچانے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اوہ!" میں نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ مجھے ریاضت سے روکنے کے لیے کسی پراسرار قوت کا یہ حملہ بڑا زبردست ثابت ہوا تھا۔ میں اس کے داؤ میں آگیا تھا اور مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا۔

میری حالت سنبھل گئی تھی۔ دونوں پولیس والے باہر چلے گئے تھے۔ ملازمہ بھی اس دوران میں چائے بنا کر لے آئی۔ وہ چائے رکھ کر کچھ دیر کھڑی رہی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دھنو سامنے والی کرسی پر تھی اور شوبھا صوفے پر میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ میری گردن پر سے ہوتا ہوا کندھے پر ٹکا ہوا تھا۔

"کیا ہوا تھا؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تم اس طرح فرش پر لوٹ لوٹ کر کیوں چیخ رہے تھے۔ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے تھے؟"

"یہی سمجھ لو۔ وہ بھیانک خواب ہی تھا۔" میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ میرے ہاتھ میں اب بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"چھوڑو یہ سب کچھ۔" شوبھا نے کہا "یہ سب کچھ پنڈتوں اور یوگیوں کے کھیل ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ جاپ اور جنتر منتر کے چکر بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ان میں جان بھی چلی جاتی ہے۔ ذرا سی غفلت سے جاپ کرنے والا بعض اوقات اپنے ہی جاپ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ میں جے پور کے ایک پنڈت کو جانتی ہوں۔ وہ ایک جاپ کے دوران میں ہی پراسرار طور پر ہلاک ہوگیا تھا۔ اس کے زخمی شریر (بدن) کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی خوں خوار درندے نے چیر پھاڑ ڈالا ہو۔ تم اس چکر میں کیوں پڑ گئے۔ چھوڑ دو یہ سب کچھ اور ہندوستان چلنے کی تیاری کرو۔ ہم وہاں آرام سے زندگی گزاریں گے۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی ہمیں۔"

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں کسی لالچ میں یہ جاپ کررہا ہوں؟" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس کی طرف

دیکھا۔ وہ میرے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی "مجھے کوئی لالچ یا ہوس نہیں ہے شوبھا۔ میں تو ایک نیک مقصد کے لیے یہ جنگ لڑ رہا ہوں۔ ایک نیکی کو برائی کے قبضے میں جانے سے روکنے کے لیے۔ میں آدھے راستے سے واپس نہیں جا سکتا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "غلطی میری ہی تھی جس سے میرے دشمن کو وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اب وہ کوئی ایسی کامیاب حرکت نہیں کر سکے گا۔"

شوبھا نے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر اس کا لیکچر شروع ہو گیا۔ وہ مجھے سمجھاتی رہی کہ مجھے یہ سب کچھ چھوڑ کر اب ہندوستان چلے جانا چاہیے۔ دھنو اس دوران میں خاموش بیٹھی رہی۔ شاید ہماری باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ تو یہی سمجھتی تھی کہ شاید میں چھت پر بیٹھا رات بھر عبادت میں مشغول رہتا ہوں۔

"جاپ کو ادھورا چھوڑنا زیادہ خطرناک ہو گا۔" میں نے بھی شوبھا کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ہندوستان چلے جانے سے دشمن سے ہمارا پیچھا نہیں چھوٹ جائے گا۔ یہ پراسرار قوتیں ارضی سرحدوں کی پابند نہیں ہوتیں۔ میری پسپائی کو بزدلی سمجھا جائے گا اور مجھے نیست و نابود کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔"

"مجھے تم دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" شوبھا نے کہا۔

"تو پھر اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ برائی کے خلاف اس یُدھ (لڑائی) میں میرے قدم نہ اکھڑنے پائیں۔" میں نے کہا۔

میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ دھنو اپنی جگہ پر بیٹھی اونگھنے لگی تھی۔ میں نے ان دونوں کو ان کی خواب گاہ میں بھیج دیا اور خود بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد بھی مجھے دیر تک نیند نہیں آ سکی۔ میں آج کی صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ ایک ہی رات میں مجھ پر پے در پے تین چار حملے ہوئے تھے اور آخری وار تو بہت ہی خوفناک تھا جس سے وقتی طور پر میرے قدم اکھڑ گئے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دشمن کو وقتی طور پر کامیابی حاصل ہو گئی تھی لیکن میرا حوصلہ تو پست نہیں ہوا تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب دشمن کے ہتھکنڈوں میں نہیں آؤں گا اور گوتم بھوش کو اس کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

میں خواب میں بھی یہی سب کچھ دیکھتا رہا۔ دشمن میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور میں اس سے بچنے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ میں ٹھوکر کھا کر گرا۔ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دشمن پوری قوت سے مجھ پر حملہ آور ہوا لیکن ٹھیک اسی وقت آسمان سے بجلی کا ایک کوندا سا لپکا۔ میرے گرد ایک حصار سا بن گیا۔ ایک چمکتا ہوا رستا تھا جس نے میرے گرد ایک دائرہ بنا دیا تھا۔ اس رسے میں سے بجلی کے کوندے لپک رہے تھے۔ مجھ پر حملہ آور ہونے والا دشمن کسی ان دیکھی دیوار سے ٹکرا کر گرا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور پھر اچانک ہی اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میرے اردگرد ایسا شور سنائی دینے لگا جیسے کروڑوں مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ میں اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوئی مکھی نظر نہیں آئی لیکن بھنبھناہٹ کا شور بدستور سنائی دے رہا تھا۔ اسی شور میں چند الفاظ میری سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ عجیب و غریب اور ناقابل فہم الفاظ میرے ذہن سے گویا چپک کر رہ گئے تھے۔

میں جب بیدار ہوا تو دوپہر ہو رہی تھی۔ طبیعت میں عجیب بوجھل پن سا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ میں بار بار اس خواب کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اچانک میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ مجھے دشمن سے بچنے کی راہ دکھائی گئی تھی اور یہ راہ دکھانے والا کون تھا؟ نیلگری یا میرے اندر کی اپنی قوت؟ وہ الفاظ لاشعور سے ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔

میں نے شوبھا وغیرہ سے اس خواب کا ذکر نہیں کیا۔ وہ پھر پریشان ہو جاتی۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ برندرا اور اعظم خان سے رات والے واقعے کا تذکرہ نہ کریں۔ دونوں محافظوں کو بھی سمجھا دیا گیا تھا۔

دن اسی طرح گزر گیا۔ شام آٹھ بجے کے قریب گاڑی ہمیں لینے کے لیے پہنچ گئی۔ برندرا نے فون پر گاڑی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ لینڈ کروزر تھی اور دو سادہ لباس پولیس والے بھی ساتھ تھے۔ وہ دونوں مسلح تھے۔

ہم نو بجے کے قریب کھٹمنڈو میں کالی ماتی کے علاقے میں واقع جوالا کلب پہنچ گئے جہاں انسپکٹر برندرا اور اعظم خان ہمارے منتظر تھے۔ یہ کلب اوبرائے ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا۔

برندرا نے بڑی پُرتکلف دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ ڈائننگ ہال کا ایک گوشہ ہمارے لیے مخصوص تھا جہاں دو میزیں ملا کر انتظام کیا گیا تھا۔ خوب صورت ویٹریسوں نے

برینڈرا کا اشارہ پاتے ہی کھانا شروع کردیا۔ کئی ڈشیں تھیں اور کھانا اس قدر افراط سے تھا کہ کم از کم بیس آدمی شکم سیر ہو کر کھا سکتے تھے۔

میں اپنی ریاضت کی وجہ سے خصوصاً رات کو بہت کم کھانا کھاتا تھا لیکن برینڈرا کے اصرار پر اس روز کچھ زیادہ ہی کھالیا تھا۔

کھانے کے بعد ہم کلب والے حصے میں آگئے۔ نیپال جیسے ملک پر ہندوستان کا اثر تھا اور یہاں بھی بے حیائی عام تھی۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں تو عریانیت اور بے حیائی کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے کہ شیطان بھی شرما جاتا ہوگا۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں پروگرام کرنے والی رقاصائیں فن سے زیادہ اپنے جسموں کی نمائش کرتیں۔ بعض رقاصائیں تو رقص کے دوران بالکل بے لباس ہوجاتیں۔

جوالا کلب میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ کسی کو شرم و حیا کا احساس تک نہیں تھا۔ دیکھنے والے دیکھ رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور کبھی کبھی تو کوئی عورت بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہیجان خیز موسیقی پر رقص کرنے لگتی۔

جوالا کلب میں یہ ہنگامے صبح تک جاری رہتے تھے لیکن ہم ایک بجے وہاں سے نکل آئے۔ اسی دوران میں موقع پاکر میں نے برینڈرا کو بتادیا تھا کہ آج صبح سویرے میں نکل جاؤں گا۔

دو بجے کے قریب لینڈ کروزر نے ہمیں گھر پہنچادیا۔ شوبھا اور دھنو نے بھی کلب میں رقص کے ایک دو پروگراموں میں حصہ لیا تھا۔ تھکن ان کے چہروں سے نمایاں تھیں۔ وہ کپڑے بدلے بغیر اپنے کمرے میں جاکر بستر پر گر گئیں اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھیں۔

میں چھت پر آگیا۔ اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ کر میں نے تین بار وہ الفاظ دہرائے جو گزشتہ رات خواب میں میرے ذہن میں بٹھائے گئے تھے۔

میرے گرد ایک حصار بن گیا۔ وہ آگ کا دائرہ تھا۔ نہیں، آگ نہیں.... وہ بجلی تھی جس سے کوندے لپک رہے تھے۔

میں اپنے آسن پر بیٹھ گیا اور تمام تر توجہ اپنی ریاضت پر مرکوز کردی۔ میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا لیکن مجھے عجیب و غریب شکلیں دکھائی دیتی رہیں۔ نہایت خوفناک صورتوں والے عجیب و غریب جانور تھے جو میری طرف لپک رہے تھے لیکن وہ اس روشن دائرے سے دور ہی رہے۔

دن کا دھندلکا سا اجالا پھیلنے لگا تو میں نے اپنی ریاضت ختم کردی۔ کچھ دیر چھت پر ٹہلتا رہا اور پھر نیچے آگیا۔ شوبھا والے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹی گہری نیند سو رہی تھیں۔

میں کچن میں آگیا اور برتنوں کی آواز پیدا کیے بغیر چائے بنانے لگا۔ نیپالی ملازمہ بھی اپنے کمرے میں سو رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ نو بجے سے پہلے کوئی بھی بستر نہیں چھوڑتا تھا اور میں اس وقت تک بہت دور نکل چکا ہوتا۔

چائے پینے کے بعد میں ایک بار پھر شوبھا والے کمرے میں آگیا۔ دیر تک ان دونوں کے چہروں کو دیکھتا رہا پھر باہر آگیا۔

میں کوٹھی سے باہر نکلا تو دونوں پولیس والوں میں سے ایک سو رہا تھا جبکہ دوسرا جاگ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں بھی مسکرا دیا اور ٹہلنے والے انداز میں ایک طرف چلنے لگا۔

مکان سے تقریباً دو سو گز دور میں نے جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھیلا نکالا اور تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

پوکھارا کے لیے پہلی بس ساڑھے سات بجے روانہ ہوتی تھی اور ابھی سوا چھ بجے تھے۔ گلیوں سے نکل کر سڑک پر آتے ہی مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی جس نے پون گھنٹے میں مجھے بس اسٹاپ پر پہنچادیا۔ دور کا سفر کرنے والے لوگ بس اسٹاپ پر پہنچنا شروع ہوگئے تھے اور اپنی اپنی منزل کی طرف جانے والی بسوں پر سوار ہو رہے تھے۔ نیپال میں ریل نہیں چلتی۔ بسوں پر ہی سفر ہوتا ہے۔ آمد و رفت کے کچھ اور ذرائع بھی ہیں لیکن زیادہ تر لوگ بسوں پر ہی سفر کرتے ہیں۔

پوکھارا کی طرف جانے والی بسیں بھی اپنے اسٹینڈ پر لائن میں لگی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے والی بس کی نصف سے زیادہ سیٹیں بھر چکی تھیں۔ میں نے بھی بکنگ سے ٹکٹ خریدا اور بس میں سوار ہو کر کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یہ دو مسافروں کی سیٹ تھی۔ کچھ دیر بعد ہی ایک عورت میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دراز قامت، صحت مند اور خوب صورت عورت تھی۔ اس کی عمر کا اندازہ تیس اور پینتیس کے بیچ لگایا جاسکتا تھا۔ اس نے پنڈلیوں تک لمبا اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔ بلاؤز کا گریبان اس قدر فراخ تھا کہ میں کسی اضافی کوشش کے بغیر اندر تک جھانک سکتا تھا۔

وہ عورت غالباً بدھ تھی۔ اس کے پاس بھی کپڑے کا

ایک تھیلا تھا جس میں نجانے کیا کچھ بھرا ہوا تھا۔ تھیلا اس نے گود میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے تھیلا لے کر اوپر ریک میں اپنے تھیلے کے قریب رکھ دیا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ غالباً شکریہ ادا کرنے کے لیے کچھ کہا بھی تھا لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔

بس مقررہ وقت سے پہلے ہی بھر گئی لیکن اس کی روانگی مقررہ وقت پر ہی عمل میں آئی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر رفتار بہت ہلکی رہی لیکن شہر سے نکل کر پرتھوی ہائی وے پر آتے ہی بس کی رفتار تیز ہوگئی۔

بس جب تھان کوٹ پہنچی تو میں سمٹ کر بیٹھ گیا حالانکہ جانتا تھا کہ شوبھا وغیرہ ابھی گہری نیند سو رہی ہوں گی لیکن نجانے مجھے یہ اندیشہ کیوں تھا کہ وہ میرا راستہ روک لیں گی مگر میرا یہ خدشہ بے بنیاد نکلا۔

بس تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف دوڑتی رہی۔ راستے میں کئی قصبے اور بستیاں آتی رہیں۔ بس ہر بستی میں رکتی رہی اور مزید مسافر اس میں بھرتے رہے۔

بس کے اندر مسافر اومنی بس کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ چھت پر بھی کوئی جگہ خالی نہیں رہی تھی۔ اس ہائی وے پر حالانکہ کئی بسیں چلتی تھیں لیکن ہر بس کا یہی حال رہتا تھا۔

سیٹ اتنی کشادہ نہیں تھی کہ دو آدمی سہولت سے بیٹھ سکتے۔ وہ عورت پہلے ہی میری طرف جھکی ہوئی تھی۔ کھڑے ہوئے مسافروں کے دباؤ کی وجہ سے وہ گویا میرے اوپر لدی جارہی تھی۔ وہ زیادہ دباؤ ڈالتی تو میں گھور کر اس کی طرف دیکھنے لگتا۔ جواب میں وہ مسکرا کر رہ جاتی۔

میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ مجھے بڑی شدت سے نیند آرہی تھی۔ میری آنکھیں زبردستی بند ہوئے جارہی تھیں۔ میں کھڑکی کے ساتھ دبا ہوا تھا۔ میرے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت بھی اونگھ رہی تھی۔ میری آنکھ جب بھی کھلتی، اسی عورت کا سر میرے کندھے پر ہوتا۔

کھٹمنڈو سے پوکھارا صرف سوا دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اگر میدانی علاقہ ہوتا تو یہ فاصلہ ڈھائی تین گھنٹوں میں طے ہوسکتا تھا لیکن یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑک بتدریج بلندی کی طرف جارہی تھی۔ جگہ جگہ خطرناک موڑ اور چڑھائی کی وجہ سے بس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

بس دو بجے کے قریب پوکھارا پہنچی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے ہوئے مسافروں کے اترنے کے بعد میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت بھی اٹھ گئی اور جب میں نے کھڑے ہو کر اپنا تھیلا اٹھانے کے لیے اوپر ریک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میرا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ میرا تھیلا وہاں نہیں تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس عورت کو دھکا دے کر سیٹ سے باہر نکلا اور دوسرے مسافروں کو دھکیلتا ہوا بس سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

بس اسٹاپ پر لاتعداد لوگ سامان اٹھائے ادھر ادھر آجارہے تھے۔ مجھے کسی کے پاس ایسا سفید تھیلا نظر نہیں آیا جس پر بچھو کا خاکہ چھپا ہوا ہو۔ کوئی ایسا شخص بھی دکھائی نہیں دیا جس پر میں کسی قسم کا شبہ کرسکتا اور پھر ضروری نہیں تھا کہ کوئی شخص میرا تھیلا لے کر یہیں پر اترا ہو۔ میں تو راستے بھر تقریباً اونگھتا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے، راستے کی کسی بستی میں اترنے والا کوئی شخص میرا تھیلا لے گیا ہو۔

میں بس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ میری وہ ہم سفر عورت بھی بس سے اتر کر میرے قریب آکر رک گئی۔

"کیا بات ہے۔ تم بہت پریشان ہو؟" اس نے ملی جلی ہندی اور نیپالی میں کہا۔

"کوئی مسافر میرا بیگ اٹھا کر لے گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے "سفر میں اپنے سامان کا خیال رکھنا چاہیے۔ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا؟"

"صرف دو جوڑے کپڑے اور ضرورت کی کچھ چیزیں تھیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پردیسی لگتے ہو۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "ٹورسٹ ہو۔ سیر و تفریح کے لیے آئے ہو۔ کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"انا پورنا۔" میں نے جواب دیا "ہمدردی کا شکریہ۔ ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا زیادہ نقصان نہیں ہوا۔"

"مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ کور چون میں رہتی ہوں۔ لاچوک تک ہمارا ساتھ رہے گا۔ کیوں نہ ہم یہاں کسی ہوٹل میں کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اکٹھے ہی کسی بس میں بیٹھ جائیں۔ اکیلا آدمی تو بور ہوجاتا ہے۔ دونوں ساتھ ہوں گے تو باتوں میں وقت کٹ جائے گا۔"

"شکریہ۔" میں نے جواب دیا "میں آج کی رات پوکھارا ہی میں گزارنا چاہتا ہوں۔ تم اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہو۔"

میں ایک طرف چلنے لگا۔ نجانے کیوں اب اس عورت پر مجھے کچھ شبہ سا ہونے لگا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ سیاح ہوں' سیاحوں کو لوٹنے کے لیے بھی بڑے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ خوب صورت عورتیں تو بڑا موثر ہتھیار ثابت ہوتی ہیں۔ یہ عورت بھی خوب صورت ہی تھی۔ ہوسکتا ہے اس نے کھٹمنڈو ہی میں مجھے تاڑ لیا ہو اور جان بوجھ کر میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی حالانکہ اس وقت بس میں اور سیٹیں بھی خالی تھیں۔

کھٹمنڈو کے مقابلے میں یہاں کا موسم زیادہ خوشگوار تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں سے بس بدل کر فوراً ہی اگلے سفر پر روانہ ہوجاؤں گا لیکن تھیلے کی گمشدگی کی وجہ سے آج کا دن اور رات یہیں گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میں بس اسٹاپ سے نکل کر کچھ دور تک پیدل ہی چلتا رہا پھر ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور دوبارہ شہر کی آوارہ گردی شروع کردی۔ اس دوران میں' میں نے ایک عدد تھیلا' دو جوڑے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں بھی خرید لی تھیں۔ شہر میں گھومتے ہوئے ایک بار میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ یہاں کے چیف پولیس آفیسر سے ملاقات کرلی جائے۔ سما لوگ مجھے یہاں تک چھوڑنے آئے تھے تو ان کی رہائش اور واپسی کے انتظامات کے سلسلے میں اس افسر نے میری بڑی مدد کی تھی۔

میں چیف انسپکٹر سے ملاقات کے لیے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا لیکن وہ دفتر میں موجود نہیں تھا۔ میں کوئی پیغام چھوڑے بغیر واپس آگیا۔

شہر میں گھومتے ہوئے میں نے کچھ معلومات بھی حاصل کرلی تھیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تلکو جھیل تک جانے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں تاتا پانی (جہاں گرم پانی کے چشمے ہیں) کھاسا' سیانگ اور تھینی کی طرف ہوتے ہوئے دریائے کیا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا تلکو جھیل تک چلا جاؤں لیکن یہ راستہ بہت طویل تھا۔ اس میں کم از کم تین دن لگ جاتے۔ دوسرا راستہ اناپورنا کے پہاڑی سلسلے میں سے ہو کر جاتا تھا۔ ننٹ پیک تک تو میں آسانی سے بسوں پر سفر کرسکتا تھا۔ اس سے آگے جھیل کی طرف جانے کے لیے مجھے کوئی نہ کوئی قافلہ مل جاتا۔ میں نے یہ دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

شام ہونے سے پہلے پہلے میں نے ایک گیسٹ ہاؤس میں رہائش کا بندوبست بھی کرلیا۔ یہ گیسٹ ہاؤس بندیا دسنی مندر کی طرف دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ اس کے قرب و جوار میں چند اور گیسٹ ہاؤسز بھی تھے۔ یہ جگہ پرسکون بھی تھی اور بارونق بھی۔

میں جس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا تھا وہ دو منزلہ بنگلا نما عمارت تھی۔ اس کی مالکہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اور اس کی رہائش بھی اسی عمارت کے ایک کمرے میں تھی۔ مجھے دوسری منزل پر سامنے کی طرف کارنر کا کمرا ملا تھا۔ سامنے بہت خوب صورت اور وسیع لان تھا جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ لان میں جلتے ہوئے بتی نما قمقموں کی روشنی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ بعض پودوں کی شاخوں میں بھی چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی بتیاں جل رہی تھیں۔

میں کچھ دیر تک کمرے میں بیڈ پر لیٹا رہا پھر کھانے کے وقت اٹھ کر باہر آگیا۔ ڈائننگ روم میں بھی اگرچہ کھانا ہو رہا تھا لیکن میں نے لان میں بیٹھنے کو ترجیح دی۔

کھانے کے بعد میں زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ عجیب سی تھکن ہو رہی تھی۔ کئی روز بعد ایسا ہوا تھا کہ میں گیارہ بجے بستر پر لیٹ گیا۔ اس رات میں نے ریاضت بھی نہیں کی۔ بستر پر لیٹتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

وہ شاید رات کا پچھلا پہر تھا۔ ہلکی سی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں اس وقت سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ میں حرکت کیے بغیر آنکھیں پٹ پٹا کر چھت کو گھورتا رہا۔ دماغ پر نیند کا خمار ہونے کے باوجود میری چھٹی حس کسی غیر معمولی بات کی اطلاع دے رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ بند تھا۔ میں نے گردن گھما کر دوسری طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ کھڑکی کا پردہ پوری طرح ہٹا ہوا تھا اور کھڑکی کے سامنے ایک انسانی ہیولا کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کوئی عورت تھی اور میری طرف پشت کیے کھڑی تھی اور اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔

میرے ذہن میں نیلگری کا خیال ابھرا لیکن وہ اس طرح بے لباس ہو کر کبھی میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ وہ تو چاندنی کا پیکر بن کر آتی تھی۔ یہ شاید میرا کوئی واہمہ تھا۔ میں نے دانتوں میں انگلی دبالی۔ میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ وہ میرا واہمہ نہیں تھا اور نہ ہی میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ دراز قامت عورت کھڑکی کے سامنے میری طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ میرے منہ سے "سی" کی ہلکی سی آواز

سن کر وہ میری طرف پلٹ گئی۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ وہی عورت تھی جو بس میں میری ہم سفر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

میں نے بیڈ سے اٹھنا چاہا تو میرے دماغ میں ایک بار پھر دھماکے سے ہونے لگے۔ شدید سردی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی چلی گئی۔ میرے جسم پر بھی کوئی لباس نہیں تھا۔ میں متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بستر کی چادر مسلی اور سمٹی ہوئی تھی۔ میرے اور اس عورت کے کپڑے پلنگ کی پائنتی کی طرف پڑے تھے۔

وہ عورت نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی میرے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ وہ بھرپور جوان عورت تھی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔

"ہیلو!" وہ بیڈ کے بالکل قریب آگئی۔

"تت..... تم....." میں نے جلدی سے بستر کی چادر اپنے اوپر لپیٹ لی "تم یہاں کیسے۔ میرا مطلب ہے' اندر کیسے آئیں؟" میں بری طرح بدحواس ہو رہا تھا اور میرے منہ سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"حیرت ہے۔" اس نے میری طرف جھکتے ہوئے جواب دیا "تم خود مجھے ساتھ لے کر آئے تھے۔ دو گھنٹے میں تمہارے بستر پر لیٹی رہی اور اب تم پوچھ رہے ہو کہ میں اندر کیسے آئی!"

"جھوٹ بکتی ہو تم۔" میں چھلانگ لگا کر بستر سے اتر گیا اور پتلون اٹھا کر پہننے لگا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ بڑی زبردست سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ یہ بس میں میری ہم سفر ضرور تھی مگر سفر کے دوران میں ہم دونوں میں چند عام سے جملوں کے تبادلے کے سوا کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی اور پھر پوکھارا پہنچ کر ہمارے راستے الگ ہوگئے تھے۔ اس وقت جب اس عورت نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی تھی تو مجھے اسی وقت اس پر شبہ ہوا تھا اور اب یہ شبہ درست نکلا تھا۔ بس اسٹاپ پر اگرچہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے تھے مگر اس نے مجھے تلاش کرلیا تھا لیکن مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ میرے بند کمرے میں کس طرح داخل ہوئی تھی اور کیا کہہ رہی تھی؟ وہ دو گھنٹے میرے ساتھ بستر پر لیٹی رہی تھی۔ ان دو گھنٹوں میں میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ مجھے خود خبر نہیں تھی۔ کیا میں اپنے آپ سے اتنا غافل ہوگیا تھا کہ اپنے اوپر گزرنے والے اتنے بڑے حادثے کی خبر تک نہیں ہوسکی تھی!

نہیں نہیں۔ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ دھوکے باز عورت تھی اور مجھے کسی چکر میں پھنسانا چاہتی تھی۔

میں نے پتلون پہن کر چادر ایک طرف پھینک دی اور بیڈ پر سے اس کے کپڑے اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیے۔

"میں نہیں جانتا کہ تم نے میرا سراغ کس طرح لگایا اور کمرے میں کس طرح داخل ہوئی تھیں۔ اب یہ لباس پہنو اور نکل جاؤ یہاں سے۔ ورنہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔"

"تم مجھے پولیس کے حوالے کرو گے۔" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اچانک ہی مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ میں اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی اور نکیلے ناخنوں سے مجھے نوچنے لگی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے' خود سے الگ ہٹا کر بستر پر پھینک دیا۔ وہ پھر اٹھ کر مجھ پر حملہ آور ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔

اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ سناٹے میں چیخوں کی آواز سن کر گیسٹ ہاؤس کے لوگ جاگ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد راہداری میں شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑدھڑایا جانے لگا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچتا' اس عورت نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کے بارے میں بتانے لگی۔ دو تین آدمی اندر گھس آئے۔ ایک آدمی نے چادر اٹھا کر عورت پر ڈال دی جسے اس نے اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور رو رو کر اپنی مظلومیت جتانے لگی۔

اور تب یہ انکشاف ہوا کہ پنکھی نامی وہ عورت بھی اسی گیسٹ ہاؤس میں میرے ساتھ والے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہ اس وقت گیسٹ ہاؤس میں آئی تھی جب کھانے سے پہلے میں اپنے کمرے میں لیٹا آرام کر رہا تھا۔

پنکھی رو رو کر لوگوں کو بتا رہی تھی کہ وہ آج ہی کھٹمنڈو سے آئی ہے۔ میں بھی اسی بس میں سفر کر رہا تھا۔ میں نے راستے میں بھی اسے پٹانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے مجھے دھتکار دیا تھا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ یہ بدمعاش بھی اسی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہے تو میں کبھی یہاں نہیں آتی۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی "تھوڑی دیر پہلے کسی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ میں تازہ ہوا کے لیے کمرے سے باہر نکلی تو اسی وقت یہ بدمعاش بھی اپنے

کمرے سے نکلا تھا۔ مجھے یہاں دیکھ کر اس کی نیت بدل گئی۔ اس نے پہلے بس میں سفر کے دوران میں اپنے رویے کی معافی مانگی اور مجھے بہلا پھسلا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ میں اس وقت بدحواسی کا شکار تھی۔ کسی سے باتیں کرکے اپنی گھبراہٹ دور کرنا چاہتی تھی۔ میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے کمرے میں آگئی اور اس نے میرا جو حشر کیا ہے وہ آپ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ میں تو اپنے پتی (شوہر) کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔"

"یہ جھوٹ بولتی ہے۔" میں نے چیخ کر کہا "یہ بس میں میری ہم سفر ضرور تھی لیکن میں نے اس سے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی۔ میں سو رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم' یہ میرے کمرے میں کس طرح داخل ہوئی تھی۔ کسی آہٹ سے میری آنکھ کھلی تو یہ....."

"مارو اسے۔ سالا حرامی۔" ایک آدمی چیخا "یہ باہر سے آنے والے لوگ ہماری عورتوں کو لوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ مارو اسے۔"

اور پھر دو تین آدمی مجھ پر پل پڑے۔ میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ کچھ لوگ مجھے بچانے کے لیے بھی لپکے تھے لیکن اس وقت تک میری ٹھیک ٹھاک دھنائی ہو چکی تھی اور پھر کسی نے مشورہ دیا کہ مجھے پولیس کے حوالے کردیا جائے۔

پولیس کو فون کردیا گیا اور ایک گھنٹے بعد میں تھانے میں موجود تھا۔ یہاں بھی ہر پولیس والا حسب توفیق میری تواضع کرتا رہا۔

وہ عورت بھی چند دوسرے لوگوں کے ساتھ تھانے آئی تھی۔ اسے تو گیسٹ ہاؤس واپس بھیج دیا گیا لیکن اس بات کا پابند کردیا گیا کہ پولیس کی اجازت کے بغیر وہ گیسٹ ہاؤس نہیں چھوڑے گی اور مجھے حوالات میں بند کردیا گیا کہ میری قسمت کا فیصلہ آفیسر انچارج ہی کرے گا جو اس وقت اپنے گھر پر سو رہا تھا۔

میں حوالات کی کوٹھری میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اس نئی صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ شاید میری قسمت ہی روٹھ گئی تھی جو کچھ عرصے سے میں اسی طرح مصائب کا شکار ہو رہا تھا۔ پولیس سے پٹنا تو گویا ایک معمول بن چکا تھا۔

میں پنکھی نامی اس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے ساتھ چند گھنٹوں کا سفر ہی قیامت بن گیا تھا لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ پنکھی کو مجھ سے کیا دشمنی تھی۔ اس قسم کی عورتیں عام طور پر پیسے کے لیے مردوں کو پھانستی ہیں۔ اس نے بھی مجھے تاک لیا تھا اور کسی طرح سراغ لگالیا تھا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔

کمرے میں میرا رویہ دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھ سے اسے کچھ نہیں ملنے کا۔ میرے ڈانٹنے پر اس نے شور مچا کر لوگوں کو جمع کرلیا۔ ایک جھوٹی کہانی سنا کر خود تو مظلوم بن گئی اور لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرلیں اور میں سلاخوں کے پیچھے بیٹھا اپنی تقدیر کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔

انسپکٹر صبح چھ بجے کے قریب تھانے میں آیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اس کے سامنے پیش کردیا گیا۔

انسپکٹر کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ یہ وہی انسپکٹر تھا جو سما اور اس کے ساتھیوں کی رہائش و خوراک کا انتظام کرنے کے سلسلے میں میرے ساتھ رہا تھا۔ میں نے تو فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکا تھا کیونکہ جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو اس وقت میرا حلیہ بہت بگڑا ہوا تھا۔ شیو اور سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے اور میرا لباس بھی مختلف تھا۔

میں انسپکٹر کے سامنے کھڑا تھا اور وہ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ قریب کھڑا ہوا سب انسپکٹر اسے میرے جرم کی تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

"تم نے مجھے پہچانا نہیں آفیسر۔ میں ہمت سنگھ ہوں۔" بالآخر میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نام سنا ہوا ہے۔" وہ غرایا "پہلے کس جرم میں پکڑے گئے تھے؟"

"میں انسپکٹر برندرا کا دوست ہوں۔" میں نے کہا "تمہیں یاد ہوگا' چند مہینے پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ میرے ساتھ کچھ قبائلی لوگ....."

"اوہ تم....!" وہ اچھل پڑا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا "لیکن یہ کیا قصہ ہے۔ کیا واقعی یہ درست ہے؟"

"یہ سب جھوٹ ہے آفیسر۔" میں نے کہا اور پھر اسے پنکھی کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔

"وہ عورت کہاں ہے؟" میری بات ختم ہونے پر اس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"گیسٹ ہاؤس میں سر۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"اسے لے کر آؤ اور پہلے ٹھنڈا پانی اور چائے بھجواؤ۔" انسپکٹر نے اپنے ماتحت کو حکم دیا۔

سب انسپکٹر سلیوٹ کرکے فوراً ہی باہر نکل گیا۔ انسپکٹر نے مجھے کرسی پر بٹھایا۔ کچھ ہی دیر بعد چائے اور جگ میں

ٹھنڈا پانی آگیا۔ میں نے دو گلاس پانی پیا اور پھر بے تکلفی سے چائے کا کپ اٹھالیا۔ انسپکٹر بھی اپنا کپ اٹھا کر چسکیاں لے رہا تھا۔ ہم پہلے برندرا کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر انسپکٹر نے پہاڑوں میں سما اور اس کے ساتھیوں پر حملے کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ سما زندہ ہے اور گھنٹہ ڈو میں ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد سب انسپکٹر پنکھی کو لے آیا۔ مجھے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"اس سے پوچھو کیا قصہ ہے؟" انسپکٹر نے اپنے ماتحت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جب تک یہ سچ نہ اُگلے اس پنکھی کو پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکا کر پنکھا چلائے رکھو۔"

"میں۔ میں بتاتی ہوں سر۔ سب۔۔۔ سب کچھ بتا دوں گی۔" پنکھی نے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ پولیس کی مار کے خوف سے ہی کانپ اٹھی تھی۔

پنکھی کے کہنے کے مطابق وہ ایک طوائف تھی۔ گزشتہ روز صبح پانچ بجے ایک آدمی اس کے گھر آیا تھا اور ایک بڑی رقم دے کر اسے اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ مجھے لوگوں کے سامنے ذلیل کرے گی اور مجھے پوکھارا سے آگے جانے سے روکے گی۔ مجھے کسی ایسے معاملے میں الجھا دے گی کہ میں زیادہ سے زیادہ دن یہاں پھنسا رہوں۔

وہ شخص بس اسٹاپ تک اس کے ساتھ آیا تھا اور یہاں آتے ہی اس نے اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ میں اس وقت بس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دور سے میری نشان دہی کرکے چلا گیا تھا۔

پنکھی نے بس میں سفر کے دوران میں پہلے میرا بیگ چوری کروایا۔ ایک چھوٹی سی بستی میں بس رکی۔ کچھ مسافر اپنا سامان لے کر اترے تو پنکھی نے میرا بیگ بھی نیچے پھینک دیا۔ لوگ یہی سمجھے کہ وہ بیگ اترنے والے مسافروں کے سامان میں شامل ہے۔

پوکھارا پہنچ کر اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوسکی اور چھپ کر میرا پیچھا کرتی رہی۔ اس نے بھی اسی گیسٹ ہاؤس میں کمرا لے لیا اور اس خیال سے اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی کہ میری نظروں میں نہ آجائے۔

اتفاق سے اسے میرے ساتھ والا کمرا ملا تھا۔ آدھی رات کے وقت جبکہ گھرا سناٹا تھا' وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ میں نے سونے سے پہلے دروازے کا ہتھنی قفل اندر سے لاک کرلیا تھا۔ اس نے ہیئر پن کی مدد سے باہر سے لاک کھول لیا اور اندر آگئی۔

میں تھکا ہوا تھا اور گہری نیند میں تھا۔ اس نے کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال میری ناک کے سامنے لاکر فوراً ہی ہٹالیا۔ مجھے آہستگی سے ہلا کر دیکھا اور میرے کپڑے اتار کر ایک طرف ڈال دیے اور خود بھی کپڑے اتار کر میرے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگی۔

کلوروفارم کا صرف اتنا اثر ہوا تھا کہ میں تقریباً دو گھنٹوں تک اٹنا غفیل رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر آہٹ پیدا کی اور کھڑکی کے قریب جاکر کھڑی ہوگئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق میں اسے کمرے میں دیکھ کر بدحواس ہوگیا اور اس کے بعد وہی ہوا جو وہ چاہتی تھی لیکن یہاں بازی پلٹتی دیکھ کر وہ خود بدحواس ہوگئی۔

اس نے اس شخص کا جو حلیہ بتایا تو میں اچھل پڑا۔ اب مجھے کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ پنڈت دھیراج تھا جو خود تو میرے قریب نہیں آسکا تھا لیکن مجھے رد کرنے کے لیے اس نے ایک طوائف کی خدمات حاصل کی تھیں۔ وہ مجھے گوپومُدھ عبادت گاہ جانے سے روکنا چاہتا تھا لیکن شاید میرے اندر کی قوتیں بھی میری حفاظت کر رہی تھیں۔

اس روز بہرحال' میں اپنے سفر پر روانہ نہیں ہوسکا۔ میں سب انسپکٹر کے ساتھ گیسٹ ہاؤس واپس آگیا۔ لوگوں کو جب اصل بات کا پتا چلا تو انہوں نے مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگی اور پنکھی کو برا بھلا کہنے لگے۔

میں ناشتا کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔

دروازہ دھڑدھڑائے جانے کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ دروازہ اس طرح دھڑدھڑایا جارہا تھا کہ اگر کچھ دیر مزید نہ کھولا گیا تو اسے توڑ دیا جائے گا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔

"کوئی نئی مصیبت؟"

میں بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو ایک نہیں' دو مصیبتوں کو دیکھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ انہیں دیکھ کر حقیقتاً میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔

وہ شوبھا اور دھنو تھیں۔

وہ دونوں مجھے دھکیلتی ہوئی اندر آگئیں اور والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئیں۔ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا اور راہداری میں کھڑے ہوئے لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم ہم سے تنگ آگئے ہو جو اس طرح چوری چھپے وہاں سے بھاگے تھے۔" شوبھا نے میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں چھوڑنے کا خیال دل میں لا سکتے ہو لیکن ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟" دھنو کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیر تک مجھ سے لپٹی رہیں پھر مجھے بیڈ پر دھکیل دیا۔

"دھنو۔ تم اس کی اچھی طرح خبر لو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" شوبھا یہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

اس کی واپسی میں تقریباً دس منٹ لگے تھے۔ اس نے ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا جسے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک کرسی پر ڈال دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد گیسٹ ہاؤس کی ایک ویٹریس چائے لے آئی۔ چائے کے لیے شوبھا کہہ کر آئی تھی۔

وہ دونوں بڑے پرجوش انداز میں گلے شکوے کر رہی تھیں کہ میں انہیں چھوڑ کر کیوں چلا آیا تھا؟

"لیکن تم لوگوں کو میرے بارے میں پتا کیسے چلا اور سیدھی یہاں کیسے آ گئیں؟" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عورت کے آنسوؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے ہمت سنگھ جی۔" شوبھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اس رات برندرا نے دعوت کی تھی۔ اگلے روز تم غائب ہو گئے تو مجھے شبہ ہوا۔ کل رات میں نے برندرا کو گھیر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تمہارے پروگرام سے واقف ہے۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا پھر میرے آنسو دیکھ کر وہ پگھل گیا۔ اس نے بتا دیا کہ تم کہاں جا سکتے ہو۔ اس نے ہمارے لیے گاڑی کا بندوبست کر دیا اور صبح سویرے دو آدمیوں کے ساتھ اس طرف روانہ کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہمارے ڈرائیور نے عقل مندی یہ کی کہ یہاں آتے ہی سب سے پہلے اس نے مقامی پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا۔ وہ کچھ اور معلومات بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے اس پولیس اسٹیشن سے تمہارے بارے میں معلوم ہو گیا اور ہم سیدھے یہاں چلے آئے لیکن تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ کس سے مار پیٹ ہوئی تھی؟"

"ایک عورت سے۔" میں نے جواب دیا اور پھر اسے گزشتہ رات کے بارے میں بتانے لگا۔

"کون ہے وہ۔ مجھے بتاؤ۔ میں اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گی۔ تم پر ایسا شرمناک الزام۔۔۔" شوبھا بھڑک اٹھی۔

"وہ پولیس کی حراست میں ہے۔" میں نے جواب دیا "لیکن قصور اس کا بھی نہیں ہے۔ وہ خود بھی شیطانی قوت کے زیر اثر تھی۔ یہ ساری شرارت دراصل پنڈت دھیراج کی تھی جو مجھے آگے جانے سے روکنا چاہتا تھا۔"

"لیکن تم کون سے خزانے کی تلاش میں جا رہے ہو جو وہ تمہیں روکنا چاہتا ہے؟" شوبھا بولی۔

"وہ خزانہ ہی ہے۔ دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ۔۔۔ نیلگری جس کے لیے یہ جنگ لڑی جا رہی ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اسی لیے تم لوگوں کو بتائے بغیر گھر سے نکلا تھا۔ یہ ایک خطرناک مہم ہے۔ اس میں جان جانے کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں نے میری خاطر پہلے ہی بہت مصیبتیں اٹھائی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ۔۔۔"

"تم ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو۔" اس مرتبہ دھنو نے میری بات کاٹ دی۔

میں نے دھنو کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جسے میں کوئی نام نہیں دے سکا۔

میرے لیے اب مجبوری یہ تھی کہ میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں ان سے چوری چھپے نکلا تھا اور وہ میرے پیچھے چلی آئی تھیں۔ اگر میں آگے جا چکا ہوتا تب بھی وہ میرا پیچھا کرتیں۔ انہیں کچھ سمجھانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ پورا دن ہم نے کمرے ہی میں گزارا۔ گیسٹ ہاؤس میں ایک بھی کمرا خالی نہیں تھا۔ میں نے بوڑھی مالکہ سے کہہ دیا کہ ہم تینوں اسی ایک کمرے میں رہ لیں گے۔ وہ اضافی کرایہ وصول کر لے۔

شام کو ہم شہر کی سیر کو نکل گئے۔ اس دوران میں ضرورت کی کچھ اور چیزیں بھی خریدی گئیں۔ ایک دکان پر خریداری کے دوران میں مجھے ایک بہت اچھا خنجر نظر آ گیا۔ اس خنجر کے ایک طرف دھار تھی اور دوسری طرف باریک دندانے تھے۔ میں نے وہ خنجر خرید لیا۔ پنڈلی پر باندھنے والا چمڑے کا اسٹریپ بھی کہیں کھو چکا تھا۔ ایک جفت ساز کی دکان پر بیٹھ کر میں نے اپنی مرضی کے مطابق اسٹریپ بھی بنوا لیا اور خنجر کو اس میں اڑس لیا۔

رات کا کھانا بھی ہم نے بازار کے ایک ریسٹورنٹ میں کھایا اور دس بجے کے قریب گیسٹ ہاؤس واپس آ گئے۔ اس پولیس انسپکٹر اور چیف انسپکٹر کو لان میں بیٹھے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ چیف انسپکٹر مجھ سے اس طرح ملا جیسے سگا بھائی برسوں سے بچھڑا ہوا ہو۔ گیسٹ ہاؤس کی مالکہ، ملازمین اور دوسرے

لوگ عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

"شام کو فون پر برندرا سے بات ہوئی تھی۔" چیف نے کہا "اس نے بتایا تھا کہ تم لوگ نیلگری کی طرف جانا چاہتے ہو۔ مجھے بتاؤ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

پہلے تو میں نے سوچا کہ اس کی محبت اور ہمدردی کا شکریہ ادا کر کے ٹال دوں لیکن اچانک ہی خیال آیا کہ دن بڑی تیزی سے گزرتے جا رہے ہیں۔ بسوں پر سفر کرنے میں مزید وقت ضائع ہو گا اس لیے اس کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "ہماری منزل تو بہت دور نیلگری کی برف پوش چوٹیوں میں ہے لیکن تم نٹ پیک تک جانے میں ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"نٹ پیک۔ تمہارا مطلب ہے، انا پورنا؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا "لیکن اگر کوئی مسئلہ۔۔۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی "تم لوگ کب روانہ ہونا چاہتے ہو؟"

"کل صبح۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ صبح سات بجے گاڑی یہاں پہنچ جائے گی۔" چیف انسپکٹر نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔

چیف انسپکٹر، برندرا کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ وہ دونوں پرائمری اسکول سے کالج تک کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ پولیس میں بھی ایک ہی روز بھرتی ہوئے تھے۔ برندرا کو ترقی کے لیے کئی مواقع ملے لیکن وہ کرسی پر بیٹھ کر کلرک کی طرح کام کرنے کے بجائے عمل و حرکت کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایکشن میں رہنا پسند کرتا تھا اس لیے ہر مرتبہ اس نے پروموشن حاصل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ دونوں آدھی رات تک ہمارے پاس بیٹھے رہے اور پھر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔

کمرے میں آ کر بھی ہم تینوں دیر تک جاگتے رہے۔ دھنو اور شوبھا پلنگ پر لیٹ گئیں اور میں سیٹی پر دراز ہو گیا اور پھر باتیں کرتے کرتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا تھا۔

صبح چھ بجے ہم اٹھ گئے۔ تیار ہو کر ناشتا کر رہے تھے کہ ہمیں لینے کے لیے گاڑی پہنچ گئی۔ وہ بہت شان دار فورویل ڈرائیو لینڈ کروزر تھی۔ پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں لمبے سفر کے لیے ایسی ہی گاڑیاں کامیاب رہتی ہیں۔ ڈرائیور کے ساتھ سادہ لباس میں ایک اور آدمی بھی تھا۔

رخصت ہوتے وقت جب میں بل کی ادائیگی کے لیے کاؤنٹر پر پہنچا تو بوڑھی مالکہ نے بل لینے سے انکار کر دیا۔

"ہم چیف کے مہمانوں سے بل وصول نہیں کر سکتے۔" بوڑھی مالکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میرے اصرار کے باوجود اس نے بل نہیں لیا۔

شوبھا اور دھنو گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی جس پر میں بیٹھ گیا۔ دوسرا آدمی سب سے پیچھے والی سیٹ پر تھا۔

گاڑی حرکت میں آ کر ہلکی رفتار سے شہر کی سڑکوں پر گھومنے لگی۔ دکانیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہمارے محافظ رامانے ایک دو جگہوں پر گاڑی رکوا کر کچھ چیزیں خرید لی تھیں۔ آخری مرتبہ گاڑی شہر کے نواح میں ایک پیٹرول پمپ پر روکی گئی۔ گاڑی کا ٹینک فل کروانے کے علاوہ دس دس لیٹر کے پانچ کین بھی پیٹرول سے بھروا لیے گئے اور پھر گاڑی شہر سے نکل کر ہنگ جا کی طرف جانے والے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

سڑک کشادہ اور پختہ تھی۔ دیگر گاڑیوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ ہنگ جا کا فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن مسلسل چڑھائی کی وجہ سے یہ فاصلہ دو گھنٹوں میں طے ہوا۔

ہنگ جا ایک بڑا قصبہ تھا۔ وہاں سے پختہ سڑک نوڈنڈا نامی قصبے کی طرف مڑ گئی تھی لیکن ہمیں جس طرف جانا تھا وہاں پکی سڑک نہیں تھی بلکہ اسے سڑک کہا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ایک پتھریلا راستہ تھا جو پہاڑوں میں بل کھاتا ہوا بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے گاڑی کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں رہی تھی۔

پانچ بجے کے قریب ہم گھانا رنگ نامی بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ایک راستہ نٹ پیک کی طرف چلا گیا تھا اور دوسرا گورے پانی کی طرف۔۔۔ یہ راستہ پہاڑوں میں بل کھاتا ہوا میلوں آگے گرم پانی کے چشموں کے علاقے سے ہوتا ہوا دھول گری کے پہاڑی سلسلے کی طرف چلا گیا تھا۔

آسمان پر بادل تو صبح ہی سے ہو رہے تھے۔ ہم گھانا رنگ پہنچے تو ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ بستی کے کھیا نے ہمیں آگے جانے سے منع کر دیا۔ ان پہاڑی علاقوں میں بارش کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ یہ خوشگوار ہلکی بوندا باندی موسلا دھار طوفانی بارش میں بھی بدل سکتی تھی۔ تیز بارش میں پانی سیلابی ریلوں کی طرح بہنے لگتا تھا اور آمد و رفت کے

راستے بھی پانی میں ڈوب جاتے تھے۔ ایسے میں سفر جاری رکھنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

یورپین سیاحوں کی ایک اور پارٹی بھی یہاں رک گئی تھی۔ اس پارٹی میں دو عورتیں اور تین مرد شامل تھے۔ ان دور دراز پہاڑی راستوں پر یا تو وہ لوگ سفر کرتے تھے جو ان پہاڑوں میں واقع چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد تھے یا مہمات کے شوقین غیر ملکی سیاح اور ان میں بھی زیادہ تر یورپین باشندے ہوتے تھے۔

اس چھوٹی سی بستی میں ظاہر ہے کہ کوئی سرائے یا ہوٹل نہیں تھا۔ یورپین سیاحوں کو ایک مکان میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ہمیں بھی ایک مکان میں پہنچا دیا گیا جو صرف دو کمروں پر مشتمل تھا۔ یہاں ایک بوڑھا کاشت کار اپنی بیوہ بیٹی کے ساتھ رہ رہا تھا جس کی عمر پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

ایک کمرے میں وہ باپ بیٹی رہ رہے تھے۔ دوسرا ہمیں دے دیا گیا۔ ڈرائیور اور رامانے لینڈ کروزر ہی میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

رات کا کھانا شام ہونے سے پہلے ہی کھالیا گیا تھا۔ بوڑھے کی بیٹی نے چاول ابال لیے تھے۔ کھانے کی کچھ چیزیں ہمارے پاس بھی تھیں۔ ہم نے ان میں سے کچھ چیزیں بوڑھے کے حوالے کردیں اور کچھ پیسے بھی دے دیے تھے۔ بوڑھا خوش ہوگیا۔

رات کو تقریباً دو گھنٹوں تک طوفانی بارش ہوتی رہی اور پھر آسمان اس طرح صاف ہوگیا جیسے کبھی بادلوں کا نام و نشان ہی نہ رہا ہو۔

صبح ہم نو بجے سے پہلے روانہ نہیں ہوسکے تھے۔ یورپین سیاحوں کی وہ پارٹی ہم سے پہلے ہی روانہ ہوچکی تھی۔

اب ہمارا سفر خاصا دشوار ہوگیا تھا۔ جگہ جگہ برساتی نالے اب بھی زور و شور سے بہہ رہے تھے۔ کئی جگہ سڑک بھی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسی جگہوں پر ڈرائیور بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

ہمارا سفر دریائے موڈی کھولا کے ساتھ ساتھ جاری تھا۔ تقریباً پچاس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں ہینکو نامی بستی میں ایک بار پھر رک جانا پڑا۔ یورپین سیاحوں کی پارٹی بھی وہاں رکی ہوئی تھی۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ بستی سے تقریباً ایک میل آگے ایک برساتی نالے کا پل ٹوٹ گیا ہے اور جب تک نالے کا پانی نہیں اترے گا، ہم آگے نہیں جاسکیں گے۔

اس روز ہم ہینکو نامی اس بستی سے آگے نہیں جاسکے تھے۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر پھر بادل نمودار ہونے لگے اور ہم دعا مانگتے رہے کہ مزید بارش نہ ہو۔

شام کے قریب نالے کا پانی اترنا شروع ہوگیا لیکن اس وقت بھی وہ نالا پار کرنے کی کوشش کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ رات بھی ہم نے اس بستی میں گزاری۔ صبح ہم جلدی اٹھ گئے۔ یورپین سیاحوں کی پارٹی بھی روانگی کے لیے تیار ہورہی تھی اور پھر ہم لوگ تقریباً اکٹھے ہی روانہ ہوئے تھے۔ ایک میل آگے وہ نالا تھا جس کا پل ٹوٹا ہوا تھا۔ پل سے بائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر نالے کا پاٹ بہت چوڑا تھا جس میں بہت ہلکا پانی بہہ رہا تھا۔

یورپین سیاحوں کی گاڑی نالے میں اتری تو ہم نے بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے ہی ڈال دی۔ اگر میدانی علاقہ ہوتا تو کیچڑ میں نالا پار کرنا مشکل ہوجاتا مگر یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ نالے کی تہ میں بھی پتھر بچھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ راستہ پار کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

ہم اس وقت دریا کے کنارے کے بالکل ساتھ ساتھ سفر کررہے تھے۔ راستہ بڑا خطرناک تھا۔ ایک طرف ساٹھ ستر فٹ نیچے ڈھلان میں دریا بہہ رہا تھا اور دوسری طرف سڑک کے بالکل ساتھ ساتھ ہزاروں فٹ بلند سنگلاخ چٹانیں تھیں۔ وہ راستہ بھی اتنا چوڑا تھا کہ دو گاڑیاں بمشکل ایک دوسرے کو کراس کرسکتی تھیں۔

یورپین سیاحوں کی ویگن بھی ہم سے تقریباً پچاس گز آگے جارہی تھی۔ سڑک کے بائیں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین تین فٹ اونچے ستون سے لگے ہوئے تھے۔ ان سے آگے ڈھلان شروع ہوجاتی تھی جو دریا تک چلی گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور میں اپنی سیٹ پر اچھل پڑا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ ہماری گاڑی کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ آگے جانے والی سیاحوں کی ویگن کا ایک ٹائر برسٹ ہوگیا تھا اور ویگن لہراتی ہوئی چٹان کی طرف کنارے پر رک گئی تھی۔

ہمارے سامنے نشیب تھا۔ اس دھماکے کی پرشور آواز سے ہمارا ڈرائیور بھی اس طرح اچھل کر بدحواس ہوا تھا کہ اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ یہ ذرا سی غفلت خطرناک ثابت ہوئی اور گاڑی سڑک پر لہراتی ہوئی کنارے کے ایک ستون سے ٹکرا کر ایک دم مڑ گئی۔

اچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دھنو اور شوبھا بری طرح چیخنے

لگیں۔ آخری سیٹ پر بیٹھے ہوئے رامانے پچھلا دروازہ کھول کر چھلانگ لگادی۔

گاڑی، ڈرائیور سے بے قابو ہوکر تیزی سے دریا کی طرف ڈھلان پر اتر رہی تھی۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ ڈھلان تقریباً پینتالیس کے زاویے پر تھی۔ اگر زیادہ عمودی ہوتی تو گاڑی اب تک قلابازیاں کھاچکی ہوتی۔

"گاڑی سنبھالو۔ بریک لگاؤ۔" میں چیخ اٹھا۔

ڈرائیور نے اسٹیئرنگ تو سنبھال لیا لیکن وہ اس قدر بدحواس تھا کہ اس نے بریک کے بجائے ایکسلی ریٹر پر پیر رکھ دیا۔ گاڑی کی رفتار ایک دم بڑھ گئی۔

میں نے سامنے دیکھا اور میرے دماغ کو ایک اور زور دار جھٹکا لگا۔ پنڈت دھیراج دریا کے پانی پر اس طرح کھڑا تھا جیسے پختہ فرش پر کھڑا ہو۔ اس کے بدن پر مختصر سا لنگوٹ تھا اور سر پر پگڑی۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے کو اس طرح پھیلا رکھے تھے جیسے کسی کو آغوش میں لینے کو تیار ہو۔

میں نے سر جھکا کر ڈرائیور کے پیروں کی طرف دیکھا۔ میرے پیٹ میں ناف کے قریب گرہیں سی پڑنے لگیں۔ میرے اندر کی شکتی بیدار ہوگئی تھی۔ میری آنکھوں سے مقناطیسی لہریں سی خارج ہونے لگیں۔ ڈرائیور کا پیر ایکسلی ریٹر سے ہٹ گیا اور کلچ پلیٹ خود بخود آہستہ آہستہ نیچے دبنے لگی۔

گاڑی کی رفتار کم ہوگئی لیکن بہت دیر ہوچکی تھی۔ دریا کا پانی اب صرف چند فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سامنے دیکھا۔ پنڈت دھیراج اب بھی پانی کی سطح پر کھڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اب وحشت سی ابھر آئی تھی۔ میں نے اپنی نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ہمارے درمیان اگرچہ تیس چالیس فٹ کا فاصلہ تھا لیکن لگتا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کے سامنے ایک ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوں۔

پنڈت دھیراج اس طرح لڑکھڑایا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں وحشت پھیلتی چلی گئی۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نہیں پانی نکل رہا تھا اور وہ آہستہ آہستہ پانی میں دھنس رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ لہراتے ہوئے چیخ رہا تھا لیکن وہ آہستہ آہستہ پانی میں دھنستا رہا اور بالآخر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کی پیلے رنگ کی پگڑی پانی کی سطح پر تیرتی رہ گئی تھی۔

میں نے پنڈت دھیراج کو اگرچہ اس کی شرارت کا مزہ چکھا دیا تھا لیکن وہ اپنا کام بھی کرگیا تھا۔

دھنو اور شوبھا کی چیخوں میں سٹراپ کی پرشور آواز کے ساتھ لینڈ کروزر پانی میں اترگئی۔ ڈرائیور نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی اور پانی میں ہاتھ پیر مارنے لگا۔

لینڈ کروزر میں پانی بھرنے لگا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگی۔ میں اپنی سیٹ پر سے چھلانگ لگا کر پیچھے آگیا۔

باہر پانی کے دباؤ کی وجہ سے میں بڑی مشکل سے دروازہ کھول سکا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی شوبھا باہر جاگری اور ہاتھ پیر مارتے ہوئے چیخنے لگی۔

شوبھا کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے ہی چھلانگ لگادی اور شوبھا کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

دھنو بھی گاڑی سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ وہ ایک ماہر تیراک تھی۔ میرے چیخنے پر اس نے شوبھا کو سنبھال لیا اور میں ڈرائیور کی طرف لپکا جو غوطے کھا رہا تھا۔

یورپی سیاحوں نے ہماری گاڑی کو ڈھلان پر اترتے اور پانی میں گرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی ڈھلان پر دوڑے آرہے تھے۔ قریب پہنچ کر ایک جوان عورت اور ایک مرد نے دریا میں چھلانگ لگادی۔

وہ دونوں بھی اچھے تیراک تھے۔ ان کی مدد سے ہم ڈرائیور اور شوبھا کو آسانی سے دریا سے نکال لائے۔

شوبھا ٹھیک تھی۔ وہ محض خوف زدہ تھی۔ اسے یورپین عورت اور دھنو نے سنبھال لیا تھا۔ ڈرائیور نے اچھے خاصے غوطے کھائے تھے۔ اس کے پیٹ میں پانی بھرگیا تھا۔ یورپین آدمی جس نے اسے پانی سے نکالنے میں میری مدد کی تھی، اسے اوندھا لٹا کر اس کے پیٹ سے پانی نکالنے کی کوشش کررہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں حواس میں آسکے تھے۔ ڈرائیور کو اب رامانے سنبھال لیا تھا۔ شوبھا، دھنو کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

ہم سب دریا میں اس جگہ کو دیکھ رہے تھے جہاں ہماری لینڈ کروزر گری تھی۔ گاڑی اب دریا کی تہ میں بیٹھ چکی تھی اور پانی کی سطح بالکل پرسکون تھی تاہم ہماری کچھ چیزیں پانی کی سطح پر تیر رہی تھیں۔ ان میں ہمارے وہ دونوں بیگ بھی شامل تھے۔

میں نے ایک بار پھر دریا میں چھلانگ لگادی اور وہ دونوں بیگ نکال لایا۔

ان سیاحوں کا تعلق فرانس سے تھا۔ وہ کوہ پیما تھے اور انا پورنا کی پہلی چوٹی سر کرنے جارہے تھے۔ انا پورنا بہت طویل پہاڑی سلسلہ تھا۔ اس کی چھ چھ چوٹیاں تھیں جن میں انا پورنا ون سب سے زیادہ بلند (تقریباً چھبیس ہزار فٹ) تھی۔ اس چوٹی کو سر کرنے کے بعد وہ ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کرنے کی کوشش کرتے۔

دریا کے کنارے پر کھڑے رہ کر گاڑی کا ماتم کرنا بے کار تھا۔ ہم ان یورپین سیاحوں کے ساتھ سڑک پر آگئے۔ ابھی تک انہوں نے اپنی گاڑی کا ٹائر تبدیل نہیں کیا تھا کیونکہ ٹائر برسٹ ہونے کے فوراً ہی بعد ہماری گاڑی کو حادثہ پیش آچکا تھا۔ سب لوگ اسے حادثہ ہی سمجھ رہے تھے لیکن میں اس کی اصلیت سے واقف ہوچکا تھا۔

گوتم بھوش، نیلگری کو حاصل کرنے کے لیے چاپ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہر صورت میں یہ چاپ پورا کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ میں اسے چاپ پورا نہیں کرنے دوں گا۔ اس نے مجھے روکنے کے لیے اپنے چیلے چھوڑ رکھے تھے۔ پنڈت دھیراج اس کا خاص چیلا تھا اور وہ مجھے ہر طرح سے روکنے کی کوشش کررہا تھا اور یہ بھی ایک ایسی ہی کوشش تھی۔ وہ ہمیں دریا میں غرق کردینا چاہتا تھا۔ وہ اگرچہ اپنی اس گھناؤنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا تاہم ہماری منزل کھوٹی کرنے میں کسی حد تک کامیاب ضرور ہوا تھا۔

ویگن میں کوہ پیمائی کا سامان بھرا ہوا تھا۔ چھت پر بھی کچھ سامان لدا ہوا تھا۔ پانچ افراد وہ تھے اور پانچ ہی ہم تھے لیکن کسی نہ کسی طرح ہمارے بیٹھنے کی گنجائش نکل آئی۔ میں نے پانی میں بھیگے ہوئے اپنے دونوں بیگ ویگن کی چھت پر رکھ دیے تھے۔

ہم بتدریج بلندی کی طرف جارہے تھے۔ سطح سمندر سے تقریباً اکیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع میلوں دور تک پھیلے ہوئے انا پورنا نیشنل پارک سے ہوتے ہوئے سہ پہر کے قریب ہم ٹنٹ پیک پہنچ گئے۔ انا پورنا سلسلۂ کوہ کی یہ پہاڑی چوٹی بھی سطح سمندر سے تقریباً بیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھی۔ اس کے دامن میں وہ بستی تھی جو ہماری منزل ٹھہری تھی۔ یہاں پر وہ سڑک بھی ختم ہوجاتی تھی۔ آگے تلکو جھیل یا نیلگری کی طرف جانے کے لیے کوئی باقاعدہ سڑک یا راستہ نہیں تھا۔

یہ بستی کافی بڑی تھی۔ انا پورنا نیشنل پارک کی سیر کرنے اور اس سلسلے کی بلند ترین چوٹی سر کرنے کے لیے غیر ملکی سیاح اسی طرف آتے رہتے تھے اس لیے اس بستی میں سیاحوں کے لیے کچھ سہولتیں بھی موجود تھیں۔

اس بستی میں سرائے نما دو ہوٹل تھے۔ ایک سرائے میں ہمیں دو کمرے مل گئے۔ یورپین سیاح دوسری سرائے میں چلے گئے تھے۔ سرائے میں آتے ہی ہم نے بیگ کھول کر تمام چیزیں کھلی جگہ پر پھیلا دیں۔ کپڑوں سے ابھی تک پانی نچڑ رہا تھا۔

یہاں اچھی خاصی سردی تھی۔ ہمارے پاس وہی کپڑے تھے جو بھیگ چکے تھے لیکن ان میں بھی گرم کپڑا کوئی نہیں تھا۔ مختصر سے بازار کی ایک دکان سے ہمیں یاک کی کھال کی جیکٹس مل گئیں۔

اگلے روز ایک بس واپس جانے والی تھی۔ ڈرائیور اور راما کو واپس بھیج دیا گیا۔ میں نے کل شام ہی کو تلکو جھیل کے لیے کسی قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کردی تھی لیکن کوئی امید افزا خبر نہیں ملی تھی۔ صبح سرائے میں ناشتا کرتے ہی میں پھر اپنی اس مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

کئی لوگوں سے رابطے کے بعد پتا چلا کہ دو دن بعد ایک قافلہ تلکو کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ مجھے رستوگی نام کے ایک آدمی سے رابطہ کرنے کو کہا گیا جو یہ قافلہ تیار کررہا تھا۔

رستوگی بستی کے ایک قہوہ خانے میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ وہ درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ عقیدے کے لحاظ سے وہ بدھا کا پیروکار تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ وہ کوئی تجارت پیشہ آدمی ہوگا جو ان اونچے پہاڑوں میں آباد چھوٹی چھوٹی بستیوں میں مال تجارت لاتا اور لے جاتا ہوگا لیکن اس کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ وہ صرف رہنما تھا۔ ٹنٹ پیک سے انا پورنا کی بلند ترین چوٹی، تلکو جھیل اور مانانگ میں دریائے مارسیاندی کے کنارے پر واقع بارگو نامی ایک قدیم بدھ عبادت گاہ تک جانے والے لوگوں کی رہنمائی کرتا تھا جس کے عوض اسے کچھ معقول معاوضہ مل جاتا تھا۔ اب یہ حالات پر منحصر ہوتا تھا کہ کس طرف جانے والا کوئی قافلہ پہلے تیار ہوتا ہے۔

اتفاق سے اس وقت تین افراد ایسے تھے جو تلکو جھیل کی طرف جانے کو تیار تھے۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر امریکی عورت تھی۔ وہ ایک مصنفہ تھی جو دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت پر کئی کتابیں لکھ چکی تھی۔ مارتھا نامی یہ عورت دو مہینوں سے نیپال کی سیاحت پر تھی اور پچھلے تین دنوں سے

اس بستی میں ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ تلکو جھیل سے ہوتے ہوئے مانانگ کی بارگو بدھ عبادت گاہ جانا چاہتی تھی جہاں سے وہ بس کے ذریعے کتھمنڈو ناتھ نامی قصبے کا رخ کرتی۔ وہاں بھی بدھ کی دو تین قدیم عبادت گاہیں تھیں۔ چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد وہ مستانگ چلی جاتی جہاں دلچسپ رسموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے علاوہ مستانگ کے راجا اور مہارانی سے ملاقات کرکے اپنی کتاب کے لیے مواد جمع کرتی۔

مارتھا کے علاوہ دو آدمی اور تھے۔ وہ ہندوستانی تھے۔ وہ دونوں مہم جو قسم کے آدمی تھے۔ طالع آزمائی ان کا پیشہ تھا۔ وہ ان علاقوں میں گھومتے رہتے تھے جہاں پہاڑوں میں قیمتی دھاتیں ملنے کی کچھ توقع ہوتی۔ ان کے خیال میں جھیل تلکو سے اوپر لوپرا رینج میں سونے کے ذخائر موجود تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کا سراغ لگا کر انہیں دریافت کیا جاتا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے سکم میں بھی سنگ نام کے پہاڑوں میں سونے کے ذخائر دریافت کیے تھے لیکن سکم کے مہاراجا نے انہیں انعام سے نوازنے کے بجائے جیل میں ڈال دیا تھا لیکن تین مہینوں بعد وہ کسی طرح جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

رستوگی کے علاوہ ان تینوں سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ لوگ بھی جلد سے جلد اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجانا چاہتے تھے لیکن رستوگی بضد تھا کہ کم از کم دس آدمی ہوں تو وہ روانگی کے لیے تیار ہوگا۔

وہ لوگ دو چار روز مزید انتظار کرسکتے تھے لیکن میں انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ گوتم بھوش کو چاپ پر بیٹھے ہوئے بائیس روز ہوچکے تھے اور اسے مکمل ہونے میں صرف اٹھارہ روز رہ گئے تھے اور یہ چاپ مکمل ہونے سے روکنا ضروری تھا۔ ایک طرف پنڈت دھیراج اور اس کے بیر (مؤکل، خبیث روح، بھوت وغیرہ) میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کررہے تھے اور دوسری طرف قدرتی طور پر بھی کچھ ایسے حالات پیدا ہورہے تھے جن سے میرا وقت ضائع ہورہا تھا۔

اس رات میں نے مارتھا سے بھی ملاقات کی اور جسونت اور پریم چند نامی ان دونوں انڈین طالع آزماؤں سے بھی۔ جسونت چالیس کے لگ بھگ اور پریم چند پینتالیس کے قریب تھا۔ وہ دونوں دراز قامت اور کسرتی جسموں کے مالک تھے اور ان دونوں کے کردار کے بارے میں میرے ذہن نے کوئی اچھا تاثر قبول نہیں کیا تھا کیونکہ جب میں ان سے ملاقات کے لیے سرائے میں ان کے کمرے میں پہنچا تو دھنو بھی میرے ساتھ تھی۔ ان کے ساتھ اس وقت ایک مقامی قبائلی عورت بھی تھی جس کے بدن پر لباس برائے نام ہی تھا اور وہ دونوں شراب پیتے ہوئے اس کے ساتھ فحش حرکات کررہے تھے۔ دھنو کو دیکھ کر ان کی سرخ آنکھوں کی سرخی کچھ اور بھی گہری ہوگئی۔ میں نے رسمی گفتگو میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا اور دو چار جملوں کے تبادلے کے بعد ہی اصل موضوع پر آگیا۔

"میری اطلاع کے مطابق آپ لوگ تلکو جھیل کے اس پار لوپرا رینج میں ایک ایسی مہم پر جارہے ہیں جس میں کئی ہفتے یا مہینے بھی لگ سکتے ہیں۔" میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "اور تقریباً ایک مہینے بعد سردیوں کے موسم کا آغاز ہونے والا ہے۔ تند اور تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگتے ہیں جن سے برفانی طوفان کا خطرہ بھی رہتا ہے اس لیے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس بستی میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آگے جانے کی تیاری کی جائے؟"

"ہماری مہم سے تمہیں کیا دلچسپی ہے بھایا؟" جسونت نے جواب تو مجھے دیا تھا لیکن اس کی نظریں دھنو کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ہم بھی تلکو جھیل کی طرف جارہے ہیں۔" میں نے کہا "لیکن رستوگی کا کہنا ہے کہ جب تک قافلے میں دس افراد نہیں ہوں گے، وہ نہیں جائے گا۔ دو تم لوگ ہو، تین ہم اور ایک وہ امریکی عورت۔ اس طرح ہماری تعداد چھ ہوجاتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مزید چار افراد کے انتظار میں کئی روز بھی لگ سکتے ہیں اور اگر موسم کے تیور بگڑنا شروع ہوگئے تو۔۔۔"

"حرج تو ہمارا بھی ہوگا۔ پر کیا کیا جائے۔ وہ کم بخت رستوگی تیار ہی نہیں ہوتا۔" پریم چند نے اپنے قریب کھاٹ پر بیٹھی ہوئی عورت کی کمر میں بازو حمائل کرکے اپنی طرف کھینچتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی نظریں بھی دھنو کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اگر تم لوگ چاہو تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس مرتبہ جسونت نے پوچھا۔ میں نے اس کے لہجے سے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ راجستھانی ہے۔

"اگر ہم لوگ مل کر مزید چار آدمیوں کا خرچ، میرا مطلب ہے فیس برداشت کرلیں تو رستوگی صبح ہی روانگی کے لیے تیار ہوجائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری بات تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک ہمارے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ دونوں بات کرتے ہوئے بار بار دھنو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے میری تجویز مان لی لیکن وہ اگلی صبح جانے کو تیار نہیں تھے البتہ اس سے اگلے روز کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

اس سرائے سے نکل کر ہم مارتھا کے پاس پہنچ گئے جو ایک مقامی فیملی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس نے بھی میری بات سے اتفاق کیا اور اپنے حصے کی رقم دینے پر تیار ہوگئی۔

ایک گھنٹے بعد میں، دھنو اور مارتھا رستوگی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری تجویز سن کر اس نے بھی فوراً ہی آمادگی ظاہر کردی اور روانگی کی تیاری کے لیے کل کے دن کی مہلت مانگی۔

مجھے اطمینان ہوگیا۔ اگر جسونت اور مارتھا وغیرہ میری تجویز سے اتفاق نہ بھی کرتے تو میں اکیلا ہی رستوگی کو چار آدمیوں کی فیس ادا کرنے کو تیار ہوجاتا۔

اس رات کئی روز بعد میں نے نیلگری کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بہت ہی دھندلایا ہوا تھا۔

"وقت گزر رہا ہے۔" اس کی کمزور سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "جلد سے جلد اپنی منزل پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس شیطان کے قدم مضبوط ہو رہے تھے۔ میرے گرد بھی حصار مضبوط اور تنگ ہو رہا ہے۔ میری اپنی قوت سلب ہو رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا جاپ مکمل کرلے اور میں تمہاری دسترس سے نکل جاؤں۔"

نیلگری زیادہ دیر نہیں ٹھہری۔ وہ مجھے صرف اتنا یاد دلانے آئی تھی کہ وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں تو اپنی سی بھرپور کوشش کررہا تھا لیکن گوتم بدھ جاپ پر بیٹھا تھا تو اس نے مجھے اپنے آپ سے دور رکھنے کے لیے کچھ بندوبست بھی کیا تھا۔ اس کے پاس بھی بہت سی پراسرار قوتیں تھیں اور اس کے بیر میرے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کررہے تھے۔ میں ان رکاوٹوں کو توڑتا اور نقصان اٹھاتا بدستور آگے بڑھ رہا تھا۔

دوسرے دن ہم نے بھی کچھ مزید تیاری کرلی۔ تین عدد سلیپنگ بیگ کی خرید بھی اس تیاری میں شامل تھی۔ یاک کی کھال سے یہ سلیپنگ بیگ مقامی طور پر تیار کیے گئے تھے اور بڑی اچھی کوالٹی کے تھے۔

یہ کوئی بڑی بستی نہیں تھی جہاں سیرو تفریح میں وقت گزارا جاتا۔ زیادہ تر ہم سرائے میں اپنے کمرے تک ہی محدود رہے تھے۔

شام کو رستوگی سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس وقت مارتھا بھی ہمارے ساتھ تھی۔ رستوگی نے بھی اپنی تیاریاں مکمل کرلی تھیں۔ یہ بھی طے ہوگیا کہ ہم صبح سات بجے بستی کے کھیا کے مکان سے ملحق ٹاؤن ہال کے سامنے پہنچ جائیں۔ یہ ٹاؤن ہال بھی دراصل کھیا کے مکان ہی کا ایک حصہ تھا جہاں وہ اپنے دو نائبین کے ساتھ اس بستی کا نظام چلاتا تھا۔

ہم صبح سویرے ہی ٹاؤن ہال کے سامنے پہنچ گئے۔ اس وقت اچھی خاصی سردی تھی اس لیے ہم نے چمڑے کی جیکٹس بھی پہن لی تھیں۔

مارتھا بھی تقریباً ہمارے ساتھ ہی وہاں پہنچی تھی۔ اس کے پاس صرف ایک بیگ تھا جسے اس نے اسٹریپ کی مدد سے پشت پر باندھ رکھا تھا۔

جسونت اور پریم چند ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ ان کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا گیا۔ ان دونوں کی وجہ سے ہم آدھے گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوئے۔ ہمارے اس قافلے میں رستوگی کے علاوہ چھ افراد تھے جن کی سواری کے لیے خچروں کا انتظام کیا گیا تھا۔ سامان کے لیے تین یاک تھے۔ اس سامان میں راشن اور پانی کے مشکیزوں کے علاوہ تین خیمے بھی تھے جو آسانی سے فولڈ ہوگئے تھے۔

اس قافلے میں سب سے آگے رستوگی تھا۔ اس کے پیچھے ہم تینوں کے خچر تھے۔ ہمارے ساتھ ساتھ یاک بھی چل رہے تھے اور آخر میں دو خچروں پر جسونت اور پریم چند تھے۔ ہمارے اور ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ وہ مسلسل سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

شروع کے ایک دو میل تک تو ہم ایک ہموار پتھریلے میدان میں سفر کرتے رہے اور پھر چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ راستہ سنگلاخ چٹانوں میں بل کھاتا ہوا جارہا تھا۔ ہم مسلسل بلندی کی طرف سفر کررہے تھے۔

رستوگی نے بتایا تھا کہ تلکو جھیل تک دو دن کا راستہ ہے۔ کوئی ناگہانی حادثہ پیش آنے کی صورت میں سفر کی مدت میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔

صبح جب ہم ٹنٹ پیک سے روانہ ہوئے تھے تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن گیارہ بجے کے قریب بادل چھٹ گئے، آسمان صاف ہوگیا اور دھوپ چمکنے لگی۔ ہمارے عین سامنے اناپورنا کی ہزاروں فٹ بلند برف پوش چوٹیاں تھیں۔ دھوپ میں برف آئینے کی طرح چمک رہی تھی جس سے آنکھیں خیرہ ہورہی تھیں۔

دوپہر دو بجے کے قریب ایک جگہ پر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ اس جگہ چند درختوں کا ذخیرہ بھی تھا اور پانی کا چشمہ بھی۔ اس وقت تک ہم نے صرف گیارہ میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ یاک اور خچروں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ وہ گھاس چرتے رہے اور ہم بھی کھانا کھانے لگے۔ مارتھا ہمارے ساتھ تھی جبکہ جسونت اور پریم چند الگ تھلگ بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے بار بار ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

مارتھا بڑی ہنس مکھ اور خوش مزاج عورت ثابت ہوئی تھی۔ سفر کے دوران میں وہ ہمیں اپنی سیاحت کے قصے سناتی رہی۔

مارتھا کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لمبا قد، سڈول جسم، بھوری رنگت کے بال، ہلکی نیلی آنکھیں اور چہرے کے نقوش بھی بڑے دل فریب تھے۔ مارتھا میں اس وقت بھی جوان لڑکیوں جیسی کشش تھی۔

ایک گھنٹے بعد ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ آگے ہم مسلسل نشیب کی طرف سفر کرتے رہے لیکن دو گھنٹوں بعد پھر چڑھائی شروع ہوگئی۔ راستہ بھی خاصا خطرناک تھا۔ ایک موقع پر تو جسونت اور پریم چند نے آگے جانے سے انکار کردیا۔ اس جگہ تقریباً پچاس گز تک راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ ایک طرف عمودی چٹانیں تھیں اور دوسری طرف سیکڑوں فٹ گہرے کھڈ۔ آٹھ دس فٹ چوڑے اس راستے پر چلنا صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف تھا۔ جسونت اور پریم چند کا اصرار تھا کہ کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے لیکن رستوگی کے کہنے کے مطابق میلوں دور تک کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

اس خوفناک راستے پر چلتے ہوئے ہمیں بھی ڈر لگ رہا تھا۔ ہم سلامتی کی دعائیں مانگتے ہوئے چٹانوں کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے خچر کی رسّی پکڑ رکھی تھی۔

کسی حادثے کے بغیر ہم نے یہ صراط مستقیم پار کرلیا۔ اس کے بعد ہم مزید دو گھنٹوں تک اپنا سفر جاری رکھ سکے تھے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے روپوش ہوچکا تھا اور شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔

اس مرتبہ جس جگہ پڑاؤ ڈالا گیا اس جگہ کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں پہلے بھی کیمپ لگتے رہے ہیں۔ ایک چٹان کے پاس دو جگہوں پر پتھر رکھ کر چولھے بنائے گئے تھے کوئلے اور جلی ہوئی لکڑیاں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ ان چولھوں سے ذرا ہٹ کر سوکھی ہوئی لکڑیوں کا ایک ڈھیر بھی لگا ہوا تھا۔

چاروں طرف بلند چٹانوں کے درمیان یہ چھوٹا سا میدان پڑاؤ کے لیے بڑی اچھی جگہ تھی۔ یہاں ایک چشمہ بھی تھا۔ رستوگی ایک یاک سے سامان اتارتے ہوئے بتا رہا تھا کہ وہ تلکو جھیل کی طرف جانے کے لیے ہمیشہ یہی راستہ اختیار کرتا ہے اور رات گزارنے کے لیے اس جگہ پڑاؤ ڈالا جاتا ہے۔ آخری مرتبہ وہ تین مہینے پہلے اس طرف آیا تھا۔

خیمے لگانے میں، میں بھی اس کی مدد کرنے لگا۔ ہمارے اور مارتھا کے خیمے ایک چٹان کی آڑ میں قریب قریب لگائے گئے تھے جبکہ رستوگی اور جسونت وغیرہ کے خیمے وہاں سے کافی ہٹ کر لگائے گئے تھے۔

چاروں طرف بلند چٹانوں کی وجہ سے اگرچہ تیز ہوا رُکی ہوئی تھی لیکن جیسے جیسے شام ڈھل رہی تھی، سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

سامان اتارنے کے بعد یاک اور خچر کھلے چھوڑ دیے گئے۔ رستوگی پتھروں سے بنے ہوئے چولھے کے پاس لکڑیاں جمع کرنے لگا۔ میں نے جسونت سے ماچس لے کر چولھے میں لکڑیاں جلا دیں اور دوسرے کاموں میں رستوگی کی مدد کرنے لگا۔

شام کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ تین چار مشعلیں جلا کر چٹانوں کی آڑ میں زمین میں گاڑ دی گئی تھیں۔ ان کی لرزتی ہوئی روشنی میں حرکت کرتے ہوئے ہمارے سائے بڑا پراسرار تاثر دے رہے تھے۔

رستوگی کھانا تیار کرچکا تھا۔ ابلے ہوئے چاول تھے اور یاک کا خشک گوشت جسے توے پر تل لیا گیا تھا۔ کھانے کے دوران میں جسونت اور پریم چند بھی ہمارے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ کھانے کے دوران میں، میں وہ بار بار دھنو اور مارتھا کی طرف دیکھتے رہے تھے۔

کھانے کے بعد رستوگی نے برتن وغیرہ دھو کر سمیٹ لیے اور چولھے پر لکڑیوں کا انبار ڈال دیا۔ الاؤ روشن ہوگیا۔ ہم الاؤ کے گرد بیٹھ کر گپیں ہانکنے لگے۔ مارتھا اس وقت بھی اپنی سیاحت کے قصے سنا رہی تھی۔

رستوگی ہم سے کچھ دور ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اونچی آواز میں ایک گیت الاپنا شروع کردیا۔ گیت کا مفہوم تو ہماری سمجھ میں نہیں آسکا لیکن اس کی آواز میں بڑا سوز تھا۔ چٹانوں میں بازگشت سی پیدا کرتی ہوئی اس کی پرسوز آواز بھی بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھی۔

رات گیارہ بجے کے قریب مارتھا اٹھ کر اپنے خیمے میں

چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد دھنو بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔ دن بھر کے سفر کے دوران میں ان دونوں میں گہری دوستی ہوگئی تھی۔ مارتھا، دھنو سے اس کے قبیلے کے رسم و رواج کے بارے میں پوچھتی رہی تھی۔

الاؤ کے شعلے ختم ہوگئے تھے۔ اب صرف کوئلے دہک رہے تھے۔ جسونت اور پریم چند بھی اپنے خیمے میں چلے گئے، میں اور شوبھا کچھ دیر اور وہاں بیٹھے رہے پھر اپنے خیمے کی طرف آگئے۔ اپنے خیمے میں آنے سے پہلے میں نے مارتھا والے خیمے میں جھانک کر دیکھا۔ مارتھا مشعل کی روشنی میں ڈائری لکھ رہی تھی اور دھنو نیم دراز اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اپنے خیمے میں آگیا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ شوبھا اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گئی تھی۔ میں بھی اپنے بیگ میں گھس کر اس کے قریب لیٹ گیا۔ یہ سلیپنگ بیگ واقعی بڑے کام کی چیز ثابت ہوا تھا اور میں یہ بات بھی ضرور کہوں گا کہ ایسے شدید موسم میں سلیپنگ بیگ میں سونے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

خچروں پر دن بھر کے سفر سے ہم سب بری طرح تھک گئے تھے۔ شوبھا تو لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ میری بھی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

اور پھر چیخ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ وہ نسوانی چیخ سناٹے میں بازگشت سی پیدا کرتی ہوئی معدوم ہوگئی۔ پہلے میں اسے اپنا واہمہ ہی سمجھا لیکن وہ چیخ دوبارہ سنائی دی تو میں بڑی تیزی سے سلیپنگ بیگ کی زپ کھول کر اٹھ گیا۔ شوبھا اب بھی گہری نیند میں تھی۔ میں خیمے کا پردہ ہٹا کر باہر نکل رہا تھا تو وہ چیخ تیسری مرتبہ سنائی دی۔

میں خیمے سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف چٹان کے قریب کچھ ہیولے ایک دوسرے سے گتھم گتھا نظر آرہے تھے۔ مارتھا والے خیمے کا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ اندر مشعل جل رہی تھی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

میں نے ان ہیولوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ جسونت اور پریم چند تھے جو دھنو اور مارتھا کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ جسونت شاید دھنو کو گھسیٹتا ہوا چٹان کی دوسری طرف لے گیا تھا۔ میں مارتھا کو چھڑانے کے لیے پریم چند کی طرف لپکا تو فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی پریم چند کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ۔ آگے بڑھے تو گولی مار دوں گا۔"

میں رک گیا۔ پریم چند مارتھا کو گھسیٹتا ہوا چٹان کی آڑ میں چلا گیا تھا۔ مارتھا مسلسل چیخ رہی تھی اور چٹان کی دوسری طرف سے دھنو کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

اسی دوران میں رستوگی بھی اپنے خیمے سے باہر آگیا۔

"کیا ہوا۔ یہ کون چیخ رہا تھا؟" اس نے پوچھا۔ وہ پریم چند وغیرہ کو نہیں دیکھ سکا تھا۔

"وہ دونوں بدمعاش مارتھا اور دھنو کو لے گئے ہیں۔ اس چٹان کے پیچھے۔" میں نے اسے بتایا۔

"تم اِس طرف سے آگے بڑھو۔ میں اُس طرف سے جاتا ہوں۔" رستوگی نے کہا اور چٹان کے ساتھ ایک طرف دوڑ گیا۔

میں بھی چٹان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ آڑے جھانک کر دیکھا تو وہ دونوں شیطان دھنو اور مارتھا کو کھینچتے ہوئے آگے والی چٹانوں کی طرف لے جا رہے تھے۔ میں جیسے ہی آگے بڑھا، پریم چند نے فائر کر دیا۔ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں نے ایک پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور پتلون کا پانچا اٹھا کر خنجر نکال لیا۔

"اگر تم نے آگے آنے کی کوشش کی تو ان دونوں عورتوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گی۔" پریم چند نے چیخ کر کہا "تم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ کوئی آگے آنے کی کوشش نہ کرے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم ان دونوں عورتوں کو چھوڑ دیں گے۔"

میں پتھر کی آڑ میں دیکھتا رہا۔ جسونت کافی آگے تھا۔ پریم چند نے ایک ہاتھ دھنو کے گلے میں لپیٹ رکھا تھا اور وہ اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔

چٹان کی دوسری طرف ایک ہیولا سا نمودار ہوا۔ وہ رستوگی تھا جو دوسری طرف سے انہیں گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بڑے محتاط انداز میں جسونت کی طرف بڑھ رہا تھا جو مارتھا کو گرفت میں لیے پچھلی چٹان کے قریب پہنچ رہا تھا۔

رستوگی کا پیر کسی چھوٹے پتھر سے ٹکرایا۔ جسونت نے تیزی سے مڑ کر فائر کر دیا۔ رستوگی کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی۔ وہ نیچے جھکتا چلا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے حیرت انگیز طور پر وہ ہوا میں اڑتا ہوا جسونت اور مارتھا پر گرا۔

مارتھا بھی ان کے ساتھ نیچے گری تھی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ رستوگی اور جسونت گتھم گتھا ہوگئے۔

پریم چند ایک لمحے کو اس طرف متوجہ ہوا تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ پریم چند نے بدحواس ہو کر فائر کر دیا لیکن بدحواسی میں

چلائی ہوئی گولی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔

میں ہوا میں اڑتا ہوا پریم چند سے ٹکرایا۔ وہ دھنو کو ساتھ لیتا ہوا پشت کے بل گرا۔ دھنو تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ پریم چند نے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھ سے بچ نہیں سکا۔ سب سے پہلے میں نے اس کے دائیں کندھے کے جوڑ پر کھڑی ہتھیلی کا چوپ مارا۔ وہ چیخ اٹھا اور پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر میں نے اس پر دو تین اور وار کیے جو خاصے کاری ثابت ہوئے لیکن ایک موقع پر اس کا داؤ چل گیا اور اس نے مجھے اچھال کر دور پھینک دیا۔

میں پشت کے بل گرا۔ میرا سر ایک پتھر سے ٹکرایا تھا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا لیکن بالآخر اس کی گردن میری گرفت میں آگئی۔ میں نے سارا دباؤ اس کی گردن پر ڈال دیا۔

پریم چند اپنی گردن چھڑانے کے لیے پوری طاقت استعمال کر رہا تھا لیکن یہ میرا وہ داؤ تھا جس کے بارے میں، میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ کوئی اس سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

میں پریم چند کی گردن کو پے در پے جھٹکے دے رہا تھا لیکن سؤر کی طرح اکڑی ہوئی اس کی گردن میں معمولی سی لچک بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی لیکن میں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ وہ بھی آخر انسان ہی تھا اور گردن بھی لوہے کی تو نہیں تھی۔

"کڑک" کی ہلکی سی آواز ابھری۔ پریم چند بری طرح مچلا۔ اس کے حلق سے عجیب سی خرخراہٹ کی آواز نکل رہی تھی۔ میں نے ایک اور جھٹکا دیا اور پھر پے در پے جھٹکے دیتا چلا گیا۔ سؤر کی طرح اکڑی ہوئی گردن میں اب ربر جیسی لچک پیدا ہوگئی تھی۔ چند مزید جھٹکے دینے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ پتھروں پر، پانی سے نکالی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

اور پھر اسی وقت پے در پے فائرنگ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ تین گولیاں چلی تھیں اور اس کے ساتھ ہی پتھروں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنائی دی۔

میں نے اس طرف دیکھا۔ جسونت دوڑتا ہوا چٹانوں میں غائب ہوگیا تھا اور رستوگی بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ میں نے بھی اسی طرف دوڑ لگا دی۔

رستوگی رک گیا۔ جسونت کا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"بھاگ گیا کم بخت۔ اب واپس آنے کی جرات نہیں کرے گا۔" رستوگی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "دوسرے حرامی کا کیا ہوا؟"

"ختم ہوگیا۔ اس کی لاش وہاں پڑی ہے۔" میں نے اس طرف اشارہ کیا۔

مارتھا اور دھنو بھی دوڑ کر ہمارے قریب آگئی تھیں۔ دھنو تو مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے مارتھا کو ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ خاصی خوف زدہ تھی۔

"وہ... وہ زخمی ہے۔ اسے گولی لگی ہے۔" مارتھا نے رستوگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں تھرتھراہٹ نمایاں تھی۔

میں فوراً ہی رستوگی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کے بائیں بازو میں گولی لگی تھی جو گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ یہ گولی رستوگی کو اس وقت لگی تھی جب اس نے چٹان کی آڑ سے نکل کر جسونت پر چھلانگ لگائی تھی۔

ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کیمپ کی طرف آگئے۔ شوبھا اپنے خیمے کے سامنے بدحواس کھڑی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ ہماری طرف لپکی۔ اس کی آنکھ، آخری تین گولیوں کی آواز سن کر کھلی تھی۔ اسے جب صورت حال کا پتا چلا تو وہ کچھ اور بدحواس ہوگئی۔

رستوگی کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ ہم اسے مارتھا والے خیمے میں لے آئے۔ رستوگی کے سامان میں فرسٹ ایڈ کا سامان موجود تھا۔ میں دوڑ کر وہ کٹ نکال لایا۔ مارتھا فرسٹ ایڈ کی تربیت یافتہ تھا۔ اس نے زخم صاف کر کے بڑی مہارت سے ڈریسنگ کر دی۔ رستوگی اگرچہ بڑی بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس ٹھنڈے موسم میں کچھ دیر بعد یہ زخم اسے بے حال کر دے گا۔

میں نے اسے بستر پر لٹا کر اس پر تین چار کمبل ڈال دیے۔ مارتھا کے چہرے پر اب بھی خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ بار بار ہمارا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ دھنو بھی اپ سیٹ ہوگئی تھی۔ وہ شوبھا کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس وقت ہم لوگ ان دونوں بدمعاشوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

"یہ ہندوستانی لوگ بہت بُرے ہوتے ہیں۔" مارتھا کہہ رہی تھی "راجستھان میں بھی دو مرتبہ بدمعاشوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں مرتبہ تم جیسے شریف لوگوں نے مجھے بچایا تھا۔"

رستوگی نے بتایا کہ تقریباً ایک سال پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ بھی دو ہندوستانی ہی تھے جو قافلے میں شامل ایک فرانسیسی لڑکی کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ ان

کا اگرچہ پیچھا کیا گیا تھا لیکن وہ دونوں مسلح تھے اور لڑکی کو گن پوائنٹ پر لے جانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ دوسرے دن اس لڑکی کی لاش پہاڑوں میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ اس پر بار بار مجرمانہ حملے کیے گئے تھے اور بالآخر اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا گیا تھا۔ وہ دونوں بدمعاش پہاڑوں میں کہیں غائب ہوگئے تھے اور بعد میں بھی ان کا کوئی پتا نہیں چلا تھا۔

"جسونت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہ واپس آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رستوگی بولا "اب وہ ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہوسکتا ہے' ہم سے دور رہ کر ہمارے پیچھے پیچھے آتا رہے یا ممکن ہے' اکیلا ہی کسی طرف جانے کی کوشش کرے لیکن وہ ان اونچے پہاڑوں میں کھو کر رہ جائے گا۔ کوئی اجنبی ان پہاڑوں میں اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسے اب موت کی آغوش میں ہی پناہ ملے گی۔"

"اور اس کے ساتھی پریم چند کی لاش کا کیا کیا جائے۔" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"پڑی رہنے دو۔" رستوگی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "اس کے جرم کی سنگینی کے پیش نظر اس کی لاش بھی ہماری کسی ہمدردی کی مستحق نہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "ان قبائلی علاقوں میں مرد اور عورت کے تعلقات کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ باہر سے آنے والے مرد بھی یہاں کی عورتوں سے ایسے تعلقات استوار کرتے ہیں تو اس پر بھی کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن ایسے تعلقات میں عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ عورت کی رضامندی کے بغیر اگر شوہر بھی ایسی کوئی کوشش کرتا ہے تو اسے بہت کڑی سزا دی جاتی ہے۔ ان دونوں نے بھی مارتھا اور دھنو کی مرضی کے خلاف ان کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تھی۔ ایک اپنے انجام کو پہنچ گیا اور دوسرا بھاگ گیا لیکن میں جانتا ہوں' وہ ان پہاڑوں کی قید سے فرار نہیں ہوسکے گا۔ اسے بھی اپنے جرم کی سزا ضرور ملے گی۔"

اس بھگوڑے کے واپس آنے کا اگرچہ کوئی امکان نہیں تھا لیکن ہم بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ طے یہ ہوا کہ رستوگی اس خیمے میں سوجائے۔ مارتھا ہمارے خیمے میں دھنو اور شوبھا کے ساتھ سوجائے گی اور میں خیمے کے باہر بیٹھ کر پہرا دوں گا۔

دھنو تو مارتھا کے ساتھ خیمے میں چلی گئی اور شوبھا تین چار کمبل اٹھا کر میرے پاس آگئی۔ وہ اپنی نیند بڑی حد تک پوری کرچکی تھی اور میرے ساتھ پہرے داری کی ڈیوٹی دینا چاہتی تھی اور مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

سردی بہت شدید تھی۔ ہم نہ صرف اپنے اپنے سلیپنگ بیگز میں گھسے ہوئے تھے بلکہ اوپر دو دو کمبل بھی اوڑھ رکھے تھے اس کے باوجود سردی ہماری ہڈیوں میں اتری جارہی تھی۔ میں نے شوبھا کو زبردستی خیمے کے اندر بھیج دیا۔ اس نے جاتے ہوئے ایک اور کمبل میرے اوپر ڈال دیا تھا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ چٹانوں کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پتھروں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ صاف لگ رہا تھا جیسے کوئی دبے قدموں چلنے کی کوشش کررہا ہو۔ رستوگی نے جسونت سے چھینا ہوا پستول مجھے دے دیا تھا۔ میں نے پستول والا ہاتھ سلیپنگ بیگ سے باہر نکال لیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھورنے لگا۔ وقفے وقفے سے چھوٹے چھوٹے پتھروں پر دبے قدموں چلنے کی آوازیں تو سنائی دیتی رہیں لیکن کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا۔ میں ایک بڑے پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا کسی کے سامنے آنے کا انتظار کرتا رہا لیکن کوئی سامنے نہیں آیا۔

اور پھر ہلکی ہلکی غراہٹوں کی آوازیں سن کر میں چونک گیا۔ وہ آوازیں ایسی تھیں جیسے دو کتے ایک دوسرے پر غرا رہے ہوں۔ غراہٹوں کی آوازیں وقفے وقفے سے سنائی دیتی رہیں۔ غراہٹوں کے ساتھ "چپڑ چپڑ" کی آوازیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ میں کانپ کر رہ گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بھیڑیے تھے جو شکار کی بو سونگھ کر اس طرف آگئے تھے اور دعوت اڑا رہے تھے۔

ایک بار تو دل میں خیال آیا کہ اٹھ کر اس طرف جاؤں لیکن پھر میں نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا اور اپنی جگہ پر دبکا بیٹھا رہا۔

میں اگرچہ اپنی ریاضت کے سلسلے میں راتوں کو بھی جاگنے کا عادی تھا لیکن دن کی روشنی نمودار ہونے سے تقریباً ایک گھنٹا پہلے میری آنکھ لگ گئی۔

مجھے شوبھا نے جگایا تو دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔

"اس طرف سے کچھ آوازیں آرہی ہیں۔" شوبھا نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔ شاید بھیڑیے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اچھل پڑا۔ کتوں کے غرانے اور "چپڑ چپڑ" کی آوازیں میں نے پہلے بھی سنی تھی لیکن اس وقت میرے دماغ پر غنودگی سی طاری تھی۔ مجھے یہ خیال تو آیا تھا کہ وہ کسی شکار پر دعوت اڑا رہے ہوں گے لیکن اس شکارے کے بارے

میں نے نہیں سوچا تھا۔

میں نے اپنے اوپر سے کمبل ہٹا دیے اور سلیپنگ بیگ میں سے نکل آیا اور شوبھا کو وہیں رکنے کا اشارہ کرکے چٹان کی طرف دوڑ پڑا۔ جسونت والا پستول میرے ہاتھ میں تھا۔

چٹان کی دوسری طرف پہنچ کر میں اس طرح رک گیا جیسے زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ہوں۔

آٹھ دس بھیڑیے پریم چند کی لاش کو نوچ رہے تھے۔ پتھروں پر ہر طرف خون بکھرا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر ایک دو بھیڑیے خوں خوار انداز میں غرانے لگے۔ میں نے ان پر گولی چلا دی۔ بھیڑیے چٹانوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن کچھ دور جاکر رک گئے اور میری طرف دیکھنے لگے۔

میں چند گز آگے بڑھا تو پریم چند کی لاش دیکھ کر پیٹ پکڑ کر دُہرا ہوگیا۔ میں بڑی مشکل سے قے ضبط کرسکا تھا۔ پریم چند کی لاش بری طرح نچی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی مسخ ہوچکا تھا۔ پیٹ چاک تھا اور آنتیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔

میں نے لاش سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا پریم چند کا پستول اور اپنا خنجر اٹھایا اور ایک ہاتھ سے پیٹ دبائے دوڑتا ہوا واپس آگیا۔ چٹان کے قریب آکر مڑ کر دیکھا تو وہ بھیڑیے دوبارہ لاش پر حملہ آور ہوچکے تھے۔

میں کیمپ کی طرف آیا تو مارتھا اور رستوگی وغیرہ خیموں کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ فائر کی آواز سن کر جاگ گئے تھے۔

"کیا ہوا۔ گولی کس نے چلائی تھی؟" رستوگی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"اس طرف کچھ بھیڑیے جمع ہیں۔" میں نے جواب دیا اور خیمے کے سامنے ٹنگا ہوا مشکیزہ پکڑ کر منہ سے لگالیا۔ ٹھنڈے پانی کے چند گھونٹ پینے سے میری حالت کسی حد تک سنبھل گئی۔ میں مشکیزہ بانس کے ساتھ ٹانگ کر خیمے کے اندر آگیا۔ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔ مجھے اچانک ہی سردی چڑھنے لگی۔ میں دو تین کمبل اوڑھ کر بستر پر لیٹ گیا۔

"کیا ہوا ہمت سنگھ۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" شوبھا بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ بس سردی چڑھ گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت واقعی مجھے حیرت ہورہی تھی کہ ایک دم سے ایسی سردی کیوں چڑھ گئی تھی کہ میں تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ شوبھا نے ایک اور کمبل میرے اوپر ڈال دیا اور پھر وہ دھنو کو چھ کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد شوبھا سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ اس وقت تک میں بھی اپنے آپ کو بڑی حد تک سنبھال چکا تھا۔ گرم گرم چائے سے مجھے بڑا سکون ملا تھا۔

اس روز ہم دس بجے سے پہلے روانہ نہیں ہوسکے تھے۔ اس وقت تک میں نے کسی کو بھی اس چٹان کی طرف نہیں جانے دیا تھا۔ میں اس لاش کے بارے میں جب بھی سوچتا' مجھے ابکائی سی آنے لگتی۔

آگے کا راستہ اور بھی خراب اور خطرناک تھا۔ ہماری رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس وقت ہم تقریباً بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع گنگا پورنا کے درّے میں سفر کررہے تھے۔ یہاں ہوا بہت تیز تھی جو ہمیں مسلسل پیچھے دھکیل رہی تھی۔

درّے سے نکل کر چار بجے کے قریب ہم نے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں چٹانوں میں کئی چھوٹے چھوٹے غار تھے۔ رستوگی نے بتایا کہ اس طرف سفر کے دوران میں وہ عام طور پر دوپہر بارہ بجے کے قریب یہاں پہنچ جایا کرتے تھے لیکن آج تند و تیز مخالف ہوا کی وجہ سے چار گھنٹوں کی تاخیر سے پہنچے تھے۔

یہاں گھاس اور جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں۔ چھوٹی چھوٹی پتیوں اور گنجان شاخوں والے درخت بھی تھے۔ خچروں وغیرہ کو درختوں کی شاخوں سے باندھ دیا گیا اور ہم لوگ ایک کشادہ غار میں آگئے۔

رستوگی کا خیال تھا کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آگے روانہ ہوجائیں گے لیکن غار میں آکر ڈھیر ہوجانے کے بعد کسی میں سفر جاری رکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی لہٰذا رات اسی غار میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

سردی کی وجہ سے رستوگی کا زخم تکلیف دینے لگا تھا لیکن وہ بڑی برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا آرام کرنے کے بعد شوبھا' دھنو اور مارتھا نے کھانا وغیرہ تیار کرنے کی ذمے داری سنبھال لی۔ غار میں ایک طرف خشک لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور کوئلے اور بجھی ہوئی لکڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ رستوگی نے بتایا کہ اس طرف سے گزرتے ہوئے وہ ہر پڑاؤ پر لکڑیاں جمع کرکے ڈال دیتا ہے تاکہ آئندہ کام آسکیں۔

آگ روشن ہوجانے کے بعد غار کے اندر کا درجہ حرارت بھی تبدیل ہونے لگا۔

کھانا ہم نے شام ہونے سے پہلے ہی کھالیا اور پھر کمبلوں میں دبک کر باتوں میں وقت گزارنے لگے۔ اس ویرانے میں ظاہر ہے چوری وغیرہ کا خطرہ نہیں تھا لیکن اس بھگوڑے جسونت کی وجہ سے ہم کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جسونت خالی ہاتھ فرار ہوا تھا۔ ان کا سامان بھی ہمارے

ہی قبضے میں تھا۔ میں جسونت کے بارے میں سوچتا تو کانپ کر رہ جاتا۔ اس کے پاس وہی کپڑے تھے جو اس نے پہن رکھے تھے۔ شدت کی سردی میں گرم کپڑوں' جیکٹ اور کمبلوں کے بغیر رات گزارنے کا تصور ہی خوفناک تھا۔ ہوسکتا ہے وہ گزشتہ رات ہی سردی سے ٹھٹھر کر مرگیا ہو اور اس کی لاش بھی بھیڑیے چٹ کرگئے ہوں۔

یا ممکن ہے اتنا سخت جان ہو کہ شدت کی یہ سردی برداشت کررہا ہو۔ ہوسکتا ہے' ہمارے بعد وہ کیمپ والی جگہ پر واپس آیا ہو اور ہمارے نقش قدم پر ہمارے پیچھے پیچھے آرہا ہو۔

انسان ہونے کے ناتے مجھے جسونت سے ہمدردی تھی۔ اس نے جو حرکت کی تھی وہ بہت بری تھی۔ اگر وہ سامنے آجاتا تو ممکن ہے میں اسے معاف کردیتا لیکن کیا مارتھا اسے معاف کردے گی جس کے اعتماد کو اس نے ٹھیس پہنچائی تھی اور جس کی عزت نفس کو مجروح کیا تھا؟ کیا رستوگی اسے معاف کردے گا جس کی اس نے جان لینے کی کوشش کی تھی۔ اس کا زخم تو ابھی تازہ ہی تھا۔

رات بیتتی رہی۔ میں کبھی اونگھنے لگتا اور کبھی چوکس ہو کر بیٹھ جاتا۔ جب بھی میری آنکھ کھلی تھی' میں نے رستوگی کو جاگتے ہوئے پایا تھا۔ وہ ایک شریف النفس اور ذمے دار شخص ثابت ہوا تھا۔ کل والے واقعے کے بعد وہ باتوں ہی باتوں میں کئی بار کہہ چکا تھا کہ اسے جسونت اور پریم چند جیسے بدمعاشوں کو قافلے میں شامل نہیں کرنا چاہیے تھا۔

اس سفر کے دوران میں' میں گو تم بھوش کی طرف سے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ہیرا اگرچہ راستے میں آتے رہے تھے لیکن اس حوالے سے میں بھی اپنے پیروں پر مضبوط تھا اس لیے کسی کو قریب آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

اس رات کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ مارتھا وغیرہ بھی سکون سے گہری نیند سوئی رہی تھیں۔ صبح ناشتے کے بعد مارتھا نے سب سے پہلے رستوگی کا زخم چیک کیا۔ ڈریسنگ تبدیل کی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اب صرف پانچ چھ گھنٹوں کا سفر رہ گیا تھا۔

پہلے چار گھنٹے تو سفر میں بہت دشواری پیش آئی لیکن پھر مشکلیں پیش آنے لگیں۔ ایک موقع پر ہمارا ایک یاک کھڈ میں لڑھک گیا۔ وہ راستہ بہت تنگ سا اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ اچانک ہی خرگوش کی طرح کا کوئی چھوٹا جانور جھاڑیوں سے نکل کر بھاگا تو ایک یاک اور دو خچر بدک گئے۔ خچر تو سنبھل گئے لیکن یاک کھڈ کے بالکل کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے پیروں کے نیچے سے پتھر نکل گیا اور وہ عمودی ڈھلان پر لڑھکتا ہوا سیکڑوں فٹ گہرے کھڈ کی تہ میں پہنچ گیا۔ اس یاک پر دو خیمے اور ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ یاک سمیت سب کچھ ہماری نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ وہاں کھڑے رہ کر ماتم کرنا بے کار تھا اس لیے ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔

ہم صبح دس بجے روانہ ہوئے تھے۔ دو بجے کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ آگے تقریباً دو گھنٹوں کا سفر رہ گیا تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ رکے بغیر سفر جاری رکھا جائے لیکن دھو اور مارتھا وغیرہ خچروں کی پشت پر مسلسل چار گھنٹوں کے سفر سے بری طرح تھک گئی تھیں اور کچھ دیر آرام کرلینا چاہتی تھیں۔

اس پڑاؤ کے دوران میں ہم نے کھانا بھی کھایا اور آرام بھی کرلیا۔ چار بجے ہم نے دوبارہ سفر شروع کردیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد چٹانوں میں تنگ اور پر پیچ راستوں سے گزرتے ہوئے ہم جیسے ہی کھلی جگہ پر نکلے' سامنے کا منظر دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

نشیب میں میلوں دور تک سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وادی کی دوسری طرف بہت دور نیلگری کی فلک بوس چوٹیوں پر جمی ہوئی برف' دھوپ کی الوداعی کرنوں میں شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔

وادی میں دائیں طرف بہت بڑی جھیل تھی۔ اس کا نیلگوں پانی بھی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جھیل کے کنارے پر وہ بستی تھی جو ہماری منزل تھی۔

جھیل اور بستی ہم سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ راستہ تقریباً ہموار اور بالکل ڈھلوان تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے رستوگی نے ایک سفید کپڑا نکال کر ڈنڈے پر باندھ لیا اور اسے پرچم کی طرح لہرانے لگا۔

"یہ سفید جھنڈا لہرانے کا کیا مطلب؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے رستوگی کی طرف دیکھا "کیا اس بستی میں ہمارے لیے کوئی خطرہ ہوسکتا ہے؟"

"یہ تلکو قبیلہ ہے۔" رستوگی نے جواب دیا "یہ خطہ اور جھیل انہی کے نام سے موسوم ہے۔ یوں تو یہ بہت امن پسند اور صلح جو قسم کے لوگ ہیں لیکن ماضی میں باہر سے آنے والے لوگوں کی وجہ سے کچھ تلخ تجربات کا شکار بھی ہوتے رہے ہیں۔ جس وجہ سے یہ لوگ بہت محتاط ہوگئے ہیں اور باہر سے آنے والے ہر شخص کو حملہ آور سمجھتے ہیں۔

"ان کے اپنے رسم و رواج ہیں۔ یہ دنیا کے کسی اور قانون کو تسلیم نہیں کرتے۔ سردار کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ان کے لیے قانون اور حکم کا درجہ رکھتا ہے اور دلچسپی کی بات ہے کہ اس قبیلے کی سردار ہمیشہ ایک عورت ہی ہوتی ہے ہر دو سال بعد ایک دلچسپ مقابلے کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے۔ سرداری کے لیے مقابلے میں حصہ لینے والی عورت کا غیر شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔ کوئی شادی شدہ عورت سردار نہیں ہوسکتی لیکن اسے یہ حق حاصل ہے کہ قبیلے کے کسی بھی مرد کو اپنی خلوت گاہ میں طلب کرسکتی ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس قبیلے کے بارے میں مزید معلومات سے آگاہ کرتا رہا اور پھر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ حرکت میں آگیا۔

سب سے آگے رستوگی تھا جس نے سفید جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ اس کے پیچھے مارتھا' دھنو اور شوبھا کے خچر تھے۔ ان کے ساتھ تو دونوں یاک بھی چل رہے تھے۔ سب سے آخر میں' میں تھا۔ ہمارا انداز بالکل ایسا تھا جیسے شکست خوردہ فوج کا کوئی دستہ فاتح کے سامنے ہتھیار ڈالنے جارہا ہو۔

تلکو قبیلے کی معیشت کا دارومدار کھیتی باڑی پر تھا۔ ڈھلان پر دور تک سیڑھیوں کی شکل میں کھیت تھے جن میں دھان کی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی اور پانی کی بھی کمی نہیں تھی۔ یہاں سال میں دھان کی دو فصلیں حاصل کی جاتی تھیں اور درمیانی وقفے میں سبزیاں وغیرہ اگائی جاتی تھیں۔

بستی بہت بڑی تھی جو جھیل کے کنارے پر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہم جیسے جیسے قریب پہنچ رہے تھے' بستی کے مکان واضح ہوتے جارہے تھے۔ وہ مکان نہیں جھونپڑے تھے۔ بعض جھونپڑے گول تھے اور بعض چوکور۔

ہم ابھی بستی سے تقریباً دو سو گز دور تھے کہ پانچ چھ آدمی اچانک ہی درختوں سے نمودار ہوئے۔ ان کے لباس بڑے عجیب تھے۔ پنڈلیوں تک کسی جانور کی کھال سے بنے ہوئے اسکرٹ اور بغیر آستین کی جیکٹیں جن کے آگے بٹن وغیرہ نہیں تھے۔ بٹنوں کا کام چمڑے کے فیتوں سے لیا گیا تھا۔

وہ تمام آدمی درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسموں کے مالک تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے۔

رستوگی ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ان سب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور وہ ہمارے دونوں طرف اس طرح چلنے لگے جیسے ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیا ہو یا انہیں ہماری طرف سے حملے کا خدشہ ہو۔

بستی میں داخل ہوتے ہی کچھ اور لوگوں نے ہمیں گھیر لیا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی۔ اس طرح ہمیں جلوس کی شکل میں جھیل کے عین سامنے ایک بڑے جھونپڑے میں پہنچا دیا گیا۔ کچھ بچے اور تین چار عورتیں بھی ہمارے ساتھ جھونپڑے کے اندر آگئی تھیں۔ ان عورتوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ تلکو قبیلے کی عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ قد آور' صحت مند اور حسین تھیں۔ مردوں اور عورتوں کے لباس میں بھی زیادہ فرق نہیں تھا۔ ان کے اسکرٹ گھٹنوں تک یا اس سے اوپر تھے اور جسم کے بالائی حصے پر جانور کی کھال ہی کا بالشت بھر چوڑا ٹکڑا تھا جسے سامنے سینے پر لپیٹ کر فیتوں کی مدد سے پشت پر گرہ لگا کر باندھ دیا گیا تھا۔ ان کی سرخ و سفید رنگت ایسی تھی جیسے خون چھلک رہا ہو۔

یہ علاقہ سطح سمندر سے تقریباً چوبیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھا۔ اچھی خاصی سردی تھی اور مجھے حیرت تھی کہ اتنی سردی میں یہ لوگ اس مختصر لباس میں کیسے زندہ تھے۔

رستوگی ہمیں اس جھونپڑے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس وقت شام ہورہی تھی۔ ایک آدمی نے آکر مشعل جلادی اور عورتوں اور بچوں سے کچھ کہتا ہوا واپس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ عورتیں اور بچے بھی باہر چلے گئے۔

میں بھی جھونپڑے سے باہر آگیا۔ ایک آدمی یاکوں پر سے ہمارا سامان اتار رہا تھا۔ خچر وہاں نظر نہیں آرہے تھے۔ مارتھا وغیرہ بھی جھونپڑے سے باہر آگئی تھیں۔ ہم چند قدم آگے بڑھ کر جھیل کے کنارے پتھروں پر بیٹھ گئے۔ بہت دور دو کشتیاں جھیل کی پرسکون سطح پر تیرتی ہوئی کنارے کی طرف آرہی تھیں۔ جھیل کا دوسرا کنارہ پہاڑوں سے ملا ہوا تھا اور وہ پہاڑی سلسلہ بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ انہی پہاڑوں سے بہنے والے پانی سے یہ جھیل معرض وجود میں آئی تھی۔

شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا۔ ہمارے آس پاس کھڑی ہوئی عورتیں اور بچے جا چکے تھے اور ہم وہاں اکیلے رہ گئے تھے۔ ہماری جو کیفیت تھی وہ تو تھی ہی لیکن مارتھا کے چہرے پر سنسنی کے عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ مضطرب تھی۔ اپنی نئی کتاب کے لیے مواد کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی اور یہاں شاید اسے کچھ زیادہ ہی سنسنی خیز مواد ملنے کی توقع تھی۔

مارتھا برازیل کی سیاحت بھی کرچکی تھی جہاں صدیوں پہلے انکا قوم آباد تھی۔ برازیل کے خطرناک اور منجمد جنگلوں میں اب بھی ایسے قبیلے آباد تھے جن کے ہاں بڑی عجیب و غریب اور پراسرار رسوم رائج تھیں۔ وہ انکا کی سرزمین سے بہت متاثر ہوئی تھی لیکن نیپال اس کے لیے ایک نئی دنیا تھی۔ یہاں قدم قدم پر اس کا حیرت انگیز واقعات سے سامنا ہورہا تھا۔

مارتھا یہاں سے مستانگ جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

مستانگ کے بارے میں مجھے شیرپا بہت کچھ بتا چکا تھا اور جب میں نے مارتھا کو بتایا کہ مستانگ قبیلے کی عورتیں تین تین شادیاں کرتی ہیں اور اس قبیلے کی موجودہ مہارانی بیک وقت تین شوہروں کی بیوی ہے تو مارتھا اچھل پڑی۔ اسے میری بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تھوڑے ہی دنوں میں تم وہاں جانے والی ہو۔ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ مستانگ قبیلے کے تین چار مرد تمہیں پسند کرکے بیک وقت تم سے شادی کرلیں اور۔۔۔"

"نہیں۔" مارتھا چیخ اٹھی "پلیز! چپ رہو۔ میں ایسا خوفناک مذاق پسند نہیں کرتی۔"

قریب بیٹھی ہوئی دھنو قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

سورج غروب ہونے پر خنکی بڑھ گئی تھی اور اندھیرا بھی گہرا ہوگیا تھا لیکن ہم لوگ وہیں بیٹھے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد رستوگی واپس آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ رستوگی کے اشارے پر اس شخص نے ہمارا سامان اٹھا کر جھونپڑے کے اندر رکھ دیا۔ ہم بھی جھونپڑے کے اندر آگئے۔

یہ ایک ہی بڑا سا کمرا تھا۔ تین دیواروں کے ساتھ بینچوں کی طرح مٹی کے چبوترے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف اسٹول نما ایک چھوٹے چبوترے پر ایک مٹکا بھی رکھا ہوا تھا جس کے ڈھکنے پر مٹی ہی کا پیالہ بھی موجود تھا۔

فرش پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور ایک طرف یاک کی کھالوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ رستوگی اپنے تندرست ہاتھ سے کھالیں اٹھا کر بچھانے لگا تو میں بھی اس کی مدد کو پہنچ گیا۔

"تم لوگ یہاں آرام کرو۔" رستوگی اپنے سامان میں سے ایک تھیلا اٹھاتے ہوئے بولا "کھانے کے بعد سردار تم لوگوں سے ملاقات کرے گی۔"

"ہم سے ملاقات؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس بستی میں آنے والا ہر شخص سردار کا مہمان سمجھا جاتا ہے۔" رستوگی نے جواب دیا "اور مہمانوں کا سردار کی خدمت میں حاضری دینا بھی ضروری ہے۔ یہاں آنے والے ہر شخص کے لیے بستی کے اصولوں اور قوانین کی پابندی بھی لازمی ہے۔ سردار تمہیں خود بھی بتائے گی۔ یہاں کے لوگ یوں تو بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں لیکن بعض لوگ اجنبیوں کی آمد کو پسند نہیں کرتے اس لیے میں مشورہ دوں گا کہ سردار سے ملاقات سے پہلے تم لوگ اس جھونپڑے سے نکل کر زیادہ دور مت جانا۔"

رستوگی چلا گیا۔ اس کی باتوں سے میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ اس نے جن بعض لوگوں کا ذکر کیا تھا ان کی وجہ سے ہمیں کچھ مشکلات بھی پیش آسکتی تھیں۔

لیکن ہم اس بستی پر قبضہ کرنے تو نہیں آئے تھے۔ نہ ہی ہمارا یہاں حکومت کرنے کا کوئی ارادہ تھا۔ میں تو چاہتا تھا کہ ہم جلد سے جلد یہاں سے نکل جائیں لیکن مجھے لگتا تھا کہ ہمیں کچھ دن یہاں رکنا پڑے گا۔

ہم فرش پر بچھی ہوئی کھالوں پر نیم دراز باتیں کرتے رہے۔ تین دن کے اس طویل سفر نے ہم سب کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ باتیں کرتے کرتے میں اونگھنے لگا۔

اور پھر اچانک مجھے یوں لگا جیسے کوئی آدمی اٹھ کر جھونپڑے سے باہر گیا تھا۔ وہ دراز قامت آدمی تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ وہ باہر نکل چکا تھا اور میں یہ بھی نہیں دیکھ سکا کہ وہ کیا چیز تھی۔

میں اٹھ کر تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ میرا خیال تھا' وہ کوئی چور تھا جو کوئی چیز چرا کر لے جارہا تھا۔

میں جھونپڑے سے باہر نکلا تو وہ دراز قامت شخص سیدھا جھیل کی طرف جارہا تھا اور پھر مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ جھیل میں اتر گیا تھا اور پانی کی سطح پر اس طرح چل رہا تھا جیسے پختہ سڑک پر چل رہا ہو۔

میں اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ شخص پانی کی سطح پر کئی گز آگے جاچکا تھا۔ میرے قدم بھی آگے اٹھتے گئے۔ میں بھی پانی کی سطح پر چل رہا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے قدم روئی کے نرم گالوں پر پڑ رہے ہوں۔

اچانک وہ شخص رُک گیا۔ وہ میری طرف مڑا تو اس کی صورت دیکھ کر مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ یوگی گوتم بھوش تھا!

اُس کے ہاتھ میں ایک انسانی کھوپڑی تھی جسے اس نے بالوں سے پکڑ کر لٹکا رکھا تھا۔ گردن سے کٹی ہوئی کھوپڑی سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے بھی خون ٹپک رہا تھا اور اس کے چہرے کے نقش دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ میرا چہرہ تھا!

میں کبھی خون ٹپکاتے ہوئے اپنے چہرے کو اور کبھی گوتم بھوش کو دیکھ رہا تھا۔ گوتم بھوش کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔

فضا شیطانی قہقہوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

میں متوحش نظروں سے کبھی گوتم بھوش کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے اپنے چہرے کو اور کبھی گوتم بھوش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گوتم بھوش کے قہقہے اب تھم گئے تھے۔ اس کی آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔

میں ایک سیکنڈ اپنی جگہ پر رکا اور پھر گوتم بھوش کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ میرے اندر ایک نئی توانائی انگڑائیاں لینے لگی۔ کوئی غیر مرئی قوت مجھے آگے بڑھنے پر اکسا رہی تھی۔

گوتم بھوش میری طرف آرہا تھا لیکن پھر یکایک وہ رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے بجائے وحشت سی ابھرنے لگی۔ خوف اور وحشت کی وجہ سے چہرے کے تاثرات بھی بگڑنے لگے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ پہلے وہ پانی کی سطح پر تھا لیکن اب اس کے پیر ٹخنوں تک پانی میں دھنس رہے تھے جیسے وہ کسی دلدل میں چلنے کی کوشش کررہا ہو۔

اچانک وہ چیخ اٹھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر میری کھوپڑی میری طرف کھینچ ماری۔ میں پھرتی سے جھک کر اپنے آپ کو کھوپڑی کی زد میں آنے سے بچا گیا لیکن خون کے چھینٹے میرے چہرے' گردن اور سینے پر پڑے۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے اوپر تیزاب انڈیل دیا ہو۔ میں بری طرح چیخ اٹھا۔ مجھے کسی نے بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور میں چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہا تھا لیکن میری مزاحمت بتدریج کمزور پڑتی گئی۔ ایک آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہمت سنگھ! آنکھیں کھولو۔ آنکھیں کھولو ہمت سنگھ۔"

یہ الفاظ بار بار دہرائے جارہے تھے۔ یہ مانوس آواز مجھے ہوش میں لے آئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں ایک ہاتھ سے اپنا چہرہ' گردن اور دوسرے ہاتھ سے سینہ سہلا رہا تھا۔

میں بستر پر پڑا تھا۔ شوبھا نے مجھے بانہوں کے حصار میں لے کر اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ میں متوحش نظروں سے شوبھا کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو میں صورتِ حال کو سمجھ نہیں سکا پھر میرے حواس بحال ہونے لگے۔ میں اپنے آپ کو شوبھا کی گرفت سے چھڑا کر بیٹھ گیا۔ دھنو اور مارتھا بھی میرے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی تشویش نمایاں تھی۔ جھونپڑے کے دروازے میں بھی ایک عورت اور دو آدمی کھڑے تھے۔

"ہم۔ مجھے کیا ہوا۔ تم لوگ میرے گرد کیوں جمع ہو؟" میں نے شوبھا وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے تھے۔" شوبھا نے جواب دیا "تم اس زور سے چیخ رہے تھے کہ میں بھی کانپ کر رہ گئی تھی اور یہ دونوں بھی خوف زدہ ہوگئی تھیں۔" اس نے دھنو اور مارتھا کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ہاں۔ شاید میں کوئی ڈراؤنا خواب ہی دیکھ رہا تھا۔" میں نے کہا لیکن بتایا نہیں کہ وہ خواب کیا تھا۔

اور وہ خواب میرے ذہن پر گویا چپک کر رہ گیا تھا۔ اس بھیانک خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اس خواب نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ گوتم بھوش یہاں میری آمد سے باخبر ہوچکا تھا اور میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ چاپ پر بیٹھے ہونے کے باوجود اس نے خود مجھے روکنے کی کوشش شروع کردی تھی اور یہ خواب میرے لیے گویا ایک وارننگ بھی تھا۔

جھونپڑے کے دروازے میں کھڑی ہوئی وہ عورت اور دونوں مرد کچھ دیر تک میری طرف دیکھتے رہے پھر واپس چلے گئے۔ وہ بھی شاید سمجھ گئے تھے کہ میں خواب میں ڈر گیا تھا۔

چند منٹ بعد رستوگی بھی آگیا۔ وہ بھی کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔ ہم سب کو خیریت سے دیکھ کر اس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔ وہ کسی دوسرے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے اسے میرے چیخنے کی اطلاع دی تھی اور وہ بدحواس ہو کر بھاگا آیا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" شوبھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "دھنو اور ہمت سنگھ میں کبڈی ہورہی تھی۔ دھنو نے ہمت سنگھ کو لپیٹ لیا تو یہ شکست کے خوف سے چیخنے لگا تھا۔"

"کبڈی کیا ہوتا ہے؟" رستوگی نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پنجاب کا ایک دلچسپ کھیل ہے۔ تمہارے ہاں بھی کھیلا جاسکتا ہے لیکن اس کا طریقہ اور تفصیل پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ اس وقت تو بھوک سے جان نکلی جارہی ہے۔ کھانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" شوبھا بولی۔

"کھانا بس تیار ہے۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" رستوگی یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اس مرتبہ اس کی واپسی تقریباً بیس منٹ بعد ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ ایک جوان لڑکی بھی تھی جس نے چاولوں سے بھرا ہوا ایک بڑا سا طشت اٹھا رکھا تھا۔ لڑکی نے جھک کر طشت ہمارے درمیان چٹائی پر رکھ دیا۔ گرم گرم چاولوں سے بھاپ اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ چاولوں میں گوشت کی بڑی بڑی بوٹیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ رستوگی بھی ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا جبکہ وہ لڑکی واپس چلی گئی تھی۔

یاک کے گوشت والے یہ چاول کھا کر مجھے لاہوری پلاؤ یاد آگیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سنگاپور میں میری والدہ پندرہ دن میں ایک مرتبہ بکرے کے گوشت کا پلاؤ ضرور پکاتی تھی۔ یاک کے گوشت کے اس پلاؤ میں اگرچہ مسالے وغیرہ پورے نہیں تھے لیکن پھر بھی بہت مزے دار تھا۔

کھانے کے بعد رستوگی خالی طشت لے کر چلا گیا اور ہم بھی جھونپڑے سے باہر آکر کچھ دیر تک جھیل کے کنارے پر ٹہلتے رہے اور پھر پتھروں پر بیٹھ گئے۔ مجھے اپنا خواب یاد آگیا اور میں جھیل کی تاریک سطح کو گھورنے لگا۔

خنکی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ دھنو میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور شوبھا اور مارتھا ہم سے کچھ دور ایک دوسرے پتھر پر بیٹھی گپیں ہانک رہی تھیں۔

بستی میں لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ خاصی بڑی بستی تھی اور میرے اندازے کے مطابق اس کی آبادی چار سے پانچ ہزار کے درمیان ضرور ہوگی۔ بستی کے لوگ دیر تک جاگنے کے عادی تھے اور میرے خیال میں یہاں کم از کم تین چار ریسٹورنٹ یا ایسی جگہیں ضرور تھیں جہاں لوگ بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہوں گے۔

باتوں اور قدموں کی آواز سن کر میں ایک طرف دیکھنے لگا۔ دو جھونپڑے آگے کچھ لوگ گلی سے نکل کر جھیل کی طرف آگئے تھے اور اب ان کا رخ ہماری طرف تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید بستی کے کچھ لوگ ہمیں دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ یہاں آنے والے اجنبی بستی کے لوگوں کے لیے تماشا ہی تو ہوتے تھے۔

ایک آدمی ان سے الگ ہو کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے آگیا۔ وہ رستوگی تھا۔ اس نے بتایا کہ قبیلے کی سردار کاشی ہم سے ملنے آئی ہے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ مارتھا وغیرہ بھی میرے قریب آگئیں اور ہم اپنے جھونپڑے کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔

میرا خیال تھا کہ ہمیں سردار کے جھونپڑے میں لے جاکر اس کے سامنے پیش کیا جائے گا لیکن وہ خود ہی چلی آئی تھی۔ ہم نے جھونپڑے کے دروازے پر ان کا استقبال کیا اور پھر اندر آگئے۔

کاشی کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو میرے دل کی دھڑکن بے قابو ہوگئی تھی۔ میرا دعویٰ تھا کہ کوئی بھی مرد اسے دیکھ کر ایک لمحے کو تو سانس لینا بھول جاتا ہوگا۔ دراز قامت، سڈول جسم، چہرے کے نقوش نہایت دل فریب اور آنکھیں تو واقعی ایسی تھیں کہ اسے آہو چشم کا خطاب دیا جاسکتا تھا۔ یوں تو اس کے خوب صورت بدن کے ہر حصے سے دلکشی پھوٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھی لیکن سب سے نمایاں اس کے خدوخال تھے۔ اس نے لباس بھی ایسا پہن رکھا تھا کہ سینے میں بے اختیار گدگدی کا احساس ہونے لگا تھا۔ گھٹنوں سے اوپر تک یاک کی کھال کا اسکرٹ اور بلاؤز بھی چمڑے ہی کا تھا جس سے اس کا سینہ پوری طرح ڈھکا ہوا نہیں تھا۔ اس کی پشت بالکل برہنہ تھی۔ اس کے بال شہد کی رنگت کے تھے جن میں کئی چھوٹی چھوٹی مینڈھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے گلے میں تازہ پھولوں کے ہار تھے۔ کلائیوں میں بھی گجرے تھے اور بالوں میں بھی دو سرخ پھول ٹکے ہوئے تھے۔

اس کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں اور ایک مرد بھی۔ وہ دونوں عورتیں بھی کاشی جیسا ہی لباس پہنے ہوئے تھیں اور مجھے حیرت ہوئی تھی کہ یہاں کے لوگ شدت کی سردی کس طرح برداشت کرتے تھے لیکن یہ بات بھی تھی کہ یہ لوگ موسم کی شدت کے عادی تھے۔

مرد نے ہاتھ میں ایک لمبی سی لاٹھی سنبھال رکھی تھی جس کے نچلے حصے میں تقریباً چھ انچ لمبی برچھی لگی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً کاشی کا باڈی گارڈ تھا جو دروازے کے قریب جم کر کھڑا ہوگیا تھا جبکہ کاشی اور اس کی ساتھی عورتیں ہمارے ساتھ فرش پر بچھی ہوئی یاک کی کھالوں پر بیٹھ گئی تھی۔ کاشی میرے سامنے بیٹھی تھی اور اس کے بیٹھنے کا انداز ایسا تھا کہ مجھے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ شوبھا نے کن انکھیوں سے بڑی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

کاشی کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت اور پیشانی پر بھی عجیب سی چمک تھی۔ کسی گروہ، قبیلے یا ریاست پر حکمرانی کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذہانت اور طاقت اور کاشی کے بارے میں، میں پورے وثوق اور دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ اس کے پاس ذہانت کی کمی نہیں تھی۔ قبیلے میں اس کی سیاسی قوت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن حسن کی طاقت کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے، اسی قوت اور ذہانت کے بل

بوتے پر وہ اس قبیلے کی سردار بھی بنی ہو۔

کاشی یہ دریافت کرنے آئی تھی کہ ہم کون ہیں، یہاں کیوں آئے ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے اسے مارتھا کے بارے میں بتا دیا کہ وہ مصنفہ ہے اور کتاب لکھنے کے لیے اس خطے کی سیاحت کررہی ہے۔

"اور تم لوگ؟" اس نے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھا۔

"ہم سیلانی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ کوئی منزل نہیں ہے۔ جس طرف منہ اٹھتا ہے، چل پڑتے ہیں۔ ایک دو دن یہاں رہیں گے پھر کسی اور طرف چل پڑیں گے۔"

"انسان سوچتا بہت کچھ ہے لیکن اپنی خواہشات کو پورا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔" کاشی نے کہا۔

کاشی کی اس بات پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہم آسانی سے یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔

سفر کے دوران میں رستوگی نے تلکو قبیلے کے بارے میں ہمیں چند اہم معلومات فراہم کی تھیں۔ ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ اس قبیلے میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی اور دوسری اہم بات یہ کہ اس قبیلے کی سردار بھی کوئی عورت ہی بن سکتی تھی۔ سردار کے لیے کنواری ہونا لازمی تھا۔ سرداری ملنے کے بعد وہ قبیلے کے کسی بھی مرد سے اپنی خواہشات پوری کرسکتی تھی۔ کسی عورت کو سرداری دو سال کے لیے ملتی تھی اور سرداری ..... حاصل کرنے کے لیے ایک مقابلے کے مرحلے سے گزرنا پڑتا تھا اور وہ مقابلہ کس قسم کا تھا؟ اس سلسلے میں رستوگی نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ تاہم میری معلومات میں اتنا اضافہ ضرور کیا تھا کہ سردار کے انتخاب کے بعد دشمنیاں بھی شروع ہوجاتی تھیں۔ شکست کھانے والی عورت بعض لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر سردار کے خلاف سازشیں شروع کردیتی تھی۔ کبھی یہ سازش کامیاب بھی ہوجاتی۔ سردار کو قتل کرکے شکست خوردہ عورت سرداری کا منصب سنبھال لیتی اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ یہ کوئی نئی یا حیران کن بات نہیں تھی۔ دنیا میں ہر جگہ یہی سب کچھ ہورہا تھا۔ اقتدار کے لیے ایک دوسرے کے گلے کاٹے جارہے تھے۔ کہیں چھوٹے پیمانے پر اور کہیں بڑے پیمانے پر۔

کاشی کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کے حالات بھی سازگار نہیں تھے۔ اسے بھی دشمن کی سازشوں کا سامنا تھا۔

کاشی تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے جھونپڑے میں رکی اور پھر واپس چلی گئی۔ اس دوران میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ اسے ایک غیر رسمی ملاقات کہا جاسکتا تھا۔ تاہم اس کی بعض باتوں سے میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ یہ دیکھنے آئی تھی کہ ہم کہیں اس کے دشمنوں کی دعوت پر تو یہاں نہیں آئے اور اس کے خلاف کوئی سازش کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے!

رستوگی بھی کسی اور جھونپڑے میں چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک عورت ہمیں کچھ کمبل دے گئی تھی۔ ہم اپنی اپنی ٹگلوں پر کمبل اوڑھ کر لیٹے کاشی ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

رات بیتتی جارہی تھی۔ باہر سناٹا تھا تاہم کبھی کبھی جھونپڑے کے سامنے سے کسی کے گزرنے کی آواز سنائی دے جاتی۔

شوبھا اور دھنو سو چکی تھیں۔ مارتھا مشعل کے قریب کمبلوں میں لپٹی بیٹھی ڈائری لکھ رہی تھی۔ مزید آدھے گھنٹے بعد اس نے ڈائری بند کردی اور مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

ہم کافی دیر تک سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے پھر مارتھا بھی جماہیاں لینے لگی۔

وہ تینوں سو چکی تھیں۔ میں کمبل میں دبکا صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ گوتم بھوش کا چلّہ پورا ہونے میں چودہ دن رہ گئے تھے۔ اسے بھی پتا چل گیا تھا کہ میں اس کے قرب و جوار میں پہنچ چکا ہوں۔ وہ مجھے روکنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔

میں جلد سے جلد نیلگری کے پہاڑوں میں پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن کاشی سے ملاقات کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہاں سے نکلنا آسان ثابت نہیں ہوگا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ باہر مکمل طور پر سناٹا تھا۔ میں بھی سونے کی تیاری کررہا تھا کہ ہلکی سی آواز سن کر چونک گیا۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی بہت محتاط انداز میں چلنے کی کوشش کررہا ہو۔ میں نے سرہانے رکھا ہوا پستول اٹھالیا اور اپنی جگہ پر بے حس و حرکت لیٹا جھونپڑے کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔

قدموں کی دبی دبی سی آواز قریب آتی گئی۔ میری نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔ آواز رک گئی اور دروازہ ایک ایک انچ کرکے آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ میں نے مارتھا وغیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ تینوں کمبلوں میں دبکی گہری نیند سو رہی تھیں۔

میں پھر گردن گھما کر نیم وا آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلتا گیا اور پھر ایک عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ اندر آنے کے بجائے باہر ہی کھڑی آگے جھک کر متجسس نظروں سے جھونپڑے کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ آہستگی سے بند کردیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا نیزہ تھا لیکن اس نے جس انداز سے نیزہ پکڑ رکھا تھا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اسے استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔

وہ کمرے کے وسط میں رک کر ایک بار پھر متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر میری طرف بڑھی۔ وہ ایک ہاتھ آگے بڑھا کر میری طرف جھکی۔ وہ غالباً میرے پیروں پر ہاتھ رکھ کر مجھے ہلانا چاہتی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا تھا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول نے اسے اور بھی خوف زدہ کردیا تھا لیکن اس نے حیرت انگیز طور پر فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی جو کاشی کے ساتھ آئی تھیں۔ اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا اور شوبھا وغیرہ کی طرف دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

میں اپنے اوپر سے کمبل ہٹا کر اٹھ گیا اور شوبھا وغیرہ کی طرف دیکھتا ہوا اس عورت کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا ذہن اس وقت بری طرح الجھ گیا تھا۔ رات کے سناٹے میں یہ عورت یہاں کیوں آئی تھی اور مجھے اس طرح رازداری سے جھونپڑے سے باہر کیوں لے جارہی تھی۔ رستوگی کی باتیں میرے دماغ میں بازگشت سی پیدا کرنے لگیں۔ اس قبیلے میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق ایک مرد کے حصے میں تین عورتیں آتی تھیں اور یہاں مخالف صنف سے تعلقات پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ تو کیا یہ عورت بھی اسی نیت سے یہاں آئی تھی اور مجھے کسی ایسی جگہ پر لے جارہی تھی جہاں کسی دوسرے کی مداخلت کا اندیشہ نہ ہو۔

وہ جھونپڑے سے دو تین قدم آگے نکل کر رک گئی تھی۔ میں بھی اس کے قریب رک گیا اور الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے ساتھ چلو۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ لہجے میں تحکمانہ عنصر نہیں تھا۔ اسے دوستانہ انداز کہا جاسکتا تھا۔

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں کاشی نے طلب کیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس وقت!" میرا دماغ گھوم گیا۔

"کاشی پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ کسی بھی وقت کسی کو بھی طلب کرسکتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے جھونپڑے کے دروازے کی طرف دیکھا اور مزید جرح کیے بغیر اس کے ساتھ چل پڑا۔ میرا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔ کاشی قبیلے کی سردار تھی۔ شام کو وہ ہم سے مل کر گئی تھی۔ وہ مجھے دن میں کسی وقت طلب کرسکتی تھی لیکن آدھی رات کے بعد اس طرح رازداری سے بلانے کا کیا مطلب ہوسکتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔

تقریباً دس منٹ تک تاریک اور سنسان گلیوں میں گھومنے کے بعد ہم بستی کی دوسری طرف ایک بار پھر جھیل کی طرف نکل آئے۔ بستی کے آخری مکان سے تقریباً سو گز آگے ایک بڑے مکان کا ہیولا نظر آرہا تھا۔ حویلی نما وہ مکان ایک ٹیلے پر بنا ہوا تھا اور اس کی دیواریں بھی کافی بلند تھیں۔

وہ عورت حویلی کے پھاٹک کی طرف جانے کے بجائے شمال کی بائیں طرف جارہی تھی جہاں قدِ آدم جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ میں اس عورت کے پیچھے پیچھے جھاڑیوں میں چلتا رہا۔ وہ دیوار کے قریب ایک جگہ رک گئی جہاں کھڑکی کی طرح کا ایک دروازہ تھا۔ اس نے دروازے پر ہولے سے ہاتھ مارا۔ دوسری مرتبہ ایسا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ پہلی مرتبہ ہاتھ مارتے ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات ساتویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں
جو کہ دسمبر 2003ء میں شائع ہوگا